حوا کے روپ ہزار

A contact loved ones.
ایک رابطہ اپنوں سے
Aik Rabta Apno Se.
پاکستانی پوائنٹ
www.PakistaniPoint.Com

رفاقت جاوید

حوا کے روپ ہزار

رفاقت جاوید

وقار اعظم پاکستان پوائنٹ ڈاٹ کام

القریش پبلی کیشنز
سرکلر روڈ چوک اردو بازار لاہور
فون: 042-37652546, 37668958

وقار اعظم
پاکستانی پوائنٹ ڈاٹ کام

جملہ حقوق بحق مصنفہ محفوظ ہیں

نام کتاب .... حوا کے روپ ہزار

طباعت .... بخاری پریس، لاہور

سن اشاعت 2014

قیمت .... -/300 روپے

انتساب

يَهۡدِي اللّٰهُ بِنُورِهٖ مَنۡ يَشَاءُ

(اللہ دیتا ہے ہدایت اپنے نور سے جس کو چاہے)

اللہ تعالیٰ کے نام

جس نے ہمیں بے حساب نعمتوں سے نوازا

پیش لفظ

عزیز قارئین کرام! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ!

آج کل اُٹھتے بیٹھتے اور چلتے پھرتے ہماری زبان پر ایک ہی تکیہ کلام ہے کہ ہم زوال کے شکنجے میں گرفتار ہو چکے ہیں۔ رہائی ناممکن ہے۔ کیونکہ اخلاقیات میں پستی اور کردار میں پرلے درجے کی بدکاری آ چکی ہے۔ قیامت کے برپا ہونے میں بہت تھوڑا سا وقت باقی رہ گیا ہے۔ ہمارے آباؤ اجداد کا زمانہ ایسا تو نہیں تھا۔ اِن لوگوں میں وضع داری اور لحاظ جوئی تھی۔ خدمتِ خلق کا جذبہ ہر ذی روح میں موجود تھا۔ ماضی کو خوب سے خوب تر اور حال کو بد سے بدتر بیان کرنا ہمارا شیوہ بن چکا ہے۔ دور کے ڈھول سہانے اور دور کی بلند و بالا اور سرسبز و شاداب پہاڑوں کی چوٹیاں ہمیں کس قدر بھلی لگتی ہیں۔ ان سے واسطہ پڑے تو ہمیں آج کے زمانے کے مترادف ہی معلوم ہوں گی۔ مگر اس انسانی فطرت کا کیا کِیا جائے جس کی غذا ہی تنقید ہے۔

کچھ سال قبل یونان میں آثارِ قدیمہ کی کھدائی کی گئی تو وہاں سے ایک کتبہ نکلا جس کی عمر ساڑھے تین ہزار سال تھی۔ اس پر یہ عبارت کندہ تھی۔ کہ بے حیائی، بداخلاقی اور بدکاری اس حد تک بڑھ گئی ہے کہ بس قیامت آنے والی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ انسان ہر زمانے میں حال کو تنقیدی اور ماضی کو تعریفی انداز میں دیکھتا آیا ہے۔ اور جو شے ہماری دسترس میں نہیں ہوتی وہ اسے ہمیشہ بہترین اور فائدہ مند معلوم ہوتی ہے۔

ہر ذی روح کی حیات میں کچھ ایسی لافانی اور ناقابل فراموش گھڑیاں آتی ہیں، کچھ ایسے روح فرسا حادثات اور ناگہانی آفات آناً فاناً زندگی میں تلخی اور سیاہی بھرنے لگتی ہیں کہ ایمان متزلزل ہونے لگتا ہے۔ انسان پر جوانی ہو یا عالم ضعیفی ہو، سکونِ قلب کی خاطر رب العزت کے سامنے سجدہ ریز ہو جاتا ہے یا اسی کی صورت اسی کی پیدا کردہ مخلوق میں ڈھونڈنے لگتا ہے۔

میرا ساتواں ناول ''حوّا کے رُوپ ہزار'' سچائی کے ساتھ راہنمائی بھی ہے۔ ماؤں،

بہنوں اور بیٹیوں کے لئے اِک سبق بھی ہے کہ شک انسانی کردار کو کتنا گھناؤنا کر سکتا ہے کہ حالات قابو میں نہیں رہتے۔

پھر ان سب کے لئے جو اپنے دین اسلام کے قوانین اور ضوابط سے بے بہرہ ہیں اور انجانے میں ہی اپنی اولاد کو ایسے مذہبی پیشواؤں کے حوالے کر دیتے ہیں، جنہیں اپنے رب کا پاکیزہ اور حسین پیغام دینے کا شعور نہیں۔ وہ ان طریقوں سے ہی نا آشنا ہیں جو انسانی اخلاقیات کو بلند و بالا کر سکتے ہوں۔ جس کے نتیجے میں بے شمار نقوش ان کی نئی نسل میں عجیب رنگوں میں واضح ہونے لگتے ہیں۔

یہ مسائل آج کے نہیں، صدیوں سے چلے آ رہے ہیں۔ لیکن آج کے دور میں جاننے پہچاننے اور پڑھے لکھے علماء کی کمی نہیں۔ قرآنِ کریم کو پڑھنا اور سمجھنا آسان ہو گیا ہے۔ اس پر عمل کرنے کے اختیارات کی کنجی بھی یہی تعلیم ہے۔

آپ کے سامنے میں نے ماضی اور حال کے سچے قصے بیان کئے ہیں۔ میری ہر کہانی کی بنیاد سچائی پر رکھی جاتی ہے۔ بے شک سچ بے حد کڑوا بھی ہوتا ہے مگر کڑواہٹ وقتی ہوتی ہے۔ اس کی لطافت اور حلاوت ابدی ہوتی ہے۔ مجھے آپ کی آراء کا انتظار رہے گا۔ شکریہ۔

میں بے حد خلوص و فخر سے محمد علی قریشی صاحب کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتی ہوں جنہوں نے میرے ساتھ حرفِ اوّل سے نہایت مخلصانہ طریقے سے تعاون کیا ہے۔

آپ سب کے لئے میری پُر خلوص دعائیں

رفاقت جاوید

قبروں پر پاؤں پڑتے ہی وہ ڈر اور خوف سے چیختے ہوئے بلند آواز میں **قَالُوٓ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ**O پڑھتے ہوئے خود کو سنبھالنے کی کوشش کرنے لگی۔ مگر حلق سے نکلنے والی دلسوز چیخوں میں بتدریج اضافہ ہوتا چلا گیا۔ بارش کی رم جھم، بادل کا گرجنا، بجلی کا چمکنا اور قبروں کے درمیان برگد کے بارعب درخت نے ماحول کو شدت انگیز بنا رکھا تھا۔

نسوانی چیخوں کی آواز پر بے جی نے کروٹ بدلی ہی تھی کہ قبرستان کی طرف کھلنے والی کھڑکی تواتر اور تیزی سے پٹی۔ رات کی گھٹا ٹوپ تاریکی اور قبرستان کی ہولناک خاموشی نے بے جی کے ناتواں دل کو لمحہ بھر کے لئے دہلا دیا اور چونک کر ٹارچ کی روشنی میں دیوار پر آویزاں کلاک کے بوسیدہ اور دھندلائے ہوئے حروف ابجد کو غور سے دیکھنے لگیں۔

انہوں نے اپنے اوپر سے لحاف کو ایک طرف آہستگی سے پھینکا۔

''عین تہجد کا وقت ہے۔ آج نیند اتنی گہری تھی کہ عبادت کا سمے گزر جاتا۔ یا رسول اللہ۔ یہ آواز ضرور مجھے جگانے کے مقصد سے باری تعالیٰ نے آسمان سے نازل فرمائی۔ ہے۔ واہ میرے مولا! تُو ہی بڑی ہستی ہے۔ تُو غفور الرحیم ہے جس نے میرے اندر اپنی روح پھونک کر مجھے اپنا بنا لیا۔''

Pakistanipoint
Waqar Azeem

وہ بڑبڑاتی ہوئی کمرے سے ملحقہ غسل خانے میں چلی گئیں۔ جست کی زنگ آلود بالٹی سے ٹھنڈا یخ پانی لوٹے میں ڈال کر وضو کرنے کی تیاری کرنے لگیں۔ سر سے پاؤں تک سردی کی لہر نے ان پر کپکپی طاری کر دی تھی۔ اس روز کے معمول سے وہ بوڑھی ہڈیوں کے چٹخنے کی آواز پر مسکرائیں۔

'میں ایمان کی مضبوطی میں ہمت ہارنے والی عورت نہیں ہوں۔ جسے ایمان کی دولت مل جائے وہ غریب اور مجبور نہیں کہلاتی۔'

غیر ارادی طور پر دھیان پھر دروازے کی جانب چلا گیا تو وہ مسکرا کر خود کلامی کرتی ہوئی کمرے میں آ گئیں۔

''یا رسولؐ اللہ! اب تو اس رحمت کے فرشتے کو واپس بلا لیجئے۔ (یا رسولؐ اللہ ان کا تکیہ کلام تھا)۔ آپ کی گناہ گار بندی آپ کے حضور عبادت کے لئے حاضر ہے۔''

یہ کہتے ہوئے وہ حیرت و فکرمندی سے تار تار مٹیالے رنگ کی گرم شال میں خود کو لپیٹتے ہوئے شال کا ایک کونہ ناک تک کھینچ لائیں۔ اور لالٹین اُٹھا کر دروازے کی جانب ہو لے

ہولے چل پڑیں۔

ان کے آبائی قبرستان کی طرف کھلنے والی کھڑکی سورج کی پہلی کرن کے ساتھ کھل جاتی تھی اور عشاء کی نماز سے فارغ ہونے کے بعد کنڈی سے اسے بند کر دیا جاتا تھا۔ یہ راستہ عام لوگوں کے لئے ممنوع قرار دیا گیا تھا۔ فقط بے جی استعمال میں لاتی تھیں۔ بے جی کا تجسس لازم تھا۔

''آج فرشتے بے دردی سے اسے توڑ کر ہی دم لیں گے۔'' وہ مسکرا کر بڑبڑائیں۔ ''یارسولؐ اللہ! اس وقت کہیں حضرت عزرائیل تو نہیں آ دھمکے؟......نہیں، ان کی تشریف آوری کا اعلان نہیں ہوتا۔ کوئی جاننے والی ہی اس وقت یہ گستاخی کر سکتی ہے۔ عین تہجد کے وقت۔ بے چاری بہت مجبور، بے بس اور حاجت مند لگتی ہے۔ جسے قبرستان کی ہولنا کی نے بھی نہیں روکا۔''

وہ سوچتے ہوئے کھڑکی کی طرف بڑھ گئیں۔ میلی کچیلی، ٹوٹی پھوٹی لکڑی کی سال خوردہ کھڑکی کی جھری سے بغیر عینک کے ایک آنکھ سے دیکھنے کی کوشش کرنے لگیں۔ جان لیوا تاریکی اور بارش کی بے درد و بے قابو تیز بوچھاڑ نے قبرستان کے ماحول کو خاصا ہولناک بنا ڈالا تھا جس کا وہ صرف اندازہ ہی لگا سکیں۔ کیونکہ سوائے تاریکی کے، ان کے سامنے اور کوئی تصویر نہ تھی۔ صرف کھڑکی کے گرنے کا گماں ہو رہا تھا۔

اور ساتھ ہی بارش کی بوچھاڑ تیز ہو گئی۔ نسوانی فلک شگاف چیخوں میں تیزی آ گئی۔ اب بے جی ہیبت زدہ ہو کر لرزنے لگیں۔ ضعیف، لاغر اور کمزور بدن میں سردی کی شدت نے ہڈیوں کے گودے کو تو برف بنا ہی دیا تھا، ذہن بھی ماؤف ہونے لگا تھا۔ دل کی دھڑکن کی آواز بھی سماعتوں میں ڈر اور خوف کی گھنٹیاں بجانے لگی تھی۔

''یہ بھی کوئی وقت ہے میرے پاس آنے کا۔ عجیب ہی عورت ہے۔ کم عقل کہیں کی۔'' وہ خود پر قابو پا کر بڑبڑائیں۔ ''یارسولؐ اللہ! رات کے دوسرے پہر کا بھی اپنا ہی رعب و خوف ہوتا ہے۔ لگتا ہے اس تنہائی اور خاموشی میں اللہ تعالیٰ زمین پر اپنے نیک، پرہیز گار اور اس سے محبت و عقیدت کرنے والے بندوں کی داد و فریاد سننے اُتر آتا ہے۔ میں اس کی پیدا کردہ مخلوق میں سے ایک ناتواں اور ناچیز ہستی ہوں۔ اس وقت کسی سوالی کے لئے اتنی اہم کیسے ہو گئی؟ جائے اپنے رب کے سامنے اپنا سوال رکھ دے۔ وہ آج نہیں تو کل ضرور سنے گا۔''

وہ خود کلامی کرتی ہوئی عینک ڈھونڈنے لگیں۔ قبرستان کی چار دیواری کے اندر برگد کے صدیوں پرانے درخت کی لٹکی ہوئی داڑھی اور مونچھوں کا اپنا ہی فسوں تھا۔ سرو کے فلک بوس درخت اور دیوار پر چڑھی ہوئی بوگن ویلیا کی بیلیں اور نرگس، گلاب اور موتیا کے پودے اور رات کی رانی کی خاموشی جو بے جی کے ذوق کی نشاندہی کر رہی تھیں، چپ سادھے سجدہ ریز، بارش میں نہا رہی تھیں۔ غضب کی سردی میں ان کا دل چاہا کہ اس وقت رب کی عبادت

گزاری کے سوا کسی طرف رغبت نہیں ہونی چاہئے ورنہ اپنے رب سے گفت وشنید کا سے گزر جائے گا۔ مگر یکدم غیب سے دل میں خیال آیا اور وہ ہاتھ جوڑے سر جھکا کر بڑبڑائیں۔

''یا رسولؐ اللہ! یہ بے نیازی تو میرے مالک کو زیب دیتی ہے۔ میں کون ہوتی ہوں بے نیاز ہونے والی۔ کیا اوپر والا میری اس لاپروائی اور بے حسی کے عالم میں مجھے اپنی قربت سے نوازے گا؟ ہرگز نہیں۔ کیونکہ میرے در پر ایک مصیبت زدہ سوالی آیا ہے۔''

یہ سوچتے ہی انہوں نے لوہے کی کنڈی کھولی۔ کھٹکھٹانے کی آواز رک گئی اور دروازہ چراں چراں کرتا ہوا کھل گیا اور چیخیں رُک گئیں۔ بے جی نے لالٹین بمشکل قدرے اوپر کی اور عینک درست کر کے جائزہ لیا۔ اِک جوان لڑکی جس کی چٹیا ناگ کی مانند گھٹنوں تک بھیگنے کی وجہ سے چپکی ہوئی تھی۔ ننگے سر دو کپڑوں میں ملبوس تھی۔ دونوں بازوؤں سے اس نے اپنے سینے کو ڈھانپ رکھا تھا۔ بری طرح لرز رہی تھی۔ خوف وڈر اور بے یقینی اس کے حسین چہرے پر نمایاں تھی۔ بے جی وسوسوں میں گھر گئیں۔ تڑپ کر اسے دیکھنے لگیں۔

''تم اِک جوان لڑکی ہو۔ تمہارا عکس بھلا لگ رہا ہے۔ اس وقت آنے کا مقصد سمجھ نہیں آیا۔ کیا بہتر نہ ہوتا، صبح کا انتظار کر لیا ہوتا۔ کسی طور رات اپنے آشیانے میں گزار لی ہوتی۔ مگر تمہارا قصور نہیں۔ یہ عمر ہی باؤلی اور جذباتی ہے۔'' بے جی نے نخوت سے گھورا اور جاء نماز کی طرف چل دیں۔ وہ لڑکی ان کے پیچھے ہولے قدموں سے چل رہی تھی۔ ڈر، خوف اور سردی کی شدت میں کانپتی، لرزتی، ڈری سہمی ہوئی دھیمی سی روشنی میں کمرے کا جائزہ لینے لگی۔ ہاں دیوار کے ساتھ کچے فرش پر بانس کی سرکی والی پرانی چٹائی بچھی ہوئی تھی جس پر رُوئی کی دُلائی، تکیہ اور ایک بھاری لال مخمل کا لحاف جو پرانا ہونے کے ساتھ خاصا میلا کچیلا تھا، بے ترتیبی سے پڑا ہوا تھا۔ ایسے گمان ہو رہا تھا جیسے بے جی کی عمر کا ہو۔

کمرے کے کونے میں پتھر کی کنگ سائز پتھر کی سِل کی جاء نماز بچھی ہوئی تھی۔ اس پر بھی ایک رُوئی کا گدا اور چھینٹ کی رضائی اور دُھسہ رکھا ہوا تھا۔ سرہانے کی طرف لکڑی کے سال خوردہ صندوق پر قرآن پاک کے پاروں، تسبیحوں، تفسیروں اور دینی کتابوں کا انبار لگا ہوا تھا۔ دیوار کے ساتھ ایک پرانی آرام دہ کرسی پر فریم شدہ تصویر جو بے حد خوبرو نوجوان کی تھی، گاؤن پہنے ڈگری وصول کر رہا تھا۔ فریم نہایت احترام ومحبت سے مرجھائے اور تازہ پھولوں کے ہاروں سے مزین تھا۔ اور اس کے سامنے لکڑی کی میز پڑی تھی جس کی ایک ٹانگ ٹوٹی ہوئی تھی اور اینٹوں کے سہارے پر اپنا توازن برقرار رکھے ہوئے تھی۔ آس پاس ننگے فرش پر سیڑھیاں بے ترتیبی سے رکھی ہوئی تھیں۔ چند ثانیے کے لئے وہ اپنا کرب وخوف بھول کر اس بزرگ خاتون کی کسمپرسی پر استہزائیہ نظروں سے انہیں دیکھنے لگی۔ وہ یا رسولؐ اللہ کا ورد کرتے ہوئے کمرے میں لگی الگنی سے کپڑے آگے پیچھے کر رہی تھیں جیسے کچھ ڈھونڈ رہی ہوں۔

''یا رسولؐ اللہ! آپ پر قربان۔'' کہہ کر انہوں نے موٹی اُون کی چادر کھینچ کر اُتاری اور

اپنا ڈھلا ہوا گرم جوڑا اُتار کر جھاڑا اور اس کی طرف بڑھا دیا۔ اس نے فوراً پکڑ کر غور سے دیکھا۔ گو کہ اس لباس میں سڑاند تھی، سلوٹوں سے بھرپور بھی تھا مگر اس وقت اسے Mink لانگ کوٹ سے زیادہ قیمتی اور آرام دہ لگا۔ زیب تن کر کے اس نے سکون کا سانس لیا۔ بے جی نے اس کے ننگے مٹی میں اٹے ہوئے پیروں کی طرف دیکھا اور اپنی جگہ جگہ سے سوراخ شدہ جرابیں اُتار کر اس کی طرف پھینکیں تو اس نے فوراً انہیں اٹھایا اور پہننے لگی۔

سردی کی شدت میں سب منظور بھی تھا اور ایسے ماحول سے مانوسیت بھی تھی۔ اس لئے کچھ سوچنے کی ضرورت محسوس نہ ہوئی۔

''دھاگہ تعویذ لینے آئی ہو۔ مل جائے گا۔ پہلے تہجد پڑھ لوں۔ تم بے وقت سوالی بھی ہو اور بن بلائی مہمان بھی۔ ست بسم اللہ۔ رسوئی میں جاؤ۔ اپنے لئے چائے بناؤ اور انڈا ابال لو۔ تب تک میں عبادت سے فارغ ہو جاؤں گی۔ یا رسولؐ اللہ۔'' وہ نرماہٹ سے بولیں تو لڑکی نے انکار کی صورت میں سر کو ہلکی سی جنبش دی۔ کیونکہ زبان تو قوتِ گویائی سے محروم ہو چکی تھی۔ اور لب ابھی تک شدید سردی کی وجہ سے لرز رہے تھے۔ بے جی اس کا اشارہ فوراً بھانپ گئیں۔

''میں نے جو کہا ہے، وہی کرو۔'' وہ نرمی سے رسوئی کی جانب اشارہ کرتے ہوئے تحکمانہ انداز میں بولیں تو لڑکی خوف زدہ ہو کر پلکیں جھپکتی ہوئی ملحقہ رسوئی کی طرف بڑھ گئی۔ مٹی کی انگیٹھی میں بجھے ہوئے کوئلوں کی راکھ موجود تھی اور ساتھ ہی اینٹوں کو جوڑ کر بنایا گیا چولہا تھا جس میں لکڑیاں ترتیب سے رکھی ہوئی تھیں۔ دیوار پر دھوئیں میں اٹا ہوا شمع دان، چند ہلکی جست کے برتن۔ جنہیں دیکھ کر صدی بیت جانے کا گمان ہوتا تھا۔

یہ بے جی کی کائناتِ کُل تھی۔ وہ ہر بچے، بوڑھے اور جوان کی بے جی تھیں۔ اے جی چاچا کی زبانی سنی ہوئی ان کی سرگزشت اس کے کانوں میں گونجنے لگی اور ذہن و قلب کی شوریدگی بدستور ہر پل بڑھتی جا رہی تھی۔ گھر کی بوسیدہ اور سیلن زدہ چھت تلے احساسِ تحفظ بھی ابھی تک غیر یقینی تھا۔ ہراساں و پریشان وہ کبھی چولہے کی طرف اور کبھی ماچس کی ڈبیہ کی طرف دیکھے جا رہی تھی۔ زمانۂ قدیم کا یہ آگ جلانے کا طریقہ اب تو فلموں اور ڈراموں میں بھی نہیں دکھایا جاتا تھا۔

اس نے خود کو صدیوں کے مہیب خانے میں محسوس کرتے ہوئے سوچا کہ زندگی یوں بھی تو بیت سکتی ہے۔ ہم دنیا کے کن الجھیڑوں میں گرفتار ہیں۔ میرے رب نے مجھے سوچ وچار کے لئے ذہن دیا، فیصلہ کرنے کا اختیار دیا، ارادوں پر ثابت قدم رہنے کا شعور بخشا۔ تو پھر پریشانی کس بات کی؟ ایک در بند ہوتے ہی دوسرا در کھل گیا۔ 'واہ میرے مالک!' اُس کے دل نے بے ساختگی میں کہا۔

□......○......□

بے جی، تہجد پڑھنے کے بعد جاء نماز پر ہی گاؤ تکیے سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئیں اور مہمان لڑکی کا انتظار کرتے ہوئے اللہ کا ذکر کرنے لگیں۔ کافی دیر بعد وہ فکرمندی سے جاء نماز سے اُٹھیں اور رسوئی کی طرف بڑھ گئیں۔ لڑکی کسی گہری سوچ میں تھی۔ سردی سے کانپتے ہوئے اس نے بے جی کی طرف چونک کر دیکھا تو بے جی نے دل میں سوچا۔ 'میں جانتی ہوں کہ تم جس خاندان کی پروردہ ہو وہاں ان چولہوں کا استعمال نہیں ہوتا۔ سیکھو اگر باعزت زندگی گزارنے کی خواہش رکھتی ہو۔ یہ جو سونے کا چمچ منہ میں دبائے لڑکیاں پیدا ہوتی ہیں نا، کس قدر عاقبت نااندیش ہوتی ہیں۔ پرائے گھروں میں ایسی عیاشیاں کہاں؟ کمبخت سرگرداں ہو جاتی ہیں تلاش میں۔ راضی برضا ہونا تو سیکھا ہی نہیں۔ اور پھر دھوکا کھا جاتی ہیں۔ نہ جانے اس کا کیا مسئلہ ہے؟'

بے جی نے استفہامیہ نظروں سے اسے گھورا اور دیگچی میں گاگر سے پانی انڈیلا، لکڑیوں پر ہلکا سا کیروسین آئل چھڑک کر چولہا جلایا اور اس پر دیگچی رکھ دی اور چنگیر سے دو دیسی انڈے اٹھا کر اندر ڈال کر ڈبے سے چائے کی پتی ہاتھ سے نکالی اور دیگچی میں جھاڑ دی۔ چینی اور دودھ ڈال کر خود کو چادر میں لپیٹا اور پیڑھی پر بیٹھ کر ایک پیڑھی اس کی طرف دھکیل دی۔ لڑکی بھی بلا تامل ان کے سامنے بیٹھ گئی۔

بے جی نے مٹی کی انگیٹھی میں ڈبے سے کوئلے نکال کر ڈالے اور مٹی کا تیل چھڑک کر آگ لگائی اور ہاتھ سینکنے لگیں۔ تھوڑے توقف کے بعد گویا ہوئیں۔

''اپنی پریشانی اپنے ہمدرد کو بتانے سے دل ہلکا پھلکا ہو جاتا ہے۔ جبکہ مسائل تو اپنی جگہ اس وقت تک براجمان رہتے ہیں جب تک ان کا مقابلہ نہ کیا جائے۔ انہیں بھگانا مشکل ہرگز نہیں ہوتا۔ بس ثابت قدمی اور مستقل مزاجی کی ضرورت ہوتی ہے۔ جس کی انسانی فطرت میں کمی ہی کمی ہے۔ انسان بے صبرا ہو جاتا ہے۔ ناشکرا بن جاتا ہے۔ نادان پل بھر میں سمندر کو پار اور ہمالیہ کو سر کرنا چاہتا ہے۔ بھلا یہ کیسے ممکن ہے؟'' وہ ہمدردانہ انداز میں بول رہی تھیں۔ لڑکی اپنے بازو چادر میں لپیٹے گم سم بیٹھی تھی۔ اُمید و بیم کی روشنی اس کی مایوس آنکھوں میں اُبھری اور وہ بھی ہاتھ سینکنے لگی۔

''میرے گھر تک آ ہی گئی ہو تو مجھے اپنا مسیحا سمجھو۔ جانتی ہو تم نے اس وقت اپنے گھر سے نکلنے کی جو غلطی کی ہے، اس کا انجام کیا ہوتا؟'' وہ سرامکس کے دو پرانے مگوں میں پتی سمیت چائے انڈیلتے ہوئے بولیں۔ ''ذرا اس کند ذہن کو ہلاؤ کہ اگر میری جگہ اس گھر کا دروازہ کھولنے والا ایک نوجوان ہوتا۔ چاہے وہ بسم اللہ کا تخم ہی کیوں نہ ہوتا؟ تمہارے حُسن، بھری جوانی اور رات کی تنہائی و تاریکی اور سردی کی آفت میں تمہاری عزت کا جنازہ نکال کر اسی قبرستان میں تمہیں دفن کر دیتا تو تمہارے اگلے پچھلوں کو بھنک تک نہ پڑتی۔'' اب بے جی کے لہجے میں غصہ اور خوف سما چکا تھا۔

اس نے جواب نہ دیا۔ ہاتھ بڑھا کر چائے کے مگز فرش سے اُٹھانے لگی۔ بے جی نے گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر اُٹھنا چاہا تو لڑکی نے اپنا ہاتھ سہارے کے لئے پیش کیا۔ وہ غصے سے بولیں۔ ''ہرگز نہیں..... مجھے جواب دو۔ تمہارے منہ میں زبان تو موجود ہے اور تم قوتِ سماعت سے محروم بھی نہیں ہو۔ لگتا ہے گونگے کا گڑ کھا کر میرے پاس آئی ہو جو مجھے کسی بات کا جواب نہیں دے رہیں۔ بٹر بٹر تکے جا رہی ہو۔ جیسے میں کوئی آٹھواں عجوبہ ہوں۔'' وہ کاٹ دار لہجے میں بولیں۔

کچھ دیر تک وہ اسے تکتی رہیں۔ پھر دوسری طرف کی خاموشی پر وہ تلملا کر بولیں۔

''اچھا، اپنا اتہ پتہ بتاؤ۔ تاکہ صبح ہوتے ہی تمہیں مالکوں اور وارثوں کے حوالے کروں۔ موبائل کا دور ہے۔ گھر سے فرار ہوتے وقت موبائل ہی اٹھا لیتی۔ دیکھنے میں پڑھی لکھی اور کسی مہذب گھرانے کی لگتی ہو۔ استغفار یا رسولؐ اللہ۔ بہت جاہلانہ اور بیوقوفانہ حرکت کی ہے تم نے۔ لیکن یہ تو سچ ہے کہ ایسی نادان حرکتیں مجبوری اور بے بسی کی کیفیت میں سرزد ہو جاتی ہیں۔ کوئی بات نہیں۔ فکر نہ کرو۔'' ان کے لہجے میں یکدم نرمی آ گئی۔ وہ ان کے پیچھے چلتی ہوئی کمرے میں آ گئی۔ دونوں چائے پیتے ہوئے سوچنے لگی تھیں۔

فجر کی اذان سن کر بے جی نے نماز ادا کی اور لڑکی جاء نماز سے ٹیک لگائے سر گھٹنوں میں دیئے بیٹھی رہی۔

''سر اٹھا کر بیٹھو میرے بچے!...... ڈرو نہیں۔ اب تم بے جی کے حجرے میں ہو...... مسلمان ہو؟'' بے جی نے نماز سے فارغ ہو کر پھر سوال کیا تو اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

بے جی ملائمت سے بولیں۔ ''نام تمہاری طرح بے حد پیارا ہو گا۔''

اس نے کچے فرش پر کوئلے سے ''حرم'' لکھ دیا تو بے جی تڑپ اُٹھیں۔ دل ہی دل میں بولیں۔ 'حرم..... اس نام کی لاج رکھ لیتیں۔ تم تو چار دیواری ہو رب کے گھر کی۔ جہاں پناہ لی جاتی ہے۔ نہ جانے نادان لوگ نام کا انتخاب کرتے وقت اپنی ذرہ برابر ہستی کو کیسے بھول جاتے ہیں؟ جتنے چھوٹے لوگ، اتنے ہی بڑے نام۔ اور گناہگار کی نسل کے نام اسماء حسنہ سے چنے جاتے ہیں۔ جیسے مسلمانیت کا حق ادا ہو گیا۔ شخصیت میں کمی پر بھاری مُہر لگانے سے بندہ وزنی نہیں ہو جاتا۔ نیک پروین نام رکھنے سے طوائف کی بیٹی کو سرخاب کا پَر نہیں لگ جاتا۔ حرم نام تمہارے کرتوتوں پر زیب نہیں دیتا۔ یہ بے حرمتی ہے اس مقدس گھر کی یا رسولؐ اللہ۔' وہ بڑبڑائیں۔

حرم سر جھکائے بے جی کے بارے میں سوچنے لگی کہ بزرگ خاتون خاصی منجھی ہوئی، جہاندیدہ اور تجربہ کار ہونے کے ساتھ پڑھی لکھی لگ رہی ہیں۔ جن کے عمر رسیدہ، جھریوں سے بھرپور چہرے سے عالمیت، مروّت اور بے ریائی ٹپکتی ہے۔ لب و لہجے میں بھی عمر بھر کا تجربہ اور پرلے درجے کا دھیما پن ہے۔ بیزاری سی بھی عود کر آتی ہے۔

درحقیقت بے جی کی گرم سرد باتوں کا مقصد اسے بے عزت کرنا ہرگز نہیں تھا۔ اس کی زبان کا تالا مکمل طور پر کھولنے کا بس اِک طریقہ تھا۔ مگر حرم سہمی ہوئی تھی۔ نہ ہی قوتِ گویائی نے پلٹا کھایا تھا۔ اے جی چاچا کی باتوں پر کچھ یقین سا آنے لگا تھا۔ بزرگ خاتون خاصی طنطنے والی بھی لگ رہی تھی۔

''خاموش، راضی برضا ہو جانا اپنے نصیب کے لکھے پر اور مرنجان مرنج ہو کر حالات سے کنارہ کشی اور فرار حاصل کرنا بزدلی اور کم ہمتی ہے۔ ایسے لوگ، میرا مطلب ہے کہ تمہارے جیسے لوگ اس کا ثبوت خودکشی سے دیتے ہیں۔ اگر آج رات میرا در تمہارے لئے نہ کھلتا تو تم اپنی نسوانی عزت و وقار اور شرافت کی ہولی کھیل چکی ہوتیں۔ یہ خودکشی اس موت سے بدرجہا تکلیف دہ ہے جو زہر نوش کرنے سے واقع ہوتی ہے۔ کیونکہ تمہارے جذبات و احساسات کی موت کا رابطہ تمہارے سانسوں کے تسلسل سے قائم رہتا۔ اور تم ہر پل جیتی اور مرتی رہتی۔ یعنی ہر لمحے پیدائش اور موت کا ذائقہ چکھنا لازم ہو جاتا۔ میرا مالک عظیم اور غفور و الرحیم ہے۔ معاف کر دیتا ہے۔ مگر تم خود کو معاف نہ کر پاتی۔ اور تمہارا اگلا قدم اس دارِ فانی کی کلفتوں سے نجات حاصل کرنے کے لئے اٹھ جاتا۔ یعنی تم پر غیر طبعی موت واقع ہو جاتی اور تمہارا وجود اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہمیشہ کے لئے دوزخ کا ایندھن بن جاتا۔ اس وقت تم اسی دھانے پر کھڑی ہو۔ یعنی خودکشی کے۔''

وہ ان کی باتوں سے متاثر ہو کر حیرت سے انہیں دیکھنے لگی۔

''ضد اور ہٹ دھرمی بھی گناہِ کبیرہ ہے۔ انسان معاشرے کے حالات اور اپنی ذات میں مقید اپنی خواہشات کو ترازو میں رکھ کر توازن رکھنے کی کوشش کرے تو وہ اللہ تعالیٰ کا پیارا بن جاتا ہے۔ یا رسولؐ اللہ۔ آج کل کی لڑکیوں میں صبر نام کی کوئی چیز نہیں۔ شوہر سے اختلاف ہوا تو بھاگ کھڑی ہوئیں یا اپنی پسند کی تلاش میں دھوکے بازوں کی ہوس کا نشانہ بن کر عمر بھر کے لئے اپنی عزت کا قتال کرتی رہیں۔ یہ ہے اس زمانے کی ماڈرن اور تعلیم یافتہ لڑکی۔'' بے جی افسردگی اور اضطراری کیفیت میں سیدھی ہو کر بیٹھ گئیں۔ حرم ان کے قدموں میں سر جھکائے سسکنے لگی۔

''اب مجھے یقین ہو چلا ہے کہ تم گونگی اور بہری ہو۔ کاش کہ اندھی بھی ہوتی۔ اور کسی ویران و سنسان کنوئیں میں جا گرتی۔ یوں عزت کی دھجیاں تو نہ اُڑتیں۔ جانتی ہو کہ عورت کی عزت کتنی نازک اور کتنی قیمتی ہوتی ہے۔ آج کی رات کے بعد تمہیں اپنے اور غیر ناقابل قبول تصور کرتے ہوئے تمہیں انسان نما بھیڑیوں اور درندوں کو سونپ کر سرخروئی حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ تمہاری پاکیزگی پر کوئی بھی یقین نہیں کرے گا کہ تم بے جی کے حجرے میں رات گزار کر آئی ہو۔ یا رسولؐ اللہ۔'' انہوں نے دکھ سے کہا اور اس کی اس حرکت پر وہ ڈرانے لگیں۔

''بے جی! آپ مجھے غلط مت سمجھیں۔ آپ کا تجربہ ہے کہ کوئی عورت گھر سے باہر قدم نہیں نکالتی۔ دن کے اُجالوں یا رات کی سیاہی میں اس کا دل خوف میں ڈوبا رہتا ہے۔ وہ اپنا تحفظ کھونے کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔ ہر معاشرے کی عورت آپ جیسی بھی ہے اور میرے جیسی ناتواں، بے بس اور لاچار بھی ہے۔ بعض اوقات مجبوراً کچھ فیصلے کرنے ضروری ہو جاتے ہیں کہ اسے حالات ایسے مقام پر لا کھڑا کر دیتے ہیں کہ نہ چاہتے ہوئے ٹھوکریں اس کا مقدر بن جاتی ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ وہ ناپاک اور غلیظ ہوگئی۔ بلکہ وہ تو قابل رحم اور قابل امداد ہوگئی۔'' وہ تڑپ کر بے اختیاری سے بولی۔

''واہ! کیا خوب کہا۔ منہ میں زبان بھی ہے اور اس میں دلائل پیش کرنے کی طاقت بھی بے تحاشا ہے۔ بہت اچھے...... بات دل کو جا کر لگی ہے۔ یا رسولؐ اللہ۔ مجھے بھی اپنی ذات میں شامل کر کے اپنے عقل مند ہونے کا ثبوت دیا ہے تم نے۔ یہ کہنا درست ہے کہ صنفِ نازک کی مجبوری اور مظلومیت اور صنفِ قوی کی زیادتی اور بے انصافی کے باوجود ہمدردی اور مددگاری کی توقع معاشرے سے۔ سوچنے کا مقام ہے۔'' وہ یہ جملے ادا کرتے ہوئے نہایت سنجیدہ تھیں۔ ایک طویل آہ بھر کر ان کی آنکھوں میں نمی سی آ گئی اور وہ ''یا رسولؐ اللہ'' کا ورد کرنے لگیں۔

دیر تک خاموشی حجرے کی دھندلی روشنی پر چھائی رہی۔ نہ جانے بے جی کو اپنی بیتی ہوئی زندگی کے 75 سال کس زاویے اور کس رنگ سے یاد آئے تھے کہ ان کے لب ان کے پوپلے منہ میں اندر جا گھسے تھے۔ اندر دھنسی ہوئی بے جان سی آنکھوں پر انہوں نے عینک درست کر کے اس کے چہرے پر ہاتھ پھیرا اور غور سے دیکھ کر اس کے حُسن کو دل ہی دل میں سراہا اور ساتھ ہی اپنا عکس سامنے اُبھرا۔ چمکتا ہوا سندوری گورا رنگ اور کتابی چہرے پر جڑا ہوا ستواں ناک، بادامی آنکھیں اور بھرے بھرے ہونٹ اور قد سرجیا اور بت تراشا ہوا۔ جس کا خمیازہ انہوں نے بڑھاپے میں hunch کی صورت میں ادا کیا تھا۔ خود پر قابو پا کر گویا ہوئیں۔

''پگلی! نور کی تلاش میں نکلو گی تو وہی تمہارا نصیب بن جائے گا۔ سیاہی میں قدم رکھو گی تو ٹھوکر کھا کر منہ کے بل نہیں گرو گی تو کیا آکاش کا ستارہ بن کر چمکو گی؟...... بولو کہ کہاں سے آئی ہو اور کہاں جانا چاہتی ہو؟'' لہجے میں درشتی و سختی آ گئی۔

''جنت سے نکالا گیا ہے تو جہنم ہی میرا ٹھکانہ ہے بے جی!'' وہ اشکبار آنکھوں کو صاف کرتے ہوئے بولی۔

''ٹھنڈے فرش سے اُٹھو۔ میرے پاس آؤ۔ یہاں آرام کی نیند سو جاؤ۔ نیند پوری ہونے کے بعد تم سے بات ہوگی۔ اگر تم نے غلط بیانی سے کام لیا تو پکڑی جاؤ گی۔ سوچ لو۔ ورنہ کل کی رات قبرستان میں ہی خود کو پاؤ گی۔ خدا کی قسم! اس وقت تم میرے لئے ایک کٹھن آزمائش بن کر نازل ہوئی ہو۔ میرے لئے تم عذابِ الٰہی ہو۔ ضرور مجھ سے عبادت میں

کوتاہی اور غلطی ہوئی ہوگی جس کا کفارہ ادا کرنا پڑا ہے۔ یا اللہ! اس وقت مجھے اس لڑکی کے لئے تُو نے چن کر میرے گناہوں کی معافی کا انتظام کیا ہوگا۔ صدقے یا رسولؐ اللہ۔'' وہ بڑبڑاتی ہوئی تسبیح لے کر جاء نماز پر لحاف میں دبک کر لیٹ گئیں اور اسے اپنے بستر کی طرف اشارہ کر کے لیٹنے کا کہا۔

''بے جی! حرم کی زندگی میں صبح تو طلوع ہوتی رہی۔ افسوس کہ اس کی ضوفشانی اور تازگی اور شادابی عارضی ہی ثابت ہوئی۔ اب تو چارسُو تاریکی ہے۔ صبح تو ان لوگوں کے لئے خوشیوں کے سندیسے لے کر وارد ہوتی ہے جن سے زندگی نے انصاف برتا ہو۔'' لہجے میں مایوسی اور رنجیدگی تھی۔ وہ ابھی تک فرش پر ہی سر جھکائے بیٹھی ہوئی تھی۔

''ایسے نہیں سوچتے۔ یہ ناشکری اور ایمان کی کمزوری ہے۔ بولو کہ منفی سوچ رکھنے والوں کے لئے زندگی تاریک، بھیانک اور اذیت ناک نہیں ہوگی تو کیا حسین وجمیل اور درخشاں ہوگی؟ میں اب سمجھی کہ تمام قصور تمہاری کافرانہ سوچ کا ہے۔ مجھے سچ بتاؤ کہ اس قدر ناامید، اداس اور مایوس کیوں ہو؟ عزت لٹا کر بے جی کے حجرے میں پہنچی ہو یا بچا کر؟..... مجھے سچ سچ بتاؤ۔ میں جھوٹ کو فوراً بھانپ جاتی ہوں۔'' وہ اس کے پژمردہ چہرے کی طرف مشکوک نظروں سے دیکھ کر بولیں۔

''مجھے غلط مت سمجھیں بے جی!'' وہ بلند آواز میں رونے لگی۔

''دیکھو جی، میری باتوں کا برا مت مناؤ۔ تمہارے دکھ میں خود بھی رنجیدہ ہوگئی ہوں۔ اپنی بیتی ہوئی زندگی کا ہر لمحہ فلم کی طرح ذہن میں گھوم رہا ہے۔ میں تمہارے روشن مقدر کے لئے دعا کرتی ہوں۔ میری دیدے کو رخصت ہوئے مدت ہوگئی ہے، اس لئے دعاؤں کا دروازہ تو کب سے بند ہی رہا۔ تمہاری ماں تو ضرور حیات ہوگی۔ پھر یہ حال کیوں ہے؟'' وہ اس کے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرنے لگیں۔ ''میں تمہیں تعویذ دوں گی۔ تمہیں دم بھی کروں گی۔ بے فکر رہو۔ اس وقت تک اس حجرے کا دروازہ بند رہے گا جب تک یہاں سے اپنے وارثوں کے پاس چلی نہیں جاتی۔ تم تسلی رکھو۔ میں تمہاری زندگی کے اتار چڑھاؤ سن کر تمہیں پڑھنے کے لئے ایسا آزمودہ وظیفہ دوں گی کہ شوہر تو کیا، دنیا تمہارے قدموں میں ہوگی۔'' وہ تسلی دیتے ہوئے بولیں تو حرم نے حیرت سے ان کی طرف دیکھا کہ پل میں مسیحا اور اگلے پل ہی طناز و جابر۔ یہ کہہ کر ساتھ ہی ان کی آنکھیں بند ہونے لگیں۔ اس وقت حرم کو وہ ایک معصوم فرشتے کی طرح بے ضرر لگیں۔ دل نے سرگوشی کی۔ 'ان پر بھروسہ کیا جا سکتا ہے۔'

وہ وہاں سے اُٹھی اور اظہارِ تشکر کے لئے فرش پر ہی سجدے میں گر گئی۔

''پگلی عورت! دکھ، درد، ڈر، خوف اور مستقل مزاجی و دلیری کی آمیزش سے تیری ذات کو تشکیل دیا گیا ہے۔ اگر نڈر نکلی تو بے جی بن کر عزت اور نام کماؤ گی۔ بزدل اور ڈرپوک ہوگی تو وہ بنے گی حرم۔ گھر سے بھاگی ہوئی لڑکی۔ زمانے کی دھتکاری ہوئی لڑکی۔'' وہ آنکھیں بند

کئے قیاس آرائیاں کرتے ہوئے بڑبڑاتی رہیں۔ ''دُکھوں کی آتش، عطش اور بھوک کے ڈر سے اپنی ہستی کا قتال مت کرو۔ بے جی بن جاؤ۔ ہر حال، ہر صورت اور ہر شکل میں خود کو برباد کرنے سے بہتر ہے کہ دوسروں کے دکھوں کا مداوا کرو۔ مسیحائی پکڑ لو۔''

حرم ان کے ہلتے ہونٹوں کو شمع دان کی مدھم لو میں دیکھتے ہوئے اُٹھ کر ان کے قریب جا کر بیٹھ گئی اور ندامت بھرے لہجے میں بولی۔

''آئی ایم سوری بے جی! مجھے یہاں نہ جانے کون سی طاقت کھینچ لائی ہے۔ مجھے معلوم نہیں تھا کہ میں جس دیوار کو پھلانگ رہی ہوں، وہ قبرستان ہے اور یہاں آپ کا حجرہ ہے۔ سوری بے جی! میں آپ کے لئے پریشانی کا سبب بن گئی ہوں۔ آپ اپنے بستر پر آرام فرمائیں۔ میں جاء نماز پر لیٹ جاتی ہوں۔ مجھے نیند نہیں آئے گی۔ میرے کانوں میں سیسہ انڈیل دیا گیا ہے۔ تکلیف کی شدت میں چین و آرام کہاں؟''

''یہاں سونے کی کسی کو اجازت نہیں ملتی۔'' وہ طویل سانس لے کر بولیں۔ ''یہ جاء نماز میرے دادا جی کی ہے۔ اس پر بیٹھنے کی ہمت بھی نہ کرنا۔ ایسی پٹخنی دیں گے، یاد ہی رکھو گی۔ میری فکر نہ کرو اور نادم ہونے کی بھی ضرورت نہیں۔ میں سمجھتی ہوں کہ جب دو دکھیارے دلوں کے دکھ یکجا ہوتے ہیں تو سفید جمے ہوئے خون میں حرارت پیدا ہونے لگتی ہے۔ جسم کی یخ بستگی حدت میں تبدیل ہو جاتی ہے اور دل ایک نئے جذبے سے دھڑنے لگتا ہے۔ جانتی ہو وہ نیا نکور جذبہ کیسا ہوتا ہے۔ اک نیا جنم اور جینے کی تمنا، نئی امنگ کے ہمراہ زمانے کے ساتھ چلنے کا حوصلہ اور اپنی ذات پر فخر اور خود اعتمادی کا فیصلہ۔ گھر سے فرار ہونے کا فیصلہ تم نے کیوں کیا؟ اللہ کرے کہ یہ فیصلہ تم نے بروقت کیا ہو۔ وقت گزر جانے کے بعد کئے جانے والے فیصلے سراسر ذلالت اور رسوائی ہوتے ہیں۔'' وہ تسبیح کو لحاف کے اندر کرتے ہوئے بولیں۔ ''دیکھنے میں تو بہت سمجھ دار معلوم ہوتی ہو۔ اللہ کرے ایسا ہی ہو۔ فکر نہ کرو، بے جی کے حجرے میں آئی ہو تو خالی نہیں لوٹو گی۔ یارسولؐ اللہ۔ ہم میں اسی نبی کا نور اور اوپر والے کی روح ہے۔ اس کی چوکھٹ پکڑ لیں تو یہ ہو نہیں سکتا کہ دعا کی قبولیت نہ ہو۔'' وہ تنبیہی نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے سوچنے لگیں۔

'میں جانتی ہوں کہ تمہارے اندر سوائے طوفانی جھکڑوں اور اندھیروں کے اور کچھ نہیں۔'

بے جی نے زنبیلِ عمرو عیار کو سامنے سے اٹھایا اور اس میں ہاتھ ڈال کر عجوہ کھجور نکالی اور اس پر پھونک مار کر اس کی طرف بڑھائی۔

''بسم اللہ پڑھ کر اسے منہ میں رکھ لو۔ نیند پوری ہونے کے بعد ہی آنکھیں کھول پاؤ گی۔ یہ سب مسئلے امیروں کے ہیں کہ نیند نہیں آتی، طبیعت میں مایوسی اور اُداسی ہے ہر نعمت کے باوجود۔''

حرم کے کانوں میں اپنے مولوی صاحب کے ٹوٹے پھوٹے الفاظ گونجنے لگے کہ امیر

کے کرب کا کفارہ اس کی نیند کے روٹھ جانے میں ہے۔ اور بے چینی و بے سکونی قیمت ہے گناہوں کی۔ جس دن تم ان کیفیات کا شکار ہوگئی تو سمجھو کہ تم سے کوئی غلطی سرزد ہوئی ہے۔

وہ ڈر کے مارے کھڑی ہوگئی۔

''کہاں جا رہی ہو؟....... میری بات بری لگ گئی؟ میں نے اپنی زندگی میں یہ تجربات خود پر کئے ہیں۔ آج اس کسمپرسی میں بھی بہت مالدار ہوں۔ میرے پاس سکون، عزت اور اپنے نام کی دولت ہے جس سے میں محروم تھی۔ دوسروں کی ہر لحاظ سے محتاج تھی۔ اس لئے برا مت مناؤ۔ تمہاری سنوں گی اور اپنی بھی سناؤں گی۔ میری زندگی کا سفر آسانی سے اس لئے نہیں کٹا کیونکہ مجھ میں انا کا دخل تھا۔ فی الحال لیٹ جاؤ۔''

وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی جا کر بے جی کے بستر پر لیٹ گئی اور بے جی دھیمی روشنی میں عینک کے بغیر اس کے تاثرات کو پڑھ نہ سکیں۔ اپنے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے مبارک ناموں کا ورد کرنے لگیں۔

□.......○.......□

'فیضان عباسی جی! جوں جوں آپ کا کاروبار بڑھ رہا ہے، آپ کی مصروفیت اس کی رفتار سے کئی گنا زیادہ بڑھ چکی ہے۔ بھلا آپ کے بغیر ہمارا کوئی دوسرا پرسانِ حال ہوسکتا ہے؟ ذرا سوچیں کہ اب میرے اور بچوں کے لئے آپ کے پاس وقت ہی نہیں رہا۔ مانا کہ عباسی خاندان میں دولت، شہرت اور عزت کے لحاظ سے ہمارا نام سرفہرست ہے مگر توجہ، محبت اور اپنائیت کا پیمانہ وقت کی نذر ہو کر خالی ہو چکا ہے۔ میں گلہ وشکوہ نہیں کرتی تو یہ مت سمجھیں کہ میں پتھر اور لوہے کی طرح بے جان اور بے حس ہوں۔ عورت ذات مضبوط ہونے کے ساتھ پرلے درجے کی حساس نہ ہو تو تخلیق کیسے کر سکتی ہے؟ یہ دنیا اتنی حسین وجمیل کیسے ہوسکتی ہے؟ آپ ہی تو کہا کرتے تھے کہ

وجودِ زن سے ہے تصویر کائنات میں رنگ

اب تو آپ نے اس کا اقرار کرنا بھی چھوڑ دیا ہے۔ کیا فائدہ اس دولت کا، جس کے بے بہا ہونے سے محبتوں کی حدت اور جذبوں کی تپش پر ایک یخ بستہ دبیز تہہ نے غلبہ پا لیا ہو۔ بدقسمتی سے ہماری جوانی کا Prime time اور بچوں کے بچپن کے دلنشیں دن آپ کی قربت کے بغیر ہی بیت رہے ہیں'

وہ فیضان کی پورٹریٹ پر افسردگی سے ہاتھ پھیرتے ہوئے خود کلام تھیں۔ آنکھیں پُرنم تھیں اور دل حسرتوں کی آماجگاہ میں جا ڈوبا تھا۔ موبائل کی بیپ پر وہ وہاں سے پلٹی اور میز سے موبائل اٹھا کر نمبر اور نام پڑھ کر اپنی پژمردہ کیفیت سے باہر نکل آئی۔ چہرے پر ایک دم سے سرخی دوڑ گئی۔

'فیضان ہیں۔ غالباً واپسی کا پروگرام بتانا چاہتے ہوں گے۔ I love you Jaan. I

"I am missing you"

وہ موبائل آن کرتے ہوئے طمانیت سے بڑبڑائی اور شیریں لہجے میں گویا ہوئی۔
''جی فیضان! میں آپ کی کال کی منتظر ہی تھی۔ دیکھا کیسے یہ دل اپنی راہیں ہموار کر لیتا ہے کہ منزلِ مقصود کا حصول آسان ہو جاتا ہے۔''
''اس شاعرانہ موضوع پر گفتگو ضرور ہو گی۔ ایک تو ہماری بیگم رومانٹک بہت ہے۔ اب اس عادت سے چھٹکارا تو ناممکن ہو گیا ہے۔ فی الحال میں بہت جلدی میں ہوں۔ تمہیں بتانا چاہتا ہوں کہ میرا یہاں ایک ہفتہ مزید رکنے کا پروگرام ہے۔ دعا کرو کہ contract سائن ہو جائے۔ ورنہ مجھے ایک ڈیڑھ ہفتے بعد پھر سے واپس آنا پڑے گا۔ سوچا کہ رک ہی جاتا ہوں۔ لمبے سفر سے میں بھی گھبرانے لگا ہوں۔'' وہ تیز لہجے میں بولے اور موبائل آف ہو گیا۔
'واہ......اب میرے لئے خدا حافظ کہنے کا بھی وقت نہیں رہا' ضربِ خفیف کی شدت میں وہ موبائل کی طرف دیکھ کر قدرے اُلجھ کر بولی۔ اپنی بے بسی اور میاں کی بے پروائی پر اعصابی جنگ میں اس نے موبائل زمین پر پٹخ دیا اور آنکھیں نیر بہانے لگیں۔ دل کا بوجھ ہلکا کرنے کے بعد اسے اپنی بچگانہ حرکت پر ندامت ہوئی تو غصہ جھاگ کی مانند بیٹھ گیا اور مسکرانے لگی۔
'بے وقوف۔ نقصان کس کا ہوا؟ میرا۔ اگر نقصان فیضان کو پہنچانا مقصد تھا تو اس کے سر پر دے مارتی۔ ایسی مبارزت کا خوب مزا آتا اور مجھے پچھتاوا ہرگز نہ ہوتا'
اس نے ٹوٹے ہوئے موبائل سے سم نکالی اور اپنے کمرے میں چلی گئی۔ سائیڈ ٹیبل کے دراز سے latest نیا موبائل جو فیضان نے ایک ماہ پیشتر چائنہ سے لا کر دیا تھا، مسکراتے ہوئے نکالا اور اس میں سم ڈال کر بچوں کے کمروں کی طرف چل دی۔
''سب غالباً اپنے بابا کی آمد کے انتظار میں جاگ رہے ہوں گے۔'' وہ بڑبڑائی۔
سات سالہ شایان گیم کھیلتے ہوئے کارپٹ پر اوندھے منہ سو چکا تھا۔ آسیہ نے اسے پیار سے جھنجوڑا اور پیار بھرے لہجے میں بولی۔
''میرا بیٹا بڑا ہو گیا ہے اور ماں کی طاقت تم میں منتقل ہو رہی ہے۔ تمہاری ماں کے بازوؤں میں سکت کم ہوتی جا رہی ہے۔ اس لئے کھڑے ہو جایئے اور بستر پر لیٹ جایئے۔''
وہ فخر و مسرت سے اسے بازو سے کھینچتے ہوئے بولی تو وہ نیم وا آنکھوں سے بیڈ کی طرف بڑھ گیا۔ آسیہ نے اس پر کمبل ڈالا، بوسہ دیا اور حرم کے کمرے میں آ گئی۔ وہ گہری نیند سو رہی تھی۔ اس پر بے پناہ پیار آیا۔ ماہم اور ماہا ابھی تک کھسر پھسر کر رہی تھیں۔ وہ انہیں ڈانٹ ڈپٹ سے نوازتی ہوئی حرم کے کمرے میں آ گئی اور اس کے بارے میں دکھی دل سے سوچنے لگی کہ جب سے فیضان کے Foreign tours میں اضافہ ہوا ہے، حرم بجھ سی گئی ہے۔ زیادہ وقت مولوی صاحب سے دینی کہانیاں سننے میں گزارنے لگی ہے۔ اچھا ہے، اس کا دل لگا ہوا

ہے۔ کم از کم میرے سر سے بلا ٹلی ہوئی ہے۔ مجھ میں تو تقلید کی ہمت و صبر ہے نہ ہی دینی معلومات پر عبور حاصل ہے۔ فیضان کے پاس وقت کی کمی کے ساتھ ماتا کا جذبہ بھی تو نہیں۔ ماتا کے تمام تقاضے پورے کرنا میرے حصے میں جوا آگیا ہے۔ انہوں نے واحد ہمیں اپنے نام اور دولت سے خوش کر رکھا ہے۔ ماہم اور ماہا ابھی مولوی صاحب کی شکل بھی دیکھنے کی روادار نہیں۔ اور شایان کا رجحان تو نہ ہونے کے برابر ہے۔ قاری صاحب کا ناک میں دم کر دیتا ہے۔ بے چارے قاری صاحب اگر ضرورت مند نہ ہوتے تو کب کے جا چکے ہوتے۔ بہتر ہوتا کہ ہم اپنے بچوں کو بذاتِ خود دینی تعلیم سے روشناس کرتے۔ دین کا پیغام ہم تک پہنچانے کا طریقہ ہی غلط تھا۔ افسوس کہ ہم بھی لکیر کے فقیر ہی نکلے والدین کی مانند۔

فیضان ہر وقت ہوا کے گھوڑے پر سوار ملتے ہیں۔ نماز روزے کا وقت کہاں؟ زکوٰۃ و خیرات سے خود کو پاک کر لیتے ہیں۔ دیکھا جائے تو ہم دونوں کی مذہبی تعلیم بہت محدود ہے۔ اپنی اولاد کو ایسے مولانا حضرات کے ہاتھ میں دے رکھا ہے جنہیں ذریعہ معاش چاہئے۔ لیکن کیا کروں؟ مجبوری ہے۔ نہ دینی معلومات ہیں، نہ ہی وقت میسر ہے۔ ماہم اور ماہا کی آپس میں گہری دوستی ہے۔ کیونکہ دونوں میں نو دس مہینوں کا فرق تو جڑواں ہونے کا احساس دلاتا ہے۔ اس لئے دونوں کی خوب بنتی ہے۔ انہیں میری پروا نہیں رہی۔ حرم طبعاً ہی خفیہ ہے۔ کیا مجال کہ کوئی بات شیئر کر جائے۔ اس کی شایان کے ساتھ نہ ان بہنوں کے ساتھ جمتی ہے۔ لے پالک اولاد بھی کبھی اپنی بنی؟ پرائے خون میں اپنے خون کی آمیزش تو ہونے سے رہی۔ مجھے تو وہ اپنے بچوں سے بڑھ کر عزیز ہے۔ یہ جانتے ہوئے کہ اس نے میری کوکھ سے جنم نہیں لیا، جبکہ وہ کچھ نہیں جانتی، لیکن روّیے میں غیریت ہے۔ ان کی سوچ اور ان کا کوئی کھیل common نہیں۔ interest میں بھی بے تحاشا فرق ہے۔ جلتی پر تیل کا کام کہ میں بھی ہوں سہل پسند۔ بے حد افسوس کا مقام ہے کہ میری حرم ایک بھائی اور دو بہنوں کے باوجود گھر میں تنہا ہے۔

اگلے لمحے ماتا جاگ اُٹھی تھی۔

آہ! احتجاج کرنا تو اس نے سیکھا ہی نہیں۔ حساس بھی بے پناہ اور خاموش طبع بھی حد درجے کی۔ ایسے بچے بہت Fragile ہوتے ہیں۔ ہلکی سی تنقید پر اندر ہی اندر گھل جاتے ہیں اور تعریف پر پھولے نہیں سماتے۔ میرے چڑچڑے پن اور بگڑے ہوئے مزاج کے اثرات بہت بھیانک ہوتے جا رہے ہیں۔

میرے عتاب میں حرم ہی سب سے زیادہ ہے۔ کیونکہ وہ اپنے غصے اور ناراضگی کی کسی کو بھنک نہیں پڑنے دیتی اور بے وجہ پٹ جاتی ہے۔

میں کتنی ان ریزن ایبل ہوں کہ اس کی کسی بات کو اہمیت نہیں دیتی۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے پاپا کی چہیتی اور لاڈلی ہے۔ شان سے یہ برداشت نہیں ہوتا۔ کیونکہ بیٹا ہونے کے ناطے

وہ خود کو بہت اعلیٰ و ارفع سمجھتا ہے۔ بہنوں کو لفٹ ہی نہیں کراتا۔ مجھے بھی تو کچھ نہیں سمجھتا۔ یہ ذات پیدائشی طور پر ہی ہم سے بہت مختلف ہے۔

وہ اپنا دل بہلانے کی خاطر اُلٹی سیدھی سوچوں پر اکتفا کر گئی۔ ہر ماں کی طرح اس کے قلب و ذہن میں اولاد کے بہتر مستقبل کے لئے مثبت سوچیں اُبھرتی رہتی تھیں جو فیضان تک منتقل کرنے کی کاوش تو ہوتی مگر وہ ایک کان سے سنتے اور دوسرے سے نکال کر پھر سے اپنی دنیا میں مگن ہو جاتے ہیں۔ آسیہ کو بھی ان کے مزاج اور روّیے کی عادت ہوتی جا رہی تھی۔

□.......○.......□

لاؤنج میں گفٹ پیپرز میں لپٹے ہوئے بے شمار پیکٹس بکھرے ہوئے تھے۔ ابھی تک آسیہ نے انہیں چھو کر نہ دیکھا تھا۔ فیضان لمبے سفر کی تھکان کی وجہ سے نہ چاہتے ہوئے بھی سو گئے تھے۔ بچے ابھی تک خوابِ خرگوش کے مزے لوٹ رہے تھے۔ آسیہ کی رات سوتے جاگتے فیضان کے انتظار میں گزر گئی تھی۔ فیضان صبح پانچ بجے کی فلائٹ سے پہنچے تھے۔ کینیڈا کی سرد ہواؤں اور جمی ہوئی برف نے ان کے خون کو بھی یخ بستہ کر کے واپس بھیجا تھا۔ آتے ہی انہوں نے آسیہ کے سامنے اٹیچی کھولا اور انگڑائیاں اور جمائیاں لیتے ہوئے بیڈ روم کی طرف بڑھ گئے۔ آسیہ بھی ان کے پیچھے ہی چل دی۔ وہ خاموشی سے نائٹ سوٹ پہن کر لیٹ گئے اور آسیہ مہینے بھر کی مصروفیت اور خاندان بھر کی رپورٹ خوب مرچ مصالحے لگا کر سنا رہی تھی کہ خراٹوں کی آواز پر تلملا کر وہاں سے اٹھ گئی۔

'نہ مجھ میں دلچسپی رہی نہ گھر اور بچوں میں۔ قیمتی تحفوں سے بہلانے کا جو طریقہ سیکھ لیا ہے، یہ قابلِ مذمت ہے۔ ہمیں ان کی توجہ چاہئے، تحفے نہیں۔

'او مائی گاڈ!..... میری سوچ کو کیا ہو گیا ہے؟' وہ ایک دم سے چونکی۔ 'میں پاگل ہو گئی ہوں یا فیضان اپنا ذہنی توازن کھو چکے ہیں۔ کہیں گڑبڑ ضرور ہے۔' وہ ہونٹ بھینچتے ہوئے وہاں سے اُٹھ کر کھڑکی کے پاس آ کر کھڑی ہو گئی۔ پردہ سرکا کر اس نے گلاس ونڈو سے باہر دیکھا۔ صبح کی ملگجی روشنی اسے خاصی اطمینان بخش لگی۔ وہ دم سادھے وہیں ساکت و جامد کھڑی رہی اور خود کو نارمل کرنے کی کوشش کرنے لگی۔ دیکھتے ہی دیکھتے چارسُو سورج کی کرنیں پھیلنی شروع ہو گئیں۔ دل میں پُر تسکین لہر دوڑ گئی اور منفی سوچوں میں تبدیلی آنے لگی۔ اس نے اپنے دل سے سوال کیا کہ یہ اُلجھن، خوف، غصہ، اندیشہ اور اضطراری کیفیت کیوں ہے؟ کیا مجھے فیضان کے پیار پر بھروسہ نہیں رہا یا اپنی وفا پر اعتماد نہیں رہا؟ ان کی دن رات کی محنت، مشقت اور تھکن کو میں نے محسوس کرنا ہی چھوڑ دیا ہے۔ میں ایسی بے حس تو کبھی نہ تھی۔ کیا اَن سکیور ہو گئی ہوں یا فیضان کے بغیر اکیلے پن کا احساس بڑھ گیا ہے؟ ایسی کون سی شے ہے جو میرے لئے ہضم کرنی مشکل ہو رہی ہے؟ بات بات پر غصہ اور خفگی روز کا معمول بنتا جا رہا ہے۔

کیا میں سمجھتی ہوں کہ میں فیضان کے لئے بے کار ہو گئی ہوں؟..... انہیں اب میری

ضرورت نہیں رہی۔ دُوری میں میری یاد نہیں ستاتی۔ اُنہیں میری اس جان لیوا تنہائی کا احساس نہیں ہوتا۔ بچوں کا خیال نہیں آتا کہ وہ ان کی غیر موجودگی میں کتنے اپ سیٹ رہنے لگے ہیں۔ وہ ابھی اسی چہ مگو کیفیت میں مبتلا تھی کہ ایک دم سے اُچھل پڑی۔ فیضان اس کے پیچھے کندھوں پر دونوں ہاتھ رکھے کھڑے تھے۔ اس نے ندامت و حیرت سے ان کی طرف دیکھا جیسے انہوں نے اس کے ذہن میں اُبھرنے والے تمام سوالات پڑھ لئے ہوں۔

''تمہاری باتوں کی لوری نے سلا دیا تھا۔ سوری! ایک دم سے چونک کر اٹھ بیٹھا کہ تم تو ضرور خفا ہو چکی ہو گی کہ ایک مہینے کے بعد بھی مزاج میں کسی قسم کی exitement نہیں۔ I love you۔'' وہ محبت آگیں لہجے میں بولے تو آسیہ کی طبیعت میں جو جھنجلاہٹ اور اشتعال انگیزی تھی، یکسر کافور ہو گئی۔

'یہ میرے ذہن میں منفی سوچیں کیوں گھروندا بنانے لگی ہیں۔ میرا شوہر تو کروڑوں میں ایک ہے۔ میری ہر بات کو اہمیت دینے والا، اپنوں اور غیروں میں میری عزت کی پاسداری کرنے والا۔ پھر اور مجھے کیا چاہئے؟ گھر کا ماحول بدل سا گیا ہے۔' وہ ان کے گلے لگی سوچ جا رہی تھی۔ فیضان کو بے گناہ اور خود کو مجرم تصور کرتے ہوئے وہ خاموشی سے سر جھکائے ان کے ساتھ چلنے لگی۔

□.......○.......□

دوپہر کا ایک بج رہا تھا۔ فیضان اور آسیہ میٹھی نیند کے ہلکورے لے رہے تھے۔ بچے حسب معمول جاگ کر لاؤنج میں پہنچے تو تحفوں کے بند ڈبوں پر ٹوٹ پڑے۔ تیزی سے تمام ڈبے کھولے اور آپس میں لڑ جھگڑ کر بانٹنے کے باوجود ان کی تکرار، چھینا جھپٹی میں کمی واقع نہ ہوئی تھی۔ ماہم اور ماہا، شان کے ہاتھوں خوب پٹیں اور حرم پر بھی گھونسوں کی بارش ہو گئی۔ اس نے سہم کر اپنے کھلونے شان کے سامنے پھینک دیئے۔ جبکہ چھوٹی بہنوں نے بلند آواز میں رونا شروع کر دیا تھا۔

اودھم اور شور سن کر آسیہ کی آنکھ کھل گئی۔ وہ سراسیمگی کے عالم میں بستر سے اُتری۔ دروازہ کھلنے کی آواز پر حرم پھرتی سے اپنے کمرے کی طرف بھاگ گئی اور دروازہ لاک کر کے اپنی ناگفتہ بہ حالات کو دیکھ کر سسک اُٹھی۔ اس کے لمبے بال شان کے ظلم وستم کا نشانہ بن چکے تھے۔ وہ بالوں کو سمیٹ کر خوفزدگی کے عالم میں دروازے سے ٹیک لگا کر کھڑی ہو گئی اور اپنے اُکھڑے ہوئے سانسوں کو درست کرنے لگی۔

وہ جانتی تھی کہ شان نہایت چالبازی سے بچ نکلے گا اور ماں کی تمام پھٹکار اس کے لئے رہ جائے گی۔

'This is not fair' بے ساختگی میں دل سے شورش و بغاوت سے بھرپور آواز نکلی۔ 'میں تو ایک فالتو ممبر ہوں اپنی فیملی کا۔ جس کی کسی کو پروا ہے، نہ ہی مجھ سے کسی کو پیار ہے۔

تمام پیار اور چاہت ماہم اور ماہا کے لئے اور تمام عزت اور اہمیت شان کے لئے۔ میں ان کی آپا ہوں، صرف نام کی۔ میرے لئے کیا ہے؟ جی چاہتا ہے کہ یہاں سے کہیں دور بھاگ جاؤں جہاں میری بھی حیثیت ہو۔ مجھ سے بھی کسی کی بے تکلفی اور دوستی ہو۔ ممی نہ جانے ہر وقت میرے خلاف کیوں رہتی ہیں۔ مجھے اس گھر میں پیدا نہیں ہونا چاہئے تھا۔ کاش! میں اپنے مالی چاچا، اصغر کی بیٹی ہوتی تو کتنا ڈھیروں پیار ملتا۔ وہ ہر وقت اپنی بیٹی کی باتیں سناتے رہتے ہیں۔ جیسے سنڈریلا تو وہ ہی ہے۔ یا اپنی سہیلی نمرہ کی بہن ہوتی تو ماہم اور ماہا کی طرح ہماری بھی دوستی ہوتی۔ کسی کی پروا ہوتی نہ ہی ممی کی ضرورت محسوس ہوتی۔ نمرہ اور میں خوب مزے اُڑاتیں۔ مل کر کھیلتیں، مل کر روتیں۔ لڑ جھگڑ کر پھر ایک ہو جاتیں۔'

وہ اسی سوچ میں، حسرت و یاس کی کیفیت میں کھڑی تھی کہ دروازے کو پورے استحقاق سے کھولنے کی کوشش پر وہ چونکی اور اپنے خیالوں کی دنیا سے باہر نکل کر اس نے سہمتے ہوئے دروازہ کھولا۔ ماں غیظ و غضب میں کھڑی ناقدانہ انداز میں اس کا جائزہ لینے لگی۔

''ممی! میں نے کچھ نہیں کیا۔'' وہ دکھ و خوف کو اندر سموتے ہوئے بولی۔

''شان بتا رہا ہے کہ بہنوں کو مار پیٹ کر تم نے ان سے کھلونے چھینے، انہیں گالیاں دیں۔ بہت بدتمیز لڑکی ہو۔'' وہ اسے بازو سے پکڑ کر لاؤنج میں لے آئی۔ ''کیا کمرے میں بند ہو کر مجھ سے بچ سکو گی؟ چھوٹی بہنوں کے ساتھ کوئی ایسا سلوک بھی کرتا ہے؟ ہر بار تم ایسی حرکت کرتی ہو کہ میں نہ چاہتے ہوئے بھی مجبور ہو جاتی ہوں۔ خفیہ اور میسنی ہو۔ یہ تو میں جانتی ہوں کہ ہر شرارت میری غیر موجودگی میں کر کے معصوم بن جاتی ہو۔''

آسیہ بولے جا رہی تھی اور وہ ملزمہ کی طرح سر جھکائے کھڑی تھی۔

''ممی! شان بھیا جھوٹ بول رہے ہیں۔ ہمیں آپا نے کچھ نہیں کہا۔ بلکہ آپا نے اپنے کھلونے مجھے بھی دیئے ہیں اور شان بھیا کو بھی۔'' ماہم نے آنسو صاف کرتے ہوئے کہا۔

''تو پھر کس نے مارا ہے؟ شان تو ایسا کر ہی نہیں سکتا۔ وہ تو بہنوں سے بہت پیار کرتا ہے۔ خوب خیال بھی رکھتا ہے۔ کیوں ماہا! تم بتاؤ۔'' آسیہ نے سخت لہجے میں کہا تو شان نے فتح مندانہ انداز سے حرم کی طرف دیکھا جو خاموش کھڑی تھی۔ جو اپنی بے گناہی کا اظہار کرنے سے قاصر تھی۔ کیونکہ ماں کی بے انصافی اس کے لبوں پر خاموشی کی مہر ثبت کر دیتی۔

''میری آنکھوں سے دور ہو جاؤ۔ ہمیشہ ہر غلط کام تم سے شروع ہوتا ہے اور تم سے ہی اختتام کو پہنچتا ہے۔ باپ نے تمہیں بے جا لاڈ و پیار سے ایک کوڑی کا نہیں چھوڑا۔ ہر بات پر تمہاری سائیڈ لیں گے تو یہی حشر ہوگا۔''

معصوم بچی کے کانوں میں بجتے ہوئے ناقوس نے اس کے جسم پر کپکپی طاری کر دی۔ لاؤنج میں بکھرے ہوئے ڈبے اور ریپنگ پیپرز دیکھ کر آسیہ سر پکڑ کر صوفے پر بیٹھ گئی اور چیخ کر بولی۔

''خان چاچا! میرے لئے چائے لاؤ۔ میرا سر پھٹنے لگا ہے۔ ان بچوں نے مجھے پاگل کر دیا ہے۔ فیضان کو تو احساس ہی نہیں کہ میری کوئی لائف نہیں رہی۔

حرم اپنے کمرے میں پھر دروازہ بند کر کے بیٹھ گئی۔ آٹھ سالہ بچی کے آنسو بہتے جا رہے تھے۔

'درحقیقت میں اس گھر کے کسی فرد کو اچھی نہیں لگتی۔ اور ممی تو مجھ سے نفرت کرتی ہیں بہت زیادہ۔ نہ جانے میں نے ان کا کیا بگاڑا ہے۔' وہ فہمائشی انداز میں سوچنے لگی۔

□.......○.......□

آج دسمبر کے آخری لمحات نے سب کو پاگل کر دیا تھا۔ new year eve کی سیلیبریشن کی اہمیت ہائی کلاس میں ہمیشہ سے تو تھی ہی، بدقسمتی سے وقت گزرنے کے ساتھ مڈل کلاس بھی اس میں سوچے سمجھے بغیر کُود پڑی تھی۔ اس لئے ہر ہوٹل اور ہر کلب میں بھیڑ، شور شرابا اور ہنگامہ ناقابل برداشت ہو چکا تھا۔ جتنی دھکم پیل اتنا ہی مزا زیادہ کے مصداق پارکنگ لاٹ میں تِل رکھنے کی جگہ نہ تھی گاڑی پارک کرنا تو دور کی بات تھی۔ فیضان اور آسیہ بھی بیتے سال کو الوداع اور نئے سال کو خوش آمدید کہنے اپنے دوستوں کے ہمراہ کلب پہنچ کر گاڑی پارک کرنے کی جگہ کے متلاشی آگے پیچھے گھوم رہے تھے۔ سڑک کے پار بمشکل ڈبل پارکنگ کرنے کے بعد دونوں اندر آ گئے۔ تمام دوست اپنی بیگمات کے ساتھ وہاں پہلے سے موجود تھے۔ جونہی انہوں نے وہاں قدم رکھا تو تمام لائٹس آف ہو گئیں اور آسیہ بانہوں کے حصار میں چلی گئی۔ وہ اپنے چہرے پر کانٹوں کی مانند چبھتی ہوئی مونچھوں پر تلملا کر پیچھے ہٹی اور پورے استحقاق کے ساتھ دھکا دیا۔ کیونکہ فیضان تو کلین شیو تھا۔ وہ سمجھ چکی تھی کہ یہ ناہنجار اس کی سہیلی للی کا شوہر تھا۔ یہ کرسچن کپل تھا۔ اور ان کے دوستوں میں سب سے اہم تھا۔

چند سیکنڈ بعد یعنی بارہ بجے جب لائٹیں ایک دم سے آن ہوئیں تو وہ سین دیکھنے والا تھا کہ للی کا شوہر شمون اس رش میں شراب میں دُھت اس کے دھکے کی وجہ سے کتنے ہی مردوں اور خواتین کو گراتا ہوا زمین بوس ہو چکا تھا۔ سب نعرے لگاتے ہوئے سنبھلنے لگے تھے۔ آج کچھ بھی برا نہیں لگ رہا تھا۔ کانوں کو پھاڑنے والا میوزک دوبارہ بج اٹھا تھا۔

یہ میوزک نئے سال کی آمد کا سندیسہ لے کر آیا تھا اس لئے ہال میں سیٹیوں، چیخوں، قہقہوں کی بوچھاڑ بتدریج بڑھتی جا رہی تھی جس میں بوتلوں سے اُچھلتی ہوئی شیمپین نے اپنا رنگ جما رکھا تھا۔ بیئر کے کینز کھلنے کی آواز پر ایک زوردار نعرہ بلند ہوتا تھا۔ غرضیکہ چار سُو شیطانیت اور جہالت کا غلبہ تھا۔ اور سب شاداں وفرحاں تھے۔

چھوٹے بچے گھر میں قید اور بڑے مکمل طور پر آزاد تھے۔ شان بھی ڈرائیور کو لئے اپنے چند دوستوں کے ساتھ نیو ایئر نائٹ منانے اپنے دوست کی انوی ٹیشن پر اس کے فارم جا چکا تھا۔ ان معصوم اور چھوٹے کلاکاروں نے ویڈیو گیمز کو خوب انجوائے کیا اور تینوں بہنیں گھر

میں اُلٹی سیدھی ویڈیو گیمز سے اپنا دل بہلاتی رہیں۔
رات کے دو بجے مین ڈور کے کھلنے کی آواز پر حرم فوراً بستر میں آنکھیں بند کر کے لیٹ گئی۔ ویڈیو گیم آن رہ گئی اور کمرے کی لائٹیں بھی اس کے جھوٹ اور مکر وفریب کی غمازی کر رہی تھیں۔

''مجھے بے وقوف بنانے کے لئے عقل وسمجھ چاہئے۔ وہ خانہ تو خالی ہے۔ اللہ کرے خالی ہی رہے۔ ورنہ تم تو دن دہاڑے ہمیں یہ تسلیم کروا کر چھوڑو گی کہ یہ دن نہیں رات ہے۔ حرم بی بی! تم ان دو بہنوں کی بڑی بہن ہو۔ کچھ عقل سیکھو۔ اگر تم واہیات گیمز میں لگی رہو گی تو چھوٹی بہنیں بھی تو یہی سیکھیں گی۔'' آسیہ تنبیہاً بولی اور کمرے کی لائٹیں آف کر کے باہر نکل گئی۔ حرم خود کو کوسنے لگی۔ ماہ اور ماہا ابھی تک لاؤنج کے صوفے پر براجمان گیم کھیل رہی تھیں۔ ٹی وی پر کارٹون جاری تھے۔ ان کے چہرے مطمئن تھے۔ ڈر اور خوف کا نام ونشان تک نہ تھا۔ انہیں ماں سے پیار ولگاوٹ کی توقع تھی۔ کیونکہ قصور بڑی بہن کا تھا۔ یہ تو معصوم اور نادان تھیں۔

□.......○.......□

''آسی! سنگاپور کا ٹرپ بہت چھوٹا ہے۔ یوں سمجھو کہ پلک جھپکتے تمہارے پاس۔'' فیضان نے ہینڈ کیری کو بند کرتے ہوئے کہا۔

''آپ ہر بار مجھے یہی چکمہ دے کر چلے جاتے ہیں۔ مگر میری پلکیں جامد ہو جاتی ہیں مہینے بھر کے لئے۔ ہماری زندگی بہت اچھی گزر رہی تھی۔ پیسے کی کمی تھی، نہ ہی ہماری قربتوں اور محبتوں میں کسی کی شراکت تھی۔ جب سے آپ نے دولت کا پیچھا شروع کیا ہے، نہ آپ سکون میں ہیں نہ ہی میں چین میں ہوں۔ یہ سلسلہ کب تک چلے گا؟ حرص ولالچ ایسی لعنت ہے جس کی کوئی حد نہیں۔ دولت بڑھانے کا نشہ اچھے برے کی تمیز مٹا دیتا ہے۔ میرے دل ودماغ میں وسوسوں اور خدشوں نے ڈیرا جما لیا ہے۔ ان کا کیا کروں؟'' وہ جھلّا کر بولی۔

''تم ایک پریکٹیکل خاتون ہو۔ افسانوی اور فلمی کہانیوں پر مت جاؤ۔ یہ سب بکواس ہے۔ حقیقت میں ایسا نہیں ہوتا۔ زندگی میں چند لمحے ایک دوسرے کی رفاقت میں مل جائیں تو غنیمت سمجھ کر خوب لطف اندوز ہونا چاہئے۔ تم وہ وقت بھی اندیشوں اور شکایتوں کے سپرد کر دیتی ہو۔ وہ فضیحت کے انداز میں بولے۔'' نہ جانے کن سہیلیوں میں کیا سیکھ کر اُٹھتی ہو۔''

''فیضان! بچے بچپن سے نکل کر لڑکپن اور جوانی کی دہلیز پر قدم رکھنے کو تیار کھڑے ہیں۔ آپ کو ان کی کچھ خبر ہے کہ ان کے مسائل کیا ہیں؟ اس وقت شان کو آپ کی guidance چاہئے۔ بچیوں کو آپ کی توجہ اور شفقت کی ضرورت ہے۔ اپنا کشکول دولت سے بھریئے اور ہمارے میں ڈالیے کھوٹے سکے۔ سودا تو گھاٹے کا ہی ہوا نا۔'' وہ ایک دم سے روہانسی ہو گئی۔

''ان ذمہ داریوں کے لئے ماں سے بڑھ کر باپ نہیں ہو سکتا۔ اسے تو اپنے خاندان کو آگے بڑھانے کے لئے ملکوں ملکوں خوار ہونا پڑتا ہے۔ جو بیوی سے شہد کی مکھی کی مانند چپکے

رہتے ہیں، نہ اپنا اسٹیٹس ہائی کر سکتے ہیں نہ دوسروں کی نظروں میں باعزت ہو سکتے ہیں۔ تمہیں اپنے اور غیر سبھی رشک بھری نظروں سے دیکھتے ہیں۔ باقی میں تم پر پورا بھروسہ اور اعتماد رکھتا ہوں۔ تم تعلیم یافتہ خاتون ہو۔ میرے بچوں کے لئے بہترین اور لاجواب۔ کبھی فکرمند نہیں ہوا۔ گاؤں سے بیاہ کر لے آتا تو پھر تالاب کے مینڈک جیسی میری زندگی ہوتی، مگر وہ جاہل پھر بھی خوش اور مطمئن نہ ہوتی۔''

وہ خوشامدانہ لہجے میں بولے تو وہ طنزیہ مسکرادی۔

''عزت افزائی کا شکریہ۔ آپ جانتے ہیں کہ باپ کی توجہ اولاد کے لئے بہت ضروری ہوتی ہے۔ ان کے دلوں میں اِک ڈر، خوف اور لحاظ کا بسیرا ہوتا ہے اور ماں کی نصیحت انہیں بری نہیں لگتی۔ جب چوبیس گھنٹے وہ صرف میری شکل دیکھیں گے اور آپ کی طرف سے بھی بے توجہی کو محسوس کریں گے تو پھر میرا ڈر و لحاظ کاہے کا رہا؟'' اس کی پیشانی پر بل آ گئے۔

''بات تو درست ہے میری جان! مجبوری ہے۔ کیا میرا دل نہیں چاہتا کہ میں بھی کچھ وقت اپنی فیملی کے ساتھ گزاروں؟'' وہ ملائمت سے بولے۔

''بات تو آپ کی درست ہے۔ پھر بھی میں ہر وقت مضطرب رہتی ہوں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم قارون کے خزانے پر بے یار و مددگار بیٹھے ہوں اور ہمارا کوئی بھی پرسانِ حال نہ ہو۔ اللہ نہ کرے کہ ہمارا انجام ایسا عبرت ناک ہو۔ بچوں کے ساتھ والدین کی اپنائیت نہ ہو تو بڑھاپا ذرا مشکل ہو جاتا ہے۔'' وہ قدرے سہم کر بولی۔

''پگلی بیگم! یہ جو پیسہ ہوتا ہے نا، اس میں اتنی طاقت اور کشش ہے کہ اولاد تو کیا غیر بھی کھنچے چلے آتے ہیں۔ ہمیں کسی کا محتاج نہیں ہونا پڑے گا۔ دنیا ہماری محتاج ہو گی۔ میں جو hand made کارپٹس کے بزنس میں ہاتھ ڈال رہا ہوں، تم میری بات یاد رکھنا، ہمیں mill owner بننے میں زیادہ وقت نہیں لگے گا۔ پھر اپنی جان کو بہت بڑا شاہانہ محل خرید کر دوں گا۔ ایسا محل جو آج تک ہمارے خاندان کے کسی فرد کے نصیب میں نہیں ہوا۔ بھئی تمہاری قربانیوں کا صلہ نہ دیا تو مجھے روزِ حشر گریبان سے پکڑ لیا جائے گا۔ بیگم! خوش رہو اور خوش رکھنے کے تمام گُروں سے آشنا رہو۔'' وہ اسے بوسہ دیتے ہوئے بولے۔ ''اگر تم اجازت نہیں دو گی تو میں اس بزنس کو با آسانی چھوڑ سکتا ہوں۔ میرے لئے تمہاری خوشی بہت اہم ہے۔''

اپنی اہمیت کے بارے میں سن کر آسیہ کو اپنی خوش بختی پر جو ناز و فخر ہوا تھا وہ دل کی گہرائیوں تک سکون و خوشی، طمانیت اور راحت بن کر اُتر گیا۔ اور وہ دل ہی دل میں خود کو لعنت ملامت کرنے لگی۔ یہ ہے میرا ابدی اور ازلی سرمایہ جس پر مجھے شک ہونے لگتا ہے۔ یہ ہے میری اصلی جاگیر اور دولت جس کے بغیر میں ایک پل بھی نہ گزار سکوں۔ وہ خوشی و انبساط کے نشے میں جھومتی ہوئی محبت آگیں نظروں سے انہیں دیکھنے لگی۔

''اب مجھے ہنسی خوشی رخصت کرو۔ ورنہ وہاں میں بہت پریشان رہوں گا۔ یقین کرو،

میں غلط بیانی سے کام نہیں لے رہا۔ جس کام کو سمجھنے کے لئے دس منٹ لگنے چاہئیں، وہ دس گھنٹوں تک پھیل جاتا ہے۔ بیوی شوہر کا ذہنی وقلبی سکون ہوتی ہے جس کے سہارے وہ جنگِ عظیم بھی جیت کر آتا ہے۔ آکاش پر کمندیں ڈال کر دوسروں کو حیران و پریشان کر دیتا ہے۔ کیونکہ مرد میں اتنی ہمت کہاں؟ یہ جرأت اور طاقت رگ و ریشہ میں فقط تمہاری مسکان سے سرائیت کر جاتی ہے۔'' ان کے لہجے میں سچائی کی جھلک نمایاں تھی جس پر آسیہ کو بھروسہ تھا۔ وہ تشکر آمیز نظروں سے انہیں دیکھنے لگی۔

''میری غیر موجودگی میں میری یاد اور انتظار کے علاوہ بھی کچھ کرلیا کرو یار! اپنی فرینڈز کے ساتھ شاپنگ، لنچ اور مووی وغیرہ کے پروگرام بنانے کے بارے میں سوچو۔ بچوں کو بھی آزادی دو اور خود بھی تھوڑے وقت کے لئے ریلیکس رہو۔ ہر وقت بچوں کے سر پر سوار رہو گی تو ان میں خود اعتمادی کبھی نہیں آئے گی۔ پھر تمہاری اپنی بھی تو لائف ہونی چاہئے۔ اب ہم اس کلاس سے نکل چکے ہیں جہاں بیوی، شوہر کے انتظار میں کھانا نہیں کھاتی تھی۔ اس کی اجازت کے بغیر کہیں نکل نہیں سکتی تھی۔ اس کا پہناوا، اُٹھنا بیٹھنا، کھانا پینا حتیٰ کہ سانس لینا بھی شوہر کی مرضی پر منحصر ہوتا تھا۔ تم ایک آزاد اور خود مختار عورت ہو۔ اپنی آزادی اور خود مختاری کو خوب انجائے کرو۔ جیسے میں تمہیں مصروفیت میں بھی یاد رکھتا ہوں، تم عیش میں بھلا نہ دینا۔'' وہ لگاوٹ واپنائیت سے بولے تو اس کی آنکھیں خوشی سے چھلک پڑیں۔

''How lucky I am۔ اگلے جہاں میں بھی آپ کی جان نہیں چھوڑوں گی۔ خبردار جو کسی حور کی طرف نظر اٹھا کر بھی دیکھا۔'' وہ ڈبڈباتی آنکھوں کے ساتھ مسکرا رہی تھی۔

□.......○.......□

فیضان عباسی کے گھر آج پارٹی ان کی پندرھویں ویڈنگ اینی ورسری کی خوشی میں منعقد ہوئی تھی۔ پارٹی کے انتظامات خوب وسیع پیمانے پر کئے گئے تھے جس میں فیضان کے قریبی دوست، اس کے ہم پیالہ و ہم نوالہ اور آسیہ کی بے شمار فرینڈز جن میں کوئی صنعت کار اور کوئی کسی مشہور بزنس مین کی بیگمات تھیں، ذوق وطرب کی اس محفل کی روحِ رواں تھیں۔ آج شان کو بھی حفظِ ماتقدم کے طور پر دوست کے ہاں نائٹ گزارنے کی اجازت فراخ دلی سے دے دی گئی تھی۔

تینوں بہنوں کو آئس کریم اور والدین کے لئے پریزنٹ خریدنے کے لئے آپا کے ساتھ مارکیٹ بھیج دیا گیا۔ انہیں بڑوں کی محفل میں جھانکنے تک کی اجازت نہیں ہوتی تھی جس کی وجہ سے بچوں کے تجسّس واشتیاق میں بتدریج اضافہ ہو رہا تھا۔

تینوں واپس پہنچیں تو لان میں دھیمے موزک کے سُروں اور روشنیوں نے انہیں اپنی طرف متوجہ کرلیا۔ وہاں اس وقت سب ایک دوسرے کی کمر میں بانہیں ڈالے ڈانس کر رہے تھے۔ حرم نے چونک کر اپنے والدین کی طرف دیکھا۔ وہ مہمانوں سے محوِ گفتگو تھے۔ حرم کو وہ

ماحول بے حد شرم ناک لگا تھا۔

آٹھ سالہ حرم کو چھٹی حس نے جو سگنل دیا تھا، وہ ایک فطری جذبے کے تحت ہی ملا تھا۔ فضا میں رچی ہوئی شراب کی سڑاند بھی نتھنوں کو بھلی نہ لگی تھی۔ یہ کیسی پیپسی تھی؟ وہ کچھ نہ سمجھی۔ خاموشی سے اپنے کمرے میں آ گئی۔ ماہم اور ماہا دھیں میوزک کے ساتھ اپنے ننھے اور نازک وجود کو ہلانے لگی تھیں۔ آسیہ کی نظر ان پر پڑی تو وہ پریشان ہو کر ان کی طرف لپکی اور ڈانٹ کر انہیں وہاں سے بھگا دیا۔

پارٹی آدھی رات تک چلی۔ کیونکہ ڈرنک کھلم کھلا سرو کی جا رہی تھی۔ آسیہ شوہر کی خاطر اس میں طوعاً کرہاً اپنی حدوں کو برقرار رکھے شامل تو تھی مگر دل میں اِک خلش تھی۔ بہت سی بیگمات نے تو حدیں ہی عبور کر ڈالی تھیں۔

سگریٹ کے مرغولے اور خوشبوؤں میں نہائی ہوئی بیگمات کے منہ سے ڈرنک کی بدبو اور سڑاند کی آمیزش نے فضا کو عجیب سا رنگ دے رکھا تھا۔ کھانا بھی بے حساب اور لاجواب تھا۔ مگر افسوس کی بات کہ ڈرنک کرنے والوں کو اس کھانے کے ذائقے اور مزے کی خبر ہی کہاں تھی۔ کھانے کا مزا شراب کی نذر جو ہو چکا تھا۔

کچھ لوگ جانوروں کی طرح کھانے پر ٹوٹ پڑے تھے، کچھ حضرات ابھی تک ڈرنک میں مصروف تھے۔ کیونکہ انہیں ہمیشہ اسی کی پیاس رہتی تھی اور یہی ان کی بھوک مٹانے کے کام آتی تھی۔ اوور ڈرنکنگ سے بعض جوان حضرات صوفوں پر ہی نیم دراز ہو چکے تھے۔ جنہیں بیویاں اور ڈرائیور سہارا دے کر بمشکل گاڑی تک لائے تھے۔ کس قدر شرمندگی اور بے عزتی کا مقام تھا کہ چند لمحوں کی عارضی لذت کی خاطر انہوں نے اپنی عزتِ نفس کو تیاگ دیا تھا۔ اپنی انا کو مجروح کر دیا تھا اور اپنی مردانہ خودداری اور غیرت کو شراب کے جام میں ڈبو دیا تھا۔ مگر اس وقت وہ ہر طرح کے احساسات و محسوسات سے محروم ہو چکے تھے۔

آسیہ نے یہ گندگی اور غلاظت کئی بار اپنی آنکھوں سے دیکھی تھی۔ ایسی بے شمار پارٹیز بھی اٹینڈ کرنے میں قباحت محسوس نہ کی تھی۔ مگر اپنی چار دیواری تو ہمیشہ ہی اس سے محفوظ اور پاکیزہ رہی تھی۔

آج اپنے گھر کو دوزخ کے دہانے پر دیکھ کر وہ گھبرا گئی تھی۔ کیونکہ اس کا گھر تو ہر طرح کے حرام سے پاک صاف تھا۔ آج دولت کی بہتات نے انہیں گناہوں اور آزمائشوں کے قریب کر دیا تھا۔ وہ یہ سوچ کر لرز رہی تھی، فیضان ڈرنک پہلے بھی کرتے تھے مگر گھر میں ایسی غلطی جن کے اثرات بچوں کے لئے درست ثابت نہ ہوتے، کبھی سرزد نہ ہوئی تھی۔ اس غلطی کو بزنس تک ہی محدود رکھا گیا تھا جہاں Foreigners کا ساتھ دینا ضروری سمجھا جاتا تھا۔ فیضان طبعاً ایک شریف النفس انسان تھے۔ بیوی اور بچوں سے بے پناہ محبت کرتے تھے۔ لیکن بزنس کے اُلجھیڑوں میں انہوں نے اپنی فیملی کو وقت بہت کم دیا تھا۔ جب سے نیا بزنس

اسٹارٹ ہوا تھا، مہینوں کے لئے وہ غائب ہو جایا کرتے تھے جسے آسیہ کے لئے ہضم کرنا محال ہو گیا تھا۔ کئی وسوسے اور اندیشے اسے دہلا دیا کرتے تھے۔ مگر جونہی فیضان کی محبت بھری باتیں سنتی تو اپنی ذہنی اختراعات پر شرمساری کی کیفیت میں اپنے تمام اعتراضات واپس لے لیتی۔ آج بھی بحث و مباحثے کے بعد اس نے سر تسلیم خم کر لیا تھا۔

''فیضان! آپ نے مجھ سے بارہا ایک وعدہ نبھانے کا ذکر کیا تھا۔ اب مسلسل خاموشی ہے۔ لگتا ہے کہ میری اور بچوں کی طرح وہ بھی مصروفیت کی نذر ہو گیا ہو گا یقیناً۔'' وہ فیضان کے کندھے سے سر ٹکا کر ٹی وی دیکھتے ہوئے بولی۔ ''وعدہ ایفا نہ کرنا آپ جانتے ہیں کہ بہت بڑا گناہ ہے۔ یاد دہانی کرانا چاہتی ہوں، آپ نے کہا تھا کہ اپنی رانی کے لئے اِک محل بناؤں گا۔'' وہ خوشگوار لہجے میں بولی۔

''ہوں۔'' فیضان نے ٹی وی دیکھتے ہوئے سر ہلایا۔

''ہمارے گھر کو حاسدوں کی نظر نہ لگ جائے فیضان! میں خوشیوں اور محبتوں میں بھی نہ جانے کیوں سہمی رہتی ہوں۔ دل کو دھڑکا سا لگا رہتا ہے کہ ایسا نہ ہو جائے، ویسا نہ ہو جائے۔ اصل تو باہمی اتفاق ہی ہے جو انمول ہے۔ ویسے مجھے کوئی لالچ نہیں۔ اگر جھونپڑی میں بھی آپ کا ساتھ ہے تو وہ میرے لئے پیلس ہی ہے۔ آپ رہتی دنیا تک سلامت رہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ ہماری حرص کبھی ختم نہیں ہوتی۔ اور نہ ہی بے سکونی کے آغاز کا احساس ہوتا ہے۔ مجھ سے ایک وعدہ کیجئے۔ برا تو نہیں منائیں گے؟'' وہ سنجیدگی سے بولی۔

''یار! مردوں کے وعدے وعید صابن کی جھاگ کے مترادف ہیں۔ وعدے بھلانے کے لئے اور قواعد و ضوابط کی باتیں نبھانے کے لئے نہیں ہوتیں۔ بھول گیا تو بھی درست ہے۔ جرم اتنا بڑا نہیں کہ قابل معافی نہ ہو۔''

''یہ سراسر چیٹنگ ہے۔'' وہ ہنستے ہوئے بولی۔ ''کئے ہوئے پارینہ وعدوں کی یاد دہانی نہ کی جائے تو وہ باسی پڑ جاتے ہیں۔''

''پریشان ہونے کی بات نہیں۔ شاید تم وقت گزرنے کے ساتھ بھول گئی ہو، غالباً آج کی ہی تاریخ تھی۔ ویسے کی رات تھی۔ ہم نے ایک دوسرے کا مشورہ اور نصیحت سننے کا وعدہ صدقِ دل سے کیا تھا۔ پندرہ سال گزر گئے۔ ایسا لگ رہا ہے جیسے چند پل گزرے ہوں۔ مشورہ اور نصیحت مانیں یا نہ مانیں، سننے میں قطعاً ہرج نہیں۔ بندۂ خاکی منتظر ہے۔'' وہ خوش دلی سے بولے۔ ''وعدہ سننے تک ہی محدود تھا۔''

''تو پھر ملاحظہ فرمایئے۔ کہا سنا معاف۔ جان کی امان پاؤں تو عرض کروں۔ فیضان جی! آپ جانتے ہیں کہ ہمارے رب نے شراب کو حرام قرار دیا ہے۔ اب یہ نحوست میرے گھر تک پہنچ گئی ہے۔ میری جنت میں معصوم فرشتوں اور معصوم حوروں کا بسیرا ہے۔ مجھے ان کی سلامتی چاہئے۔ ان کے اخلاقیات و کردار کی مضبوطی اور پاکیزگی چاہئے۔'' ماحول میں ایک دم سے

خاموشی چھا گئی۔

"آج مجھے آپ سے گھن اور خود سے بے تحاشا نفرت محسوس ہوئی ہے۔ مجھے خوف آنے لگا ہے کہ کہیں ہمارے اس حسین ودلنشیں اور مستحکم رشتے میں حرام، نفرت اور گھن کی ملاوٹ سے دراڑ نہ پڑ جائے۔ مجھے آپ سے سوائے محبت وتوجہ کے اور کچھ نہیں چاہئے۔ آپ تین بیٹیوں اور اکلوتے بیٹے کے باپ ہیں۔ ہم پر بچوں کی جو ذمہ داریاں عائد ہیں ہم انہیں خوش اسلوبی سے نبھائیں گے تو ہماری نسل آگے بڑھے گی اور پھولے پھلے گی۔ ورنہ ہمارا نام ونشان مٹ جائے گا۔ اسی شراب کے جام کی نذر ہو جائے گا۔" اس کے لہجے میں سنجیدگی اور فکرمندی آ گئی۔ "آنو! پلیز اسے گھر سے نکال دیں۔ ہمارا تعلق بھی تو ایک مذہبی خاندان سے ہے۔ عمر بڑھنے کے ساتھ یہ احساس پکا اور مضبوط ہوتا جا رہا ہے۔ اگر شان گھر پر موجود ہوتا تو آپ سوچیں کہ اس پر کتنے برے اثرات پڑتے جب وہ آپ کو اپنے دوستوں کے سامنے drunk دیکھتا۔ اسے اس سے پہلے کبھی شک تک بھی نہیں ہوا۔ باپ، بیٹوں کے آئیڈیل ہوتے ہیں۔ وہ انہی کے نقش قدم پر چلنے اور ان سے داد وتعریف وصول کرنے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں۔ آپ کی اپنی مثال آپ کے سامنے ہے کہ آپ نے زندگی میں ہر کام اپنے والد صاحب کے نقطۂ نظر کو اوّلیت دے کر شروع کیا اور اسی ثابت قدمی سے پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔"

وہ آسیہ کی باتیں سن کر سوچ میں پڑ گئے تھے۔ کیونکہ اس نے باتیں نہایت دُور اندیشانہ کی تھیں۔ وہ خاموش ہو گئے۔۔

دو دن بعد آسیہ نے پھر سونے سے پہلے اسی موضوع کو ہلکا سا چھیڑا ہی تھا کہ اس سے کنارہ کشی کرنے میں ہی ہماری بھلائی ہے۔ ورنہ تباہی کو میں دیکھ رہی ہوں۔

وہ چونک کر اسے دیکھنے لگے۔ محبت کی چاشنی میں ڈوبی ہوئی تنقید دل کو بہت ناگوار گزری۔ وہ اس حقیقت سے ناآشنا تھی کہ یہ تو اس شے کے چھوڑنے کا ذکر کر رہی تھی جس نے بہت سے ہنستے بستے گھروں کو تباہ و برباد کر دیا تھا۔ سہاگنوں کو شوہر کی سلامتی کے باوجود بیواؤں جیسی زندگی ان کے نصیب میں لکھ دی تھی۔ باپ کے ہوتے ہوئے بچوں کو یتیم اور بے سہارا کرنے والی علت سے چشم پوشی کرنے والے شوہر کو بھلا یہ تنقید کیسے برداشت ہوتی؟ جب اللہ تعالیٰ کے حکم کو جھٹلاتے وقت شرم وخوف سے دل مفقود رہا تو بیوی کی کیا حیثیت ہو سکتی تھی کہ اس کے دلائل کو اہمیت دی جاتی۔

"فیضان! آپ ایک دم خاموش سے کیوں ہو گئے ہیں؟ وعدے کے مطابق مائنڈ تو نہیں کرنا چاہئے نا۔" وہ متذبذب لہجے میں بولی۔

"بیگم! یہ مت بھولو کہ ہر انسان کو اپنی شخصی آزادی پر پورا پورا حق حاصل ہے۔ اس لئے بہتر یہی ہے کہ میری زندگی کے کچھ اوراق کو پڑھنے کی غلطی مت کرو۔ کچھ سمجھ نہیں پاؤ گی۔ خوامخواہ اپنی اور میری زندگی کو جہنم میں دھکیل دو گی۔" لہجے کی سختی پر وہ ہراساں سی ہو کر انہیں

دیکھنے لگی۔

''فیضان! شراب دوزخ کی بھڑکتی ہوئی آگ ہے۔ مجھے ڈر ہے یہ آگ میرے گھر کو بھسم نہ کر ڈالے۔ اگر آپ اسے شخصی آزادی کا نام دیتے ہیں تو یہ کیسی آزادی ہے کہ جو بچوں کے مستقبل کے لئے سراسر غلامی ہے۔''

''آسیہ! خدا کے لئے مجھے اس قسم کی دھمکیاں مت دو۔ جو تم چاہتی ہو وہ ہونا ناممکن ہے۔'' وہ مستحکم لہجے میں بولے۔

''یعنی نشہ مجھ پر فوقیت لے گیا۔ شراب مجھ سے اہم ہوگئی۔ میں آپ کی ماما سے بات تو کر سکتی ہوں۔ کیونکہ یہ منحوس چیز ہمارے خاندان میں نہ تو کل تھی نہ ہی آج ہے، نہ ہی آئندہ ہوگی۔ اور میری امی تو سن کر ہی اللہ کو پیاری ہو جائیں گی۔'' وہ بھی مستحکم لہجے میں ترکی بہ ترکی بولی۔ ''آپ کی زندگی کے ساتھ ہم سب کی خوشیاں جڑی ہوئی ہیں۔ اس لئے خودغرضی سے باہر نکل کر سوچیں۔''

''ماما کو بتاؤ گی تو پھر طلاق نامے پر سائن کرنا مت بھولنا۔ میں اسی سوسائٹی کا مرد ہونے کے باوجود تمہیں مکمل طور پر حقوق دے چکا ہوں۔ تم عورت ہو کر مجھ پر کمانڈ کیسے کر سکتی ہو؟'' وہ زہر آلود لہجے میں کھا جانے والی نظروں سے گھورتے ہوئے بولے۔ ''اپنی حیثیت پہچانو۔ تمہیں تاج کا نگینہ بنایا ہے تو اسے نکال کر نیا جڑنا بھی آتا ہے۔''

''فیضان! پندرہ سال بعد آپ کی اصلیت نظر آئی ہے۔ اصل مردانگی اور غیرت جو اس معاشرے کا ہر مرد اپنا اولین حق سمجھتا ہے۔ ورنہ وہ مرد کہلانے کے قابل نہیں سمجھا جاتا، سچائی تو یہ ہے۔ افسوس کہ آپ بھی ایک عام مرد ہی نکلے۔ مجھے عرش سے فرش تک لانے میں چند لمحے ہی تو لگے ہیں۔ آپ مجھے نہیں بلکہ اپنی نسل کو پستیوں کے سپرد کرنا چاہتے ہیں۔ اگر مجھے آپ سے ہمدردی نہ ہوتی تو چپ سادھے آپ کی اُلفتوں اور لگاوٹوں کے سمندر میں غوطہ زن رہتی۔ اور وقتی لطافت سے ہمکنار رہتی۔ لیکن میں ایسا نہیں کر سکتی۔ مجھے اپنے ماحول اور تربیت نے جو ادراک سونپا ہے، اس میں دغا بازی، جھوٹ و فریب کا درس نہیں دیا جاتا۔ اس وقت آپ کو سمجھانا، اعتراض کرنا اور اپنی یہ جائز خواہش منوانا میرا حق بنتا ہے۔ کیونکہ ہم ایک ہی گاڑی کے دو پہیئے ہیں۔ ان کا توازن قائم رکھنا بہت لازمی سمجھتی ہوں۔'' وہ سختی سے بولی۔

''کیا لازم ہے؟ میں بخوبی سمجھتا ہوں۔ اس لئے اپنے کام سے مطلب رکھو۔ اور خبردار جو آئندہ مجھے ماما کی دھمکی دی۔ کان سے پکڑ کر باہر نکال دوں گا۔'' وہ زوردار لہجے میں بولے۔ رقیق القلب شوہر آج طناز اور ظالم نظر آ رہا تھا۔ مزاج کی سختی بتدریج بڑھتی جا رہی تھی۔ آسیہ کو ایسی توہین آمیزی کی عادت نہیں تھی۔ اسے یوں محسوس ہوا جیسے وہ ریزہ ریزہ ہو کر ہواؤں میں تحلیل ہو جائے گی اور اس کا نام و نشان تک مٹ جائے گا۔

''مطلب یہ ہوا کہ میں آپ کے لئے کچھ بھی نہیں ہوں۔ آپ کے فارن ٹورز نے مجھے

ریڈ سگنل تو دے ہی دیا تھا۔ میں ہی آپ کی محبت میں قانون کی خلاف ورزی کرتی رہی اور آگے بڑھتی رہی۔ فیضان! جس رشتے میں عفریت کا پلڑا بھاری ہو جائے وہ جلد یا بدیر ہمیشہ کے لئے ٹوٹ جاتا ہے۔ ہمیں اپنے رشتے کو استوار رکھنے کے لئے مل کر قدم اٹھانا ہے۔ آپ نے جو کچھ مجھے کہہ دیا، میں بھلا دوں گی۔ اور مجھ سے جو بھی گستاخی ہوئی ہے، آپ معاف فرما دیں۔ صرف ایک خواہش ہے کہ اس گھر کو شرابیوں کی آماجگاہ مت بنائیں۔'' وہ ملتجیانہ انداز میں بولنے لگی تھی۔

''پھر وہی ضد۔'' وہ متنفر ہو کر بولے۔ ''میں دھمکی نہیں دے رہا۔ اگر تم نے آج کے بعد اپنی ہٹ دھرمی مجھ پر مسلط کی تو علیحدگی ہی اس مسئلے کا حل ہو گی۔ دن رات کی محنت کے بعد گھر آؤ تو کبھی بیوی کا منہ پھولا ہوا تو کبھی نصیحتوں اور مشوروں کی بھرمار۔ کیا تم مجھے بے وقوف سمجھتی ہو؟ کم سن اور کم عقل تصور کرتی ہو جو ماں کے رول کو اپنانے کی کوشش میں ہو؟ بیوی بن کر رہو، بہتری اسی میں ہے۔'' وہ حقارت و نفرت سے اسے دیکھنے لگے تو آسیہ کا اعتماد اور مان بھک سے اُڑ گیا۔

''آج تو آپ کو گرگٹ کی طرح رنگ بدلتے دیکھ کر نانو کی باتیں یاد آنے لگی ہیں جو مجھے ہمیشہ سراسر جھوٹی کہانیاں اور ذہنی اختراعات لگا کرتی تھیں۔ مگر وہ سچ کہا کرتی تھیں۔ وہ بڑی ہی زیرک سوچ کے مطابق بہت گہری بات کر گئیں۔ میں آج سمجھ پائی ہوں کہ مرد تو سرہانے کا سانپ ہے۔'' وہ آنسو صاف کرتے ہوئے بولی تو وہ اسے ندامت بھری نظروں سے دیکھنے لگے۔ کیونکہ انہوں نے بھی آج تک آسیہ سے اس قدر ہتک آمیز لہجے میں بات نہ کی تھی۔ اس کی تنقید و نصیحت کو نہایت سنجیدگی سے ایک کان سے سنتے اور ہنستے ہوئے دوسرے کان سے باہر نکال دیا کرتے تھے۔ وہ ان کی اس ادا کو جانتے ہوئے بھی کبھی غصہ اور ناراضگی نہیں دکھاتی تھی۔ طلاق کی دھمکی پر وہ کافی دیر شاکڈ سی کیفیت میں آنکھیں پھاڑے انہیں دیکھتی رہی کہ شاید انہوں نے چھیڑ خانی کی ہو۔ لیکن ان کی نگاہوں سے لپکتے ہوئے شعلوں نے اس کے تن من کو آگ ہی تو لگا دی۔

''قصور آپ کا نہیں۔ آپ اس فطرت سے مجبور اور بے بس ہیں جس کی آمیزش سے آپ کا پتلا بنایا گیا تھا۔ برتر ہونے کا احساس آپ کے قلب و ذہن میں پھونک دیا گیا تھا۔ یہ کیسے ممکن تھا کہ دھمکی کا جواب دھمکی میں نہ دیتے تو شوہر کیسے کہلاتے؟'' وہ لاچارگی سے بولی تو اپنی شرمندگی پر قابو پا کر مسکرانے لگے جیسے زبان سے زہر نہیں، لڈو پھوٹے ہوں۔ وہ ان کی بے حسی پر جل بھن کر رہ گئی۔ تڑپ کر بولی۔

''میں روزِ قیامت اپنے پالنہار سے ایک سوال ضرور کروں گی کہ مجھے اس قدر بے وقعت و بے حیثیت پیدا کرنے سے پہلے میرا دماغ اور میرا دل تمام احساسات، جذبات و محسوسات سے عاری کیوں نہ کیا؟ مجھے ایک مرد سے بڑھ کر ذہانت و فطانت سونپ کر مجھے

تمام اختیارات اور تمام حقوق سے محروم کیوں رکھا گیا؟ مرد کے ہاتھ میں طلاق دینے کا اختیار، چار شادیاں رچانے کی اجازت دینے میں تمہاری کیا مصلحت تھی؟ تُو باریک بین اور دُور اندیش ہے۔ میرے مالک! تیرے اس بھید کو میں نہیں جانتی۔ روزِ حشر تم سے یہ سوال ضرور کروں گی۔ ضرور کروں گی۔ کیونکہ تُو ستر ماؤں جیسا پیار صرف مرد کے لئے ہی نہیں، میرے لئے بھی رکھتا ہے۔

□.......○.......□

''بیٹا! جب سے آئی ہو، تم نے سوائے علیک سلیک کے ایک لفظ نہیں بولا۔ کیا بات ہے؟ پریشان کن چہرہ اور تمہاری سوچ میں ڈوبی ہوئی نگاہیں بھلا پیغام نہیں دے رہیں۔'' آسیہ کی خاموشی دیکھ کر ماں نے فکرمندی سے کہا۔

''امی جان! پریشانی لفظ بہت معمولی سا ہے، اگر مسئلہ حل ہو جائے تو۔ ورنہ کوہ ہمالیہ ہے، جسے سر کرنا ناممکن ہے۔'' وہ آہ بھر کر بولی۔

''ایسا کون سا مسئلہ درپیش آ گیا ہے جس نے تمہاری زبان پر تالے لگا دیئے ہیں؟ ہنسی اور شوخی چھین لی ہے؟'' وہ اچنبھے سے بولیں۔

''امی! میں فیضان کو طلاق دینے کا حق رکھتی ہوں نا۔ نکاح نامے میں درج ہے۔ مگر آج تک میں نے کسی عورت کی طرف سے ایسے فیصلے کے بارے میں سنا نہیں۔ کیا یہ صرف لکھت پڑھت تک ہی محدود ہے؟'' وہ متذبذب لہجے میں بولی تو ماں نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

''ایسا کیا غضب ہو گیا ہے کہ تم نے یہ سوچ لیا؟ خوشحال ازدواجی زندگی کے پندرہ سال بعد یہ خیال کیسے اور کیونکر آیا؟ ''ہمارے حصولِ حقوق کی خاطر کچھ قوانین پاس تو کئے گئے ہیں مگر اس پر عزت دار عورتیں عمل نہیں کرتیں۔ معیوب سمجھا جاتا ہے۔ ہمارا معاشرہ اس کی اجازت نہیں دیتا۔ تم تو باؤلی ہو گئی ہو۔'' وہ حیران و پریشان ہو کر بولیں۔

''امی! انہوں نے مجھے طلاق کی دھمکی دی ہے۔ میں انہیں طلاق دینا چاہتی ہوں۔ وہ خود کو کیا سمجھتے ہیں؟ میں ان سے کم نہیں ہوں۔ میری تعلیم ان سے زیادہ ہے۔ اگر میں بھی بزنس کی طرف رخ کر لوں تو آپ سب دیکھتے ہی رہ جائیں گے کہ اس خاندان کے ہر مرد کو پچھاڑ دوں۔ اور فیضان سے زیادہ دولت کماؤں۔'' وہ تنک کر بولی تو امی نے سخت لہجے میں سمجھاتے ہوئے کہا۔

''بیٹا جی! جب یہ سب کچھ کرنے میں کامیاب ہو جاؤ گی تو پھر اپنا حق استعمال کر لینا۔ اس وقت تمہارے نان نفقے کا ذمہ دار فیضان ہے۔ تمام اختیارات اس کے ہاتھ میں ہیں۔ بے شک تم سیاہ و سفید کی مالک ہو لیکن فیضان کی اجارہ داری مالک پر ہے۔ اس لئے تم مشورہ تو دے سکتی ہو، دھمکی دینے کی تمہیں اجازت نہیں۔ شوہر کے پیار میں جو عورت اپنی حدوں کو

عبور کر لیتی ہے، بدنصیب کہلاتی ہے۔"

"یہ بے انصافی ہے امی! تو پھر اُس document کا کیا فائدہ ہوا جو لمبی چوڑی بحث اور بزرگوں کے اعتراضات اور خفگی کے باوجود لکھوایا گیا تھا۔ کیا سب کاغذی، بے معنی اور لاحاصل آرزوئیں تھیں؟...... اس منافقت کے پیچھے آپ کی کمزوری پوشیدہ ہے۔ لیکن ایک بات ذہن نشین کر لیں کہ میں کمزور نہیں۔ تعلیم نے مجھے بہت اسٹرانگ بنایا ہے۔ مجھے یہ بتائیں کہ اس حق مہر کا کیا ہوا جس پر میرا حق ہے؟" وہ چڑ کر بولی۔

"جس عورت کا ظاہرانہ پن کمزور نظر آئے تو سمجھو کہ وہ عورت فولادی قلعہ ہے۔ اپنی ازدواجی زندگی کے محاذ پر ایسی ہی عورت فتح مندی کے جھنڈے گاڑ سکتی ہے۔ باقی خلع کا مطلب جانتی ہو۔ اپنے تمام حقوق سے سبکدوشی کے بعد یہ حق استعمال کر سکتی ہو۔ یہ تو بتاؤ کہ ہوا کیا ہے جو ایسی بے ہودہ باتیں کر رہی ہو؟ چار بچوں کی ماں ہو کر تمہیں ایسی باتیں زیب نہیں دیتیں۔ اس وقت تم ذہنی طور پر حد درجے کی کمزور اور بے دم عورت لگ رہی ہو۔ تو بتاؤ کہ مضبوط میں ہوں کہ تم؟" وہ تنک کر بولیں۔

"امی! میں ایک شرابی شوہر کے ساتھ مزید رہنے کی ہمت نہیں رکھتی۔ اس صبر آزما آزمائش میں آپ کی بیٹی ریزہ ریزہ ہو گئی ہے۔ فیضان کو میں نے سمجھانے کی کوشش کی تو انہوں نے فوراً طلاق کی دھمکی دے ڈالی۔ گھر سے نکالنے کا فیصلہ سنا دیا۔ مجھے ان کا سامنا کرتے ہوئے سُبکی اور ہتک کا احساس مار ڈالے گا۔" وہ رونے لگی۔

"نری پگلی ہو۔ ہمارے معاشرے کی عورتیں شرابی تو کیا زانی شوہر کے ساتھ بھی زندگی گزار جاتی ہیں۔ فیضان تو بہت نیک طینت بچہ ہے۔ اس کی قدر کرو بیٹا!" وہ ایسے مسکرائیں جیسے شرابی ہونا کوئی بڑی بات نہیں تھی۔

وہ تڑپ کر تاسف بھرے لہجے میں بولی۔ "امی! آپ نے ایک سال کا الہدیٰ کا جو کورس کیا تھا، دن رات محنت کی تھی، اس کا کیا فائدہ ہوا کہ آپ کو ابھی تک اپنے حقوق کی پہچان ہوئی ہے نہ آپ کسی ہمزاد کو اس کا فائدہ پہنچا سکتی ہیں۔ ویری سیڈ ماما!"

"بیٹا! مجھے اسی معاشرے اور اسی خاندان میں آخری دم تک رہنا ہے۔ میں نے بہت کچھ جانا اور سمجھا ہے۔ مگر میں گونگی اور اندھی بن کر رہوں گی تو تب ایک عزت دار اور پاکیزہ عورت کہلاؤں گی۔ میں جانتی ہوں کہ میں انقلاب نہیں لا سکتی۔ ہاں، ظلم و جبر اور بے انصافی و زیادتی پر سرنگوں ہرگز نہیں ہوں گی۔ خاموشی اور صبر و تحمل سے اپنے مشن پر رواں دواں رہنے میں ہی عورت کی کامیابی ہے۔ میں فقط اس کی حق دار ہوں۔ سن رہی ہو نا؟..... زبان چلانے پر میرا اختیار نہیں۔ سوچنے پر کسی کا پہرہ نہیں۔ عملی میدان میں کامیابی کے لئے قوتِ گویائی کی قربانی ضروری ہے۔ ٹھوس اور سچے دلائل سے شوہر کو آمادہ کرنا چھوڑ دو بیٹا!"

"امی! مجھ میں اتنا صبر نہیں ہے۔" وہ بے بسی سے بولی۔ "میں تو غلط حرکت پر اعتراض

ضرور کروں گی۔"

"تو پھر جاؤ گھر کو شیطان کا اکھاڑہ بنالو یا دنیا بھر میں ذلیل و رسوا ہو جاؤ۔ جب ان تین کپڑوں میں تمہیں ہاتھ سے پکڑ کر دربدر کی ٹھوکریں کھانے کے لئے نکال دیا جائے گا تو پھر تمہیں میری باتوں کی سمجھ آئے گی۔ ابھی غصے اور ضد نے تمہاری عقل پر پردہ ڈال رکھا ہے۔ تم میاں کو طلاق دو گی۔ نادان کہیں کی۔" وہ نخوت سے بولیں۔

"میں آپ کو ابھی سے انفارم کرتی ہوں کہ میں اپنا حق استعمال کر کے چھوڑوں گی۔ اور اس سے جائیداد میں سے حصہ بھی لوں گی۔ بچے بھی میرے زیر سایہ رہیں گے۔" وہ بپھر کر بولی۔

"طلاق کے بعد تمہارا اس کی جائیداد اور دولت میں کوئی حق نہیں۔ اور نہ ہی بچے تمہاری کسٹڈی میں جا سکتے ہیں۔ کیونکہ چاروں بچے قانوناً باپ کی ذمہ داری ہیں۔ بچے اپنی رضامندی کے قابل ہو چکے ہیں۔ اب ان پر تمہارا اختیار نہیں۔ باپ کو تم روک نہیں سکتی۔" وہ سمجھانے کے انداز میں بولیں۔ "اس میں اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے آسانیاں فراہم کی ہیں۔ سمجھنے کی کوشش کرو۔"

"میں ان کی ماں ہوں۔ میں نے انہیں نو مہینے اپنے جگر کا خون پلا کر پروان چڑھایا۔ دردِ زہ سے گزر کر جنم دیا۔ انہیں پالنے میں دن رات ایک کر دیئے۔ باپ نے کون سا کمال کر دیا ہے؟ آج بھی فیضان کو یہ تک تو معلوم نہیں کہ بچے کن کن کلاسز میں پڑھتے ہیں۔ بھلا مالک اور وارث باپ کیسے ہوسکتا ہے؟ آپ کو یاد ہونا چاہیئے کہ جب بھی خاندان میں کسی بچی کو طلاق ہوتی ہے تو آپ ہمیشہ لڑکے کو یہ حقیقت بتانے سے نہیں چوکتیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب اپنی بیوی کو طلاق دی تو بیوی سے اپنا بچہ لینا چاہا اور روتی تڑپتی ہوئی ماں سے انہوں نے بچہ چھین لیا تو وہ طلاق یافتہ عورت، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس داد و فریاد کرتی ہوئی پہنچ گئی۔ انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے غصے کو ٹھنڈا کر کے نہایت پیار سے سمجھایا کہ جو شہد تم اپنے بچے کو مہیا کر سکتے ہو، وہ اس کی ماں کے تھوک کے برابر بھی نہیں ہوسکتا۔ تمہاری بپتا کی مٹھاس اس کے لئے زہر سے کم نہیں۔ اس لئے اپنا بچہ پرورش اور تربیت کے لئے اس کی ماں کو واپس دے دو۔" آسیہ احتراماً مگر سختی سے بولی۔

"آج آپ نے میرے لئے اصول ہی بدل ڈالے ہیں۔ جو قانون آپ خود پر لاگو نہیں کر سکتیں، دوسروں کو اس کے دائرے میں پھانسنے کی کوشش کیوں کرتی ہیں؟"

ماں لاجواب سی ہو کر آسیہ کو دیکھنے لگی۔ کہنے اور عمل کرنے میں اس قدر تضاد پر وہ نادم سی ہو کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔

"اچھا چھوڑو یہ باتیں۔ یہ بتاؤ کیا کھاؤ گی؟ شام سے پہلے تمہیں اپنے گھر اپنے بچوں اور شوہر کے پاس پہنچ جانا چاہیئے۔ بے چارے پریشان ہو رہے ہوں گے۔ باوفا اور پیار

کرنے والی بیوی وہ ہوتی ہے جو طلوعِ آفتاب سے پہلے صفائے قلب کر کے عفو و درگزر سے کام لے۔''

''مجھے کچھ نہیں کھانا۔'' وہ رونے لگی۔ ''آپ کی ہر دلیل نامناسب ہے امی!''

''اتنی بڑی عورت بچوں کی طرح روئے گی تو کون کرے گا اس کی عزت؟'' وہ تنبیہاً بولیں۔ ''اب اُلٹے سیدھے مشورے اپنی سہیلیوں سے نہ لینے چل پڑنا۔ وہ تمہارا گھر برباد کر کے چھوڑیں گی۔ کیونکہ وہ یکطرفہ کہانی سن کر تمہاری ہمدردی اور دکھ میں ایسی شہ دے ڈالیں گی کہ تمہارا تمہارا غصہ کم ہونے کے بجائے آسمان کو چھونے لگے گا اور پھر تمہارے اندر کا شیطان تم پر غلبہ پانے اور ذلیل و رسوا کرنے میں کامیاب ہو جائے گا۔''

''آپ کی گفتگو کا مدعا سمجھ گئی ہوں امی! آپ جانتی ہیں کہ میں آپ کی Support کے بغیر فیضان کو مزا نہیں چکھا سکتی۔ ورنہ انہیں وہ سبق سکھاتی کہ ان کے گرد و پیش کے لوگ بھی مدتوں تک یاد رکھتے کہ ذرا سی بات پر طلاق کی دھمکی دینے کے اثرات کیا ہوتے ہیں۔ افسوس کہ مجھے بے غیرتی کی زندگی گزارنے کی تلقین کر کے آپ نے اپنی بزدلی اور بے ہمتی کا ثبوت دے کر اچھا نہیں کیا۔ میں تو آپ کو بہت اسٹرانگ سمجھتی تھی۔ آپ بھی ایک ڈرپوک ماں نکلیں۔'' وہ تلخی سے بولی اور پرس اٹھا کر باہر نکل گئی۔ ماں اٹھ کر جب تک پورچ تک پہنچی، آسیہ سرعت سے مین روڈ پر نکل چکی تھی۔ اس نے ماں کی طرف پلٹ کر دیکھنا گوارا ہی نہیں کیا تھا۔

'چار بچے پیدا کرنے کے بعد بھی بچی ہی رہی۔ ناسمجھ اور کمسن۔' ماں نے دکھ سے سوچا۔

□.......○.......□

'My foot' وہ پرس بیڈ پر پھینک کر بڑبڑائی۔ 'اسی گھر میں رہ کر تمہیں ناک سے چنے نہ چبوا دیئے تو تمہاری پھوپھی کی بیٹی تو نہ ٹھہری جو آج بھی ہر ایک کو تگنی کا ناچ نچانے میں خوب ماہر ہے۔' وہ خام خیالی میں مبتلا ہو کر پُرسکون ہو گئی۔

اسی اثنا میں فیضان کی آواز پر وہ چونکی اور بے پروائی سے اپنے جوتے اتار کر چپل پہننے لگی۔ پیشانی پر ناگوار لائنیں پھر سے گہری ہونے لگیں۔

''یعنی ناراضگی بدستور قائم ہے۔ یار! معاف کر دو۔ تم نے ماما کی دھمکی دی تو مجھ سے بھی غلطی ہو گئی۔ قسم سے میرا قصور نہیں۔ زبان خوامخواہ ہی پھسل گئی تھی۔ سالہا سال کی رفاقت، مانوسیت اور اپنائیت میں سرزد ہونے والی غلطیوں کو تمہارے جیسی بیوی ہنس کر معاف کر دیتی ہے۔'' وہ اس کے کندھوں کو پیار سے دباتے ہوئے بولے۔

''خوش فہمی ہے آپ کی کہ آپ کی اس گری ہوئی دھمکی کو معاف کر کے آپ کو سینے سے لگا لوں گی۔ یاد رکھیں، کبھی نہیں بھولوں گی۔ اگر یہی لفظ میں آپ کو پلٹ کر بولتی تو کیا محسوس ہوتا؟ ذرا سوچ کر بتائیں۔'' وہ پرے ہٹتے ہوئے بولی تو وہ چونکے۔

''تمہیں کیا ہو گیا ہے؟..... میں نے ایسی تو کوئی بات نہیں کہہ دی۔ دراصل تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔'' وہ تمسخرانہ انداز میں قہقہہ لگاتے ہوئے بولے۔

''دِس اِز اے جوک فیضان!'' وہ خفگی سے بولی۔ ''بات کو مذاق میں مت اُڑایئے۔

''مذہب میں اختراعات، تم کیا سمجھتی ہو لطیفے نہیں؟'' وہ پھر ہنستے ہوئے بولے۔

''آپ کو مذہب کے بارے میں کیا معلوم ہے، کبھی اسے جاننے کا وقت ملا ہے؟ اس لئے مذہب کے نام پر مجھے چپ کرانے کی قطعاً ضرورت نہیں۔'' وہ غصے سے بولی۔

''غصہ چھوڑو یار! جو میں جانتا ہوں، وہ تم نہیں جانتی۔'' وہ خوشگوار لہجے میں بولے۔

''جلدی سے اور فٹ سی اپنے شوہر کے لئے تیار ہو جاؤ۔ کہیں باہر نکلتے ہیں۔ غصہ بری شے ہے۔ سوچ میں تلخی، دل میں کڑواہٹ اور زبان میں زہر بھر دیتا ہے۔ اس زہر کو تھوک دو میری جان! بندۂ خاکی معافی کا طلب گار ہے۔'' وہ خوشامدانہ انداز میں بولے۔

''ہرگز نہیں بھولوں گی۔'' وہ کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولی۔ ''پلیز فیضان! leave me alone۔''

''کیوں بھئی؟.... میری موجودگی میں اکیلے پن کی آرزو رکھنے والی بیوی نافرمان اور گستاخ کیسے ہو سکتی ہے؟ اپنی سزا تم بتاؤ گی کہ میں تجویز کروں؟'' وہ مسکراتے ہوئے چھیڑنے لگے۔ ''یار! اِک پھولوں جیسی مسکان پیش کر کے میرے گلے لگ جاؤ۔ اسے کہتے ہیں باوفا اور پیار کرنے والی بیوی۔''

''غصے اور ناراضگی میں ہنسنا بہت مشکل کام ہے۔ آپ نے ہمیشہ مجھے اس آزمائش میں ڈال کر دلی مسرت محسوس کی ہے۔ مگر اس بار الفاظ خاصے ہتک آمیز تھے، اس لئے مجھے سنبھلنے کے لئے وقت چاہئے۔ آپ نے بھی تو حد کر کراس کی ہے۔ اس لئے میں کوئی خوشامد نہیں سنوں گی۔'' وہ آنسو پیتے ہوئے بولی۔

''ٹھیک ہے بیگم! ہم ایک دوسرے سے بات نہیں کریں گے۔ لیکن گونگے لوگوں کی بھی تو اپنی زندگی ہوتی ہے نا۔ سب سے پہلے ہم دونوں ڈنر کے لئے باہر چلیں گے۔ کوئی گفتگو نہیں ہو گی ہمارے درمیان۔ سائن لینگویج سے تو کام چل سکتا ہے نا؟'' وہ مسلسل ہنسے جا رہے تھے۔

''آپ میری جان بخشی کر دیں فی الحال۔'' وہ ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولی تو ان کی نگاہوں میں محبت و لگاوٹ کے موجزن سمندر میں کھو کر اپنا چہرہ ہاتھوں کے پیالے میں چھپا کر خود پر قابو پانے کی کوشش کرنے لگی۔

□.......○.......□

باشعور لوگ آگے قدم بڑھاتے ہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ جب بچہ پہلا قدم اٹھاتا ہے تو دوسرا قدم والدین آگے رکھنے کی تلقین کرتے ہیں۔ دریا اپنی ترنگ میں بہتا چلا جاتا ہے، آگے

ہی آگے۔ کبھی پلٹا نہیں، کبھی رخ بدلا نہیں۔'' آسیہ نے فیضان کی بات مکمل ہونے سے پہلے بیزاری سے کہا۔ ''آئندہ اس موضوع پر بحث کی تو بات تک نہ ہوگی۔ ہر بات آپ کی نہیں مانی جائے گی، کان کھول کر سن لیں۔ لگتا ہے کہ میری پسند اور مرضی کی کوئی اہمیت ہی نہیں۔''

''مسئلہ سہیلیوں سے دور ہونے اور ظاہری شان و شوکت اور آن بان کا ہے۔ میری ہر بات اور ہر حرکت پر تمہیں اعتراض کیوں ہونے لگا ہے؟ یہ معمہ میں حل نہیں کر سکا۔ میں وہی فیضان ہوں آسی! جس کی ہر بات کو تم مقدم سمجھا کرتی تھیں۔ اب اس کے بالکل برعکس ہے۔'' وہ تاسف بھرے لہجے میں بولے۔

''ایسی بات ہرگز نہیں۔ میں ایک حقیقت پسند عورت ہوں۔ تصورات کے محلوں اور چوباروں کی باسی نہیں ہوں۔ پائیداری، ہیشگی اور کامرانی سچے اور کھرے عمل میں ہے۔ آپ اپنے اُلجھے ہوئے خیالات کے صنم خانے سے باہر نکل کر دیکھئے کہ ہم نے آج جو مقام حاصل کیا ہے، تین نسلوں کی دور اندیشی اور عقل مندی کے نقش قدم پر رواں دواں رہنے کی وجہ سے ہے۔ آپ اپنی ڈگر سے اُتر کر واپس پہاڑی تھرڈ کلاس گاؤں میں جانا چاہتے ہیں۔ خدا کے لئے جذبات سے نہیں، عقل سے کام لیں۔ ورنہ بہت برا ہو جائے گا۔ یوں سمجھیں کہ ہمارے خاندان کا زوال شروع ہو گیا۔ یہ ہے ہمارے گناہوں کی سزا۔'' آسیہ نے پژمردگی سے کہا۔

''پہلا شراب کا مسئلہ حل نہیں ہوا، دوسرا آپ نے تیار کر دیا۔ آپ کو پیسے کی بہتات نے کوڑی کا نہیں چھوڑا۔''

''دیکھو بیگم! ہم ایک دوسرے کے جیون ساتھی ہیں۔ نظریات کے تضاد سے زوال کے وقوع پذیر ہونے کا اندیشہ مجھے بھی پریشان کئے ہوئے ہے۔ اگر ہم دونوں کا مقصد مشترکہ ہوگا تو ہمارے ستارے ہمیشہ درخشاں رہیں گے۔ مسئلے ہم خود بڑھاتے جا رہے ہیں۔ تیسرا بندہ تو حل کرنے سے رہا۔'' فیضان نرماہٹ سے بولے۔

''ذرا سوچئے کہ ان حالات میں بچے بڑے ہو کر کیا بنیں گے؟ مجھے اپنی کوئی پروا نہیں، ان کی فکر کھائے جا رہی ہے۔ وہ ایک لیوش لائف انجوائے کرنے کے بعد گاؤں میں کیسے رہ سکتے ہیں؟ مجھ پر نہ سہی، اپنی اولاد پر ہی رحم کیجئے۔'' وہ التجائیہ لہجے میں بولی۔

''بیگم! فکر کیوں کرتی ہو؟ ہمارے پاس دولت کی کمی نہیں بلکہ خوب ریل پیل ہے۔ بچوں کو اعلیٰ تعلیم دلانے کی میری ذمہ داری بھی ہے اور خواہش بھی۔ ان پر پیسہ پانی کی طرح بہا دوں گا۔ بچے ہوسٹلز میں رہ کر مکمل انسان بنیں گے۔ دنیا سے مقابلہ کرنا آسان ہو جائے گا۔ اب تو یار! مطمئن ہو جاؤ۔'' فیضان نے تسلی دینے کے انداز میں کہا۔ ''تمہیں وہاں ایک بہت بڑا محل بنا کر دوں گا۔''

''میں اپنے بچوں سے دور نہیں رہ سکتی۔ بھلا انہیں ہوسٹلوں کی زندگی کیونکر سونپوں گی؟ قسم سے آپ کو اکیلا پہاڑوں میں چھوڑ کر شہر آ جاؤں گی۔ گھر تو یہیں موجود ہوگا۔ اسے پہنے

لگے ہوتے تو آپ اسے بھی اپنے گاؤں کی زینت بنا ڈالتے۔ مجھے اُس ویرانی میں محل نہیں چاہئے۔ میرا یہ گھر ہی میرے لئے شاندار محل ہے۔'' وہ تنک کر بولی۔

''ذرا سوچو کہ گاؤں میں سراسر آزادی ہو گی۔ پہاڑ کی چوٹی تو کبھی گہری ہری بھری وادی میں بیٹھ کر سادہ لوح رشتہ داروں سے سیاسی اور مذہبی گفت و شنید ہو گی۔ ان کے درمیان فیضان عباسی راجہ اِندر ہو گا۔ اور شرطیکہ میں الیکشن جیت کر دکھاؤں گا۔ اتنا پیسہ آ گیا ہے کہ میں سیاست جوائن کر سکتا ہوں۔'' وہ جھومتے ہوئے بولے۔ ''اور پھر وعدہ رہا کہ شراب بھی ترک کر دوں گا۔ اب اس کی ضرورت نہیں رہی۔ خوش ہو جاؤ۔''

''ہیل، ہیون کا روپ نہیں دھار سکتی، یہ مت بھولیں۔ بولیں کہ میری وہاں کون سی مصروفیت ہو گی؟''

''یار! تمہیں جو تھوڑا بہت اسلام کا علم ہے، اسی تعلیم کو عام کر دینا۔ عزت اور شہرت مجھ سے زیادہ پا لو گی۔ کیونکہ معصوم اور بھولی بھالی عورتوں کے ذہن میں دینی مسائل کو انڈیلنا مشکل نہیں۔ انہیں تو اِک سہارا چاہئے۔ میری بات یاد رکھنا کہ وہ سب خواتین تمہارے ہر لفظ کو حرفِ آخر سمجھیں گی۔ پورے علاقے میں تمہارا نام گونج اُٹھے گا۔ یہ تو مانو کہ ہر انسان کو شناخت کی آرزو ہوتی ہے۔ اپنے نام و نشان کو جاری و ساری رکھنے کے لئے کیا کیا پاپڑ بیلے جاتے ہیں۔ کیا تمہیں اچھا نہیں لگے گا جب گھر گھر میں تمہارا ذکرِ خیر ہو گا۔'' وہ خوش دلی سے بولے۔ ''اور لوگ تم سے دینی مسائل پوچھنے آئیں گے۔ پھر تمہیں اپنی اہمیت کا احساس ہو گا۔''

''اُف...... میری فرینڈز نے سن لیا تو اچھا نہیں ہو گا۔ مذہب کے نام پر معصوم لوگوں کو دھوکا دینا گناہِ کبیرہ ہے۔ یہ فخر کی بات نہیں، چلّو بھر پانی میں ڈوب مرنے کا مقام ہے۔ اپنے رب کو کیا جواب دوں گی کہ پڑھیا نہ پاہ، بن بیٹھی اولیا۔ اور تمام سہیلیاں یہ سن کر اندھوں میں کانا راجہ کا خطاب دے کر میرا خوب تمسخر اُڑائیں گی۔ کیونکہ میں کون سا دینی تعلیم سے روشناس ہوں۔ bacic پر ہی زندگی گزاری ہے۔ وہاں شفٹ ہونے کا خیال اپنے ذہن سے کھرچ کر نکال دیں۔ میں شعبدہ بازی نہیں کر سکتی اور آپ سیاست کے کھیل سے نابلد ہیں۔'' وہ خوشامدانہ لہجے میں بولی۔ ''ہم دونوں کے مزاج اس قابل نہیں کہ دوسروں کو دھوکا دے کر ہم خوش رہ سکیں۔''

''دراصل میں ہلے گلے اور شور شرابے سے تنگ آ گیا ہوں۔'' وہ ماتھے پر بل ڈال کر بولے۔ ''بہت تھک گیا ہوں۔ آرام، نام اور تمہاری طرف سے انعام کا طلب گار ہوں۔''

''بھئی تنگ آپ ہیں، ہم نہیں۔'' وہ بھی بھنوئیں چڑھا کر بولی۔ ''میری اور بچوں کی جان بخشی فرما دیں۔ مہربانی ہو گی۔''

''مطلب یہ ہوا کہ تم نہیں مانو گی۔'' وہ سنجیدگی سے بولے۔

''ہرگز نہیں۔ مر کر بھی نہیں۔ مجھے دفن بھی میرے گھر کے عقبی لان میں کیجئے گا جہاں

میرے بچے صبح دوپہر شام مجھے ملنے آسکیں۔ آپ کو نہ تو اب میری پروا رہی ہے، نہ بچوں کی ضرورت۔ نہ جانے میں زندہ کس کے لئے ہوں۔ روز روز کے شوشوں سے سخت تنگ آ گئی ہوں۔'' وہ روہانسی ہو کر بولی۔

''پھر تو گاؤں شفٹ ہونے کے تمام رستے کھل جائیں گے۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولے۔ ''مرنے کا پروگرام ہے کب؟''

''میری بے سکون روح آپ کو نہ تو گاؤں جانے دے گی، نہ ہی آپ کا پیچھا چھوڑے گی۔ سوچ لیں، بھٹکی ہوئی اور آپ سے خفا آتما آپ کی سوچ اور قوتِ گویائی کو سلب کر لے گی اور سانسوں کا تسلسل ٹوٹ جائے گا خوف، ڈر اور اندیشے سے۔'' وہ اپنی ناگفتہ بہ حالت پر قابو پاتے ہوئے بولی۔ ''دنیا تماشائی بن جائے گی آپ کے انجام سے۔ شاید عبرت حاصل کر لے۔ ہوسکتا ہے کہ ہماری بے ضرر ذات کی شنوائی ہو جائے۔ مگر ہے ناممکن۔''

دیر تک دونوں خاموش رہے۔ ٹی وی کی طرف خالی الذہنی سے دیکھتے رہے۔

''ویسے سوچنے کا مقام ہے۔ اب جو مشورہ دینے جا رہا ہوں، بلکہ میرا حتمی اور آخری فیصلہ ہے۔ ہاں کرو یا ناں۔ عمل ہو کر رہے گا۔ تم درس نہیں دینا چاہتی۔ میں سیاست میں یہاں رہ کر بھی شامل ہوسکتا ہوں۔'' وہ تھوڑے توقف کے بعد بولے تو آسیہ نے گھبرا کر فیضان کی طرف دیکھا کہ اب نہ جانے دھما کا کتنا ہلا دینے والا ہوگا۔

''فارم ہاؤس کیسا رہے گا؟ ہم دونوں کے مقصد اور پسند کی یکجائی کا بس یہی رستہ نظر آیا ہے۔ چند کلومیٹر کے فاصلے پر شہر ہوگا۔ اور ہمیں تمام شہری سہولیات میسر ہوں گی۔ نہ بچوں کی پڑھائی کے لئے دُوری کا مسئلہ، نہ ہی تمہیں اپنی سہیلیوں کی جدائی کا رونا دھونا ہوگا۔ میں بھی سادہ زندگی اور نیچر کے کچھ تو قریب ہو جاؤں گا۔'' وہ خود اعتمادی سے بولے۔

''کبھی نہیں۔ میں اپنی تمام فرینڈز سے دُور، زندہ قبرستان روانہ ہو جاؤں، ایسا تو نہیں ہو گا۔ مجھے تنہائی اور خاموشی میں موت کی پرچھائیاں نظر آتی ہیں فیضان! مجھے ان سے خوف آتا ہے۔ میں ایسے ماحول میں سروائیو نہیں کر سکتی۔ مجھ پر رحم کیجئے۔'' وہ التجائیہ انداز میں بولتے ہوئے رونے لگی۔

''تم تو بالکل ہی بدھو، نادان اور بے وقوف نکلی۔ اگلے چند سالوں میں فارم ہاؤسز کا فیشن ہوگا۔ جیسے بڑی مچھلی گہرے پانی کی طرف بھاگتی ہے بالکل ایسے ہی بڑے لوگ فارم ہاؤس کی طرف سدھاریں گے۔ ایک گھر شہر میں اور ایک عالیشان قسم کا پرانی طرز کا بنگلہ فارم پر ہوگا۔ تمہیں یہ سن کر کیسا لگ رہا ہے؟'' وہ خوشگوار لہجے میں بولے۔ ''پیسہ ہو تو شہر دور نہیں لگتا۔ تمہاری کسی بھی ایکٹیوٹی میں کمی نہیں آئے گی۔ بلکہ تمہاری شاہانہ و امیرانہ زندگی پر تمہاری سہیلیاں رشک کریں گی۔ اب شہروں میں اِن سکیورٹی نے سب کو خوفزدہ کر دیا ہے۔ ہم سب سے اوجھل بہت خوش رہیں گے۔ تجربہ کرنے میں تو کوئی حرج نہیں یار!'' وہ پیار بھرے لہجے

میں بولے۔

''منظور ہے۔ مگر شرط یہ ہے کہ ہم اپنی جنت کو ہمیشہ کے لئے کھلا رکھیں گے۔ چھٹیاں گزارنے یعنی فار آ چینج فارم ہاؤس کو عزت افزائی بخش سکتے ہیں، اس سے زیادہ فارم ہاؤس پر ٹھہرنے کا جواز نہیں۔ وَٹ آ گریٹ آئیڈیا۔'' وہ گہری سوچ بچار کے بعد بولی۔ ''آنو جی! یہ سب کب ہوگا؟'' لہجے میں بے قراری عود کر آئی تھی۔

''وِیری سُون۔ تم بے مشروط اجازت دے ڈالتی تو پھر بھی شہر والا گھر کھلا رہتا۔ خیر تم خوش ہو تو سمجھو کہ زمانہ خوشی کے گیت گا رہا ہے۔ اگر تم چھٹیوں کا پروگرام بدل ڈالو تو کیا ہی مزہ آئے۔ اس پر غور کرو۔ چھٹیاں شہر میں گزارنا بہتر رہے گا۔'' وہ خوشامدانہ انداز میں بولے۔ ''دیکھو دودھ، دہی، مکھن اور دیسی گھی بغیر ملاوٹ کے ملے گا۔ تروتازہ موسمی سبزیاں اور پھل، دیسی انڈے اور آرگینک غذا ہر روز میسر ہوگی۔ جوانی ڈھلے گی نہیں بلکہ ہمارے وارے نیارے ہو جائیں گے۔ اور مزے کی بات یہ کہ چارسُو سکون ہی سکون ہوگا۔ تاریک اور سیاہ آکاش جھلمل ستاروں سے آراستہ ہمارے کتنا نزدیک ہوگا۔ شہر کی روشنیوں سے دُور فطرت کے بے حد قریب۔ جب صبح سورج طلوع ہوگا تو ہمیں وہ اِک گولڈن بڑے تھال کی مانند نکھرا ہوا خوش آمدید کہے گا اور اس کا حُسن اور حدت ہمارے اندر تک رچ بس کر ہمارے دن کو خوشگوار بنانے میں مددگار ثابت ہوگی۔ کبھی اُبھرتے ہوئے سورج کو تو دیکھو، زندگی کے قریب تر کر دیتا ہے۔ جب شام کو تھک ہار کر ڈوبے گا تو اُفق پر لالیاں بکھر کر چاند کو خوش آمدید کہہ کر رخصت ہو جائیں گی۔ اور پھر چودھویں کے چاند کی میٹھی اور ٹھنڈی روشنی میں پیار کرنے والوں کے دلوں میں ملن کی اُمنگ بے تاب ہو کر اُٹھے گی۔'' وہ مسلسل بولے جا رہے تھے۔

''مجھے یہ چیزیں فیسی نیٹ نہیں کرتیں۔'' وہ منہ بنا کر بولی۔

''اس لئے کہ تم پکی اور سچی شہری ہو۔ لیکن میں اپنی رُوٹس کو بھلا نہیں سکتا جو میرے گاؤں کی مٹی اور پتھروں میں آج بھی محفوظ ہیں۔ وہاں میرے اور تمہارے آباؤ اجداد کا نام آج بھی زندہ ہے۔ ہمیں وہاں کوئی نہیں جانتا۔ میں نے تم سے شادی اس لئے کی تھی کہ تم میری پھوپھی زاد ہونے کی وجہ سے میرے خیالات کی قدر کرو گی۔ مگر تم بھی دوسروں کی طرح اپنی بیک گراؤنڈ کو اہمیت نہیں دیتی۔ میں چاہتا ہوں کہ اب اگلی نسل کو اپنے پسماندہ علاقے کے لئے کمربستہ ہونا چاہئے۔ اب ہمارے وسائل اور ہمارے کنکشنز ہمیں ایسا نیک کام کرنے کی اجازت دیتے ہیں۔ میں نہیں چاہتا کہ اپنی رُوٹس سے ربطہ اور تعلق رکھنے میں میری اولاد کو سُبکی محسوس ہو۔ ہم فارم پر ایسا ہی ماحول create کریں گے اور بچوں کی تربیت میں یہ احساس گھول کر ڈال دیں گے کہ چھوٹی جگہیں بڑے لوگوں کی توجہ سے وہاں کی جہالت، غربت اور مفلسی کو ختم کر سکتی ہیں۔ ہمارے آباؤ اجداد وہاں کے رہائشی تھے۔ انہوں نے ہمیں

اس قابل بنا ڈالا ہے کہ ہم وہاں کی اَن پڑھ اور معصوم عورتوں سے شروعات کریں۔ کیونکہ وہی اپنی زندگی کا ہر لمحہ اپنے بچوں کے نام وقف کرتی ہیں۔ فارم ہاؤس بچوں کی ٹریننگ میں خوب رہے گا۔ ان میں نیکی کرنے کا جذبہ پیدا ہوگا۔''

وہ اپنی ہی لے میں بولے جارہے تھے اور آسیہ اندر ہی اندر غصے سے کھول رہی تھی کہ وہ ہی قربانی کا بکرا کیونکر بنے۔ زندگی اپنے تناسب سے رواں دواں ہے۔ شہری ماحول میں پیدا ہوئی، شہری فضا میں سانس لینا سیکھا۔ باکمال خاندانوں سے رابطہ رہا۔ تعلیم انگلش میڈیم سکولوں سے حاصل کی۔ جی بھر کر فیشن کیا، بے پردگی میں قباحت محسوس نہ کی۔ ہر جگہ اور ہر محفل میں اپنی ذات کو منوایا۔ یہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر گاؤں کی زندگی کیونکر اپناؤں اور اپنے بچوں کے لئے وہ ماحول ہرگز منظور نہیں۔ میرے ساتھ بھی شوہر کا مزاج بدلے گا کہ مرد کرتا دھرتا اور عورت ہر رشتے میں اس کی باندی ہے۔ انسان پر ماحول اثر انداز ضرور ہوتا ہے۔ پھر فیضان تو یہی پروگرام بنائے بیٹھے ہیں۔ پینڈو کہیں کے۔

فیضان نے اس کے سرخ ہوتے چہرے سے اس کی اندرونی کیفیت کا اندازہ لگا لیا تھا۔ فوراً اپنے آشفتہ جذبات پر قابو پا کر بولے۔

''بیگم! تمہاری رضامندی کے بغیر ایک قدم نہیں اٹھاؤں گا۔ مجھے ہیرو بننے کا قطعاً شو نہیں۔ نہ ہی میں یہ چاہتا ہوں کہ میرا کنبہ، برادری، گاؤں اور وہاں کے مسکین مجھے الیکشن میں کھڑا ہونے اور جتانے کی دعوت دیں۔ ایسا لالچ نہیں ہے مجھ میں۔ تم میرا مقصد تو سمجھتی ہو نا۔ آگے تمہاری مرضی۔ آخر ہر کام مل جل کر کرنے سے ہی پایۂ تکمیل تک پہنچ پاتا ہے۔ آسیہ! ہر بات کی مخالفت کرنے سے پہلے اونچ نیچ سوچ لیا کرو۔ ایک دم سے فیصلہ سنا دینا امیچورٹی کی نشانی ہے۔''

''وہ تو میں ہوں۔ اس لئے جنابِ والا! مجھے سوچنے کے لئے وقت چاہئے اور اپنی ہمدرد فرینڈز سے مشورہ کئے بغیر میں بھی تو کسی عملی میدان میں قدم نہیں رکھ سکتی۔ آپ کا ساتھ تو فقط دنیا کے لئے دکھاوا ہی رہ گیا ہے۔''

اُس کی آواز بھرّا گئی تو فیضان نے ماحول کی کشیدگی کو کم کرنے کے لئے اسے پیار سے کہا۔

''زبردستی نہیں ہے بھئی۔ اتنی دور رہ کر میں یا میرے بچے گاؤں کے لئے کچھ نہیں کر سکتے۔ اِک خواب ہی تو دیکھا تھا۔ ضروری نہیں کہ ہر خواب پورا کرنے کے لئے اپنے گھر کا چین وسکون غارت کر دیا جائے۔ ایسی چیریٹی پر مجھے نہ تو فخر ہے نہ ہی ثواب کی امید ہے۔ اس لئے میری جان! زندگی جس تناسب سے رواں دواں ہے، اگر تم اس میں ہی مطمئن اور پُرسکون ہو تو It is fantastic۔ میں بھی اسی میں ہی خوش ہوں۔''

اُنہیں اپنی بات منوانے کا طریقہ خوب آتا تھا۔ وہ ان کی لگاوٹ سے بھرپور باتیں سن کر

مسکرادی۔

□.......○.......□

"پگلی! مال ضروری ہے۔ اگر جیب خالی ہے تو بھُس بھی خریدنے کا تصور کرنا عاقبت نااندیشی ہے۔ میں نہیں جانتی تمہارے حالات۔ ڈرائنگ روم سے اُٹھ کر آ جانا یا بھری ڈائنگ ٹیبل سے کھانا تناول کر لینے سے اب کلاس کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔ کیونکہ یہ عریضہ تو لوئر اور مڈل کلاس کے ہر فرد پر بری طرح غالب آ چکا ہے۔ ہر ایک کو اپنا نام و نمود اور عزت و تکریم کو پا لینے کا چسکا پڑ گیا ہے۔ اس لئے سفید پوشی پر شو بازی کا لبادہ چڑھانے سے وقتی طور پر اصلیت تو چھپ ہی جاتی ہے۔"

آسیہ کی گہری فرینڈ نے حسد و عناد میں جل بھُن کر کہا تو دوسری دوست ناظمہ نے اس کی بات کو سنبھال لیا۔

"للی! تمہارا فلسفہ بے موقع اور بے تکا ہی ہوتا ہے۔ ہمیشہ تم وقت اور موقع و محل کی نزاکت کو سمجھے بغیر ہی بول جاتی ہو۔ یہ تو مانو کہ تمہاری فرینڈز بہت خوب ہیں جو ہنس کر ٹال جاتی ہیں۔ ذرا ہم سے مشورہ لینے والی کو تو دیکھو۔ ملوں اور فیکٹریوں کی مالک بننے والی ہے۔ اس وقت بھی دن میں دس فارم ہاؤسز خرید سکتی ہے۔ اس لئے سفید پوشی اور شو بازی کا خدشہ دل سے نکال دو۔"

"یہ بات تو ہے۔ میں تو اِک عام سی بات کر رہی تھی۔ آئیڈیا برا نہیں۔ اپنی اپنی پسند ہے۔ مجھے بذاتِ خود مرغیوں، بھینسوں اور کھیتوں کی قربت میں رہنا پسند نہیں۔ اس رہائش کے لئے اِک خاص قسم کی بیک گراؤنڈ اور مزاج چاہئے ہوتا ہے۔ چاہے خود کو کتنا ہی پالش کر لو، کہیں نہ کہیں پرانی خُو سر ضرور نکالتی ہے۔" للی نے پھر نہ چاہتے ہوئے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"آسیہ! تم اس کی پسند اور مشورے پر مت جاؤ۔ وہ کرو جو تمہارا دل کہتا ہے۔ انسان کا دل اِک منصف ہے۔ بہترین ہمسفر ہے جو فیصلہ انسانی شعور کے مطابق ہی کرتا ہے۔ تمہارا فیصلہ غلط نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ تم ایک عقل مند اور دُور اندیش خاتون ہو۔ اپنے اچھے برے کی پہچان رکھتی ہو۔" ناظمہ نے نہایت ملائمت سے کہا تو آسیہ ذرا سا مسکرائی۔

اسی اثناء میں خانساماں چائے کی ٹرالی لے کر پہنچ گیا اور فوراً موضوع بدل گیا۔

"اوہ مائی گاڈ!......اتنا تکلف۔" للی نے تقریباً اچھلتے ہوئے کہا۔

"جی بھر کر کھائیں۔ ہوم میڈ ہے ہر ڈش۔" آسیہ نے فخریہ انداز میں خوش دلی سے کہا تو لاؤنج میں بیٹھی اس کی درجن بھر دوستوں نے اسے پُرستائش نظروں سے دیکھا۔

"آسیہ! تمہاری مڈل کلاس موریلٹی نہ گئی۔" للی نے جاندار قہقہہ لگایا۔

"ہاں تم ٹھیک کہتی ہو۔ بیک گراؤنڈ کی جھلک پرسنالٹی میں نظر نہ آئے تو مزا ہی کیا۔ تھینک گاڈ! کہ میں اپنی کلاس کا جیتا جاگتا شاہکار ہوں۔ نمائندہ ہوں اپنی تہذیب کا۔" وہ ایک

دم سے چڑ کر بولی۔
''تم برا مان گئی۔ بھئی میری باتوں کو نگیٹولوگی تو اس میں میرا قصور تو نہ ہوا۔ چور کی داڑھی میں تنکا والا معاملہ ہو گیا یہاں۔'' وہ ہنستے ہوئے بولی تو آسیہ نے مسکرا کر ٹالنا چاہا۔ کیونکہ للّی فطرتاً حاسد واقع ہوئی تھی۔ سب اس کی باتوں کو اس لئے نظر انداز کر دیا کرتی تھیں کہ اس میں بے پناہ خوبیاں اور اچھائیاں بھی تھیں۔ دوستی میں برائیوں کو فراخ دلی سے درگزر تو کرنا ہی پڑتا ہے نا۔ اسے اس سے عقیدت نہیں تھی، فقط یاری اور دوستی تھی۔ عقیدت میں لحاظ داری اور وضع داری کا رشتہ استوار ہوتا ہے۔ جبکہ دوستی میں بے باکی اور بے تکلفی ہوتی ہے تو یاری نبھتی ہے۔ اس لئے آسیہ نے اس کی باتوں کو درگزر کر کے گانے کی فرمائش کر دی۔ کیونکہ للّی ان کی محفل کی جان بھی تو تھی۔ خوب صورت سریلی اور مدھر آواز میں جب گانا گاتی تھی تو فضا بھی جھوم اُٹھتی تھی۔ تمام سہیلیوں کی بیٹیاں اس کی شاگرد تھیں جن میں آسیہ کی بیٹی حرم بھی شامل تھی۔ جو کم سن ہونے کی وجہ سے سارے گاما پادانیسا سے ابھی تک آگے نہیں بڑھی تھی۔ شاید اس کا انٹرسٹ میوزک میں نہیں تھا۔
ماہم اور ماہا تو میوزک سیکھنے کے بجائے ڈانس سیکھنے میں آگے آگے رہتیں۔ ان کے ننھے منے ہاتھوں اور پاؤں میں میوزک کے بجتے ہی جنبش آ جایا کرتی تھی۔ اور وہ تمام فرینڈز کے ساتھ تھرتھرانے لگتی تھیں۔
للّی نے سب کی فرمائش پر کئی انڈین گانے سنائے اور ان سے خوب داد وصول کی۔
''آسیہ! اپنے فارم ہاؤس میں میرا حصہ رکھنا۔ ہفتے میں ایک میوزک کلاس وہاں ہو گی۔'' للّی کا موڈ خوشگوار ہو چکا تھا۔ وہ آسیہ سے بغل گیر ہوتے ہوئے بولی۔ ''پہلا فنکشن خوب دھماکا خیز ہونا چاہئے۔''
''ضرور، ضرور۔ پہلا فنکشن اللہ تعالیٰ کی کتاب سے شروع ہو گا۔ دھماکا خیز تو نہیں ہو گا، قابل ستائش اور عقیدت و احترام سے بھرپور ضرور ہو گا۔'' آسیہ نے عقیدت مندانہ لہجے میں کہا تو للّی اُس کا مذاق اُڑانے لگی۔

☐.......○.......☐

''فیضان! آپ نے وعدہ کیا تھا کہ فارم ہاؤس میں ڈیزائن کروں گی۔ ہم اپنا نیا گھر مغلیہ آرکیٹیکچر کو مدِنظر رکھ کر بنائیں گے۔ مگر آپ نے تو ماڈرن فارم ہاؤس کا انتخاب کر لیا ہے۔ مجھے یہ فیصلہ پسند نہیں آیا۔ فارم ہاؤس کی لُک شہری گھروں سے مختلف ہوتی تو کیا ہی بات تھی۔ آپ بھی وعدہ کچھ اور نبھا اس کے برعکس کرتے ہیں۔ نہ جانے آپ کو کیا ہو گیا ہے۔'' وہ معاندانہ انداز میں بھوئیں چڑھا کر بولی۔
''تمہاری بات تو ٹھیک ہے۔ لیکن ہمارے پاس ٹائم کی کمی ہے۔ مجھے ایک منٹ کی فرصت ہے نہ تمہیں بچوں کی طرف سے وقت مل سکتا ہے۔ دو سال پرانا فارم ہاؤس ماڈرن

سہی، خریدنے میں کوئی قباحت نہیں۔ تھوڑا بہت رینوویٹ ہوسکتا ہے۔ یوں سمجھ کہ ہمیں تیار کھانا ڈش میں پیش کیا جا رہا ہے۔ ہمیں فقط نوالہ بنانے اور کھانے کی تکلیف کرنا پڑے گی۔"
وہ خوش آگین لہجے میں بولے تو وہ قوتِ ارادی کو مجتمع کرتے ہوئے ذرا سا مسکرائی۔ مگر آزردگیٔ دل چہرے سے کافور نہ ہوئی۔
"تم دیکھ کر خوش ہو جاؤ گی۔ نہ نوکروں کی تلاش کا مسئلہ درپیش ہوگا نہ ان کی رہائش کا۔ سب ایک ہی احاطے کے کوارٹروں میں خوش و خرم رہ رہے ہیں۔ مولوی صاحب بھی موجود ہیں جو آس پاس کے تمام فارم ہاؤسز کے بچوں کو درس و تدریس سے فیض یاب کر رہے ہیں۔ تم جانتی ہو کہ نیا پلاٹ اور نیا گھر بنانے اور آباد کرنے میں کئی سال درکار ہوں گے۔ اس لئے میں نے تو یہی سوچا ہے کہ تم سے او کے کروا کر ایڈوانس دے دوں۔" وہ صلح جویانہ انداز میں بولے۔

"آپ نے جو سوچا ہے، غلط نہیں ہوسکتا۔ فارم ہاؤس ہمارا ہالیڈیز ہاؤس ہوگا۔ اس وعدے کو ایفا نہ کیا تو وہاں قدم نہیں رکھوں گی۔ ویسے اتنا بھی چوزی ہونے کی ضرورت نہیں۔" وہ قدرے لاپروائی سے بولی۔ "رہنا تو ہم نے شہر میں ہی ہے۔"
"بھئی اگر لامحالہ وہاں رہنا بھی پڑے تو بھی لاجواب سیٹ اپ ہے۔ کسی نے خوب پیسہ لگا کر دل سے بنایا ہے۔ گھر کا چپہ چپہ ذوق و شوق کی گواہی دے رہا ہے۔" وہ اِک طویل سرد آہ بھر کر بولے۔ "اب سمجھ آئی ہے کہ بڑے بزرگ اور اپنے دوست احباب جب بھی کسی کامیابی پر مبارک دیتے ہیں تو دعائیہ کلمات ان کی زبان سے بے اختیاری میں ادا ہو جاتے ہیں۔ انہیں بھی تو اپنوں نے بے حساب دعائیں دی ہوں گی جو عرشِ معلیٰ تک پہنچ ہی نہیں پائیں۔ سوچتا ہوں کہ نہ جانے انہیں کس مجبوری میں یہ قدم اٹھانا پڑ رہا ہے۔"
"ہوسکتا ہے بیگم اور بچوں کا ویرانے میں دل ہی نہ لگا ہو۔ کہیں گھر پر آسیب کا سایہ تو نہیں؟ معلوم کرنے میں ہرج ہی کیا ہے۔ ذرا دل کو تسلی ہو جائے گی۔" وہ مضطربانہ طور پر ان کی طرف دیکھنے لگی۔

"ویسے بیگم! آئینے میں صورت اپنی ہی نظر آتی ہے۔ ذرا اس سے دور رہ کر سوچو، بیسیوں مجبوریاں ہوسکتی ہیں۔ اپنے دل کو آمادہ رکھو وہاں رہنے کے لئے۔ کئی بار ہمیں ایسے ناپسندیدہ کاموں کو مصلحتاً قبول کرنا پڑتا ہے جن کے بارے میں کبھی سوچا ہی نہیں ہوتا۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ بعض اوقات دِل اور دماغ کو وہی کام طمانیت دینے لگتے ہیں۔ ویسے بھی انسان تو ہر ماحول میں با آسانی ایڈجسٹ ہونے کے مطابق ہی بنایا گیا ہے۔ ہمیں آنے والے وقت کا قطعاً علم نہیں۔ تونگری، فقیری کا روپ دھارنے میں پل نہیں لگاتی۔ اس لئے خود کو حالات کے دھارے پر چھوڑ دو۔" وہ نصیحت کے انداز میں سنجیدگی سے بولے۔ "فارم ہاؤس کی رہائش شاہانہ اور امیرانہ سمجھی جاتی ہے۔ تم تو نہ جانے کس دنیا میں رہتی ہو کہ ایک ہزار گز کے

پلاٹ پر تعمیر شدہ گھر تمہارے لئے سب کچھ ہے۔''
''بھئی شہر میں بیٹھی ہوں۔ پانچ منٹ کے فاصلے پر شاپنگ سینٹر ہے۔ پہلو میں بہترین ہسپتال اور کلب۔ میرے گرد و پیش اَن گنت میری سہیلیاں اور چپے پر چار بچوں کے اسکولز۔ اور کیا چاہئے مجھے۔ کیا آرام اور چین وسکون کو تیاگ دوں؟ قربان کر دوں آپ کی ناجائز اور نامناسب خواہش پر؟......ایسا تو نہیں ہوسکتا فیضان! آخر مجھے بھی تو اپنی پسند کی، اپنی مرضی کی اور چاہ کے مطابق زندگی گزارنے کا پورا پورا حق حاصل ہے۔ مجھے فارم کی شاہانہ زندگی کی چنداں خواہش نہیں۔ آپ کے شوق کی وجہ سے خاموش ہوگئی ہوں۔'' وہ سنجیدگی سے بولی۔
''ٹھیک ہے بھئی۔ ہمیں انکار ہے نہ ہی اعتراض ہے۔ بس اقرار ہی اقرار ہے۔ اُٹھو تیار ہو جاؤ۔ آج بچوں سمیت فارم ہاؤس دیکھنے چلتے ہیں۔ فیصلہ کرنا آسان ہو جائے گا۔ تا کہ ایک ہفتے کے اندر ہاؤس وارمنگ پارٹی منائی جائے، خوب صورت سوئمنگ پول پر۔'' وہ صوفے سے اُٹھتے ہوئے جوش اور ولولے سے بولے تو وہ بھی بجھے دل کے ساتھ کھڑی ہو گئی۔

فارم ہاؤس دیکھتے ہی سب کو پسند آ گیا اور فیضان نے آؤ دیکھا نہ تاؤ، ایڈوانس پے منٹ کا چیک سائن کیا اور مبارک وصول کرتے ہوئے خوشی خوشی سب شہر کی طرف بڑھ گئے۔

□.......○.......□

''آسیہ! اسے کہتے ہیں فارم ہاؤس۔ پیلس سے کم نہیں۔ اور پھر تمہاری سجاوٹ اور ٹیسٹ کا بھی جواب نہیں۔ شہر والا ایک ہزار گز والا گھر بالکل ہی گیا گزرا لگنے لگا ہے۔ کیوں بچو! ایسا ہے نا؟'' فیضان نے لاؤنج کے صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا تو آسیہ نے گھوری ڈالی اور بچے اُچھلتے کُودتے سوئمنگ پول کی طرف بھاگے۔ فیضان کو بچوں کی طرف سے جواب مل چکا تھا۔

''میری جان! چودھویں کی رات میں جب شیطان بھی خراٹے لینے لگے گا تو ہم چپکے سے سوئمنگ پول میں کود جائیں گے۔ ہمارے پیار اور عشق و دیوانگی کی گواہی دینے کو صرف چاند ہمارے ساتھ ہوگا۔ کیسا لگے گا؟'' وہ پیار سے سرشار ہوکر بولے۔
''میں نے ایسے بے ہودہ شوق پال رکھے ہیں نہ ہی آپ ایسی فضول توقعات رکھیں۔ یہ رومانس اپنے تک ہی محدود رکھیں۔ اس میں آسیہ حصے دار نہیں۔'' وہ چڑ کر بولی۔
''عجیب ہی عورت ہو۔ میں نے پیسہ پانی کی طرح بہا دیا ہے۔ تم ہو کہ نہ خوش ہو نہ ہی شکرگزار۔ یہ عورت ذات بھی کیا انوکھی مخلوق پیدا کر دی ہے اللہ نے ہمارے لئے کہ جسے آج تک کوئی سمجھ نہیں پایا۔ جس نے اس پہیلی کو بوجھنے کی کوشش کی وہ ٹھہرا چغد اور حد درجے کا اُلو اور گدھا، میرے جیسا۔'' وہ بھی چڑ کر بولے اور منہ پھلا کر لاؤنج کے باہر عقبی patio کو دیکھنے لگے۔ چہرے پر ایک دم سے سنجیدگی نے غلبہ پا لیا تھا۔

''اوہو...... خفا ہو گئے۔ آپ جانتے ہیں نا میری کمزوری کہ آپ کو خفا دیکھنا میرے لئے کس قدر اذیت دہ ہو جاتا ہے خوب رہی۔ بات منوانی ہو تو خفگی کا اظہار کر دو۔ حساب کے تمام سوال حل۔ اب کی بار میں خفا ہو جاتی ہوں۔'' وہ خفگی سے باہر دیکھنے لگی۔

''نئے گھر میں پہلی رات گزارنے آئے ہیں۔ کیا ناراضگی میں ہی بیت جائے گی؟ اُٹھو کمرے میں چلتے ہیں۔ مجھے اپنے ہاتھ سے جام پلاؤ، پیپسی کے گلاس میں۔ تاکہ بچے بے وقوف بن سکیں۔'' وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر بولے۔''یوں چھوٹی چھوٹی بات پر خفا نہیں ہو جاتے۔''

''جی، اس ضمن میں پہل آپ نے کی ہے یا میں نے؟'' وہ کاٹ دار لہجے میں بولی۔

''میں نے کی ہے جناب! ہُن تے مَن جاؤ۔'' وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر بولے۔''اپنی غلطی تسلیم کر لینے سے قیدی کی سزا کم کر دی جاتی ہے۔ تم تو میری بیوی ہو جان!'' وہ پُرسکون اور خوشگوار لہجے میں بول کر کاؤچ پر نیم دراز ہو گئے تو وہ مسکرانے لگی۔ کیونکہ اس وقت رنگ میں بھنگ ڈالنا مناسب نہ لگا تھا۔ سوچنے لگی تھی کہ اس میں اتنا غصہ کہاں سے آ گیا ہے جو ہر لمحے بڑھتا جا رہا ہے۔

'مجھے اِن سکیورٹی کس بات کی ہے، جبکہ فیضان میری خوشی، اجازت اور مرضی کے بغیر ایک قدم نہیں اُٹھاتے۔ آسیہ! تم نے بہت غلط سوچا اور سمجھا ہے۔ تمہارے میاں صاحب تو حد درجے کے شاطر اور چالباز ہیں۔ بڑے طریقے سے اپنی ہر بات منانے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ مجھے اس وقت خبر ہوتی ہے جب پانی سر سے گزر چکا ہوتا ہے۔ لیکن اس دفعہ ایک نہیں مانوں گی۔ کچھ نہیں سنوں گی۔ خاموشی کی ایسی مار دوں گی کہ ان کی نیندیں اُڑ جائیں گی اور بھوک مر جائے گی۔ پھر بھی زبان سے ایک لفظ نہیں بولوں گی۔ صرف آنکھیں ناراضگی کا اظہار کرنے کو کافی ہیں۔ انہیں چھوڑ جاؤں گی ہمیشہ کے لئے۔ لیکن اس ویرانے میں شفٹ نہیں ہوں گی۔'

وہ مسلسل سوچے جا رہی تھی اور پلان بناتے ہوئے اس کی پیشانی پر باریک لکیریں اس کی اندرونی کیفیت کی غمازی کر رہی تھیں۔ فیضان سب کچھ جانتے ہوئے مطمئن تھے۔ انہیں اپنی جیت کا علم تھا۔ کیونکہ آسیہ میں ہمیشہ سے مستقل مزاجی کی کمی تھی۔ غصہ آسمان کو جس رفتار سے جا کر چھو جاتا تھا، اسی تیزی سے جھاگ کی طرح بیٹھ بھی جایا کرتا تھا۔ اسی کمزوری کی وجہ سے فیضان ہمیشہ اپنی بات منوانے میں کامیاب ہو جایا کرتے تھے۔

گیلی گھاس کی بھینی مہک، مٹی کی خوشبو اور ہوا کی خنکی میں بچوں کی دلفریب آوازیں اور بھاگم دوڑ نے آسیہ کو چونکا دیا۔ اس کے دل سے ہوک اُٹھی۔

'سب شاداں و فرحاں ہیں یہاں۔ اور واحد میں ہی ناخوش ہوں۔ گھر خوشحال اور بے مثال شوہر کے دلی سکون اور ذہنی آسودگی سے بنتے ہیں۔ اور ان میں شوخ و شنگ رنگ بچوں کے قہقہے اور شرارتیں بھرنے کا کام کرتی ہیں۔ اور جو ہوم میکر ہوتی ہے، وہ تو بس تنکا تنکا جوڑ کر

آشیانہ تیار کرتی ہے۔ ہوم میکر کا کام آشیانہ گرانا نہیں بلکہ تعمیر کے بعد بھی اس کی حفاظت کرنا، زمانے کی آندھیوں اور جھکڑوں سے محفوظ رکھنا اور اپنے جذبات کو قابو میں رکھنا ہے۔ اس محل نما عمارت کو میرا وجود، میرا لگاؤ اور پیار گھر کی صورت بخش سکتا ہے۔'

اس نے اچنبھے سے باہر دیکھا۔ فیضان بچوں کے ساتھ پکڑن پکڑائی کھیلتے ہوئے دس سال کے بچے ہی تو لگ رہے تھے۔ بے پروا اور بے فکرے۔ وہ یہاں سے کب اُٹھ کر بچوں کے ساتھ انجوائے کرنے لگے تھے؟ اسے خبر ہی نہ ہوئی تھی۔ وہ اکیلی لاؤنج میں بیٹھی رہ گئی تھی۔ سب اسے اکیلا چھوڑ کر اپنی خوشیوں کو سمیٹ رہے تھے۔

شام گہری ہونے لگی تھی۔ اسے احساس ہوا کہ جیسے بحث مباحثے اور ناراضگی کا وقت گزر گیا ہو۔ نخرے اور لاڈ دکھانے کا دور ختم ہو گیا ہو۔ حسب معمول ہتھیار پھینک کر وہ حقیقت کے روبرو کھڑی اپنے فیملی ممبرز میں شرکت کرنے کے لئے بے تاب ہو اُٹھی تھی۔ سب کھیلنے میں مگن تھے۔ کسی کو اس کی کمی کا احساس نہ ہوا تھا۔ اندھیرے میں فارم کے اردگرد دیواروں پر بجلی کے بلب روشنی بکھیرنے لگے تھے۔ چوکیدار چاق و چوبند ہو کر ٹارچ لئے فارم کی گشت کر رہا تھا۔ رات کی رانی کی خوشبو نے ماحول کو مسحور کن بنا دیا تھا۔

وہ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی ہوئی لاؤنج سے باہر نکلی اور طویل کوریڈور عبور کر کے لمحے بھر کے لئے رک گئی۔ پھر ہمت بحال کر کے زینے پر کھڑے ہو کر اُس نے آس پاس کا جائزہ لیا۔ اس کے بچوں اور شوہر کی وجہ سے فضا میں رونق تھی۔ گہما گہمی اور تھرل تھا۔

'جنت ایسی ہی ہوگی۔' وہ بڑبڑاتی ہوئی آگے بڑھتی چلی گئی۔ اسی اثناء میں فٹ بال تیزی سے اس کے سر پر آ لگا تو اس نے بال اٹھا کر پورے جذبے اور استحقاق سے نعرہ لگا کر فیضان کی کمر پر دے مارا۔ پل بھر میں سب آسیہ کے اردگرد جمع ہو کر خوشی کا اظہار کرنے لگے تھے۔

'ہم اپنی زندگی کے ہر لمحے کو ایسا حسین اور شوخ و شنگ رنگ سونپ سکتے ہیں جس میں امتحان کے ساتھ کامرانیاں ہیں۔' وہ دل ہی دل میں خود کو سمجھاتی رہی۔

'شادمانیاں، سکونِ قلب، خوش الحانیاں میرے ہی جھک جانے میں پوشیدہ ہیں۔ بعض اوقات انا اور خودداری بے مقصد ہی شیطانیت لے کر وارد ہوتی ہے اور گھر شیطان کا اکھاڑہ بن جاتا ہے۔ انا کی موت اور اس کے قتال کا بھی اپنا چٹ پٹا، مصالحے دار مزا ہے۔ مگر وقتاً فوقتاً اس کی مضحکہ خیزی اور بدصورتی اشتعال انگیز ہو کر غصہ دلانے سے باز نہیں آتی۔' وہ چند لمحے پیشتر جہنم میں کبھی نہ ٹھنڈے ہونے والے الاؤ میں گھری ہوئی اسی کا ایندھن بنی ہوئی تھی۔ وہ کیفیت بہتر تھی یا اس وقت کے احساسات درست ہیں؟ وہ فیضان کے سینے سے لگی سوچتے ہوئے رونے لگی تھی۔ نہ جانے یہ آنسو انا کی ہار کے تھے یا فیضان کی جیت کے تاسف میں رواں دواں تھے۔

فارم ہاؤس کی صبح بے حد نکھری، اُجلی اور روشن تھی۔ چاروں بچے ایکسائٹ منٹ میں اپنے کمروں سے باہر نکل آئے تھے۔ ماحول کی تبدیلی کے خوش آئند اثرات ان کے چہروں سے عیاں ہو رہے تھے۔

فیضان اور آسیہ ان کی شرارتوں کے شور سے بیدار ہو کر اُٹھ بیٹھے۔ ان کے چہروں پر بھی بھرپور اطمینان تھا۔

''حسین رات اور خوب صورت صبح۔ واہ! خاموشی ہی خاموشی۔'' فیضان نے انگڑائی لیتے ہوئے کہا۔

''جہاں تنہائی، اُداسی اور مایوسی ہو گی، وہی تو خاموشیوں کی آماجگاہ ہے۔ مگر فیضان! کب تک؟..... جیتے جی شہرِ خموشاں کا انتخاب اور طمانیت کب تلک؟...... جذبۂ شوق پورا کر لیجئے۔ جب دل بھر گیا تو حکم کیجئے گا۔ واپس شہر چلے جائیں گے۔'' وہ معاملہ فہمی میں بولتے ہوئے بیڈ سے نیچے اُتری اور لاؤنج میں چلی آئی۔

بچوں نے خانساماں، اللہ جوایا کو ناشتے کا آرڈر دے دیا تھا اور خود باہر کھیتوں میں جا چکے تھے۔ آسیہ نے ٹی وی آن کیا اور مارننگ شو دیکھنے لگی۔ آج تک وہ مارننگ شوز دیکھنے کو وقت کا زیاں سمجھا کرتی تھی۔ مگر آج میزبان کی شوخیاں اور بے تکی باتیں بہت بھلی لگ رہی تھیں۔ وہ انہی کے ساتھ ہنس رہی تھی۔ تھوڑی دیر بعد خانساماں کچن سے باہر آیا اور مؤدبانہ انداز میں چلتا ہوا اس کے قریب آ گیا۔

''بیگم صاحبہ! چائے یا دودھ پتی؟''

''پہلی بات تو یہ ہے کہ تم آج سے ''اے جی چاچا'' ہو۔ آئندہ دَم والی، کم دودھ یعنی مِلک پیک والی چائے بیڈ میں ہی ملنی چاہئے۔ ہاں، صاحب کے لئے بھینس کے خالص تازہ دودھ کی دودھ پتی چائے دانی بھر بنا دو۔ اور اس کے بعد ناشتے میں دیسی گھی کا بلوں والا پراٹھا جس پر تازہ مکھن کا پیڑا رکھنا نہ بھولنا۔ اور میرے لئے پین کیکس وِد میش پوٹیٹوز اور آملیٹ۔ مجھے خالص دودھ مکھن کا کوئی شوق نہیں۔''

وہ تنک کر بول رہی تھی۔ ''اے جی چاچا! دیسی کھانوں کے علاوہ چائنیز اور انگلش کھانے بنانے تو آتے ہوں گے۔ اگر نہیں آتے تو کل سے تمہاری چھٹی۔'' وہ چٹکی بجا کر سرد مہری سے بولی۔ کیونکہ طبیعت ایک دم سے متذبذب ہو گئی تھی۔

''بیگم صاحبہ! آپ فکر مت کریں۔ پہلے والی بی بی بیگم نے مجھے پی سی سے اغوا کیا تھا، ڈبل تنخواہ پر۔ میں وہاں بہت خوش تھا۔ کیونکہ بچوں اور بیوی کے جھنجٹوں سے فارغ تھا۔ یہ سب اپنے گاؤں میں میری والدہ کے ساتھ رہتے تھے۔ میری اپنی بہت آزاد اور صاف ستھری زندگی تھی۔ پھر والدہ کا انتقال ہو گیا تو مجھے مجبوراً یہاں کی نوکری پکڑنی پڑی۔ کیونکہ تنخواہ بھی زیادہ تھی، رہائش بھی فری تھی۔ اب میں بچوں کی ذمہ داری اٹھا سکتا تھا۔ بس پھر زندگی اپنی نہ

رہی، پرائی ہوگئی۔'' وہ ایک طویل آہ بھر کر بولا۔''حالانکہ یہاں کی رہائش میں کافی مسئلے ہیں مگر پھر بھی میں خوش ہوں۔''

''خبر اچھی ہے۔'' وہ اس کی مختصر داستان سن کر مسکراتے ہوئے بولی۔''باقی ملازم کیسے ہیں؟''

''سبھی نمک حلال قسم کے لوگ ہیں بیگم صاحبہ! آس پاس کے گاؤں کے رہائشی ہیں۔ انہیں بھی یہاں کی نوکری وارہ کھاتی ہے۔ کیونکہ ذات برادری کے اچھے برے میں شامل ہونا نہ تو مہنگا پڑتا ہے نہ مشکل۔ اپنے بیوی بچوں کے ساتھ کوارٹروں میں رہ رہے ہیں۔ بچے یہاں کے اسکولوں میں پڑھ رہے ہیں۔ ان کی بیویاں بھی دوسرے فارم کے گھروں میں نوکری کر کے کما لاتی ہیں۔ اب اپنے گاؤں میں ایسی کمائی کہاں؟ یہاں سب ہی کچے تاریک کوارٹروں کو محلات سمجھ کر خوش بیٹھے ہیں۔ آپ کے خدمت گار اور وفادار ہیں سب۔ کتنا ہی اچھا ہو کہ اگر آپ پکا کمرہ اور بجلی پانی سے عیش کروا دیں۔'' وہ آخری فقرے طنزیہ انداز میں بول گیا جسے آسیہ نے فوراً محسوس کر لیا۔ اسے تنقیدی نظروں سے دیکھ کر سختی سے بولی۔

''یہ سب لوگ اپنے گاؤں میں محلات میں رہنے والے ہوتے تو بھلا یہاں کیوں آتے؟ کھیتوں میں ایسے ہی گھر بنے ہوتے ہیں جیسے ہمارے بیک یارڈ میں ہیں۔ انہیں اپنی اوقات یاد ہے۔ شکر ہے بھولے نہیں۔ ورنہ کب کے جا چکے ہوتے۔ مجھے کسی کے جانے پر کوئی اعتراض نہیں۔ جو بھی جانا چاہتا ہے، سو بسم اللہ۔ کل کا جاتا آج جائے۔ میں ویسے بھی پرانے مالکوں کے منتخب کردہ نوکروں کو اپنے ساتھ رکھنے پر آمادہ نہیں تھی۔ کیونکہ یہ بڑے ہی شاطر اور چالباز لوگ ہوتے ہیں۔ پہلے والوں کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملا چھوڑیں گے۔ نئے والے خوامخواہ ہی خود کو کمتر سمجھنے لگتے ہیں۔ اس لئے سب کو میرا پیغام واضح طور پر دے دینا۔ اور اے جی چاچا! اپنے بارے میں بھی سوچنے کا تمہیں پورا حق حاصل ہے۔ جہاں تم سب کا فائدہ ہے۔ میری طرف سے ہرگز پابندی نہیں ہوگی۔ کیونکہ آپ سب زر خرید غلام تو ہیں نہیں کہ عمر بھر کے لئے ہمارے پابند ہو کر زندگی گزار دیں۔''

اُس کی اس کھری بات پر وہ چونک سا گیا اور مضطرب سا ہو کر سر جھکائے کچن کی طرف چلا گیا۔ ناشتہ بناتے ہوئے دل میں سوچنے لگا۔

'تمام بڑے لوگوں کی فطرت ایک جیسی ہوتی ہے۔ کیا مجال کہ ناک پر مکھی تک کو بیٹھنے دیں۔ خیر! مجھے دوسروں سے کیا لگے۔ اپنے بچاؤ کی فکر کرو۔ یہاں سے نکال دیئے گئے تو ایسی عیاشی کہیں نہیں ملے گی۔ ہفتے میں دو دن کام کرنا برا نہیں اور تنخواہ بھی ڈبل۔ امیروں کا فارم غریبوں کی جنت ہی تو ہے۔ کیا ہوا کہ کوارٹروں میں سہولتیں نہیں۔ کبھی مرغی کے انڈوں کو کسی نے گنا ہے یا بھینس کے دودھ کو ناپا ہے؟ کھیت میں اُگنے والے اور کھلیان میں جمع شدہ سونے کو کسی نے تولا ہے؟ باورچی، خانساماں اور اے جی چاچا تو شہنشاہ ہیں۔ ویسے آج ترقی ہوگئی

ہے۔ اللہ جوایا سے اے جی چاچا۔ جس کے ہاتھ سے یہ بڑے لوگ کھانا کھاتے ہیں۔ یہ محتاج ہیں ہمارے۔ انہوں نے اپنی محتاجی اور لاچارگی ہم پر پیسہ لٹا کر خود پر مسلط کی ہے تو اس کا مزا چکھیں۔'

آسیہ کی آواز پر وہ اپنے حسین خیالوں کی دنیا سے باہر نکل آیا۔ اس نے جلدی سے چائے کے مگ کو اپنے کندھے پر رکھے ہوئے غلیظ نمی شدہ کپڑے سے رگڑا جو اس کے ہاتھ صاف کرنے کے کام آتا تھا۔ ٹرے میں مگ کے ساتھ شوگر پاٹ رکھا اور نیپکن کو فولڈ کر کے تازہ گلاب کی کلی سجائی اور عقیدت مندانہ انداز میں باہر نکل گیا۔ آسیہ کے سامنے ٹرے میز پر رکھ کر ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا جیسے تعریفی کلمات سننے کا منتظر ہو۔

''اے جی چاچا! مجھے پیالی میں چائے چاہئے۔ جس کا دہانہ مہین اور نازک ہو۔ مگ صاحب کے لئے بہتر رہے گا۔'' وہ طنزیہ مسکرا دی تو اے جی نے سوری بول کر مگ اٹھا لیا اور سرعت سے کچن میں چلا گیا۔ چائے پیالی میں انڈیل کر تیزی سے باہر آیا۔

''وہی پرانی باسی چائے لے آئے ہو۔ جب دوسری پیالی میں انڈیلو گے تو وہ ٹھنڈی اور بدذائقہ ہو جائے گی۔ تمہاری پرانی مالکن نے تمہیں یہ تک تو سکھایا نہیں۔ تم سے اور توقع رکھنی فضول ہے کہ تمہیں ہر طرح کے کھانے بنانے آتے ہیں۔ امپاسیبل۔''

وہ پھرکی کی طرح گھوم گیا، تازہ چائے دم کرنے کے لئے۔ ذہن و قلب تو ساکت ہوئے ہی تھے۔ روح بھی پتھرا گئی۔

''اس نک چڑھی بیگم کو قابو کر لیا تو سمجھوں گا قلعہ فتح کر لیا۔ اس گھر میں یہ مرد اور صاحب بیچارے نام کے شوہر ہی معلوم ہوتے ہیں۔ یار! ایسی باتیں مت سوچو۔ غریب کی زندگی کا ہر دن ہی آزمائش میں گزرتا ہے۔ اس المیے کو قبول کر لے اے جی چاچا! ہمارے لئے...... ہر لمحے تاریک اور سنسان رستوں پر گامزن، راہیں خاردار اور نوکیلے پتھروں سے بھرپور۔ اور یہ امیر لوگ دیکھو کہ فکر نہ فاقہ عیش کر کا کا۔ ہر دم خوش و خرم۔ اپنی رعایا پر دھونس جماتے ہیں اور حکم چلاتے ہیں۔ انہیں سرخاب کا پَر تو لگا ہوا نہیں۔ ہماری طرح کے اسی ایک ہی رب کے پیدا کردہ انسان ہیں۔ ہمارے حاکم کیوں بن بیٹھے ہیں؟ او جھلّے! وہ امیر کے گھر جو پیدا ہو جاتے ہیں۔ ان کا حساب و کتاب تو ہم سے بہت زیادہ سخت ہو گا۔ جو اسی دنیا میں جان لیوا بیماریوں کی صورت میں شروع ہو جاتا ہے اور اوپر نیچے نالیوں کی اذیتوں کے ساتھ ختم ہو جاتا ہے۔ انہیں اپنی موت کا خوف نت نئی بیماری میں مبتلا کر دیتا ہے۔ اور وہی معمولی بیماری ناسور بن جاتی ہے۔ جبکہ ہم مسکین جوشاندوں اور معجونوں کے سہارے ہی طبعی موت کو ہنس کر گلے لگا لیتے ہیں۔ نہ ڈاکٹروں کے ڈراوے نہ مریض کے خدشے۔ نہ سانس بڑھانے کی مشینیں نہ خوراک و پیشاب کی نالیاں۔ ہماری موت آسان اور ان کی موت تماشا اور رسوائی ہے۔'' وہ خود کلامی کرتا ہوا چائے دم کر رہا تھا۔

آسیہ نے وسیع گلاس ونڈو سے باہر جھانک کر دیکھا۔ مالی لان میں پانی دینے والا پائپ گھسیٹتا ہوا آگے جا رہا تھا۔ پیچھے گھاس پر کھڑے پانی میں چڑیاں نہا رہی تھیں۔ مالی کے منہ میں دبا ہوا سگریٹ جس کا کش لے کر وہ نتھنوں سے دھواں نکال رہا تھا، آسیہ کو بہت برا لگا جیسے یہاں بھی پولوشن اپنے ساتھ ہی لے آئی ہو۔ بیزار شکل بنائے باہر نکل آئی اور بلند آواز سے مالی چاچا! کہا تو اس نے پائپ وہیں پھینکا، منہ سے سگریٹ نکال کر اپنے پیچھے چھپا کر کھڑا ہو گیا۔

''مالی چاچا! ادھر آؤ۔'' اس نے آہستہ سے ہی کہا مگر مالی کی تیز سماعتوں نے باآسانی سن کر مدعا سمجھ لیا۔ وہ سگریٹ وہیں پھینک کر اس کے قریب آ کر سر جھکائے کھڑا ہو گیا۔

''مالی! آج کے بعد میری ریاست میں سگریٹ پینا منع ہے۔ ہم شہری پولوشن کی وجہ سے یہاں رہنے کا سوچ رہے ہیں۔ اگر تم لوگوں نے ایسا کیا تو یہاں رہنے کا مقصد تو ناکام ہو گیا۔'' وہ تلخی سے بولی۔

''آئندہ ایسا نہیں ہو گا۔'' وہ سہم کر بولا۔

آسیہ پھر لاؤنج میں آ کر صوفے پر بیٹھ کر دل ہی دل میں مسکرائی۔

'شہری ملازموں اور یہاں کے نوکروں میں ایک نمایاں فرق ہے۔ شہری ملازم آنکھ میں آنکھ ڈال کر بات کرنے کی بے تحاشا ہمت رکھتا ہے۔ کیونکہ وہاں ان کے لئے جابز آپرچونٹیز کافی ہیں۔'

اُسے یک دم اپنی پڑوسن کے گھر ہونے والی واردات کی وجوہات یاد آنے لگیں جس نے اپنے آرام اور سکون، پارٹیز اور فنکشنز کی خاطر اپنے بیڈ روم کے سامنے والا کمرہ رہنے کے لئے نوکر کو دے رکھا تھا۔ کیونکہ لاڈلے ملازم کو کوارٹر میں رہنا قطعاً پسند نہیں تھا۔ یہ خوبرو نوجوان بگڑا ہوا نوکر گھر کے علاوہ اڑوس پڑوس میں بھی دندناتا پھرتا تھا۔ آس پاس کے ہر نوکر سے اس کا جھگڑا رہتا تھا۔ مالکوں کو شکایت کی جاتی تو اس کی طرف داری اور مدح سرائی میں نغمے الاپے جاتے اور دوسروں کو جھوٹا قرار دے دیا جاتا۔

دیکھنے میں جب نوکر مالک اور مالک ادنیٰ ملازم معلوم ہونے لگے تو وہاں کچھ گڑبڑ ضرور ہوتی ہے۔ آخر ایک دن اسی کی بیٹی اسی نوکر کے ساتھ فرار ہو گئی اور کورٹ میرج کے بعد شوہر سمیت گھر میں واپس آ گئی۔ گھر میں قیامت برپا ہو گئی۔ اور آخر یہی چہیتا، لاڈلا اور انوکھا ملازم گھر داماد کے عہدے پر فائز ہو گیا جسے گھر سے نکالنا مشکل ہو گیا تھا۔ چند مہینوں کے بعد لڑکی کے والدین نے وہ گھر ہمیشہ کے لئے چھوڑ دیا اور اپنے دوست احباب اور عزیز رشتہ داروں کے سوالات سے بچنے کے لئے وہ عمر بھر کے لئے کینیڈا کے سٹیزن بن گئے۔

یہ سوچتے ہوئے اس کے ماتھے پر پسینے کے قطرے اُبھرنے لگے تھے۔ دل کی رفتار بھی تیز سی ہوتی محسوس ہوئی۔ تین بیٹیاں جوانی کے روپ میں آنکھوں کے سامنے گھوم گئیں۔

یہاں رہنے کا صرف ایک نقصان ہے کہ تنہائی اور خاموشی بے انتہا ہے۔ کاٹ کھانے کو دوڑتی ہے۔ گیٹ پر لگی تختی جس پر "راہِ سکون" کنداں ہے، اسے اس کے معنی سمجھ آنے لگے تھے۔ مگر فوائد بے حساب ہیں۔ ملازموں کی فوج اور سب ہی ہاتھ بندھے غلام۔ میری زندگی کسی مہارانی سے کم تو نہ ہوگی۔ صبح بچوں کے ساتھ ہی جم کے لئے نکل جایا کروں گی۔ وہاں سے فارغ ہوکر اپنے جی۔6 والے گھر جا کر تھوڑا آرام کرنے کے بعد تیار ہوکر کسی دوست کے گھر تو کبھی کسی پارٹی میں تو کبھی لنچ اور شاپنگ اپنی سہیلیوں کے ساتھ۔ بچوں کے ساتھ دوپہر کو واپسی۔ اس بہانے آئے دن جم جانے کی جو ڈنڈی مارتی ہوں، وہ بھی ختم ہو جائے گی۔ سودا ہرگز برا نہیں۔ میاں بھی شکرگزار اور احسان مند رہے گا۔ میں بھی ہر بات منوانے کے قابل سمجھی جاؤں گی۔ آخر قربانی کا رعب تو جما ہی سکتی ہوں نا۔

ابھی تک اس کے ذہن پر یہاں رہنا اور اس کے اثرات چھائے ہوئے تھے۔ خود کو مسلسل سمجھائے جا رہی تھی۔ سوچ کا دھارا مکمل طور پر رخ بدل چکا تھا۔

□.......○.......□

شام کے سائے گہرے ہونے لگے تھے۔ دھند لکے پر تاریکی قابض ہونے لگی تو چوکیدار نے پورچ کا بلب روشن کرنے کے بعد بنگلے کے آس پاس کی تمام سکیورٹی لائٹس بھی آن کر دیں۔ کوارٹروں پر کیروسین آئل کی لائٹیں ٹمٹمانے لگی تھیں۔ چولہوں سے اُٹھتا ہوا دھواں چاروں طرف پھیل رہا تھا۔ ہوا کی سرسراہٹ خاموشی میں صاف سنائی دے رہی تھی۔ آسیہ لاؤنج میں محوِ انتظار تھی۔ ابھی تک فیضان گھر واپس نہیں پہنچے تھے۔ شان اپنا ہوم ورک کرنے میں مصروف تھا۔ حرم سٹڈی میں مولوی صاحب سے نورانی قاعدہ پڑھ رہی تھی۔ ماہم اور ماہا کارٹون دیکھ رہی تھیں۔ اگر فارغ تھی تو وہ آسیہ تھی۔ دن بھر کی تھکی ماندی۔ بچوں کے ساتھ گھر پہنچتے پہنچتے سورج ڈھلنے لگا تھا اور وہ کاؤچ پر لیٹی سوچتی چلی گئی کہ یہاں شفٹ ہونا پچھتاوا ہی بنتا جا رہا ہے۔ کاہے کو میاں کی مان لی۔ لالچ کر بیٹھی۔

پہلے فیضان دوپہر کا کھانا میرے ساتھ گھر آ کر گپ شپ میں تناول کیا کرتے تھے۔ اب وہ مجبوراً اپنے آفس میں ہی برگر یا پیزا ڈلیوری کرا لیتے ہیں۔ رات کی پارٹیز اور فنکشنز اٹینڈ کرنا ہم دونوں کو ہی بے حد پسند تھا۔ اب ان میں کمی آنے لگی ہے۔ دور سے آنا جانا وہ بھی دوسری بار رات کے سناٹے میں، دل کو دہلا سا جاتا ہے۔ پھر بیٹیوں کو اتنے بڑے فارم پر نئے نوکروں اور نئی آیا کے ساتھ چھوڑنا بھی مناسب نہیں۔ بعض اوقات فیضان دوستوں کے ساتھ ڈرنک سیشن کے بعد رات کے دو بجے واپس آتے ہیں۔

وہ لاؤنج میں تنہا بیٹھی موازنہ کر رہی تھی اور دل بتدریج اُداس ہوتا جا رہا تھا کہ اب وہ واپس شہر جانے کے لئے کون سی راہ نکال جس پر فیضان بخوشی راضی ہو جائیں۔ کیونکہ قربت میں فاصلے حائل ہونے لگے تھے۔ قربانی گناہ لگنے لگی تھی۔

اے جی چاچا نے کھانا ٹیبل پر چن دیا تھا۔ آسیہ نے بچوں کو نہایت ملائمت سے کمروں سے نکالا۔ سب کے ساتھ وہ ٹیبل پر بیٹھ تو گئی تھی مگر کھانا حلق سے اُترنا محال ہو گیا تھا۔ وہ جب سے یہاں آئے تھے، عموماً وہ فیضان کے بغیر ہی ڈنر کیا کرتے تھے۔ اور ہر بار آسیہ کا دل کٹ کر رہ جاتا تھا مگر فیضان کو کچھ نہ کہتی۔ ایک مشرقی بیوی کی طرح مسکرا کر خوش آمدید کہتی۔ ان کے لئے گرم گرم کھانا ٹرالی پر لاؤنج میں ہی منگوا لیتی اور باتوں سے انہیں بہلاتی رہتی۔ وہ دن بھر کے تھکے ہارے کئی گھنٹے دوستوں میں گزار کر گھر پہنچتے تھے اس لئے ہاں، جی اور ہلکی سی مسکراہٹ سے اس کی باتوں کا جواب دیا کرتے تھے۔ مگر آج تین مہینوں بعد صبر کا پیمانہ ایسا لبریز ہوا تھا کہ چھلک چھلک جا رہا تھا۔ حالانکہ طلاق کی دھمکی کو اور ماں کے سرد رویے کو وہ بھولی نہیں تھی۔

ڈنر سے فارغ ہونے کے بعد شان جس کی عمر آٹھ سال، حرم نو سال، ماہم سات اور ماہا چھ سال کی تھی، ان سے ماں کتنی دیر باتیں کر سکتی تھی۔ بوریت تو لازمی تھی۔ حرم ویسے بھی اپیا ہونے کے باوجود بے وقعت تھی۔ شان کی پیدائش کے بعد حرم کے لئے ماں کی گود انجانی ہو گئی تھی۔ ماہم اور ماہا کے آنے سے وہ آسیہ کے دل سے نکل گئی تھی۔ حالانکہ وہ دونوں بہنوں کی نسبت خوب صورت اور نہایت دھیمے مزاج کی تھی۔ مگر آسیہ کی آنکھوں میں چڑھ گئی تھی۔ سب کو کمروں میں سیٹ کر کے وہ اپنے کمرے میں آ گئی۔ سلیپنگ سوٹ پہن کر وہ اپنے بستر پر نیم دراز ہو کر اپنی سہیلیوں کو فون کرنے لگی۔ رات کے گیارہ بجے کسی ایک سہیلی نے بھی فون اٹینڈ نہ کیا تھا۔

'سب اپنی فیملی کے ساتھ خوش باش زندگی گزار رہی ہیں۔ ایک میں ہی چغد میاں کی باتوں میں آ گئی اور اس ویرانے کو اپنا مسکن بنا لیا' اس کی آنکھوں سے آنسو گرنے لگے تھے۔ گھر وی آئی پی قید خانہ لگنے لگا تھا۔ وہ بے بسی سے اٹھ کر بیٹھ گئی۔

'اس وقت ڈرائیور کے ساتھ نہ تو شہر کسی مارکیٹ میں جا سکتی ہوں نہ ہی کسی کے گھر۔ وہ بھی تو دن بھر کا تھکا ہوا ہے۔ نوکری چھوڑنے میں پل نہیں لگائے گا۔ اور اگلے نہ جانے کتنے ہفتے مجھے مشقت کرنی پڑے۔ اکیلے ڈرائیو کرنے کا وقت نہیں رہا۔ ہائے میرے مالک! کیا کروں؟...... بہت بری پھنس گئی ہوں'

وہ تڑپ کر پورچ میں نکل آئی۔ سردی کی وجہ سے فضا دُھندلائی ہوئی تھی۔ تمام بلب کُہر میں ڈوبے ہوئے ہلکی سی روشنی اپنے اندر ہی سموئے اُداس لگ رہے تھے کہ دور سے گیٹ کھلنے کی آواز پر اس کی بے بسی اور غصہ آسمان کو چھونے لگا تھا۔ بے بسی، لاچارگی کی کیفیت میں غصہ اِک بم بن جاتا ہے جو دھماکے کی صورت میں آناً فاناً پھٹ کر گرد و پیش کی ہر شے کو تباہ و برباد کر دیتا ہے۔ یہی حال اس کا تھا۔

وہ فوراً گھر کے اندر آ گئی۔ کچن میں جھانک کر دیکھا۔ اے جی چاچا اپنی کرسی پر ہی اونگھ

رہا تھا۔ کیونکہ اسے فیضان کے ڈنر کے لئے روکا گیا تھا۔ آہٹ پر وہ ایک دم سے سیدھا ہو کر آس پاس کا جائزہ لینے لگا۔

''اے جی چاچا! تم گھر جاؤ۔ صاحب کھانا کھا کرآئے ہیں۔ انتظار کرنا بے سود تھا۔ خوامخواہ تمہیں روکے رکھا اس سردی میں۔'' آسیہ نے سنجیدگی سے کہا اور لاؤنج میں آ گئی۔

'آج جناب بھوکے ہی سوئیں گے۔ اور آئندہ ایسا ہی ہوگا'

اسی اثناء میں فیضان بھی اندر آ چکے تھے۔ چوکیدار نے بریف کیس اور کمپیوٹر بیگ صوفے کے ساتھ قالین پر رکھا اور اللہ حافظ کہہ کر باہر نکل گیا۔

فیضان کو گھر کی فضا میں تبدیلی سی محسوس ہوئی۔ کچھ گرمی، کچھ تناء اور کھچاؤ اور بیگم کے چہرے پر خفگی کے ہمراہ غصہ اور حد درجے کی خاموشی اور بے زاری۔

''اللہ خیر کرے۔'' وہ ٹائی کی گرہ ڈھیلی کرتے ہوئے بولے۔

''آج خیر نہیں۔'' وہ اکڑ کر بولی۔

''بری بیوی کی طرح آتے ہی زبان سے خاطر و مدارت۔ ویری بیڈ۔'' وہ مسکراتے ہوئے اس کے قریب آ گئے اور خوش دلی سے بولے۔ ''تمہارے لئے قابل مذمت اور میرے لئے قابل رحم مقام ہے۔ اس لئے ہنس کر زندگی گزارنے پر اکتفا کرلو۔''

''جو بھی ہے، جیسا بھی ہے، اب ایسے نہیں ہوگا۔ میں نے آخری اور حتمی فیصلہ کر لیا ہے۔ میں بھی آپ کی طرح شعور رکھتی ہوں۔ اچھے برے میں تمیز کر سکتی ہوں۔ اس لئے مجھے فیصلہ کرنے سے کوئی ذی بشر روک نہیں سکتا۔'' وہ چڑ کر بولی۔

''صبح تک تو تم ٹھیک تھی۔ یک دم کسی بچھو نے کاٹ لیا ہے کیا؟ یا سانپ نے ڈنک مار کر زہریلا کر دیا ہے؟'' وہ پھر مسکرا کر مگر حیرت سے بولے۔

''ہاں بچھو نے کاٹ لیا ہے۔ بہت تکلیف میں ہوں۔ اور سانپ نے ڈنک مارا ہے جو سرہانے کے نیچے ہر وقت پھن پھیلائے ڈسنے کو تیار ملتا ہے۔ زہر بھر دیا ہے میری نس نس میں۔ فوراً ڈاکٹر کے پاس لے چلیئے۔ ورنہ میں مر جاؤں گی۔''

''اس وقت؟..... یار! مذاق مت کرو۔ پین کلر پر گزارہ کرنا پڑے گا۔'' وہ مدعا سمجھ کر انجان بنتے ہوئے مذاقاً بولے۔

''اس سنسان ویرانے میں ہارٹ اٹیک ہو گیا تو بدقسمتی سے موت ہی لاحق ہوگی۔ ڈاکٹر تک پہنچنا تو مشکل ہے۔'' وہ طنزیہ لہجے میں بولی۔

''اللہ نہ کرے۔ آج کیسی انہونی باتیں کر رہی ہو؟ جھگڑالو عورتوں کی طرح بات سے بات نکال کر جھگڑے کو طول دینے کا مقصد سمجھا دو۔ بلاوجہ کیونکر ماحول کو جنگِ عظیم کا روپ دینا چاہتی ہو؟ خون ریزی، قتل و غارت اور اس کے بعد مالِ غنیمت لوٹنے کا پروگرام لگ رہا ہے۔ ہم نے اس تمام کارروائی سے پہلے ہی ہتھیار پھینک دیئے ہیں۔ سرنگوں کر لیا ہے۔ اب

تلوار سے سر قلم کر دیجئے۔'' وہ اس کا خراب موڈ دیکھ کر خود سپردگی کے عالم میں بولے تو وہ گھوم کر پشت اس کی طرف کر کے کھڑی ہو گئی اور دھاڑیں مار مار کر رونے لگی۔

''دوستوں کی محفلوں کو چھوڑ دیں۔ ورنہ میں پاگل ہو جاؤں گی۔''

''اوہو..... مسئلہ سیریس لگ رہا ہے۔'' وہ اس کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر بولے۔''ہر بات پر اتنے بے حساب آنسو نہ جانے کہاں سے بلا لیتی ہو۔ چلو پہلے کھانا ہو جائے، پھر بات کرتے ہیں۔'' وہ اسے بوسہ دے کر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئے۔ آسیہ نے اپنے آنسو صاف کیے اور کچن کی طرف چل دی۔ کچن کی لائٹ آف تھی۔

'مطلب یہ کہ اے جی چاچا جا چکا ہے۔ اس نے بھی ایک لمحہ جو ضائع کیا ہو۔ نا سمجھی میں میرے منہ سے کیا نکلا، اُس نے بھاگنے میں پھرتی دکھا دی۔ چل بیگم آسیہ! فیضان یعنی شوہر کو گرم گرم کھانا خود ہی کھلاؤ۔ اسے کہتے ہیں جذباتی پن کی سزا۔ بھگتو اور خود کو کوسو۔ جب خود کو جانتی ہو کہ فیضان کی نرمی تمہاری شکست ہے تو خوامخواہ سومرو پہلوان بننے کی کوشش کیوں کرتی ہو؟' بڑبڑاتے ہوئے اس نے فریج کھولا۔ فریج کو کھنگال مارا مگر گوندھا ہوا آٹا نہ ملا۔ یعنی کہ آٹا بھی گوندھنا پڑے گا۔ مدت ہوئی آٹا گوندھے ہوئے۔ کیسے گوندھا جاتا ہے؟

اس نے آٹا نکالا اور اسے پیالے میں گھول کر فیضان کے لئے ٹیڑھی میڑھی جلی ہوئی روٹی بنائی اور تاسف بھری نظروں سے روٹی کو دیکھتے ہوئے خود سے سوچا اور رازدارانہ اعتراف کیا۔ ڈبل روٹی ٹوسٹر میں ڈال کر سوچنے لگی۔ 'یہ نخرے اور لاڈ فیضان نے میرے اندر بھرے ہیں۔ میں انہی کو تڑیاں دکھانے لگی ہوں۔ وہ شب و روز کی محنت میرے لئے ہی تو کرتے ہیں۔ خبردار جو آج کے بعد منہ کھولا، زبان چلانے کی کوشش کی اور بری عورتوں کی طرح اپنا مزاج دکھایا۔ ان بری علتوں سے باز رہو۔ آخر اتنی محنت کے بعد عیاشی کا ان کا بھی حق بنتا ہے۔ یہ کون سی نئی بات ہے میرے لئے؟ دل مضبوط کر لو۔ بہتری اسی میں ہے۔'

□.......○.......□

''آسیہ! تم رات بھر کروٹیں بدلتی رہی ہو۔ نہ سوئی ہو، نہ مجھے سونے دیا ہے۔ آج کا دن میرے لئے خاصا طویل ہو جائے گا۔'' وہ ناشتہ کرتے ہوئے سنجیدگی سے بولے تو آسیہ نے اچنبھے سے ان کے چہرے کو غور سے دیکھا۔ آنکھیں شب بیداری کی چغلی کھا رہی تھیں اور چہرے پر تھکن کے آثار ہویدا تھے۔

''بس طبیعت خراب سی تھی۔ نیند نہیں آ رہی تھی۔'' وہ آہستگی سے بولی اور ٹوسٹ پر بٹر لگانے لگی۔

''میں دیکھ رہا ہوں میری جان! کئی دنوں سے اَپ سیٹ ہے۔ کیوں بیگم! مسئلہ کیا ہے؟ کھل کر بتاؤ تا کہ مسئلہ حل ہو سکے۔'' وہ اس کے چہرے پر خاموشی اور اُداسی کی چھاپ دیکھ کر نرماہٹ و اپنائیت سے بولے۔

''یہاں کی تنہائی تو مسئلہ تھی ہی، اب......'' وہ کہتے کہتے رک گئی۔

''اب کیا ہوا؟...... کیا تنہائی سے بڑھ کر کوئی مسئلہ درپیش ہے جو دن رات چین نہیں لینے دے رہا؟ تم نے جم جانا اور دوستوں سے میل ملاپ بھی کم کر دیا ہے۔ کیا دل نہیں چاہتا؟ یہاں کے ماحول سے مانوسیت ہوگئی ہے کیا؟......خبر تو بہت اچھی ہے۔ پھر بھی کوئی تو وجہ ہے کہ گھر گرہستن بن کر رہ گئی ہو۔'' وہ فکر مندی سے بولے۔

''مسئلہ مجھے سمجھ آ چکا ہے، اس لئے تو حل نہیں ہو رہا۔'' وہ مسکرا کر بولی۔

''مسئلہ گمبھیر بھی ہے، حل ہونا بھی مشکل ہے۔ اور تم ان دونوں کے بیچ مسکرا بھی رہی ہو۔'' وہ حیرت سے بولے۔ ''دل پر پتھر کی سِل رکھنے سے دل مر نہیں جاتے۔ بلکہ فرسٹریشن بڑھ جاتی ہے۔''

''کچھ ایسا ہی ہے۔'' وہ پھر ذرا سا مسکرائی۔

''بھئی بتا دو نا۔ میرا تجسس تو آسمان کو چھونے لگا ہے۔ جانتی ہو نا کہ مرد کا دل زیادہ شاکس برداشت نہیں کر سکتا۔ جلدی سے بتا چکو۔ ورنہ وِدھوا ہو جاؤ گی۔'' وہ ہنستے ہوئے دھمکی کے انداز میں بولے۔

''اسی لئے تو آپ کو صرف تجسس اور اشتیاق میں رکھنا چاہتی ہوں۔ جھٹکا دینے کا قطعاً ارادہ نہیں۔'' وہ ہنستے ہوئے بولی۔

''یعنی نہیں بتاؤ گی۔ تو میں آفس نہیں جاؤں گا۔ آج بہت اہم بزنس میٹنگ تھی چائنز ڈیلی گیشن کے ساتھ۔'' وہ سوچ میں پڑ گئے۔

'میں نے کچھ ضرورت سے زیادہ ہی پاؤں پھیلا لئے ہیں۔ گھر کا سکون ہمارے لئے بہت اہم ہے۔ بچے اطمینان بخش ماحول میں بہت کچھ نہ چاہتے ہوئے بھی اخلاقی طور پر مضبوط ہو جاتے ہیں۔ آسی! اگر تم ہر وقت یوں پریشان رہو گی تو میری دن رات کی محنت تو رائیگاں گئی۔'

''اینی وے۔ میٹنگ ملتوی ہو سکتی ہے۔ اس میں مسئلہ نہیں۔ آج چائنیز کو اسلام آباد کی سیر کروا دیتے ہیں۔ وہ بھی خوش اور مطمئن ہو جائیں گے اور ہم بھی۔'' لہجہ خوشگوار تھا۔ ''ویسے بھی رات بھر دونوں ہی نہیں سوئے۔ دن دہاڑے نیند کی کھوج لگاتے ہیں اور حسین سپنوں پر ڈاکہ ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں۔''

''آپ کی بہت امپورٹنٹ میٹنگ ہے۔ میں تو ویسے ہی مذاق کر رہی تھی۔ کوئی خاص مسئلہ نہیں۔'' وہ سنجیدگی سے بولی۔ ''آپ میرے گلے شکوے اور مسئلوں کو تو جانتے ہی ہیں نا۔ وہ سراسر بے تکے اور فضول ہی تو ہوتے ہیں۔''

''عام تو ہیں نا۔'' وہ پھر حیرت سے بولے۔

''جی۔ عام مسئلوں کو اتنی اہمیت نہیں دی جاتی۔ اس لئے آپ بے فکری سے آفس

جائیں۔'' وہ ذرا سا مسکرائی۔

''عام مسئلوں کو فوراً حل کر لینا بہت ضروری ہوتا ہے میری جان! شادی کے ٹوٹنے میں خاص اور بڑے مسائل کا کوئی رول نہیں ہوتا۔ کیونکہ فوراً سامنے آتے ہیں اور تیزی سے آر یا پار کا رستہ بھی دکھا دیتے ہیں۔ عام اور چھوٹے مسئلے جب اگنور کرنے سے پہاڑ بن جاتے ہیں تو بھلا پہاڑ کو کوئی آج تک اپنی جگہ سے انچ بھر بھی سرکا سکا ہے۔ اس لئے آئی ایم ناٹ گوئنگ اینی ویئر۔ تم، بچے اور ہمارے گھر کی خوشیاں امپورٹنٹ ہیں۔ مرد انہی کے لئے تو نہ دن دیکھتا ہے نہ رات بس محنت و مشقت میں لگا رہتا ہے۔'' وہ سنجیدہ ہو گئے۔ آسیہ نے ان کی باتیں سن کر اندر ہی خود کو خوب لعنت ملامت کی۔

''پلیز فیضان! آپ جائیں۔ رات کو بھی تو بات ہو سکتی ہے نا۔ آئی لو یُو فیضان! یُو آر آ گریٹ پرسن۔ آئی ایم سو لکی۔'' وہ نظریں جھکا کر ملائمت بھرے لہجے میں بولی۔

''تم مجھ سے زیادہ لکی نہیں ہو۔ یُو آر ٹُو مچ۔ مجھ میں تو بے شمار خامیاں بھی ہیں۔ جبکہ تم سراپا تحسین ہو۔ یہ بچے اور گھر تمہاری وجہ سے آباد ہے۔ مرد تو اِک اُڑتے پنچھی کی مانند ہے۔ ڈالی ڈالی ہر طرح کے میوؤں اور پھلوں سے محظوظ ہوتا ہے۔ عورت کو تو ایک کی ہو کر رہنے میں فخر ہے۔ وہ ایک ہی درخت پر تنکا تنکا جوڑ کر ایک ہی آشیانہ بناتی ہے۔ وہ ایسی علتوں والے ساتھی کو معاف نہ کرے تو دنیا جہنم بن جائے اور قیامت آنے میں دیر ہی نہ لگے۔ میں تمہاری وفا اور پاک دامنی کی قدر کرتا ہوں۔'' وہ تشکرانہ لہجے میں بولے۔

''میں دعا کرتی ہوں کہ ہماری بیٹیوں کے نصیب میرے جیسے ہوں۔ فیضان! مجھے معاف کر دیا کریں۔ خوامخواہ غصے میں بھڑک اُٹھتی ہوں۔ یہاں کی تنہائی نے مار ڈالا ہے۔ ورنہ آپ سے کبھی شکوہ نہ کروں۔'' وہ ندامت بھرے لہجے میں بولی۔

'آئی نو کہ مسئلہ کیا ہے۔ یہاں کی روٹین اور ماحول میں ایڈجسٹمنٹ کا مسئلہ ہے۔ بیگم! گھر شہر میں موجود ہے۔ جب حکم کرو گی، شفٹ ہو جائیں گے۔ ہر بات دھمکیوں اور ترلیوں سے منوانے اور اپنا رعب، دبدبہ اور مردانگی دکھانے کی کوشش کی تو حسین جنت کو جہنم بنانے میں پل بھی نہیں لگے گا۔ کہتے ہیں کہ عورت کو سمجھنا بہت مشکل ہے۔ ایسا ہرگز نہیں۔ بھلا چیونٹی کو مارنے کے لئے بندوق کا استعمال کرنا کہاں کی عقلمندی ہے؟ میں نے شادی کے سولہ سالوں میں اپنی ہر بات منوائی۔ لیکن میری بیگم کو یہ احساس ہر وقت شاداں و فرحاں رکھتا ہے کہ اس نے ہمیشہ ہر بات مجھ سے منوائی۔ بھلا اس سے بڑھ کر کوئی معصوم اور وفادار ہستی ہو سکتی ہے؟'

سامنے سے آسیہ بیگ اٹھائے وارد ہوئی۔ اس کے چہرے کی طمانیت دیکھ کر وہ پُرسکون ہو گئے اور ڈرائیور کو سوزوکی پک اپ میں آفس پہنچنے کے لئے کہہ کر اپنی گاڑی کی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ کر آسیہ کو آنکھ ماری۔ وہ بھی ان کے پہلو میں آ کر بیٹھ گئی۔

''اب رِم تک سیشن چلے گا گپ شپ کا۔'' وہ گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے بولے تو آسیہ پھر شرمندگی سے بولی۔

''آئی ایم سوری آنو! آپ کو نہ چاہتے ہوئے بہت کچھ بول جاتی ہوں۔''

''کوئی مسئلہ نہیں۔ کبھی کبھی بلا مقصد ہی عورت کا دماغ گرم ہو جاتا ہے۔ اسے ٹھنڈا کرنے کے لئے شوہر ہی مناسب نظر آتا ہے۔ کیونکہ اور کوئی رشتہ کچھ بھی سننے کے لئے تیار جو نہیں ہوتا۔''

یہ سن کر دونوں ایک دوسرے کے ہاتھ پر ہاتھ مار کر بولے۔

''بات تو سچ ہے۔ مگر بات ہے رسوائی کی۔ کہ اب کوئی لفٹ نہیں کراتا۔ نہ ماں نہ باپ اور نہ ہی بہن بھائی۔''

□.......○.......□

''ویسے آپس کی بات ہے۔ آج تم نے ماسی کو پنجابی میں گالی دے کر کمال کا کام کیا ہے۔'' فیضان نے حیرت سے کہا۔

''ماحول کے کچھ تو اثرات ہوں گے نا۔ ویسے آپس کی بات ہے کہ جب کسی کو خوب ذلیل کرنا ہو تو گالی اس زبان میں دیں جو ایک کو نہیں دونسلوں کو تڑپا دے۔ قبر میں مُردہ بھی تلملا اُٹھے۔ پیار کے اظہار میں بھی مزا پنجابی میں ہی ہے۔ کھلم کھلا اور بے باک۔'' وہ کھلکھلا کر ہنسنے لگی۔

''بچوں کو بھی سکھا دو۔'' وہ خوشگوار لہجے میں بولے۔ ''کم از کم گالی گلوچ ہی سہی، کچھ تو سیکھ پائیں گے اپنی مادری اور علاقائی زبان میں۔''

''Impossible۔'' وہ کانوں کو ہاتھ لگا کر بولی۔ ''بچے اپنے سکولوں میں مِس فٹ ہو جائیں گے۔ کیسی عجیب باتیں کرتے ہیں آپ۔''

''بھئی ماں اور اولاد کی زبان ایک جیسی نہ ہو تو اس رشتے کی شناخت ہی مٹ جائے گی۔ اب تم خود کو دیکھو کہ بات کرتی ہو تو پھپھو کا گمان ہوتا ہے۔ رتی بھر فرق نہیں آواز اور لہجے میں۔ اس لئے اپنی پہچان کو قائم رکھو تاکہ مستقبل میں تمہیں بھی ہر فون کال پر یاد کیا جائے۔'' وہ ہلکا سا مسکرا کر بولے۔

''تھینک یو۔'' وہ شرمندہ سی ہو کر وہاں سے اٹھ گئی۔ کیونکہ مدعا سمجھ چکی تھی کہ میں نے بہت گھٹیا اور جاہلانہ حرکت کی ہے۔

شان اور حرم نے اردگرد کے رہنے والے بچوں سے دوستی کرنا شروع کر دی تھی۔ لیکن آسیہ کو یہ بات بری محسوس ہوتی تھی۔ نہ ہی اسے ان سے بات کرنا پسند تھا۔

آسیہ کے سمجھانے کے باوجود شان اور حرم پر رتی بھر اثر نہ ہوتا تھا۔ بلکہ دن بدن ان کے دوستوں میں اضافہ ہو رہا تھا۔ اور شان کرکٹ ٹیم بنانے میں بھی کامیاب ہو گیا تھا۔

آسیہ جب بھی اس مسئلے پر فیضان سے بات کرتی تو وہ نہایت پیار ومحبت سے اس کے دل سے خدشات نکال دیا کرتے تھے۔

آسیہ نے ہفتے کی دو چھٹیاں گزارنے کے لئے خاصی تگ و دو کی۔ تمام پروگرام بنائے تا کہ بچوں کو تنہائی اور دوستوں کی کمی کا احساس کوارٹروں سے دور رکھ سکے۔ مقصد تو یہی تھا۔ اس لئے بچوں کے دوستوں کو ہر مہینے فارم ہاؤس کھانے اور گیمز کے لئے انوائٹ کیا جانے لگا جس میں بڑے بھی شرکت کرتے تھے۔ اور سب اس کھلی فضا میں اس قدر محظوظ ہوتے کہ اگلے انوی ٹیشن کا بے چینی سے انتظار کرتے۔ شہر کے ہنگاموں سے دور یہ ماحول چند گھنٹوں کے لئے تو بے مثال تھا۔ اس کی ہمیشگی کا کرب اور درد کسی نے بھی آسیہ میں محسوس نہ کیا تھا۔

آج کا فنکشن بھی اسی مقصد کی ایک کڑی تھی۔ دن بھر سب نے خوب انجوائے کیا۔ لیکن حرم دن بھر نصیبو کے ساتھ کوارٹر میں گڑیا اور گڈے کے کھیل میں مگن رہی۔ آسیہ نے بیسیوں بار اسے بلایا تھا۔ وہ پہلے تو آنے سے انکار کرتی پھر منہ بسورتی ہوئی پہنچتی اور جوں ہی اس کا داؤ لگتا وہ واپس کوارٹر کی طرف بھاگ جاتی تھی۔ اسی پریشانی اور فکرمندی میں پارٹی اختتام تک پہنچی۔

□......○......□

"آسیہ! تم آج رات بھر کروٹیں بدلتی رہی۔ تمہارے دماغ میں کیا چل رہا تھا؟ ذرا مابدولت بھی تو سنیں۔" فیضان نے جمائی لیتی ہوئی آسیہ کی طرف دیکھ کر اپنائیت سے پوچھا۔

"طبیعت گڑبڑ تھی۔" وہ ٹالنے کے انداز میں بولی۔

"گڑبڑ؟...... میرا خیال ہے کل مہمانوں کے ساتھ کھانا کھاتے ہوئے اوور اِیٹنگ ہوگئی ہوگی۔" وہ سوچتے ہوئے بولے۔

"مہمان اوور ایٹنگ سے بیمار پڑ سکتے ہیں۔ میزبان کی تو بھوک اُڑ چکی ہوتی ہے۔ خاتونِ خانہ کے سلیقے وقرینے پر انگلیاں اٹھانے کے لئے دوسری عورتیں بے تاب جو رہتی ہیں۔" وہ ذرا سا چڑ کر بولی۔ "ایک تو خاطر تواضع کرو، دوسرا باتیں بھی سنو۔"

"لوگوں کو مارو گولی۔ اپنے بارے میں میرے خیالات تو جانتی ہو نا۔ دیکھو تمہاری خوشی کی خاطر اب گھر سے ڈرنک بھی نکال دی ہے۔ پھر کیا مسئلہ ہے؟" وہ ملائمت سے بولے۔

"تھینک یو اتنا بڑا احسان کرنے گا۔ زندگی میں کبھی یہ اُدھار ضرور چکا دوں گی۔ میں بہت ڈسٹرب ہوں فیضان! مجھے تو یہ ڈھونگ اور تماشہ رچانے میں منہ کی کھانی پڑی۔ اس حرم سرپھری کا کیا کروں؟ اور اس شان کو تو آپ سمجھاتے ہی نہیں۔ ابھی ذرا سے ہیں، قابو میں نہیں۔" وہ آنکھوں میں آنسو بھر کر بولی۔ "گھر میں حرم کی سہیلیاں ہونے کے باوجود وہ تمام وقت نصیبو کے ساتھ کوارٹر میں کھیلتی رہی۔ آنی! یہ کب تک چلے گا؟ ہمارے دو بچے ہمارے ہاتھوں سے نکلتے جا رہے ہیں۔ خصوصاً حرم کی عادات تو ہیں ہی ناقابل برداشت۔ وہ ماہم اور

ماہا کو بھی لے ڈوبے گی۔ عجیب ہی خصلتیں ہیں اس لڑکی کی۔"

"تم خوامخواہ ہی اتنی پریشان ہوگئی ہو۔ بچوں کو بڑا مت سمجھو۔ ابھی بہت معصوم اور ناسمجھ ہیں۔ گھبرانے کی قطعاً ضرورت نہیں۔ تم تو عقلمند ہو۔ کتنا اچھا رہتا اگر تم نصیبو کو اِدھر بلا لیتیں۔ وہ بھی تو بچی ہے۔ سب کے ساتھ خوب مزا اُڑاتی۔ ہماری حرم بھی خوش رہتی۔" وہ نرمی سے بولے۔

"نصیبو جائے جہنم میں۔ مجھے اپنی اولاد کی پرواہ ہے جانی۔ ہماری حرم ہائے ہائے اُس کی غلیظ سٹریٹ کیٹ سے کھیل کر دھواں دھواں ہو کر واپس آئی تھی۔ بیماریاں پکڑ لیں تو وہ گھر بھر کو لے کر ہی مرے گی۔ اور پھر ہزار منتوں کے باوجود بدتمیز لڑکی نہانے کو تیار نہیں تھی۔ دو تھپڑ مار کر اسے واش روم میں بند کیا۔ گھنٹے بعد جب میں نے دروازہ کھولا تو وہ اسی طرح منہ جھاڑ واش روم کے فرش پر ٹانگیں پھیلائے بیٹھی تھی۔ میرا دل چاہا کہ اس کے کپڑے پھاڑ کر شاور کے نیچے کھڑا کر دوں۔ آپ کے ڈر سے ایسا نہ کر سکی۔ آپ نے مجھے نہ جانے کن ناکردہ گناہوں کی پاداش میں سزا سنائی ہے۔" وہ یہ کہتے ہوئے سسکیاں بھرنے لگی۔

"میری جان! یہ تم نے کیسے سوچ لیا؟ تم ماں ہو۔ اپنے بچوں کی بہتری ہی چاہو گی۔" وہ اسے پچکارتے ہوئے بولے۔ "میں جانتا ہوں کہ حرم تمہیں اپنے بچوں کی طرح پیاری نہ سہی، ہے تو تمہاری بیٹی۔"

"آنی! محبت بھی بڑی ظالم شے ہے۔ چاہے شوہر سے ہو یا اولاد سے۔ بالکل نڈھال اور بے بس کر دیتی ہے۔ کاش میں ان دونوں رشتوں سے پیار نہ کرتی ہوتی۔ میرا دل اس سے خالی ہوتا تو خدا کی قسم دونوں رشتوں کو اپنے مطابق ڈھال لیتی۔" وہ آنسو صاف کرتے ہوئے بولی۔ "خصوصاً حرم کو۔ جو نہ جانے کس کا خون ہے۔ فیضان! مجھے تو پہلے دن سے کسی غلیظ انسان کی اولاد لگی تھی۔ آپ ہی اس کی گوری رنگت اور موٹی آنکھوں پر فدا ہو گئے تھے۔"

"آہستہ بولو جان! دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں۔ حرم ہماری اپنی بچی ہے۔ آج کے بعد ایسی بات زبان پر بھی آئی تو خفا ہو جاؤں گا۔ میرے لئے کیا حکم ہے؟ یہ بتاؤ۔" وہ یہ کہتے ہوئے مسکرا دیئے۔

"میری ریکویسٹ ہے، التجا ہے، التماس ہے اور عرض ہے کہ اس کم بخت بلی کو زہر دے ڈالیں۔ اور اے جی چاچا کو سمجھائیں کہ آج کے بعد نصیبو نے حرم سے دوستی رکھی تو اسے چلتا کروں گی۔" وہ غصے سے بولی۔

"سمجھا دوں گا۔ نوکروں کو چھوٹی چھوٹی بات پر نکال دینا بہت حقیر حرکت ہے۔ پہلے ہی تم نے صفائی والا بدلا۔ اے جی کا ہیلپر بدلا، ماسیاں بدلیں۔ سوچو کہ کتنے لوگ دربدر ہو گئے۔" وہ نرمی سے بولے۔ "تم ایسی تو کبھی نہیں تھیں۔ غرباء پر ترس کھانے والی ہستی تھیں۔ شاید بیسیوں نوکروں کو ہینڈل کرنا مشکل لگ رہا ہے۔ اس مسئلے کا حل سوچا جا سکتا ہے۔"

''جانتی ہوں کہ آپ ملازموں میں کمی کر دیں گے۔ یہ اتنا بڑا محل مجھ سے کیسے سنبھلے گا؟ میں محل کی مالکن ہوں جناب! نوکرانی نہیں۔''

''ہاں آسیہ! پرانے مولوی صاحب آئے تھے۔ انہیں واپس بلا لو۔ بہت اچھے انسان تھے۔'' وہ بے ساختہ بولے۔ ''تم نے خوامخواہ ہی انہیں نکال دیا۔

''ہرگز نہیں۔ وہ ہر وقت ڈکاریں لیتے تھے۔ آپ جانتے تو ہیں کہ بچوں نے بھی یہی شروع کر دیا تھا۔'' وہ بھی بے ساختگی سے بولی تو وہ خاموش رہ گئے۔

''اپنی تنہائی کا رونا تو بھول ہی گئی ہوں۔ بچوں کی پڑ گئی ہے۔ آپ ہیں کہ بالکل سیریس ہی نہیں ہیں۔ ہر مسئلے کو ہنس کر ٹال دیتے ہیں۔'' وہ بے بسی سے بولی۔

''تمہاری تنہائی ختم کرنے کا مشورہ تمہیں پسند ہی نہیں آیا۔ اب میری جان! تم ہی بتاؤ کہ کیا کروں؟ تمہارا دل بہلانے کے لئے دوسری لے آؤں؟'' وہ خوشگوار لہجے میں بولے۔

''قسم سے آپ کی ماں سے سوتن ہزار ہا درجے بہتر ہے۔ آپ کی ماں مجھے تگنی کا ناچ نچانے کے تمام حقوق رکھتی ہے۔ جبکہ میں بڑی مالکن ہونے کے ناطے آپ کی چھوٹی کمبخت، اُلو کی پٹھی کو دن میں دس بار جوتے لگانے کی پاور رکھتی ہوں۔'' وہ غصے سے بے قابو ہو کر بولی۔ ''میں آپ سے ہرگز بات نہیں کروں گی۔ میری کسی پریشانی اور فکرمندی کا آپ کو احساس ہی نہیں۔''

''بیگم! ایسا کرتے ہی سیامی بلی حرم کے لئے اور رشین کتا شان کے لئے ان کے کمروں میں چھوڑ دیتے ہیں۔'' وہ ہنسی دباتے ہوئے بولے۔ ''سیامی بلی ویسے بھی اپنی زندگی میں ایک ہی بچے کو جنم دیتی ہے۔ وہ بلونگڑا ماہم اور ماہا کے کمرے میں چھوڑ دیں گے۔ ہماری بچت کی بچت اور بچوں کی عیاشی کی عیاشی۔''

''آپ جانتے ہیں کہ مجھے پرندوں اور جانوروں سے بہت گھن آتی ہے۔ ورنہ Zoo کو ختم کیونکر کرتی پلیز فیضان! مجھے tease مت کریں۔ کیا ایسا کرنے سے آپ کو سکون ملتا ہے جو میری ہر بات ہی ہنس کر ٹال دیتے ہیں؟ آپ کو احساس نہیں میرے درد، غم اور پچھتاوے کی شدت کا۔''

وہ مسلسل سُوں سُوں کئے جا رہی تھی اور فیضان اسے ٹشو پیپر دیتے ہوئے اس کے غصے، بیزاری اور پشیمانی کو قابو میں کرنے کی ترکیب سوچنے لگے۔

□.......○.......□

''اے جی چاچا! تم سے ایک رازداری میں بات کرنا چاہتی ہوں۔ عمر میں بڑے بھی ہو اور سمجھ دار بھی۔ مسئلے کا حل تم بتا سکتے ہو۔'' آسیہ نے اے جی چاچا کو قالین پر بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''ہم چھوٹے لوگ آپ کو مشورہ بھی چھوٹا ہی دیں گے۔ آپ فرمائیں۔'' وہ سر جھکا کر

بولا۔

''تمہیں ہمارے تمام مسائل کی خبر تو ہے ہی۔ جو مسئلہ تم سے تعلق رکھتا ہے وہ تم حل کر دو۔ مہربانی ہوگی۔'' وہ نرمی سے بولی۔

''جی بیگم صاحبہ! فرمائیں۔'' وہ اثبات میں سر ہلا کر بولا۔

''حرم اور نصیبو کی دستی ختم کرنا ہوگی۔ حرم دن بہ دن ضدی اور بدتمیز ہونے کے ساتھ نالائق بھی ہوگئی ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ اس بار یہ لڑکی فیل ہو جائے گی۔'' وہ پریشان کُن لہجے میں بولی۔

''بیگم صاحبہ! یہ جو دلوں کے رشتے ہوتے ہیں نا، خونی رشتوں سے بڑھ کر نہ ہوتے تو ہیر اور سسی کی داستانیں ہر ایک کی زبان پر نہ ہوتیں۔ دونوں معصوم بچیاں ہیں۔ پھر ڈر کس بات کا؟ آپ شان صاحب کی فکر کریں۔'' وہ اس کا رجحان اور توجہ دوسری طرف مبذول کرتے ہوئے بولا۔

''شان کی دوستی مالیوں اور ان کے جوان لڑکوں سے ہے۔ میں جانتی ہوں۔ مگر شان سمجھ دار ہے۔ اس کی حدیں ہیں۔ وہ ان کے کوارٹروں میں نہیں جاتا۔ اپنے کمرے میں اُنہیں نہیں بلاتا۔ گراؤنڈ تک دوستی ہے۔ مجبوری ہے کہ بچہ اور کہاں جائے؟'' وہ تسلی بخش لہجے میں بولی۔ ''آخر اسے کھیلنا بھی تو ہے نا۔''

''بیگم صاحبہ! آپ گھر کے اندر رہتی ہیں۔ آپ نہیں جانتیں کہ شان بھیا باہر کیا کرتے ہیں۔ میں تو خود بہت پریشان رہتا ہوں شان بھیا کی وجہ سے۔'' وہ ایک دم خاموش ہوگیا۔

''تو تم بتا دو۔'' وہ چونکی ہوگئی۔ ''اگر میں نہیں جانتی۔''

''آپ میرا نام مت لیجئے گا۔'' وہ سہم سا گیا۔

''نہیں لوں گی۔ بھلا کوئی اپنے ہمدرد ملازم کو یوں تو رُسوا نہیں کر سکتا تمہاری برادری میں۔'' وہ نرمی سے بولی۔

''بیگم صاحبہ! میں نے کئی بار شان صاحب کو سگریٹ پیتے ہوئے دیکھا ہے۔ وہ بہت چھوٹا بھی ہے، نادان اور ناسمجھ بھی ہے۔ باقی لڑکے اس کی کم سنی کا فائدہ اٹھاتے ہیں۔'' وہ ڈرتے ہوئے بولا۔

''ہائے تم نے تو مجھے ڈرا ہی دیا۔ تمہارے صاحب بھی تو چین اسموکر ہیں۔ بیٹا باپ پر نہیں جائے گا تو کیا ماں پر جائے گا؟'' وہ سر پکڑ کر ناگواری سے بولی۔

''بیگم صاحبہ! شان صاحب کا سگریٹ عام نہیں، چرس والا ہے۔'' وہ اِدھر اُدھر دیکھ کر آہستہ سے بولا۔

یہ انکشاف آسیہ کو دہلا گیا۔

''چرس؟......کیا کوارٹروں میں چرس؟'' وہ بوکھلا گئی۔

’’جی۔ ورنہ ان کی حالت بدل گئی ہوتی بیگم صاحبہ!‘‘ وہ پورے وثوق سے بولا۔’’ آج چرس کی عادت غریبوں سے چھین لیں گے تو کل امیروں کے بچوں سے شراب کا نشہ تحفے کی صورت میں حاصل کر لیں گے۔ شان تو ہے بھی بہت بھولا بھالا بچہ۔ اُن کی باتوں میں آ جاتا ہے۔‘‘

’شراب تو فیضان بھی پیتے ہیں۔ مگر ہے تو امیرانہ شوق۔ یہ گھٹیا اور توہین باختہ شوق چرس۔ اوہ مائی گاڈ!......اور وہ بھی اتنی چھوٹی عمر میں۔‘ وہ یہ سوچ کر چکرا گئی۔ اس کا دل دُکھ سے پھٹنے لگا تھا۔ اس کی خاموشی دیکھ کر وہ پھر گویا ہوا۔

’’بچیوں کی دوستی پر اعتراض نہ کریں بیگم صاحبہ! نہ اپنا کچھ بگاڑ رہی ہیں نہ دسروں کا۔ مل کر کھیلتی ہیں۔ چھوٹی بی بی کا بھی دل لگا ہوا ہے۔ آپ کو اور کیا چاہئے؟ آپ اپنا دل برا مت کریں۔ اللہ تعالیٰ نے انسان تو برابر ہی بنائے ہیں۔ ہائے انسانوں نے ہی میر تیر کر دی۔‘‘ وہ ایک لمبی آہ بھر کر بولا تو آسیہ نے تڑپ کر اس کی طرف دیکھا۔

’’تو چاچا! تم ایسا کرو کہ آؤ میرے سامنے صوفے پر ٹانگ رکھ کر بیٹھو اور میں تمہاری خدمت میں چائے پیش کرتی ہوں۔‘‘ وہ بھنّتی ہوئی بولی۔

’’میرا مطلب یہ ہرگز نہیں تھا بیگم صاحبہ! اللہ تعالیٰ کی تقسیم پر مجھے اعتراض کیوں ہو؟ وہ بہتر جانتا ہے۔‘‘ وہ ہاتھ جوڑ کر بولا۔’’معافی دے دیں۔ یہ زبان کا لوتھڑا بڑا ہی گناہگار ہے۔ اسے تو کاٹ ہی دینا چاہئے۔‘‘ وہ سر جھکائے کچن کی طرف چلا گیا۔

’یہ ہوتا ہے نقصان خالص خون میں پرائی غلاظت کی ملاوٹ کا۔ آپس میں بہن بھائیوں کی کیسے بن سکتی ہے جب کچھ کامن ہی نہ ہو۔ ہم نے بھی زندگی میں ایک غلطی کے بعد دوسری غلطی کی ہے۔ اب خمیازہ بھگتو تم اکیلی۔ میاں جی کو تو کوئی پرواہ ہی نہیں۔ بس اپنے شوق پورے ہونے پر نہال ہوتے جا رہے ہیں کہ ہم تو فارم ہاؤس میں رہتے ہیں بادشاہوں کی طرح۔ یہی غرور اور تکبر ہی ہمیں لے ڈوبے گا۔ جب حرم صاحبہ جوان ہو کر بھی انہی لوگوں سے دوستی رکھے گی تو گل کیوں نہیں کھلیں گے؟ پھر سمجھ آئے گی میاں صاحب کو۔ صبر کر لیتے تو یہ حرم ہماری زندگی میں ہرگز نہ آتی۔ بہت گھٹیا عادات ہیں اس کی۔ مگر ماں کے نہیں دیتی۔‘ وہ دل ہی دل میں فکرمندی سے لاغر ہوتی سوچے جا رہی تھی۔ کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ اس مصیبت سے جان کیسے چھڑائے؟

میاں ساتھ دینے والا ہوتا تو وہ آج شہر شفٹ ہو جاتی۔ تمام معاملات ہی دھیرے دھیرے درست ہو جاتے۔ حرم ذرا سا اور اونچی ہو جائے، اس کی تو فوراً شادی کر دوں گی۔ یہ کمبخت میرے بچوں سے دور ہی رہے تو بہتر ہے۔

اے جی چاچا کافی لے کر آیا تو وہ ابھی تک سر جھکائے اُلجھی گتھیاں سلجھانے کی کوشش کر رہی تھی۔ اے جی نے اس کے چہرے پر گواچا پن دیکھ کر طویل آہ بھری۔

''بیگم صاحبہ! پہلے والے صاحبوں کا مسئلہ آپ سے مختلف تھا۔ وہ پھر بھی یہ جائیداد بیچ کر واپس لاہور چلے گئے۔ آپ کا مسئلہ بڑا نہیں کیونکہ یہ چپے پر آپ کا بنگلہ ہے۔ وہاں رہنا مناسب ہے جی۔ چھٹی کا ایک آدھ دن دوستوں کے ہمراہ یہاں ہمارے ساتھ گزاریں۔ آپ بھی خوش رہیں گی اور بچے بھی سیٹ رہیں گے۔'' وہ اسے کافی کی پیالی تھماتے ہوئے اپنائیت سے بولا۔ ''وہاں دیسی انڈے، دیسی مرغی اور دودھ پہنچانا میرا کام ہے۔ خوامخواہ ہی بچوں سمیت اس اُجاڑ اور مٹی گھٹے میں آ کر بیٹھ گئی ہیں۔ میرا تو یہی مشورہ ہے کہ واپس چلی جائیں۔ یا خود کو اسی ماحول کا حصہ بنالیں۔ آپ ایک اشارہ کریں۔ تمام کوارٹروں کی عورتیں اپنی درد بھری کہانیاں سنانے پہنچ جائیں گی۔ اور آپ کی بھی سننا پسند کریں گی۔ آپ کا خوب دل لگا رہے گا۔''

وہ خاموشی سے اس کا منہ تکنے لگی تھی کہ میری انٹرٹینمنٹ کا اب یہی تو طریقہ رہ گیا ہے۔

□.......○.......□

''دیکھو بٹیا! جب سرما کی بارش سے سردی بڑھتی ہے اور ٹھنڈی ہوائیں گرم کپڑوں کو چیرتی ہوئی جسم کے اندر گھس جاتی ہیں، ہریالی جلنے لگتی ہے یعنی پیلی ہو جاتی ہے، شبنم کے قطرے موتیوں کی مانند پوروں پر جم جاتے ہیں تو امیر لوگ کس کا سہارا لیتے ہیں؟ ذرا سوچ کر بتاؤ۔''

مولوی صاحب نے اس کا سپارہ بند کرتے ہوئے نہایت اپنائیت سے کہا۔ کیونکہ مولوی صاحب اس حقیقت کو تو جان ہی چکے تھے کہ والدین کی بے پروائی اور بے توجہی کی وجہ سے اس کا زیادہ تر وقت کوارٹروں اور مولوی صاحب سے کہانیاں سننے میں گزرتا ہے۔ کیوں نہ اس کا فائدہ ہی اٹھایا جائے۔

''مولوی صاحب! بہت آسان سوال کیا ہے آپ نے۔'' وہ قہقہہ لگا کر بولی۔ ''آپ کو اتنا بھی پتہ نہیں کہ ہمارے گھر میں گیس اور بجلی کے ہیٹر جلائے جاتے ہیں اور ریڈی ایٹر آن ہو جاتے ہیں۔''

''ماشاءاللہ! بہت ذہین ہے میری شاگرد۔'' وہ اسے تھپکی دے کر بولے۔ ''غریبوں کے گھروں میں کیا، کیا جاتا ہے؟ یہ سوال بھی تو بہت آسان ہے۔'' وہ انہماک سے اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔ ''ہماری بچی حرم بی بی نے امیروں کا نقشہ تو کھینچ ہی دیا ہے۔ ذرا کوارٹروں کا بتاؤ کہ وہاں سردی کیسے گزاری جاتی ہے؟''

''میں جانتی ہوں مولوی صاحب! صحن کا چولہا اُٹھا کر کمرے میں رکھ لیا جاتا ہے اور وہیں کھانا پکتا ہے، چائے بنتی ہے۔ سب اپنے اپنے بستروں میں گھس کر گڑ والی مونگ پھلی کھاتے ہیں اور ایک دوسرے کو کہانیاں سناتے ہیں۔ خوب مزا رہتا ہے۔ لیکن یہ سب میرے لئے تو نہیں۔'' وہ لمبی دکھ بھری آہ بھر کر بولی۔ ''مزا تو نصیبو ہی لوٹتی ہے مولوی صاحب! جب

موقع ملتا ہے میں بھی تو گھر سے چوری بھاگ جاتی ہوں۔'' وہ رازداری سے بولی۔''اپنے ڈرائی فروٹ سمیت۔ سب کو کھلاتی ہوں۔ لیکن ممی کو جونہی علم ہوتا ہے، مجھے بلا لیتی ہیں۔''

''حرم بی بی! ان کے لئے مونگ پھلی ہی کافی ہے۔ ڈرائی فروٹ تو ان لوگوں کو چاہئے ہوتا ہے جو ذہنی محنت کرتے ہیں۔ جیسے میں ہوں۔ ایک دن میں بارہ لوگوں کے فارمز پر یہ پھٹیچر سائیکل چلا کر جاتا ہوں۔ ایسے کُند ذہن بچے ہیں کہ ابھی تک پہلے دوسرے سپارے سے آگے نہیں بڑھ رہے۔ تم بھی بادام ضرور کھایا کرو۔ اور مجھے بھی کھلانا مت بھولنا۔ کارِثواب بھی ہے اور دماغ بھی خوب تیز ہو جاتا ہے۔'' وہ ہمدردانہ لہجے میں بولے۔

''مولوی صاحب! کل آپ کو نئی سائیکل خریدنے کے پیسے لا دوں گی۔ بس آج سے ڈرائی فروٹ آپ کا۔ کچی مونگ پھلی کی بوری میری سہیلیوں کی۔ اور بادام ممی کو تو بہت پسند ہیں جس میں آپ کا حصہ بھی ہوگا۔'' وہ معصومیت سے بولی۔''اور میری اس مہینے کی پاکٹ منی آپ کی نئے سائیکل کے لئے ہوگی۔ کیوں مولوی صاحب! ٹھیک ہے نا؟''

''جزاک اللہ۔ یقیناً جنت میں نرم دل، فراخ دل لوگ ہی داخل ہوسکیں گے۔ ہاں تو پھر اس جاڑے میں ان محلوں میں رہنے والوں نے خوب گرم کپڑوں کی شاپنگ کی اور انٹرنیٹ سے مہنگے اور گرم کوٹ، مفلر اور ٹوپیاں آرڈر کیں۔ مجھے میرے شاگردوں نے بتایا ہے۔ ہائے میرے اللہ! بے چارے ہم جیسے غریب لوگ۔ دیکھو بغیر جرابوں اور سویٹر کے ٹھٹھر جاتے ہیں۔ بیمار پڑ جاتے ہیں تو ڈاکٹر نہیں ملتا۔ دوا نصیب میں نہیں ہوتی۔ جوشاندوں پر گزارہ کرتے ہیں۔ اور کئی تو اللہ کو پیارے ہو جاتے ہیں۔'' انہوں نے ایک اور پتا پھینکا تو دس سالہ حرم کی آنکھوں سے آنسو اُبل پڑے۔ اور دل ہمدردی کے احساس سے ڈوبنے لگا۔ غور سے مولوی صاحب کے کپڑوں کا جائزہ لیا۔

''بیٹا! روتے نہیں۔ بلکہ خود کو غریب کرلو۔ یہی لوگ تو اللہ کے بہت قریب ہوتے ہیں۔ اور وہ اوپر ان کا انتظار کرتا ہے۔'' وہ اس کی معصومیت کا فائدہ اٹھاتے ہوئے بولے۔

''وہ کیسے؟ ...... مولوی صاحب! میں تو بہت امیر ہوں۔ کیا وہاں میرا انتظار نہیں ہوگا؟'' وہ افسردگی سے بولی۔

''ایسے کرو اپنے گرم کپڑے کوارٹروں میں بانٹ دو اور ان کے پرانے سویٹر خود پہن لو۔ اسے کہتے ہیں دل کا بڑا ہونا۔ یعنی فراخ دلی تو اللہ تعالیٰ اور اس کی غریب مخلوق کو بہت پسند ہے۔ ایسے نرم دل لوگوں کو موت نہیں آتی۔ وہ ہمیشہ زندہ رہتے ہیں۔ تم جانتی ہونا کہ موت کیا ہے؟ امیروں اور غریبوں کو مٹی میں گڑھا کھود کر اس میں دبا دیا جاتا ہے۔ جو لوگ دوسروں کا خیال نہیں رکھتے، غرور اور تکبر سے تنے رہتے ہیں، قبر میں ان کے جسم کو کیڑے مکوڑے کھانے لگتے ہیں۔ جبکہ غریب اور مظلوم کی قبر گل و گلزار بن جاتی ہے۔ اور قبر کی کھڑکی جنت کی طرف

کھل جاتی ہے۔ وہ ہے ہمیشہ کی زندگی اور کامیابی۔'' وہ ڈرانے کے انداز میں بولے۔
''مولوی صاحب! مجھے ڈر لگ رہا ہے۔'' وہ لرزنے لگی تھی۔
''تمہارا دل بہت بڑا ہے۔ تمہیں موت نہیں آئے گی۔ پھر ڈر کس بات کا؟ چلو بٹیا! آج کا درس ختم ہوا۔'' وہ اپنی عقل چوس ٹوپی درست کرتے ہوئے کھڑے ہو گئے اور جیب سے دو ٹافیاں نکال کر اس کے ہاتھ میں تھما کر بولے۔ ''یہ آج کے درس کو خوب اچھی طرح سمجھنے کا انعام ہے۔ ڈرتے نہیں۔ ایسی حرکتیں کرنے سے ڈرو جن حرکتوں کے سرزد ہونے سے ہمیں ڈر لگتا ہے۔ جو ہمارے لئے جہنم کا دروازہ کھولتی ہیں۔ تم تو بہت پیاری بچی ہو۔ سمجھ دار بھی بہت زیادہ ہو۔ فکر نہ کرو۔''
''ٹھیک ہے مولوی صاحب!'' وہ سر ہلا کر بولی۔ اور مولوی صاحب نے کمرے کا دروازہ کھولا اور مسکراتے ہوئے باہر نکل گئے۔
پورچ میں ہی فیضان سے ٹکراؤ ہو گیا۔
''حرم کا درس اور قرآن مجید کیسے جا رہا ہے؟'' وہ مسکرا کر بولے۔
''ابھی عربی کی طرف رجحان نہیں ہوا۔ درس بہت شوق سے سنتی ہے۔ فکر کی بات نہیں۔ بہت جلد اس طرف بھی آ ہی جائے گی۔ اِن شاء اللہ۔'' وہ سر جھکائے بولے۔
''بس اگلے دو سال تک ماہم اور ماہا بھی آپ کی شاگرد بننے والی ہیں۔'' وہ خوش ہوتے ہوئے بولے۔ ''بچیوں کے لئے دینی تعلیم بہت ضروری ہے۔ ان کی زندگی اسلامی اصولوں پر چلے گی تو بہت آسان اور سہل رہے گی۔ ہمیں دیکھیں کہ جب نماز کا وقت نکل جاتا ہے تو ہوش آتی ہے۔ دنیا کے ہر کام میں نماز کو فراموش کئے ہر وقت کولہو کے بیل کی طرح جتے ہوئے ہیں۔ بچپن میں والدین نے نماز کی عادت ڈال دی ہوتی تو آج ہمارا یہ حال نہ ہوتا۔''
''آپ نے درست فرمایا ہے۔'' وہ ہاتھ آگے بڑھا کر بولے اور السلام علیکم کہہ کر مصافحہ کیا اور اپنی سائیکل کی طرف چل پڑے۔
'مدرسے نے مذہبی اور دینی تعلیم دینے کا جو سلیقہ مجھے سکھایا ہے، بہت کارآمد ثابت ہوا ہے۔ ہر بچہ سادگی کی طرف مائل ہو چکا ہے۔ جزاک اللہ۔ رزقِ حلال بھی تو عبادت ہے۔ میرے رب! میری عبادت قبول فرمانا۔ بچوں کو نیکی کی راہ دکھانا۔ مل جل کر، بانٹ کر کھانا اور غریبوں سے ہمدردی رکھنا ایک مولانا نہیں سکھائے گا تو کیا یہ شرابی اور زانی و راشی والدین سکھائیں گے؟.... استغفر اللہ۔ ہم دین کی تعلیم دیتے ہیں اور ہماری تنخواہوں سے دو وقت کی دال روٹی میسر نہیں ہوتی۔ جو دنیاوی تعلیم سے ان معصوم بچوں کو بے راہ رو کرتے ہیں، ہر مہینے ان کی جیبیں مہینے بھر کے لئے گرم ہو جاتی ہیں۔ کیا ہم سے یہ بے انصافی نہیں؟ اس بے روزگاری اور نفسانفسی کے دور میں میرا ابا مجھے مدرسے نہ چھوڑتا تو میں اپنی کٹیا میں دس بہنوں اور بھائیوں میں کب کا مر چکا ہوتا بھوک، پیاس اور بیماری سے۔' وہ نفرت و حقارت سے وسیع

لان کراس کر رہے تھے اور خود کلامی کرتے ہوئے کوارٹر کی طرف جا رہے تھے۔

□.......○.......□

حرم اپنی دو بہنوں اور فارم کے تمام ملازموں کی بچیوں سمیت اپنے گھر کے وسیع ٹیرس پر سردیوں کی دوپہر کی میٹھی دھوپ کی تپش میں بیٹھی تھی۔ انہوں نے ممٹی کے عقب میں اینٹیں جوڑ کر چولہا بنایا اور لان میں تناور درختوں کی سوکھی لٹکی ہوئی شاخوں کو توڑ کر چولہے میں قرینے سے رکھا اور مٹی کا تیل ڈال کر حرم نے ماچس سے لکڑیوں کو جلایا تو اس کے سر کے بال جھلس گئے تو ملازموں کی بچیوں نے اسے چولہے کے پاس آنے سے منع کر دیا۔ مگر وہ ایک نہ مانی اور اپنی باری سے پھنکیں مار مار کر آگ جلانے کی کوشش کرتی رہی۔ آج حرم کی گڑیا کی شادی تھی۔ اور اسے بیاہ کر بے جی کی بیٹی نصیبو کے گھر جانا تھا۔ حرم نے اپنی گڑیا بنٹی کا رشتہ اپنی بہنوں کو دینے سے انکار کر دیا تھا۔ کیونکہ آسیہ کے روّیے اور سلوک کی وجہ سے ان کی آپس میں دوستی کم، مخالفت زیادہ تھی۔ حرم شدت سے محسوس تو کرتی تھی مگر ماں سے وجہ پوچھنے کی کبھی جرأت نہ ہوئی تھی۔

اسے یہاں کے ماحول اور کوارٹروں میں بسنے والوں کی زندگی نے خوش رہنا سکھا دیا تھا۔ اس کا زیادہ تر وقت انہی کے ساتھ گزرا کرتا تھا۔ وہ انہیں حسرت سے دیکھ کر سوچتی۔ 'سب مل کر چولہے کے اردگرد بیٹھ کر کھانا کھاتے ہیں۔ سردیوں کی راتوں میں ایک لحاف میں دو تین اور چار بچے ایک دوسرے کے گلے لگے کہانیاں سناتے، شرارتیں کرتے سو جاتے ہیں۔ اور گرمیوں میں وہی چارپائیاں صحن میں بچھ جاتی ہیں۔ نہ انہیں باقاعدگی سے سکول جانے کی فکر ہوتی ہے، نہ ہی ہوم ورک کرنے کی دردسری۔ نہ مقابلے بازیاں اور نہ احساسِ شکست۔ یہ بچگانہ مگر حقیقت مندانہ سوچ جس کا ایک پہلو اس کے سامنے روشن تھا۔ کیونکہ وہ یہی دیکھنا چاہتی تھی۔

اپنی ہجولیوں کی مدد سے کھانا تیار ہو چکا تھا۔ بہنیں ناک منہ چڑاتی نیچے جا چکی تھیں۔ انہوں نے آسیہ کے کان بھرنے اور ڈانٹ ڈپٹ کا انتظام بھی کر لیا تھا۔ وہ سب اسی انداز سے چولہے کے اردگرد کڑوے دھوئیں اور کوئلوں کی تپش میں بیٹھ کر حلوہ جو کسی لئی سے کم نہ تھا، ہاں لفافے جوڑنے میں بہترین کام کرتا۔ چنا پلاؤ۔ چنے تو چن کر گھوڑوں کو کھلانے کے کام آ سکتے تھے اور بقیہ چاول پیچش شدہ مریض کی خوراک بن سکتے تھے۔ باراتیوں کے اس کھانے کو حرم نے خوب مزے لے لے کر کھایا۔ پیزا ہٹ کا چکن پیزا اور کچن کوزین کا بلیک فارسٹ کیک تو بالکل ہی بےکار معلوم ہونے لگا تھا۔ ماں کی بیکنگ بھی بدذائقہ لگی تھی۔

اس نے ایک انگڑائی لی۔

''تم سب کتنے خوش نصیب ہو۔ یوں ہاتھوں سے ایک ہی پلیٹ میں کھانا کھاتے ہو۔ مولوی صاحب بتا رہے تھے اس سے محبت بڑھتی ہے۔ اس کھانے میں کتنا مزا ہے۔ اور خود

پکانے میں اس سے بھی زیادہ۔ اور نیچے بیٹھ کر تو مزا ہی مزا۔ ہے نا میری سہیلیو!'' حرم نے جھومتے ہوئے کہا۔

سب نے اس کی طرف حیرت سے دیکھا۔ یہ باتیں انہیں عجیب لگا کرتی تھیں کہ ان کی مائیں اور باپ جب بھی ان کے گھر کا بچا ہوا کھانا لاتے ہیں تو ہماری عید ہو جاتی ہے۔ اور ہم اگلے کھانے کے انتظار میں والدین کی واپسی پر انہی کے پس خوردہ کھانے کا سوال کرنے لگتی ہیں۔ حرم باجی تو پاگل ہے جو ہمارے کھانے کی تعریفیں کئے جا رہی ہے۔ کاش ہم ان کے گھر پیدا ہوتیں اور وہ ہمارے گھر۔

انہوں نے دل ہی دل میں سوچا لیکن بظاہر حرم کو خوش کرنے کے لئے ہاں میں ہاں ملائی۔ ایک بچی پٹھو جو کہ عمر میں اس سے چھوٹی تھی، حرم سے کہنے لگی۔

''حرم باجی! آپ روزانہ مجھ سے کھانا بدل کر کھا سکتی ہیں۔ آپ مجھے اتنی اچھی لگتی ہیں کہ ایسا کرنے میں مجھے بہت خوشی ہو گی۔ میں آپ کو اپنا کھانا دے سکتی ہوں، آپ کے کمرے کی کھڑکی سے۔''

''میری ممی ایسا ہرگز نہیں کرنے دیں گی۔'' وہ مایوس کن لہجے میں بولی۔ انہوں نے ہماری یہ حرکت دیکھ لی تو مجھے کمرے میں بند کر دیں گی۔''

اسی اثنا میں اس کی ممی آسیہ دونوں بیٹیوں کے ہمراہ اوپر آ گئیں۔ ملازموں کے چھوٹے بڑے بچے حرم کی پلیٹ سے کھانا کھا رہے تھے اور حرم کے ہاتھوں پر حلوہ لئی کی طرح چپکا ہوا تھا۔ حرم کے سر کے جھلسے ہوئے اور راکھ میں اٹے ہوئے بال دیکھ کر آسیہ تڑپ گئی۔ چہرہ بھی دھوئیں اور کوئلوں سے کالا ہو چکا تھا۔ فراک اور چوڑی دار پاجامہ جو اس نے آج کے فنکشن کے لئے نصیبو کی ماں سے سلوایا تھا، سالوں پرانا معلوم ہو رہا تھا۔ مگر حرم کی آنکھوں میں چمک اور ہونٹوں پر دلنشین مسکراہٹ دیکھ کر وہ دُکھے دل کے ساتھ ذرا سا مسکرائی تو حرم ماں کے گلے لگ گئی۔

''ممی! غریبوں کے فنکشن بھی خوب ہوتے ہیں۔ آج مجھے بہت مزا آیا ہے ان سب کے ساتھ کام کرنے کا۔ آپ خوامخواہ ڈر رہی تھیں کہ میرے کپڑوں کو آگ پکڑ لے گی۔ ممی! یہ ساری لڑکیاں مجھ سے چھوٹی ہیں۔ اپنے گھروں میں لکڑی کی آگ پر کھانا پکاتی ہیں۔ کبھی ہاتھ تک نہیں جلا، بھلا کپڑے کیونکر جلیں گے؟ اگلے سال جب میں اپنا گڈا، پٹھو کے گھر بیاہنے جاؤں گی تو کیا مزا آئے گا ممی! آپ بھی میرے ساتھ چلئے گا۔ پھر دیکھئے گا میری یہ چھوٹی بہنیں بھی مجھے یوں اکیلا چھوڑ کر واپس نہیں جائیں گی۔ اچھا ہوا کہ اس وقت آپ میرے ساتھ ہیں۔ میں گڑیا کو نصیبو کے ہاتھ میں دینے کی ہمت نہیں رکھتی۔ آپ ہی اس دُلہن کو ان کے حوالے کر دیجئے۔'' حرم بمشکل بولی۔ اس کے چہرے پر دکھ و درد ہویدا ہو گیا تھا جیسے بیٹی کی رخصتی ہو رہی ہو۔ ماں نے تسلی و تشفی دی تو وہ ذرا سا بہل گئی۔

آسیہ، بیٹی کی معصومیت پر پھٹی پھٹی نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔ غصہ یکسر کافور ہو گیا۔ وہ گہری سوچ میں چلی گئی۔

'اس ٹیکنالوجی کے دور میں، آسائشات کے زمانے مین حرم تو مس فٹ ہے۔ اللہ کی شان کہ اس کی گود بدل گئی جس میں پروان چڑھی۔ گھر کا ماحول بدل گیا جس نے اسے شعور سکھایا۔ مگر نسل تو پرانی ہی رہی۔ خون تو اس کے اپنے خاندان کا رگوں میں دوڑ رہا ہے۔ ماسیوں کی بیٹیوں جیسا پہناوا اور کھانا بھی ویسا ہی پسند ہے۔ میں جونہی گھر سے نکلتی ہوں، اپنا کمرہ انہی بے وقوف، غلیظ اور نالائق لڑکیوں سے بھر لیتی ہے۔ بھلا اس زمانے میں کون رچاتا ہے گڑیا اور گڈے کی شادی۔ یہ تو پرانے وقتوں کے کھیل ہیں جب ٹیکنالوجی کا نام ونشان نہیں تھا۔ اس کمبخت کا دماغ چل گیا ہے۔ خیر اتنی پریشانی کی بات نہیں۔ ابھی چھوٹی ہے۔ ذرا بڑی ہوگی تو اسے لیوش زندگی کی قدر بھی آ جائے گی اور ان گندی اور جاہل سہیلیوں سے آٹومیٹکلی دور ہو جائے گی۔'' اس نے دل کو تسلی دی اور حقارت سے حرم کی گڑیا اُٹھا کر نصیبو کے ہاتھ میں دیتے ہوئے بولی۔

''اب اسے اپنے گھر میں بسانے کی کوشش کرنا۔ میری حرم کو بار بار تنگ کیا تو تم لوگوں کو اپنے گھر سے نکال دوں گی۔''

''ممی! کتنی بار کتنے ملازموں کی چھٹی کریں گی؟'' حرم کے آنسو جو پلکوں کے پیچھے رُکے تھے، چھم چھم گرنے لگے۔'' ہر بار میری سہیلی کو نکال دیتی ہیں۔ ممی! بری بات۔''

آسیہ نے سب کو ہتک آمیز نظروں سے گھورا اور تھپڑ کا اشارہ کیا تو سب نے خوف سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور اگلے لمحے سب تیزی سے سیڑھیاں اُترنے لگیں۔ نصیبو نے گڑیا کو سینے سے لگایا اور حرم کی طرف ترس و ہمدردی سے دیکھتی ہوئی وہ بھی وہاں سے رخصت ہوگئی۔ حرم مسلسل روئے جا رہی تھی۔ اپنی گڑیا کی جدائی کو برداشت کرنا اس کے بس میں نہ رہا تھا۔

آسیہ نے حرم کو بازو سے پکڑا اور اسے نیچے لے آئی۔ اسے کمرے میں بند کر کے اس کی زبان پرانے گھسے پٹے ڈائیلاگ ادا کرنے لگی جو ہر دوسرے دن دہرائے جاتے تھے۔'' کان کھول کر سن لو۔ کل سے تمہارا اسکول جانا بند ہے۔ اور آج ہی تم نصیبو کے کوارٹر میں شفٹ ہو جاؤ گی۔ کیونکہ تم ہماری بیٹی نہیں ہو جسے میں نے جنم دیا تھا۔ وہ تو کسی خوش نصیب لوگوں کے گھر کو رونق بخشنے چلی گئی۔ تمہاری عادات اور فطرت کوارٹروں میں رہنے والے دو ٹکے کے ملازموں جیسی ہے۔ تم اُنہی کی اولاد ہو۔ عباسی گھرانے سے اب تمہارا کوئی تعلق نہیں رہا۔ فیضان عباسی تمہارے والد نہیں ہیں۔ نصیبو کا باپ اللہ جوایا تمہارا باپ ہے۔ کان کھول کر سن لو اور میری یہ باتیں ذہن نشین کر لو۔ تا کہ تم ہمارے خاندان کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی جرأت نہ کر سکو۔ تم ہمارے لئے سراسر ذلالت اور ندامت ہو۔ اس لئے ہمارے گھر سے

دفعان ہو جاؤ۔"

"ممی! آپ مجھے سمجھنے کی کوشش کریں۔ میں اپنے بارے میں اتنا ضرور جانتی ہوں کہ مجھے ہمیشہ سے اس پابند زندگی سے گھن آتی ہے۔ مجھے ان جیسی آزاد زندگی چاہئے۔ مجھ سے خفا مت ہوں۔ پلیز ممی! میں آپ کو نہیں چھوڑ سکتی۔" وہ چھوٹے بچوں کی طرح ماں سے لپٹ گئی۔

"عمر تمہاری ناسمجھی کی اور باتیں دادیوں والی۔ کوئی پچھل پیری ہو تم۔ ہر بار تمہیں معصوم اور نادان سمجھ کر معاف کر دیتی ہوں۔ مگر اس بار ایسا نہیں ہوگا۔ یہاں سے دفع ہو جاؤ۔ دیکھتی ہوں تمہیں کون اپنی بیٹی بنانے کی جرأت کرتا ہے۔ جب ان غلیظ بچوں کے ساتھ پکڑن پکڑائی اور پٹھو گرم جیسی بے ہودہ اور غیر معیاری گیمز کھیلتی ہو تو لگتا ہے انہی کے خون کا نطفہ ہو۔ جب ان جیسی غیر مہذب زبان بولتی ہو تو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے انہی کی ذات پات اور انہی کی نسل سے ہو۔ مجھے تو لگتا ہے جیسے ہمارے خون میں کسی گناہ کی ملاوٹ ہوگئی ہے۔ آج سے تیس سال پہلے عباسی خاندان کی ایک حسین لڑکی نے اپنے ڈرائیور سے شادی کر لی تھی۔ تم میں بھی حلقہ بگوشی اور غلامی کا رنگ مجھے نمایاں نظر آتا ہے۔ اس سے پہلے کہ تم سے تاریخ دہرائی جائے، میں خود ہی تمہیں عاق کرتی ہوں۔ دل کو سمجھا لوں گی کہ میں نے تمہیں جنا ہی نہیں۔ جسے جنم دیا تھا وہ کسی اور کی آغوش میں چلی گئی۔ سب کو اعلانیہ طور پر اپنی بدقسمتی کا ضرور بتاؤں گی۔ پھر اس گھر کے دروازے تمہارے لئے بند ہیں ہمیشہ کے لئے۔" آسیہ غصے اور غم سے چیخی۔ "جاؤ مٹی کی ہانڈی میں روزانہ گھاس پھونس اُبالو اور پتلی دال پکاؤ۔ جلی اور کچی روٹیاں بناؤ اور لوگوں کے گھروں میں جھاڑو پوچا کر کے اپنی زندگی گزار دو۔ یہی چاہتی ہو نا؟ اسے تم آزاد زندگی تصور کرتی ہو نا؟ تو دفع ہو جاؤ اس گھر سے۔"

"ممی! میں ایسا ہرگز نہیں چاہتی۔ ممی! مجھے آپ سے بہت پیار ہے۔ میں آپ کو ناراض نہیں دیکھ سکتی۔ مجھے معاف کر دیں ممی! آئندہ ایسا نہیں کروں گی۔" وہ ماں کے سامنے التجائیہ انداز میں کھڑی ہوگئی۔

"ابھی تمہاری عمر ہی کیا ہے جو ایسی باتیں کرنے لگی ہو۔ یہ ان سب لڑکیوں کا قصور ہے جنہیں تم اپنی فرینڈز مانتی ہو۔ یہ پیدا ہوتے ہی چالاکی اور چالبازی سیکھ لیتی ہیں۔ یہ لالچی قوم تم سے کھانے اور پیسے بٹورنے کے لئے تمہارا ساتھ دے رہی ہے۔ آج کتے کو ہڈی دکھانا بند کرو، وہ کبھی پلٹ کر نہ آئے گا۔ میں اب سمجھی کہ مائیں بچوں کے سامنے اپنے پیار اور ممتا کے ہاتھوں مجبور ہو کر بے دم کیوں ہو جاتی ہیں۔ مگر وہ تو جوان بچوں کے مسائل ہوتے ہیں۔ تم تو ابھی دس گیارہ برس کی ہو۔ ابھی سے نچا کر رکھ دیا ہے ہمیں۔ آگے نہ جانے تم ہمارے ساتھ کیا کرو گی؟ اور ان چھوٹی بہنوں کی زندگی پر تمہارے ان بیہودہ اور گھٹیا خیالات کے کیا اثرات ہوں گے؟" آسیہ اسے پرے ہٹاتے ہوئے بولی۔ "دل تو چاہتا ہے تمہارا گلا گھونٹ

دوں اور چپکے سے لان میں گڑھا کھود کر دبا دوں۔"

"ممی! مجھے معاف کر دیں۔" وہ ڈر اور خوف سے لرزنے لگی تھی۔ ننھا دل بے قابو ہوا جا رہا تھا۔ بات تو سچ تھی کہ وہ اپنے پیار کرنے والے والدین کو کیسے چھوڑ سکتی تھی؟ عمر کے ہر حصے میں اپنے والدین اور اپنے بہن بھائی ہی تحفظ کا احساس دلاتے ہیں۔ اور اسی سائے میں کھیلنے کودنے کو دل چاہتا ہے۔ اور پھر اس عمر میں موت کا خوف اور ڈر وہ برداشت نہ کر سکی۔

آسیہ نے اسے اپنے سینے سے لگا کر جی بھر کر پیار کیا، نصیحتیں کیں، نشیب و فراز کی باتیں سمجھائیں۔ وہ سنتی رہی اور سر ہلاتی رہی اور ماں مطمئن ہوتی چلی گئی۔ خوشی سے مغلوب ہو کر بولی۔

"آج فرمائش کرو۔ کیا چاہیے؟"

"ممی! کچھ بھی تو نہیں۔ میرے پاس تو بہت کچھ ہے۔ نصیبو...... بے چاری......" وہ سہمتے ہوئے بولی۔

"پھر نصیبو کا نام۔ باز آ جاؤ۔ ان پر رحم کرو۔ انہیں در در کا محتاج کرنے پر کیوں تُل گئی ہو؟" وہ زہر آلود لہجے میں بولی۔

"او کے ممی! بس بھول گئی تھی۔" وہ ماں کو پیار کرنے لگی۔ آسیہ جھنجھناتی ہوئی الماری سے اس کے لئے کپڑے نکالنے لگی تو وہاں نصیبو کے گندے کپڑے دیکھ کر چلائی۔

"یہ کپڑے یہاں تک کیسے پہنچے؟ تم نے اپنے کون سے کپڑے اُسے بخشے ہیں جن کے بدلے میں یہ اُٹھا لائی ہو؟ میں ابھی اس کے باپ سے بات کرتی ہوں۔"

□......○. .....□

حرم نیلے رنگ کی سلوٹ شدہ قمیض اور سفید شلوار پہنے آئینے میں اپنا جائزہ لے رہی تھی۔ چہرے پر پُرسکون مسکان بکھری ہوئی تھی مگر دل خوشی اور خوف کے امتزاج میں بری طرح دھڑک رہا تھا کہ اس حلیے میں اسے اس گھر میں قبول نہیں کیا جائے گا۔ خوب دُرگت بنے گی۔ بابا اور ممی کی کئی دنوں تک لڑائی چلے گی اور آخر جیت ہو گی بابا کی۔ کیونکہ میں بابا کی لاڈلی بیٹی بھی ہوں اور انہیں مجھ پر فخر بھی ہے کہ مجھ میں سادگی، نرم مزاجی اور خدا ترسی بھی ہے۔ مولوی صاحب ٹھیک ہی تو کہتے ہیں کہ سب انسان برابر ہیں۔ تمام امیر لوگ انسانوں میں تفریق کر کے گناہِ کبیرہ کے مرتکب ہوئے ہیں۔ ہمیں یعنی تمام امراء کو دوزخ میں پھینک دیا جائے گا اور یہی غرباء جنت میں بیٹھے ہمارا تمسخر اُڑا رہے ہوں گے۔ مجھے اپنی نصیبو کے ساتھ جنت میں جانا ہے۔ سب کیوں نہیں سمجھتے؟ سوائے بابا کے۔" خود کلامی کرتے ہوئے اس نے باب کٹ بالوں کی پونی بنائی اور آنکھوں میں کاجل ڈالا اور دوپٹہ اوڑھا۔

"حرم! سکول سے لیٹ ہو گئی ہو۔ یہاں کیا کر رہی ہو؟...... اور یہ یونیفارم تمہیں کس

نے دیا ہے؟'' آسیہ تیزی سے کمرے میں داخل ہوئی تو حرم کو دیکھ کر چیخ اُٹھی تھی۔ اسے بری طرح جھنجوڑ کر دو تھپڑ بھی رسید کر دیئے اور بے اختیاری میں اس کا دوپٹہ کھینچ کر اتار دیا۔

''ممی! میں نصیبو کے ساتھ اس کے اسکول جا رہی ہوں۔ مجھے ٹاٹ پر بیٹھ کر پڑھنا اچھا لگتا ہے۔ تختی پر سیاہی سے لکھنا بہت پسند ہے۔ ممی پلیز!''

''بکواس بند کرو۔ نصیبو نہ ہوئی، جان کا عذاب بن گئی ہے۔ یہ لڑکی تمہارا فیوچر خراب کرنے پر تُل گئی ہے۔ اس کا حساب کتاب تو آج ہی کئے دیتی ہوں۔ کیا یاد کرے گی، کسی امیر زادی سے دوستی لگا کر اسے بہکانے کی سزا کیسی ہوتی ہے۔'' آسیہ نے اس کے بالوں کو نوچتے ہوئے پونی اُتاری اور اسے دھکیل کر باتھ روم تک لے گئی اور ہینگر سے اس کی صاف ستھری استری شدہ یونیفارم اتارتے ہوئے ناراضگی سے بولی۔

''اچھی طرح سے سیف گارڈ صابن سے نہا کر اپنی یونیفارم پہنو۔ ماہم اور ماہا بھی تمہاری وجہ سے لیٹ ہو رہی ہیں۔ تمہاری واپسی تک نصیبو کو تو دیس نکالا مل چکا ہوگا۔''

''ممی! اگر نصیبو چلی گئی تو میں بھی یہ گھر چھوڑ دوں گی۔'' وہ ایک دم سے اکڑ کر ماں کے سامنے کھڑی ہوگئی۔ آسیہ کا دل دہل گیا۔ وہ حرم کی ضد کو خوب جانتی تھی۔ ایک دم سے مدھم پڑ گئی اور اسے ڈرانے کے انداز میں بولی۔

''کسی غنڈے کے ہتھے چڑھ گئی تو وہ تمہیں کسی کے ہاتھ بیچ ڈالے گا۔ پھر تھوڑے سے منافع کی خاطر تم عمر بھر بکتی رہو گی۔ ابھی تم چھوٹی ہو۔ تمہیں سمجھ نہیں کہ لڑکی کے بکنے کا مطلب کیا ہوتا ہے۔'' آسیہ نے اس کے بال بری طرح نوچ لئے۔ وہ درد سے کراہ اُٹھی۔

''میں نصیبو کے ساتھ جاؤں گی۔ وہ مجھے کیوں بیچے گی؟ وہ مجھ سے پیار کرتی ہے ممی!'' وہ ڈھٹائی سے بولی تو آسیہ ایک دم سے نرم پڑ گئی۔ آخر اس نے اسے بیٹی سمجھ کر پالا تھا۔ لگاؤ اور پیار بھی تھا۔ نفرت اور غصہ بھی تھا۔

''تم اپنے بابا اور ممی کو کیسے چھوڑ سکتی ہو؟...... ماہم، ماہا اور شان تمہارے بغیر کیا کریں گے؟'' وہ اسے پیار کرتے ہوئے بولی۔

''ہاں ممی! میں بھی تو زندہ نہیں رہوں گی آپ کے بغیر۔ میں نہیں جا سکتی۔ مجھے بھی تو سب سے پیار ہے۔ بس ممی! نصیبو کو اسی گھر میں رہنے دیں۔'' وہ تڑپ اُٹھی۔ ''وہ بہت غریب ہے ممی! مجھے اُس پر ترس آتا ہے۔ میرا دل چاہتا ہے میں اس کی طرح ہو جاؤں یا وہ میرے جیسی ہو جائے۔''

''میری جان! یہ اللہ تعالیٰ کی تقسیم ہے۔ انسان باری تعالیٰ کا رول پلے نہیں کر سکتا۔ وہ بہت عظیم ہستی ہے۔ بھیدوں کو اپنے پاس رکھنے والا۔ ہم اس کی تخلیق میں دخل اندازی نہیں کر سکتے۔'' وہ نرماہٹ سے بولی۔

''ممی! ہم ان کی امداد کر کے اپنے برابر تو لا سکتے ہیں۔ مولوی صاحب نے مجھے رسول

اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اَن گنت مثالیں پڑھ کر سنائی ہیں۔ وہ چٹائی پر سو سکتے ہیں تو ہم کیوں نہیں؟ یہ تمام غریب تو اپنے نبی کے خاص الخاص بندے ہوں گے۔'' وہ حسرت و یاس سے ماں کو دیکھنے لگی۔ ''امیر تو دوزخ کا ایندھن بنیں گے۔ ممی! مجھے ڈر لگنے لگا ہے۔''

''بیٹی! ذرا بڑی ہو جاؤ، پھر اس موضوع پر بات کریں گے۔ ابھی میں جو بھی بات کروں اس پر غور و خوض کیا کرو۔ تمہارے مولوی صاحب ہم سے زیادہ پڑھے لکھے نہیں ہیں۔ وہ تو اپنے ذریعۂ معاش کے لئے بچوں کو قرآن مجید پڑھنا سکھاتے ہیں۔ دینی تعلیم اور قرآن مجید کے احکامات سے وہ نابلد ہیں۔ جاہل اور گنوار لوگوں نے درس و تدریس کے ذریعے ہر مسلمان کو احساسِ جرم میں مبتلا کر دیا ہے۔ اس کا ایک بھیانک روپ آج میں دیکھ رہی ہوں۔ مجھے نصیبو سے دوستی رکھنے پر قطعاً اعتراض نہیں۔ اس کا رنگ اپنانے سے نفرت ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فیصلوں کو بدلنے سے مجھے خوف آتا ہے۔ اس دنیا کو اُس نے بنایا۔ چرند پرند، جانور، درخت، پودے اور پھولوں سے اسے آراستہ کیا۔ پھر اشرف المخلوقات کو ان کا مالک بنا دیا۔ ان سب پر ہمارا حق ہے جو ہمیں سونپ دیا گیا۔ ہر ذی بشر اپنے حصے کے مطابق زندگی گزارنے کا سزاوار ہے۔'' وہ بولتی چلی گئی۔ مگر حرم کچھ نہ سمجھ پائی۔

''چلو میرے بچے! جلدی سے تیار ہو جاؤ۔ ابھی تمہیں میری باتیں سمجھنے میں مشکل ہو گی۔ ذرا بڑی ہو جاؤ۔ اپنے تمام فرائض جان جاؤ گی۔'' آسیہ نے دلجوئی میں ہنس کر کہا۔

''ایک شرط ہے ممی!'' وہ اپنی موٹی آنکھیں مٹکا کر بولی۔

''بولو بٹیا!'' آسیہ استفہامیہ لہجے میں بولی۔

''ممی! مجھے نصیبو کی طرح بے فکری اور آزاد زندگی کی تمنا ہے۔ میں اردو میڈیم سکول میں انہی سہیلیوں کے ساتھ تعلیم حاصل کرنا چاہتی ہوں۔ مجھے کسی کمپی ٹیشن میں حصہ لینے کی قطعاً ضرورت نہیں۔ ممی! آپ مجھے نادان مت سمجھیں۔ اچھے برے میں تمیز کرنا میں نے اپنی سہیلیوں سے سیکھا ہے۔ یہ بہت سمجھ دار ہیں۔'' وہ سنجیدگی سے بولی تو آسیہ سر جھکا کر سوچ میں پڑ گئی کہ وہ اس معاملے کو کیسے ہینڈل کرے کہ سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔ ابھی حرم بچی ہے۔ ناپختہ ذہن اور جذباتی خیالات کی مالک۔ اسے نہایت عقل مندی سے راہِ راست پر لانا پڑے گا۔

''ممی! آپ کو میری شرط منظور نہیں۔ میں جانتی ہوں کہ آپ ان کمزور اور غریب لوگوں کو اپنی زندگی میں داخل نہیں کر سکتیں۔ آپ کو ان سے شدید نفرت ہے۔'' وہ پژمردگی سے بولی۔

''ممی! ذرا سوچیں کہ یہی لوگ آپ کے خدمت گار ہیں۔ آپ کے اسٹیٹس کو بحال رکھنے میں انہی کی محنت و مشقت شامل ہے۔''

''مجھے سب معلوم ہے بیٹی! اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ انہیں برابری دے کر سر پر چڑھا لیں اور ہم ان کے خدمت گار بن جائیں۔ تم ابھی بہت چھوٹی ہو۔ تمہاری معصومیت اور

بھولے پن سے یہ ملازم طبقہ آشنا ہو چکا ہے۔تم ان کی غیر مناسب باتوں سے دور رہ کر اپنی تعلیم پر توجہ دو۔ یہی تمہیں نشیب و فراز کا سبق دے گی۔ پھر تم جو فیصلہ کرو گی، بہترین ہو گا۔ پھر ہمیں اعتراض ہو گا، نہ ہی انکار کریں گے۔تمہارے خیالات کا احترام اور قدر کریں گے ہم۔ دوسرا میری بیٹی! ان لوگوں کے ہم مددگار تو بن سکتے ہیں، دوست نہیں۔ جب ہم میں ہمارے رب نے ہی فرق ڈال کر فاصلے کا تعین کر دیا ہے تو ہم کون ہوتے ہیں نعوذ باللہ خدا کے رول کو اپنانے والے۔نصیبو کو صرف تمہاری وجہ سے اس گھر میں آنے کی اجازت دے رہی ہوں۔ کیونکہ تم اب بڑی ہو رہی ہو۔ میں نہیں چاہتی کہ تم اس کے بھائیوں اور باقی کوارٹروں کے لڑکوں میں مکس اپ ہو کر اپنا مقام کھو دو۔ میں تمہارے مستقبل کی تابنا کی کے لئے ہر وقت دعا گو رہتی ہوں۔ میں تمہاری ماں ہوں۔تم مجھے دشمن کیوں سمجھتی ہو؟'' آسیہ نے دکھ بھرے لہجے میں کہا۔

''وہی ہو گا ممی! جیسا آپ چاہیں گی۔'' حرم نے احتراماً کہا تو آسیہ نے اسے اپنے ساتھ لگا کر اپنائیت سے کہا۔''صرف ایک ہی شرط ہے میری۔تم نصیبو کے کپڑے نہیں پہنو گی۔ اس کے کوارٹر میں جا کر ان کے بستروں میں نہیں لیٹو گی۔ ان کے کھانے نہیں کھاؤ گی۔ بلکہ نصیبو کے لئے میں اس گھر کے دروازے کھول دوں گی۔ وہ تمہارے جیسے کپڑے زیب تن کرے گی، تمہارے ساتھ کھانا کھائے گی۔لیکن وہ انگلش میڈیم سکول میں تمہارے ساتھ تعلیم حاصل نہیں کر سکتی۔ کیونکہ اس کی تعلیمی بیک گراؤنڈ میں اُردو ہے۔ وہ اُردو میں ہی جتنا پڑھنا چاہے گی، میں اسے پڑھاؤں گی۔ لیکن یہ یاد رکھنا کہ وہ غریب خاندان سے تعلق رکھتی ہے۔ اس کے والدین اسے بہتر تعلیم دینے کی اجازت نہیں دیں گے۔ کیونکہ اس طبقے میں لڑکیوں کو تعلیم نہیں دی جاتی۔'' وہ نرماہٹ سے بولی۔''وہ اس کی شادی اگلے ایک آدھ سال میں ہی کر دیں گے۔ان کے یہی رواج ہیں۔''

''میں انہیں منالوں گی ممی! وہ سب مجھ سے بہت پیار کرتے ہیں ممی! مولوی صاحب کی باتیں میرے دل میں اُتر جاتی ہیں کہ نصیبو جیسے لوگ ہی تو جنتی ہیں۔ہم ان کے ساتھ برابری کا سلوک روا رکھیں گے تو وہ ہمارے لئے جنت کا دروازہ کھول دیں گے۔ ممی! مجھے جہنم کی آگ کا ایندھن بننے سے بہت خوف آتا ہے۔'' وہ خوفزدہ ہو کر کانپنے لگی تھی اور چہرے پر ہوائیاں اُڑنے لگیں۔

'اس مولوی اور نصیبو کی تو خبر لے لوں گی۔ مگر اس معصوم اور نادان کو کیسے راہِ راست پر لاؤں؟ کم بختوں کی کونسلنگ نے میری بچی کو ذہنی طور پر بیمار و لاغر کر دیا ہے۔ اسے کیسے سمجھاؤں کہ بھوک ایسی لعنت ہے کہ جو کسی قانون و ضابطے کی محتاج نہیں۔ وہ لڑ جھگڑ کر یا نرم ملائم بن کر دوسروں کو چاٹ جاتی ہے۔ حالات کے مطابق اپنے رنگ بدلتی ہے۔ کبھی انسان تو کبھی شیطان اور حیوان کی صورت میں زندگی کا چناؤ کرنے پر اختیار رکھتی ہے۔ نادان لڑکی!

انہوں نے تمہیں دانستگی میں ہضم کر لینے کا فیصلہ کر لیا ہے۔'

□.......○.......□

''بیگم صاحبہ! مجھے تو اپنا فرض ادا کرنا ہی ہے۔ ورنہ میں کل اپنے رب کے سامنے کیا جواب دوں گا؟ میں نے حرم بیٹی کو قرآن پاک کی تجوید کے ساتھ دینی تعلیم دینے کی غلطی نہیں کی۔ بلکہ آپ بھی اس کارِ ثواب کی مجھے داد دیں۔'' مولوی صاحب نے نگاہیں نیچی کئے آسیہ کو اس کے سوال کا جواب دیا۔

''آپ کی بات سر آنکھوں پر۔ حرم کے لئے جو بھی درس ہو، اس کی عمر اور سوچ کے مطابق ہوتا تو بہتر تھا۔ وہ اپنی عمر سے بڑی باتیں کرنے لگی ہے۔ ضد اور بے لحاظی دن بہ دن بڑھتی جا رہی ہے۔ ہم اس کی طرف سے بہت فکرمند رہنے لگے ہیں۔ آپ کی تعلیم کے بھیانک اثرات اس کی ہر بات اور حرکت میں نظر آنے لگے ہیں۔'' وہ سنجیدگی اور سختی سے بولی۔

''یہ آپ کے گھر کے ماحول کے اثرات ہو سکتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کے کلام پاک کی برکت سے فضل و کرم اور برکتیں نازل ہوتی ہیں۔ غیر فطری حادثات تو انسانی غلطیوں سے رونما ہوتے ہیں۔ استغفراللہ۔'' وہ سر جھکائے ہوئے بولے۔ ''آپ بھی اپنے بارے میں سوچیں کہ غلطی کہاں پر ہے؟''

''اگر اس میں ہمارا قصور ہے تو دونوں چھوٹی بیٹیاں بھی حرم کی طرح ابنارمل ہو چکی ہوتیں۔ مولوی صاحب! حرم کو میں خود بہت اچھے طریقے سے قرآن مجید پڑھا سکتی ہوں۔ ہم نے حرم کو اسپیشل توجہ دینی چاہی جو کارآمد ثابت نہ ہوئی۔ آپ کا بھی قصور کم ہی ہے۔ آپ نے زندگی میں توازن رکھنا اپنے استاد سے سیکھا ہی نہیں۔ خود سوچیں کہ جب پیٹ میں کھانا بھوک سے زیادہ بھر دیں تو ہاضمہ درست نہیں رہتا۔ جی متلانے لگتا ہے۔ جب تک کھایا پیا نکل نہیں جاتا، چین نصیب نہیں ہوتا۔ یہی حال حرم کا ہے۔ وہ ہر وقت تذبذب کی حالت میں بولائی بولائی سی رہنے لگی ہے۔ اگر اسے سمجھانے کی کوشش کروں تو اس کا رویّہ ترکِ ادب سے مماثل ہوتا ہے۔ آپ کے درس درست سہی مگر ان کے اثرات ناقابل برداشت کیوں ہیں؟ کہیں تو غلطی ہے۔ مجھے تو گمان ہونے لگا ہے کہ اب مذہب کو بھی اپنی خواہش اور ضرورت کے مطابق ڈھالا جانے لگا ہے۔ ہر ایک خدائی فوجدار ہے۔ صرف چھوٹے اور بڑے پیمانے کا انتخاب حیثیت کے مطابق ہے۔'' وہ دھیمے لہجے میں بولی۔ ''میری باتوں کا برا مت منائیے گا۔ آخر ہماری بچی کے فیوچر کا سوال ہے۔ آپ کی جہالت کا خمیازہ وہ کیوں بھگتے؟''

''کون سا سوال بیگم صاحبہ؟'' وہ انجان بنتے ہوئے بولے۔ ''اور کون سی جہالت؟ میں سمجھا نہیں۔''

''اگر انسان برابر ہیں تو ہم امیر اور کوارٹروں والے ملازمین غریب کیوں ہیں؟ میرے

تمام ٹھوس دلائل اس کے سامنے بے معنی ہیں۔ آپ نے جو فرما دیا، وہی حرف آخر ہو گیا۔'' وہ بے ساختہ بولی۔ ''ہر وقت ہمارا دماغ چاٹتی ہے اور تمام ملازموں کے درجن بچے اس کے دوست اور بہن بھائی ہیں۔ یہ کون سا عقیدہ اور علم ہے؟''

''بیگم صاحبہ! جواب بہت آسان اور سادہ سا ہے کہ امیروں کے گھروں میں کام کرنے والوں کے ساتھ برابری کا سلوک کیا جائے۔ اگر ان کے بچے اعلیٰ سکولوں میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں تو ملازموں کے بچوں کے ساتھ مساوات آپ کا فرض ہے۔ زمین اور آسمان کا فرق اور فاصلہ ہو گا تو مسائل بڑھیں گے اور جانی اور مالی تحفظ کو خطرہ لاحق ہو جائے گا۔ مالک نے تو ہمیں برابر قرار دے دیا لیکن ہم نے اس کے حکم سے انکار کر دیا۔ یہی وجہ ہے کہ آج ہم کسی پر بھروسہ نہیں کر سکتے۔ طمع و لالچ میں خون اپنے ہی خون سے سیراب ہونا چاہتا ہے۔ بدامنی، بھوک و افلاس، بے روزگاری، مہنگائی میں دولت مندوں نے کج فہمی کا ثبوت دیا ہے۔ غریب کو اس کی محنت کی اُجرت تک تو دے نہیں سکتے۔ دہشت گردی اور رشوت خوری، ڈکیتی اور لوٹ مار بڑھے گی نہیں تو کیا گھٹے گی؟'' وہ بولے جا رہے تھے۔

''آپ نے سو فیصدی درست فرمایا ہے مولوی صاحب! ہم دو چار مہینوں کے لئے حرم کو اپنے آبائی گاؤں بھیجنا چاہتے ہیں۔ جب وہ واپس آ جائے گی تو آپ کو مطلع کر دیا جائے گا۔'' آسیہ نے ٹالنے کے انداز میں کہا۔ وہ بحث کو مزید طوالت دینا نہیں چاہتی تھی۔ کیونکہ موضوع حرم سے ہٹ چکا تھا۔ ان کی تنخواہ کا لفافہ ان کی طرف بڑھا کر بولی۔ ''آپ کی باتیں دل کو جا کر لگی ہیں۔ مگر جو آپ نے فرمایا ہے، خوش قسمتی سے ہمارا شمار اس کیٹگری میں نہیں ہوتا۔ پھر بھی ہماری کوشش ہوتی ہے کہ ہمارے تمام ملازمین روٹی، کپڑا اور مکان کی سہولیات سے محروم نہ رہیں۔ پھر بھی سب حرم کے ذریعے ہمیں لوٹنے پر تُلے ہوئے ہیں۔ دل تو چاہتا ہے کہ سب کو کان سے پکڑ کر کنوئیں میں پھینک دوں۔ کاش آپ نے بھی اپنی درس و تدریس میں اسے سچائی، نرم مزاجی اور صبر و تحمل کی راہ دکھائی ہوتی۔'' وہ تلخی سے بولی۔

مولوی صاحب کے چہرے پر طنزیہ مسکراہٹ پھیل گئی۔ لفافہ پکڑ کر وہ باہر نکل گئے۔

'اللہ! تیرا شکر ہے کہ ان حضرت سے جان چھوٹی۔ حرم کو ابھی تک نورانی قاعدہ بھی پڑھنا نہیں آیا۔ لیکن بدقسمتی سے اس سے لمبی چوڑی قیل و قال کر لو۔ کم بخت آگے بڑھنے نہیں دے گی۔ انہوں نے اس میں بے باکی اور بے ساختگی بھر دی ہے۔ جو اکڑ کر میرے دوبدو کھڑی ہو جاتی ہے۔ ہائے میری معصوم اور بھولی بھالی بچی کس کے ہتھے چڑھ گئی کہ مولوی صاحب کی باتیں اس سے ہضم نہیں ہو سکیں۔ چھوٹے برتن میں پانی زیادہ ڈالیں گے تو وہ ضرور چھلکے گا۔ میری حرم کے ساتھ مولوی صاحب نے یہی تو ظلم کیا ہے۔ بے چاری کنفیوز ہو کر رہ گئی ہے۔ ایک ہی وقت میں دو طرح کے دلائل۔ اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہا کہ غلط کیا ہے اور درست کیا ہے؟ بے چاری بیچ منجدھار میں ہاتھ پاؤں مارتے ہوئے کبھی ایک کنارے کو دیکھتی ہے کبھی

دوسرے کنارے کی طرف بڑھ جاتی ہے۔ ہائے میری بچی بے چاری۔ اب نئے مولوی صاحب کو کہنا پڑے گا کہ اسے محرم اور نامحرم کی تفریق سمجھا دیں تاکہ نوکروں کے لڑکوں سے دور رہ سکے۔'

وہ وہیں کرسی پر بیٹھ کر حرم پر ترس و رحم کھاتی ہوئی نئی پلاننگ کرنے لگی۔ پیسہ لٹانے کا خدشہ اتنا جان لیوا نہ تھا جتنا اس کی عزت و تحریم پر آنچ آنے کا خوف اسے زندہ درگور کرنے لگا تھا۔ فیضان کی خواہش کے مطابق مولوی صاحب ضروری بھی تھے۔

□.......○.......□

وہ بچوں کو خدا حافظ کہہ کر اضطراری کیفیت میں لاؤنج میں آ کر صوفے پر نیم دراز ہو گئی۔ آج اس کا سونے کو دل نہیں چاہ رہا تھا۔ ورنہ وہ اس وقت کی سوئی ساڑھے دس بجے بیدار ہوا کرتی تھی۔ اپنے وسیع لان میں چہل قدمی کرنے کے بعد دیر تک ٹب میں بھینی خوشبوؤں کے سنگ نیم دراز ہو کر مدھر میوزک سے محظوظ ہوتے ہوئے غسل فرمایا کرتی تھی۔ اس کے بعد ناشتہ تناول کرتی اور کسی دوست کو بلا لیتی یا خود اس کے ہاں چلی جاتی تھی۔ فیضان بچوں کے بعد اپنے آفس رخصت ہو جایا کرتے تھے۔ کیونکہ ان کے فارم سے آفس اور سکولوں کے فاصلے خاصے دور پڑتے تھے۔ آج حرم نے پھر اپنے قریبی اردو میڈیم سکول میں نصیبو کے ساتھ پڑھنے کی ضد میں گھر میں ہنگامہ کر دیا تھا۔ اسے آسیہ سے پیار سے سمجھانے کی بے تحاشا کوشش بھی کی تھی۔ اس کی ہٹ دھرمی پر خوب لعنت ملامت بھی کی۔ اسے ان گنت تھپڑ بھی رسید کر ڈالے تھے۔ وہ غصے اور ناراضگی میں ناشتہ کئے بغیر اور اپنا لنچ بکس ڈسٹ بن میں پھینک کر چیختی چلاّتی ہوئی اپنے سکول رخصت ہوئی تھی۔ فیضان دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر آسیہ پر برس پڑے۔ اعتراض بجا تھا کہ حرم جوان ہو رہی تھی۔ اس قدر ڈانٹ پھٹکار سے وہ پہلے ہی باغی ہو چکی تھی۔ اب آئے دن اس پر ہاتھ اٹھانا کسی بڑی آزمائش کو دعوت دینے کے مترادف تھا۔ پھر مہذب گھرانوں میں بچوں کو زدوکوب کرنا زیب نہیں دیتا۔ میاں بیوی میں تکرار کا بازار گرم ہو گیا اور آخر فیضان غیظ و غصے میں چیختے چلاّتے ہوئے آفس چلے گئے۔

اے جی، بختو اور نصیب آج کے اس ڈرامے کا اہم کردار تھے جو ولن کے روپ میں نمایاں تھے۔ اے جی مارے ندامت اور افسوس کے کچن میں بیگم صاحبہ کے لئے چائے بناتے ہوئے سوچے جا رہا تھا کہ اس آئے دن کی مصیبت سے چھٹکارا حاصل کرنا مشکل تو نہیں۔ آج نوکری چھوڑ کر کسی دوسرے گھر کی نوکری پکڑ سکتا ہوں۔ ایک طرف سے ذہنی سکون تو ہو گا۔ لیکن ان جیسے مالک ملنے ناممکن ہیں جو ہمارے بچوں کی فیس بھی بھرتے ہیں۔ کتابیں اور یونیفارم بھی مہیا کرتے ہیں۔ اس دور میں ایسے مالکوں کی قلت ہے۔ ہر جگہ کی خاک چھاننے کے بعد میری سوئی ہوئی قسمت جاگ ہی گئی ہے تو اب اسے پھر سے بھونڈی اور بے سُری

لوری سنا کر موت کی نیند کیونکر سلا دوں؟

سوچتے سوچتے اس نے چائے دم دے ڈالی اور ٹوسٹر سے گرم گرم ٹوسٹ نکال کر اس نے اس پر مکھن اور شہد لگایا اور ٹرے میں سلیقے سے رکھ کر لاؤنج میں چلا گیا۔ آسیہ کو سر جھکائے دیکھ کر وہ مضطرب سا ہو گیا اور نہایت اپنائیت اور ہمدردی سے اس کے قدموں میں بیٹھ گیا اور پل بھر میں فیصلہ کر لیا جس میں خود غرضی کی ہلکی سی رمق بھی نہیں تھی۔ تمام وفا، ہمدردی اور اُنس ان مالکوں سے وابستہ ہو چکا تھا۔

''بیگم صاحبہ! آپ تسلی سے چائے پئیں۔ میں نے اس مسئلے کا حل سوچ لیا ہے۔ اب فکر کی بات نہیں رہی۔'' وہ چائے کا مگ اُس کی طرف بڑھاتے ہوئے خود اعتمادی سے بولا۔

''فوراً بولو اے جی! تمہاری عقل کو تو ہم بھی مانتے ہیں۔ تم ہمارا مسئلہ بخوبی جانتے ہو۔ تمہیں اس گھر سے نکالنا بھی مناسب نہیں لگتا۔ تمہارے جیسے وفادار ملازم بھی تو ڈھونڈے سے نہ ملیں۔ نصیبو کا قصور ہے نہ ہی تمہاری بیوی کا۔ آپ لوگ تو لحاظ داری میں ہی مارے جاتے ہیں۔ میں جانتی ہوں کہ بختو اُسے گھر آنے سے منع نہیں کر سکتی۔'' وہ نرم دلی سے بولی اور چائے کی پیالی پکڑ لی۔ ''اے جی! یہاں آرام سے بیٹھو اور کھل کر بات کرو۔ ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ ہماری اپنی بچی ہی نہ جانے کس پر بیٹھ گئی ہے۔''

''بیگم صاحبہ! ہم آپ کا گھر چھوڑ کر ہمیشہ پریشان ہی رہیں گے۔'' اے جی کی آنکھیں بھر آئیں۔ نگاہ نیچی کئے بولا۔ ''بیگم صاحبہ! کیا کریں؟ بہت سوچا ہے۔ یہ تو مجبوری ہے۔ حرم بی بی کی وجہ سے گھر میں ہر وقت شور برپا رہنے لگا ہے۔ آپ اپنی جگہ درست ہیں۔ صاحب بھی غلط نہیں۔ قصور وار ہم بھی نہیں۔ ہم آپ کے جھگڑوں سے بہت پریشان رہنے لگے ہیں۔ بچی جوان ہو رہی ہے، کل باغی ہو گئی تو ہم کچھ نہیں کر سکیں گے۔ اگر مجھے آپ اجازت دیں تو میں آج سے اپنے اور بختو کے لئے نوکری کی تلاش شروع کر دیتا ہوں۔ ہم نے پچھلے تین سالوں سے آپ کا نمک کھایا ہے۔ ہم نمک حرام نہیں ہیں۔ مجھے غلط مت سمجھیں۔ یہ میری ہمدردی اور وفا ہے آپ کے خاندان سے۔ ورنہ میں اس گھر کو چھوڑنے کا تصور بھی گناہ سمجھتا۔'' وہ مؤدبانہ انداز میں بولا۔ ''آپ تو ان کے ماں باپ ہیں۔ میں تمام وسوسوں کا اندازہ لگا سکتا ہوں۔ آخر پانچ بیٹیوں کا باپ ہوں۔''

''یہ مسئلے کا حل تو نہیں۔ میں تو تمہیں بہت عقل مند سمجھتی تھی۔ تم نے تو بالکل ہی بے وقوفانہ مشورہ دیا ہے۔'' وہ چائے کا سِپ لے کر بولی۔

اُس نے آج اے جی کو جتنا لتاڑا تھا، حرم کے اس روّیے کا موردِ الزام اسے ٹھہرا کر اسی کے سر چڑھ کر حرم کو پیٹ ڈالا تھا۔ اس کی بات سن کر دل میں ہی شرمندہ سی ہو گئی۔ اس کی نمک حلالی پر یقین تو صدقِ دل سے تھا مگر غصے میں زبان بے قابو ہوئے بغیر نہ رہتی تھی۔ یہ معمول تو روز کا تھا۔

''یہ بھی ہو سکتا ہے کہ نصیبو کی پڑھائی کو گولی ماروں اور جلد از جلد اس کی شادی کی تیاری کر کے رخصت کر دوں۔ اس کی پھوپھی بھی دن رات ہمارے دماغ چاٹتی رہتی ہے۔'' وہ گہری سوچ کے بعد بولا۔

''بالکل ہی جاہلانہ فیصلہ ہے۔ اللہ کے بندے! وہ ابھی تیرہ سال کی ہے۔ وہ چھٹی کلاس میں ہے۔ اسے میٹرک تو کر لینے دو۔ وہ معصوم اپنی حرم سے دو سال ہی تو بڑی ہے نا۔ میں ابھی تک حرم کے بال خود بناتی ہوں۔ اسے جرابیں اور شوز خود پہناتی ہوں۔ اس کے پیچھے کھانا لئے پھرتی ہوں۔ نصیبو گھر داری اور اپنے کھڑوس شوہر کو کیسے سنبھالے گی؟ تم نے تو مجھے دہلا کر رکھ دیا ہے۔'' وہ ترشی سے بولی۔ ''تم لوگ نہ جانے بیٹوں کو انسانی مخلوق کیوں نہیں سمجھتے؟''

''بیگم صاحبہ! آپ بڑے لوگ ہیں۔ آپ کے بچوں کو جوان ہونے میں بہت وقت لگتا ہے۔ اگر انہیں جوان ہونے کا احساس ہو بھی جائے، پھر بھی وہ اپنی ذمہ داریاں نہیں اٹھاتے جب تک والدین انہیں دھکا دے کر گھر سے باہر نہیں نکال دیتے۔ وہ چار سال کے بچے کی طرح گوند بنے چپکے رہتے ہیں۔ ایسے لاڈ ہمیں تو وارہ نہیں کھاتا۔ ہم غریب اور مفلس لوگ یہی کام ذرا پہلے کر دیتے ہیں۔ ہماری بچیاں چار سال کی عمر میں ہی جان ہو جاتی ہیں۔ جب ان کے ماں باپ نوکری سے تھک ہار کر گھر پہنچتے ہیں تو اسی چار سالہ بچی نے صفائی دُھلائی اور چھوٹے دو تین بہنوں اور بھائیوں کی آپا گیری بھی کر لی ہوتی ہے۔ کنالی میں آٹا بھی گوندھا ہوتا ہے، دال بھی اُبلی ہوتی ہے۔ تیرہ سال کی عمر میں تو وہ ہر کام کے لئے تیار ہو چکی ہوتی ہے۔ اس کی فکر مت کریں۔ ہم نے بیٹی کو اپنے گھر بٹھا کر اس کا اچار تو نہیں ڈالنا۔ وہ اپنے گھر کی ہو جائے، یہی بہتر ہے۔'' وہ تسلی بخش لہجے میں بولا۔ ''حرم بی بی بھی سنبھل جائیں گی۔''

''سراسر زیادتی ہے، اے جی!'' وہ ذرا سی دھیمی پڑ گئی۔ ''ہماری وجہ سے اُس پر ظلم نہ کرنا۔ اگر وہ پڑھنا چاہتی ہے تو اسے پڑھنے دو۔ آج نصیبو جائے گی تو کیا باقی بچیاں حرم کے لئے کافی نہیں ہوں گی؟ تم جانتے ہو کہ مجھے ان بچوں سے نہ تو نفرت ہے، نہ ہی ان کے لئے نامناسب فیصلے کر سکتی ہوں۔ ہماری حرم ہی پاگل ہے جسے کالے اور سفید، زمین و آسمان کا فرق ہی معلوم نہیں۔''

''بیگم صاحبہ! اگر آپ اجازت دیں تو ایک حقیر سا مشورہ دوں؟'' وہ جھجکتے ہوئے بولا۔

''اے جی! تمہارے مشورے حقیر نہیں، انمول ہوتے ہیں۔ کیونکہ تمہارا تجربہ بہت وسیع ہے۔ اور تم ہمارے وفادار ملازم ہو۔'' وہ چائے پیتے ہوئے پُرستائش لہجے میں بولی تو وہ اپنے سر پر ہاتھ پھیرنے لگا۔ چہرے پر پریشانی ہویدا تھی۔

''بے دھڑک بولو اے جی! پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ مشورہ اور فیصلہ دو الگ تھلگ مقام اور راستے ہیں۔ ان کا ایک دوسرے سے تعلق ضرور ہے مگر تم مجھے مشورہ دینے

چلنے ہو، اپنا فیصلہ سنانے نہیں۔ اس لئے ڈرو نہیں۔ جو بھی دل و دماغ میں آیا ہے، بول دو۔ اس پر غور و خوض کرنا بعد کی بات ہے۔'' وہ سنجیدگی سے بولی۔

''بیگم صاحبہ! اگر آپ حرم بی بی کا ماحول بدل ڈالیں یعنی انہیں کسی اچھے ہوسٹل میں ڈال دیں تو دن رات کی قرابت کا اُن پر بہت گہرا اثر پڑے گا جو برا نہیں ہوسکتا۔'' وہ آہستگی سے بولا۔ ''شان صاحب کی مثال آپ کے سامنے ہے۔ ان چرسیوں سے ورنہ جان نہ چھوٹتی۔''

''تمہاری فلاسفی اور تمہارے خیالات اور مشورہ قابل غور ہیں۔ مگر حرم بہت معصوم اور بھولی بھالی بچی ہے۔ جبکہ شان چالاک اور ہوشیار ہے۔'' آسیہ نے اچنبھے سے اس کی طرف دیکھا۔ ''وہ ہوسٹل میں بہت جلد ایڈجسٹ ہو گیا ہے۔ کیونکہ اسے اچھے برے کی تمیز ہو گئی ہے۔ اللہ کا شکر ہے۔''

''بیگم صاحبہ! اچھے اور نیک کاموں کے لئے خود کو مٹانے کی ضرورت نہیں ہوتی نہ ہی دن رات کے سجدے کام کرتے ہیں۔ اس کے لئے سچی نیت اور نیک ارادے اور بلند اخلاقیات اور کھرے کردار کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس کی آپ میں کمی نہیں۔ آپ اس وقت بہت پریشانی میں ہیں۔ آپ جو بھی فیصلہ کریں گی، بہترین ہی ہو گا۔ چاہے ہماری چھٹی کرنے کا ہو یا حرم بی بی کو ہوسٹل بھیجنے کا۔ دونوں صورتوں کا آپس میں مقابلہ کر لیں جی اور اللہ سے دعا کریں۔ راستہ سجھائی دے جائے گا۔ رزق دینے والا تو اوپر والا میرا مولا ہے جی۔ آپ کے خزانے سے نہ سہی تو کسی اور کے رزق میں حصہ داری ہو جائے گی۔''

وہ مضبوطی اور سنجیدگی سے بولا تو وہ گہری سوچ میں پڑ گئی۔ اے جی سر جھکائے کچن کی طرف بڑھ گیا۔

'آج جو بھی ہوں، جیسا بھی ہوں، بڑے صاحبوں کی مہربانی سے ہوں۔ جب فوج سے ریٹائر ہوا تو پی سی میں بڑے لوگوں نے بھرتی کرا دیا۔ وہاں پوری نہ پڑی تو یہاں بھی بڑے لوگوں کی وجہ سے آ گیا۔ ورنہ یہ حال تھا کہ بے روزگاری کے چند مہینوں میں اس قدر پریشان رہنے لگا تھا کہ مجھے بات کرنے کا سلیقہ بھول گیا تھا۔ سوچنے سمجھنے کی ہمت ختم ہو گئی تھی۔ ذہن پر ایک دُھند چھائی ہوئی تھی۔ انہی بڑے لوگوں کی وجہ سے میرے تمام مسئلے حل ہو گئے۔ بیوی بچے ساتھ رہنے لگے۔ پھر انہوں نے سگریٹ نوشی سے دور گیا۔ بلکہ ان کا ہر ملازم کے ساتھ ایسا ہی سلوک رہا۔ اللہ تعالیٰ ان سے بے انصافی نہیں کر سکتا۔' وہ برتن دھوتے ہوئے خود سے باتیں کر رہا تھا اور آسیہ کے ان سب پر کئے جانے والے احسانات کی فہرست طویل ہوتی جا رہی تھی۔

□......○......□

آسیہ نے آج ہائی ٹی کے لئے میریٹ اپنی فرینڈز کے ساتھ جانے کا پروگرام بنا رکھا تھا۔ واپسی پر فیضان کو آفس سے پک کرنے کا پروگرام تھا۔ لیکن صبح کی بدمزگی نے ایسا موڈ

خراب کیا تھا کہ وہ بستر میں لیٹے ہی کئی گھنٹے تک خالی الذہنی سے ٹی وی دیکھتی رہی۔ تقریباً دو بجے موبائل کی بیپ سن کر اس نے ٹی وی کا والیم کم کر دیا۔ فون فیضان کا تھا جو بہت لگاوٹ سے اسے آج کے پروگرام کی یاددہانی کرا رہے تھے۔ کیونکہ صبح کے اپی سوڈ کے بعد انہیں گلٹی فیلنگ بھی بے تحاشا تھی۔

''فیضان! آئی ایم سوری۔ آئی تھنک کہ میں گڈ وائف اور گڈ مدر ثابت نہیں ہوئی۔ اگر میری دوستی اپنی بیٹی کے ساتھ گہری اور مضبوط ہوتی تو شاید ہمیں آج اس پریشانی کا سامنا نہ کرنا پڑتا۔ آپ کی بات درست ہے، اس ماحول نے مجھے ڈپریس کر ڈالا ہے۔ اب کہیں جانے کے لئے خود کو سمجھاتی ہوں۔ کچھ بھی اچھا نہیں لگتا۔ کیا کروں؟''

''میرا حکم ہے کہ تیار ہو کر میریٹ پہنچو۔ سب تمہارا انتظار کر رہی ہوں گی۔'' وہ تحکمانہ لہجے میں پیار سے بولے تو وہ تیار ہونے واش روم میں چلی گئی۔

واپسی میں گاڑی میں بیٹھتے ہی اس نے فیضان کا خوشگوار موڈ دیکھ کر اپنی پریشانی اور فکرمندی کا اظہار کیا تو وہ تسلی وتشفی دینے کے انداز میں بولے۔

''حرم کا مسئلہ ایسا مسئلہ نہیں ہے جو اُسے ہوسٹل بھیجنے کا سوچ رہی ہو۔ کالج جائے گی تو اپنی ہم عمر لڑکیوں کے شوق اور جذبے دیکھ کر اس فیز سے باہر نکل آئے گی۔ یہ وقتی اور عارضی سوچ ہے۔ وقت کے ساتھ پریکٹیکل ہو جائے گی۔ ریلیکس رہو۔ جب بچے ماں کو ٹینس دیکھتے ہیں تو وہ اِن سکیور ہو جاتے ہیں۔ ہماری حرم کے ساتھ یہی مسئلہ ہے۔''

''تجربہ کرنے میں حرج ہی کیا ہے؟ بچی بھی تو ڈانواں ڈول سی ہو گئی ہے۔ یہ وقت ہے اس کی شخصیت کو پُروقار اور مکمل بنانے کا۔ گرومنگ کرنے کا۔ اگر ہم گیارہ سالوں میں اسے کچھ نہیں سکھا سکے تو آئندہ بھی ناکام ہی رہیں گے۔ میری بات مان جائیں۔ ابھی بھی وقت ہمارا غلام ہے۔ ہمارے ہاتھ میں ہے۔ گزر گیا تو پھر پچھتاوا ہی پچھتاوا رہ جائے گا۔'' وہ لرزیدہ آواز میں بول رہی تھی جس کا فیضان پر کوئی اثر نہ ہو رہا تھا۔ وہ پوری طرح سے مطمئن اور پُرسکون نظر آ رہے تھے۔

شام ڈھلے جب دونوں قیل وقال کرتے اپنے گھر واپس آئے تو حرم کا کمرہ ملازموں کی بیٹیوں سے بھرا ہوا تھا اور حرم سب کا باری باری میک اپ کرنے میں مصروف تھی۔ آسیہ یہ سین دیکھ کر سر سے پاؤں تک جل کر رہ گئی۔ فیضان نے مسکرا کر ٹال دیا۔

□.......○.......□

''ممی! مجھے اپنا نام پسند نہیں۔ مجھے اپنا سکول پسند نہیں۔ مجھے اپنی کلاس فیلوز سے گھن آتی ہے۔ مجھے پیزا، برگر اور لزانیہ بدذائقہ لگتے ہیں۔ میرے کمرے کا نرم گداز بیڈ کانٹوں کی مانند میرے جسم کو زخمی کر دیتا ہے۔ مجھے اپنا لباس اور یہ ہیئر کٹ پسند نہیں۔'' حرم نے آسیہ کے دُکھے دل کو بے دردی سے چھو لیا۔

''دل چاہتا ہے کہ تمہارا گلا دبا دوں۔ تمام مسئلے ہی ختم ہو جائیں۔ میری نصیحت کا تم پر رتی بھر اثر نہیں ہوتا۔ کمبخت، ماں کو تنگ کرنے والی اولاد کے مقدر جل جاتے ہیں۔ تمہیں اس بات کی سمجھ کیوں نہیں آتی؟'' وہ اسے دونوں کندھوں سے پکڑ کر جھنجوڑتے ہوئے بولی۔ ''کیا تمہارے مولوی صاحب نے تمہیں یہ تلقین نہیں کی کہ والدین سے نافرمانی کی سزا بہت اذیت دہ ہوتی ہے۔ بہت ہی ناقابل فہم نکلی ہو۔'' آسیہ کی آواز بھرّا گئی۔

''ممی! اگر والدین اسلام کے اصولوں سے دور ہوں تو ان سے کنارہ کشی جائز ہے۔ کتنا ہی اچھا ہو کہ میں نصیبو کے ساتھ رہنے لگوں۔'' اس نے بات کو مہمیز دی۔

''یہ بتاؤ کہ تمہیں ہم عزیز ہیں کہ نصیبو جو اس کی خاطر ہمیں چھوڑنے کے لئے ہمیشہ سے تیار ملتی ہو؟ یہ سچ ہے یا دھمکی؟ مجھے آج بتا ہی دو۔'' آسیہ نے اسے اپنے گلے لگا کر لگاوٹ سے کہا۔

''ممی! یہ تو سو فیصدی سچ۔ مجھے جھوٹ و منافقت سے سخت نفرت ہے۔ یہ دھمکی نہیں۔ ممی! مجھے آپ سے والہانہ محبت ہے۔ اور بابا میں تو میری جان اٹکی ہوئی ہے۔ یہ بھی سچ ہے۔ میری صبح بابا کو دیکھ کر طلوع ہوتی ہے اور میرا دن ان کے پیار کے نشے میں گزر جاتا ہے۔ اس دل کا کیا کروں کہ سمجھتا ہی نہیں۔ یہ بھی سچ ہے۔ بس مجبوری ہے۔ مجھے نصیبو کے طور طریقے، طرزِ معاشرت اپنی طرف آوازیں دے کر بلاتے ہیں۔ ممی! ہر انسان کو شخصی آزادی ملنی چاہئے۔ ضروری نہیں کہ ہم سب ہم خیال ہوں۔ آپ سب اس سچائی کو مان لیں تو مسئلہ حل ہو جائے گا۔ مجھے ہر وہ کام جو دوسروں کو امپریس کرنے کے لئے کیا جائے، اس سے نفرت ہے۔'' وہ نفرت سے بولی۔

''جس پسند پر تم اڑی ہوئی ہو، وہ تو عذابِ الٰہی ہے جان! ایسی زندگی کی خواہش رکھنا ناشکری ہے۔ توبہ تائب کرو۔ تم تو ابتدائی دور کی باتیں کرتی ہو جب ٹیکنالوجی کا تصور نہیں تھا اور اسلام فقط عربی پڑھنے تک محدود تھا۔ خدا کے لئے خودساختہ مسائل سے باہر نکل آؤ۔ اپنی مذہبی بنیاد کو فولادی بنا لو۔ سب درست ہو جائے گا۔ والدین اولاد کے لئے بہتری چاہتے ہیں۔ انہیں خوشحال اور کامیاب دیکھنے کی خاطر خود کو قربانی کی بھینٹ چڑھا دیتے ہیں۔ مگر اپنی اولاد کو کسی قسم کی کمی کا احساس نہیں ہونے دیتے۔'' وہ اسے پچکارتے ہوئے بولی۔

''بیٹا! اب تم کافی سمجھ دار ہو چکی ہو۔ تم اب بچی نہیں رہی۔ ہم نے تمہیں دو طرح کی زندگی کا موازنہ کرنے کا شعور دے دیا ہے، اسے استعمال میں لاؤ اور ایک میانہ روی کا راستہ اپنا لو۔ دین اور دنیا کی یکجائی میں چلو۔ اب تمہارے لئے تمیز کرنا مشکل نہیں رہا۔ ذہن پر زور دو۔ دل کی آواز مت سنو۔''

''ممی! مولوی صاحب نے مجھے جو شعور دیا ہے، میں سوچنے لگی ہوں کہ اسلام اور غریب و مسکین لوگ تو آپس میں جڑے ہوئے ہیں۔ ہم وہاں کہیں بھی نظر نہیں آتے۔ اللہ تعالیٰ کو

سادگی پسند ہے۔ دولت والوں کے لئے بے شمار احکامات اور پابندیاں ہیں جن پر ہم پورے نہیں اُتر سکتے۔ کیا بہتر نہیں کہ ہم آزاد ہو جائیں ان کلفتوں اور آزمائشوں سے اور اپنے رب اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پیارے اور پسندیدہ بندے بن جائیں۔ یہ دنیا میرے لئے بیکار ہے۔ وقتی قیام ہے۔ مجھے یہاں رہنا پسند ہی نہیں۔''

آسیہ اُس کی باتیں، مستحکم ارادے اور فیصلے سن کر لرز گئی اور کافی کی پیالی اس کے سنبھلنے کے باوجود دوسرے ہاتھ پر اُلٹ گئی اور ہاتھ جل گیا۔

''آئی ایم سوری ممی!.....اوہو آپ نے ہاتھ جلا لیا۔'' وہ ماں کے سرخ ہاتھ کو ہمدردانہ نظروں سے دیکھتے ہوئے تڑپ گئی۔ ''میں نے غلط تو کچھ نہیں کہا۔

''تمہیں کئی سال قبل جلا ہوا دل نظر نہ آیا، میرے جذبات کی داد وفریاد تمہاری سماعتوں کو چھو نہ سکی۔ میرے احساسات پر برستے ہوئے نشتر تمہیں محسوس نہ ہوئے۔ تم کیسی بیٹی ہو؟ تم میرے گھر پیدا ہی کیوں ہوئی تھی؟ نصیبوں کے ساتھ جنم لے لیتی۔ اُس کی طرح پھر تم اس زندگی کو حسرت و یاس سے دیکھتی۔ یہاں کی عیش و عشرت اور یہاں کے مزے اور آرام کے لئے تم ترستی تو بھی تمہیں یہ سب نصیب نہ ہوتا۔ بن مانگے، بن چاہے جو نعمتیں انسان کی جھولی میں ڈال دی جاتی ہیں، ان کی قدر دانی نہیں ہوتی۔ ان کی اہمیت کا احساس نہیں ہوتا۔ تم اپنی زندگی کو جہنم رسید کرنا چاہتی ہو تو میں روک نہیں پاؤں گی۔ کیونکہ تم ایک خودسر، بے باک اور بے مہار بچی ہو جس نے بچپن سے ہی مجھے دھڑکا لگا دیا تھا۔ وہ ماں تو نہ ہوئی جو اپنی اولاد کی رگ و پے کی شناخت نہ رکھتی ہو۔ تم نے اپنے لئے فاقوں، تنگ گرسنگی اور پیاس کا انتخاب کر ہی لیا ہے تو یہ تمہارا مقدر ہے جو تم اپنے رب سے لکھوا کر لائی ہو۔ ہم سے اس لکھت پر رضامندی کے دستخط چاہتی ہو نا؟'' آسیہ کی آواز مدھم پڑ گئی تھی۔ بے بسی اور لاچارگی نے اسے جکڑ لیا تھا اور اس کا وجود ٹوٹ پھوٹ کر کراہنے لگا تھا۔

بات تو سچ تھی۔ جس اسٹیٹس کو حاصل کرنے اور اسے مین ٹین کرنے کے لئے دونسلوں نے محنت کی تھی، تیسری نسل اسے برباد کرنے پر تُل جائے تو دکھ اور درد تو قدرتی امر تھا۔ اور پھر وہ ہو بھی پرایا خون۔

''ممی! مجھے پرنسز بننے کی آرزو نہیں۔ محلات میں رہنے کی خواہش نہیں۔ اور مجھے اس کا اقرار کرتے ہوئے کسی قسم کی ندامت کا احساس نہیں ہو رہا۔ آپ جس کلاس سے تعلق رکھتی ہیں، وہاں نفسانفسی کے عالم میں دوسروں کی خوشیوں کو بھلا دیا جاتا ہے۔ لیکن اپنا سکونِ قلب تاوان کی صورت میں انجانے میں ادا کر دیا جاتا ہے۔ یہ یاد رکھیے گا۔ بابا ٹرانکولائزر کھائے بغیر سو نہیں پاتے۔ آپ رات بھر پہرہ دیتی ہیں چوکیدار کا کہ کہیں وہ سو تو نہیں گیا۔ کہیں اپنے فرض سے غافل تو نہیں ہو گیا۔ آپ دونوں کو ہر لمحے اپنی دولت کے تحفظ کا اندیشہ رہتا ہے۔ ممی! دعا کریں کہ آپ کی دولت کا حسین فساد کسی کی نظروں کو بھا نہ جائے۔ ورنہ حال چاچو

جیسا ہی ہو گا کہ مال و دولت سے بھی گئے اور اپنی جان بھی کھو بیٹھے۔ ممی! جسے ہم نعمت اور رحمت کا نام دیتے ہیں وہ تو عذابِ الٰہی اور امتحان ہے۔ ہم نادان کبر و پندار سے تنے ہوئے ہیں۔ ممی! ذرا رات کے وقت کچی بستیوں میں جھانک کر دیکھیں۔ وہاں آپ کو خراٹوں کے مدھر اور سہانے گیت فضا میں سنائی دیں گے۔ ان کی صبحیں کسلمندی اور چڑچڑے مزاج کے ساتھ طلوع نہیں ہوتیں۔ آپ نے کبھی انہیں کھانا کھاتے دیکھا ہے؟ روٹی پر نمک اور لال مرچ ان کا سالن ہوتا ہے۔ ان کے گھروں میں ہنڈیا نہیں پکتی۔ بغیر دودھ کے چائے بنتی ہے۔ ٹھنڈا پانی نصیب میں نہیں ہوتا۔ گرم بستر اور کپڑے میسر نہیں ہوتے۔ پھر بھی کھانے کے بعد ان کے ہاتھ شکرانے کے لئے اٹھ جاتے ہیں۔ ایک دوسرے سے چپک کر سو کر محبت کی گرمائش میں سرما کی راتوں کو ہنس کر گزار لیتے ہیں۔ ہمارے لمبے میزوں پر دس کھانے اور لوازمات سجے ہوتے ہیں، پھر بھی ہماری زبان پر نہیں بیٹھتے۔ ملازموں کی بے عزتی اور انسانیت کی بے حرمتی کرتے ہوئے بہترین یعنی مہنگے ترین ریسٹورنٹ سے کھانے کی گھر پر ڈلیوری کرا لی جاتی ہے۔ افسوس کا مقام ہے کہ اللہ تعالیٰ کا شکر بھی ادا نہیں کیا جاتا اور اگلے کھانے کا مینیو بننے لگتا ہے۔'' وہ ہلکی سی ترشی سے بولی تو آسیہ نے اسے مایوس کن انداز میں دیکھا۔

'اُف..... ایک تو یہاں کا ماحول، دوسرا آس پاس کے گاؤں کے جاہل اور ان پڑھ مولوی حضرات، تیسرا غرور و تکبر میں اکڑی ہوئی شہری کلاس فیلوز، اوپر سے حرم کسی گندے اور ناپاک خون کا نطفہ۔ خوب جلتی پر تیل کا کام ہوا۔ یہ لڑکی ہمیں بھکاری بنا کر چھوڑے گی۔ حسب و نسب اور عادات اچھی تربیت سے نہیں بدل سکتیں۔ ہم جینز کے برعکس نہیں چل سکتے۔ اگر ایسا ممکن ہوتا تو حرم ماہم اور ماہا جیسی ہوتی۔ انہوں نے بھی مولانا حضرات سے قرآن کریم پڑھا ہے۔ اس جیسی انقلابی ہیں نہ ہی کج فہم۔ اس لڑکی کا کیا بنے گا؟ آخر ہمارے نام سے اس کی شناخت ہے۔ ناک کٹوا دینے پر تلی ہے۔ خدا نہ کرے کسی ایرے غیرے میں انوالو نہ ہو جائے۔ میرا تو دل ڈرنے لگا ہے۔ کسی طور چھ آٹھ سال گزر جائیں، پھر اس کا ایسا بندوبست کروں گی کہ پنجرے میں بھی پھڑ پھڑا نہیں سکے گی۔'

□.......○.......□

''آسیہ! اس مسئلے کو جتنا کریدو گی، کھائی بنتی چلی جائے گی۔ بس خاموش ہو جاؤ۔ حرم ابھی چھوٹی ہے۔ اسے دو طرح کی زندگیوں کا موازنہ کرنے دو۔ دراصل اسے ایک انوکھی، نالی اور ہم سے مختلف زندگی فیسی نیٹ کرتی ہے۔ اس میں قطعاً برائی نہیں۔ ایک مکمل شخصیت اسی اویرنیس سے بنتی ہے۔ کم از کم ہماری حرم ایک عام لڑکی کی طرح لکیر کی فقیر نہیں۔ ہمیں تو اپری شیٹ کرنا چاہئے۔ اس کے خیالات کی قدر ہم نہیں کریں گے تو کیا پڑوسی اور رشتہ دار کریں گے؟'' فیضان عباسی نے آسیہ کو پیار و لگاوٹ سے سمجھایا تو آسیہ نے ترنت جواب

دیا۔

’’مجھے آپ کے خیالات سے قطعاً اتفاق نہیں۔کل اپنے ڈرائیور یا خانساماں اور مالی کے لڑکوں میں سے کسی کا انتخاب کر کے شادی کا اظہار کرنے لگی تو کیا آپ مان جائیں گے؟‘‘ وہ کٹیلے لہجے میں بولی۔

’’بیگم! چودہ سال کی بچی کے کچے خیالات اور معصوم سوچوں کے کمزور پُل کو کراس کرنے میں تم نے ایک پل بھی نہیں لگایا۔‘‘ وہ زوردار قہقہہ لگا کر بولے۔’’پگلی! اسی لئے تو میں نے عرض کی ہے کہ ہر وقت کی روک ٹوک چھوڑ دو۔ میں تمہیں مثال دیتا ہوں۔ زندہ اور تروتازہ۔ ہماری جب سے شادی ہوئی ہے، تم نے جب بھی میکے جانا چاہا، چاہے دن ہو یا رات، میں نے کبھی نہیں روکا۔تم میکے دو دن کے لئے جانا چاہتی تھی، میں نے اجازت چار دن کی دی۔آج اس کے نتائج تمہارے سامنے ہیں کہ تمہارا میکے جانا اور وہاں قیام کرنا مختصر ہوگیا۔میرے چھوٹے بھائی نعمان عباسی کی مثال بھی تمہارے سامنے ہے کہ بیوی میکے جاتی ہے تو پلٹ کر تب آتی ہے جب اسے شوہر کی طرف سے دھمکیاں اور تڑیاں ملنے لگتی ہیں۔اس سے یہ سبق حاصل کرلو کہ حرم کی پیاس کو اسی کم عمری میں ہی مٹنے دو۔اگر تمہاری کم عقلی کی وجہ سے بڑھ گئی تو جوانی میں مٹنے کے مطلب کو تم بخوبی جانتی ہو۔‘‘ وہ نرماہٹ سے بولے۔’’تم تو خاصی سمجھ دار خاتون ہو۔ہمیں راہ دکھانے والی۔اب نہ جانے تمہیں کیا ہوگیا ہے؟ ہر دوسرے دن ایک ہی ضد اور بحث۔‘‘

’’آپ نے مثال کیا خوب دی ہے۔سچ ہے کہ اس کا تجسس اور شوق ہماری پابندیوں میں بڑھے گا۔کم ہرگز نہیں ہوگا۔اور پھر بالغ ہونے کے بعد ہم بے دست و پا ہو کر دیکھتے رہ جائیں گے۔یہی کہنا چاہتے ہیں نا؟‘‘ وہ سوچتے ہوئے بولی۔

’’دیکھو بیگم! ہم خاندانی رئیس اور سیٹھ نہیں ہیں۔ ہمارے آباؤ اجداد کا شمار چھوٹے زمینداروں میں ہوتا تھا۔پھر مری کی زرعی زمینوں کی تو کوئی وقعت نہیں تھی۔ایک باڑی میری اور ایک باڑی تیری۔خاندان میں ہر وقت اسی مسئلے پر چپقلش رہتی تھی۔اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو کہ ہمارے بزرگوں نے بروقت فیصلہ کیا اور تمام باڑیاں انویسٹرز کے ہاتھوں منہ بولی قیمت پر بیچ کر شہری پراپرٹی بنائی اور ہمیں امیروں میں شامل کر دیا۔ورنہ آج تم بھی کچے گھر کی رسوئی میں گیلی لکڑیوں کے دھوئیں سے خود کو ٹی بی کرا چکی ہوتی۔اس لئے ان لوگوں کو حقارت سے مت دیکھو۔انہیں آج آپر چونٹی ملے تو یہ ہم سے دس ہاتھ آگے ہوں گے۔کیونکہ ان کی عقل و سمجھ ہمارے بزرگوں سے کم نہیں ہے۔ بلکہ ہم سے بہت آگے ہے۔‘‘ وہ انکساری و عاجزی سے بولے۔

’’میں سوچتی تھی کہ حرم میری آغوش اور میری تربیت میں پل کر بڑی ہوئی ہے۔ پھر بھی شان، ماہم اور ماہا سے کس قدر مختلف ہے۔یعنی ایک جیسا ماحول، ایک جیسی ٹریننگ کے

باوجود نسل کے رنگ اور اثرات میں کمی واقع نہیں ہوئی۔ وہی گھٹیا اور حقیر سوچ اور گرے ہوئے خیالات۔'' وہ طنزیہ انداز میں بولی۔

''ایسا مت کہو آسیہ! کیونکہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ نسلیں اور خون نہیں بدلتے۔ تم نے جو اپنا خون، اپنی رسمیں اور عادات بدل ڈالی ہیں حتیٰ کہ زبان بھی۔ تمہیں اپنی پہاڑی زبان بولتے ہوئے چھوٹے پن کا احساس ہوتا ہے نا۔ سرداروں اور سکھوں کی پنجابی پر تمہیں فخر ہے۔ لکھنوی اُردو کی کاپی کرنے میں خوب ماہر ہو۔ انگلش پر عبور حاصل ہو یا نہ ہو، منہ ٹیڑھا میڑھا کر کے بولنا بہت ضروری ہے۔ یار! اپنی شناخت کھو کر کہیں کی نہیں رہو گی۔ اللہ تعالیٰ کا مجھ پر بہت بڑا احسان ہے کہ ہمارے چار بچوں میں سے ایک حرم خالص تو نکلی۔ جو میرے خاندان کے رکھ رکھاؤ اور تہذیب و روایات و رسومات کو زندہ جاوید رکھے گی۔ آئی ایم سو ہپی کہ میرے مرجھائے ہوئے آروٹیس نئے سرّے سے شادابی کی جانب بڑھنے لگے ہیں۔ آئی لو مائی بیک گراؤنڈ۔ آئی مین، آئی پراؤڈ آف ہر۔ کیونکہ حرم میری بیک گراؤنڈ سے آئی ہے۔ آئی ایم سو ہپی۔'' وہ سنجیدگی سے بولے۔

''مجھے اس کی عادات دیکھ کر تو اس کا یقین نہیں کہ کسی اعلیٰ خاندان سے اس کا تعلق ہے۔ ویسے آپ نے بھی آخر کار انگلش کا ہی سہارا لے کر گفتگو کو ختم کیا ہے۔ مجھ سے نقوص نکالے جا رہے تھے۔'' وہ طنزیہ نشتر چلاتے ہوئے ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ ہونے لگی جیسے تمسخر اُڑا رہی ہو۔

''یار! عادت بگڑ گئی ہے نا۔ یونہی بے اختیاری میں انگلش زبان سے پھسل جاتی ہے۔ آئی ایم سوری۔'' وہ نادم سے ہو کر بولے۔

''میری مجبوری بھی سمجھنے کی کوشش کریں۔'' وہ ایک دم سے مدھم پڑ گئی کیونکہ وہ جانتی تھی کہ اس کا طنز اور غصہ زیادہ دیر نہیں چلے گا۔ ''شوہر کا مزاج اور زبان بدلنے میں تو زیادہ دیر نہیں لگتی۔ پل میں تولہ اور پل میں ماشہ۔ ویسے یہ تو مانیں کہ پنجابی کے بجائے شستہ اُردو بولنے سے یکدم پرسنالٹی بدل جاتی ہے۔ اور پھر اُردو میں انگلش کا تڑکہ، واہ واہ زمین سے اُٹھا کر آسمان تک لے جاتا ہے۔'' وہ انہیں مسکراتا دیکھ کر بولی۔

''غلامانہ ذہنیت کے لوگوں کی یہی سوچ ہوتی ہے۔ تالیاں......'' وہ تالی بجاتے ہوئے بولے۔

''میں ایک مثال دیتی ہوں۔ آپ مجھ سے ایگری ضرور کریں گے۔ میری تمام فرینڈز جب کسی کو گالی دینا چاہتی ہیں تو بھری محفل میں نہایت بے تکلفی اور کسی قسم کی ہیزی ٹیشن کے بغیر کہہ دیتی ہیں کہ میں نے اس راسکل کی مدر سسٹر ایک کر دی۔ اب وہ اسے اپنی زبان میں ادا کریں تو اس پر غیر مہذب، بدتمیز اور جاہل ہونے کی مہر لگ جائے گی۔ انگلش تو ہمارے جذبات و محسوسات کو کھل کر بیان کرنے کی اجازت دیتی ہے۔'' وہ خود اعتمادی سے اپنی بات

پر مصر تھی۔

''ایک پری میچور بچے کو مصنوعی حرارت دے کر حیات بخشو۔ مگر کب تلک؟..... ہماری حرم اس مصنوعی زندگی پر اپنی تہذیب کا رنگ چڑھا کر اسے حقیقی اور ابدی شکل دے ڈالے گی۔ آسیہ! میری التجا ہے کہ حرم کی شخصیت کو بدلنے کی کوشش مت کرو۔ اس کی توڑ پھوڑ ہمارے لئے زوال کا سبب بن سکتی ہے۔ وہ جیسی زندگی کی متلاشی ہے، اسے اپنے گھر میں مہیا کر دو۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔'' وہ سختی سے بولے۔ ''آخر ہماری بیٹی ہے وہ۔''

''یعنی رسوئی بنا دوں۔ اور واش روم کی جگہ غرقی اور ہینڈ پمپ لگوا دوں۔ فیضان جی! عروج کے بعد زوال اس وقت آتا ہے جب خاندان میں آپ جیسی گھٹیا اور حقیر سوچ رکھنے والے لوگ موجود ہوں۔ ایک آپ کی ہستی ہی سینکڑوں پر بھاری تھی، دوسری نے بھی پَر پُرزے نکال لئے ہیں۔ آپ نے مجھ پر ہمیشہ بھروسہ کیا ہے۔ میری دُور اندیشی کو سراہا ہے۔ حرم کی پسند اور خواہشات کے سامنے آپ نے مجھے مٹی کا اِک زرّہ کیسے تصور کر لیا؟ ویری سیڈ کہ اب میرے گھر کی چھت گرانے میں باپ کے ساتھ پرائی بیٹی بھی شامل ہو گئی۔ یاد رکھیں کہ جلد یا بدیر ہم سب اسی چھت کے ملبے کے نیچے دب کر مر جائیں گے۔ اسے مذاق مت سمجھیں۔ ان حالات میں نہ ہمارا جنازہ پڑھایا جائے گا، نہ ہی کفن دفن ہو گا۔ عباسی خاندان کا انجام دنیا والوں کے سامنے کس قدر عبرت ناک ہو گا، کچھ اس کا اندازہ بھی ہے آپ کو؟...... ہم پر رحم کیجئے۔ خدا کے لئے ہوش میں آ جائیے۔ آپ نے حرم کو شہہ دے کر اچھا نہیں کیا۔ ایک طرف آپ کی تعلیم، دوسری طرف مولوی حضرات کے درس۔ دونوں نے معصوم بچی کو ابنارمل کر ڈالا ہے اور میری تعلیم اور تربیت پر آپ کو اعتماد پہلے دن سے نہیں تھا کہ میں اس میں اور اپنے بچوں میں تفریق کرتی۔'' وہ تاسف بھرے لہجے میں بولی۔

''بیگم! بھروسے میں کمی تو کبھی بھی نہیں آئی۔ تم ذہنی طور پر مشتعل ہو چکی ہو۔ فیصلہ کرنے میں بھی نا اہل۔ خود ہی بتاؤ کہ میں کیا کروں؟ بچی کی چھوٹی مُنی خواہشیں انہونی نہیں۔ میں تو چاہتا ہوں کہ اسے مری اپنے رشتے داروں میں چھٹیاں گزارنے بھیج دوں۔'' وہ اسے کریدنے کے انداز میں بولے تو وہ بھڑک اُٹھی۔

''ابھی اور اسی وقت اسے دفعان کر دیں اور وہیں کسی اناڑی سے شادی بھی کر دیں۔ آپ اپنے رول کو فراموش کر چکے ہیں۔ گیٹ پر آپ کے نام کی تختی کے سوا آپ کا اور کوئی رول نہیں۔'' وہ تنک کر بولی۔ ''وہی کافی ہے۔ شکر کریں کہ ابھی تک آویزاں ہے۔ میں نے اتار نہیں پھینکی۔''

''یاد دہانی کرانے کا شکریہ جناب!'' وہ ٹالنے کے انداز میں بولے۔

''سچ بہت کڑوا ہوتا ہے۔ میں ہوں آپ کی زندگی کی ساتھی، عمر بھر کی ہم سفر اور ہمدرد اور راز داں۔ اس گھر کی مالکن اور ان بچوں کی ماں۔ عورت ہوتی ہے کرتا دھرتا۔ اس لئے غور سے

سن لیجئے کہ آئندہ میری Territory میں قدم رکھنے کی جرأت کی تو سب کو چھوڑ کر اور حرم کو ساتھ لے کر یہاں سے چلی جاؤں گی۔ وہ آپ کے بے جا لاڈ و پیار سے دور رہ کر بہترین بیٹی ثابت ہوگی۔ یہ خوب رہا فیصلہ۔ آپ کی نیت اور ارادے میں سمجھ گئی ہوں۔ حرم میری بیٹی ہے۔ بھلا وہ کیوں جائے گی گاؤں؟ اس نے کیا قصور کر ڈالا ہے کہ اس سے ماہم اور ماہا جیسی زندگی چھین لیں؟ آپ بہت کٹھور دل واقع ہوئے ہیں۔'' وہ چیختی چلاتی رہی اور فیضان مسکراتے رہے۔

□......○......□

''ممی! دروازہ کھولئے۔'' حرم نے آدھی رات پیرنٹس کے بند دروازے کو استحقاق سے کھٹکھٹاتے ہوئے تقریباً چیختے ہوئے کہا تو آسیہ ایک دم سے بوکھلا کر بیڈ سے اُتری اور اندھیرے میں آگے پیچھے ٹکریں مارتی ہوئی دروازے تک پہنچی۔ حرم دروازہ مسلسل کھٹکھٹائے جا رہی تھی۔

''خیریت تو ہے بیٹا؟...... کیا ہوا؟...... کیا آج پھر کوئی ڈراؤنا خواب دیکھ لیا ہے؟'' آسیہ نے اسے اپنے سینے سے لگا لیا۔ وہ سوکھے پتے کی مانند لرز رہی تھی۔ آسیہ نے اسے سہارا دیا اور کمرے میں لے آئی۔ بیڈ پر لٹا کر اس پر آیت الکرسی پڑھ کر پھونکنے لگی۔

فیضان بنکاک سے ابھی تک واپس نہ آئے تھے۔ آسیہ، حرم کو اس حالت میں دیکھنے کی عادی ہو چکی تھی۔ اسے سہارا دے کر اپنے بیڈ تک لے آئی اور اسے بوسہ دے کر لٹا دیا اور اس کے تشنج زدہ چہرے پر ہاتھ پھیرنے لگی۔ جب اس کے اندر کی کشیدگی میں کمی واقع ہوئی تو آسیہ نے ملائمت سے پوچھا۔

''بیٹا! مجھ بتاؤ کہ خواب میں کیا دیکھا؟ تعبیر میں بتاؤں گی۔ یہ دیکھو، میں کتاب خرید لائی ہوں تمہارے خوابوں کی تعبیر معلوم کرنے کے لئے۔ ہمارے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ہے کہ اپنا خواب ہمیشہ اپنے ہمدرد اور عقلمند کو بتانا چاہیے۔ اگر خواب بھول جائے تو وہ خواب بہترین ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ اپنے خوابوں کا چرچا نہیں کرنا چاہیے۔''

''جی ممی!'' وہ اُٹھ کر بیٹھ گئی اور مجذوب کی طرح بے بس سی ہو کر بولی۔ ''میں عشاء کی نماز پڑھنا بھول گئی تھی۔ میں نے خواب میں اپنے ساتھ وہی ہوتے دیکھا، جیسا عالمہ بی بی نے نماز نہ پڑھنے کے بارے میں گوش گزارا تھا۔'' وہ پھر کانپنے لگی تھی۔

''عالمہ بی بی کیا فرماتی ہیں؟ میں تو ذہنی طور پر بہت مطمئن ہو گئی تھی۔ ان کے آنے سے تم میں جو تبدیلی آئی ہے، قابل ستائش ہے۔ اب انہوں نے ایسا کیا کہہ دیا ہے کہ تم ڈراؤنے خواب دیکھنے لگی ہو؟'' وہ سخت برہمی سے بولی۔

''عالمہ بی بی ہر روز مجھے جو درس دیتی ہیں، مولوی حضرات سے بہت فرق ہے۔ آپ جانتی ہیں کہ انہوں نے محرم اور نامحرم کے کونسپٹس جس طریقے سے کلیئر کئے ہیں، انہوں نے

خونی اور منہ بولے رشتے، استاد اور شاگرد، ملازم اور مالک، اولا د اور والدین کے حقوق کے بارے میں کیا کچھ نہیں بتایا۔ ممی! ان کا علم بہت وسیع ہے۔ ممی! شیطان نے تھپکی دے کر سلا دیا تھا۔ میں نماز پڑھنا ہی بھول گئی۔

''توبہ ہمارا رب ہنس کر قبول کر لیتا ہے۔ یہ بھی تم بخوبی جانتی ہو گی۔ عالمہ بی بی نے یہ بھی تو بتایا ہو گا۔'' وہ ایک دم سے چونکی ہو گئی اور آنکھوں میں نیند جو روڑے بن کر اٹک رہی تھی، بھک سے اُڑ گئی۔ ''عشاء کی نماز پڑھنا تم بھول گئی تھی۔ جان بوجھ کر تو نہیں چھوڑی۔ پھر غلطی تو نہ ہوئی۔ اللہ تعالیٰ معاف فرمانے والے ہی۔ یہ ان کی بہت اعلیٰ صفت ہے۔ اس کے بارے میں عالمہ بی بی کیا فرماتی ہیں؟ بلکہ میں بھی جاننا چاہوں گی؟ میں بھی ان کا درس سننا چاہتی ہوں۔''

''انہوں نے سورۃ الماعون سے پڑھ کر سنایا تھا کہ بے نمازی سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہے۔ جو جان بوجھ کر نماز چھوڑ دیتا ہے اس کا نام جہنم کے دروازے پر لکھ دیا جاتا ہے۔ نماز میں سستی کرنے والے کی قبر اس طرح دبائی جائے گی کہ اس کی پسلیاں ٹوٹ کر آپس میں پیوست ہو جائیں گی۔ اس کی قبر میں آگ بھڑکا دی جائے گی۔ ممی! میں نے خود کو اسی عذاب میں دیکھا ہے۔'' وہ کانپتی ہوئی ماں کے گلے لگ گئی۔ آسیہ خاموشی سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔ کیونکہ کبھی قرآن مجید کو سمجھ کر پڑھا ہوتا تو اسے بیٹی کو سمجھانے کا سلیقہ اور طریقہ آتا۔

ترجمہ: ''تو ان نمازیوں کے لئے خرابی ہے جو اپنی نماز بھولے بیٹھے ہیں۔''

''بیٹا! آپ کی عالمہ بی بی اور کیا فرماتی ہیں؟'' وہ حرم کی بگڑتی ہوئی حالت دیکھ کر تجسس بھرے لہجے میں بولی۔

حرم کافی دیر تک خاموشی سے ماں کے سینے سے لگی خود کو سنبھالنے کے بعد آہستگی سے بولی۔

''ممی! ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے کہ وہ گھر سب سے بہتر ہے جس میں یتیم کے ساتھ حُسنِ سلوک کیا جائے۔ کسی بھوکے کو کھانا کھلانا، اپنے پڑوسی کی ضروریات کا خیال رکھنا سعادت ہے۔ ورنہ جہنم ہے ممی! آگ کے شعلے۔ اور وہاں سے بھاگنا مشکل ہو جائے گا۔'' وہ چیخ کر ماں کے پھر گلے لگ گئی۔

آسیہ بھی خوف زدہ ہو کر رہ گئی۔ بمشکل خود کو سنبھال کر تسلی دینے لگی۔

''ممی! آپ اور بابا بوڑھے ہوتے جا رہے ہیں۔ مجھے یہ سوچ کر بہت پریشانی ہوتی ہے کہ آپ کی ذلت اور رسوائی کا وقت زیادہ دور نہیں رہا۔ اور قیامت والے دن آپ کے چہرے اس لئے کالے ہوں گے کہ آپ نے اپنے ملازموں اور اپنے درمیان فاصلے بڑھا دیئے ہیں۔'' وہ سوچتے ہوئے بولی تو آسیہ اچنبھے سے دیکھتے ہوئے بولی۔

''تمہارا اپنے بارے میں کیا خیال ہے؟''

''مجھے جنت ضرور ملے گی۔ کیونکہ میں نے مولوی صاحب کی بات مان لی تھی۔ مجھ میں اور نصیبوں اور باقی کوارٹروں کی سہیلیوں میں کوئی فرق نہیں رہا۔ اب ہم سب ایک ہی اللہ کی پیدا کردہ مخلوق لگتی ہیں۔'' وہ فخر سے بولی۔

''ممی! اگر ہم برابری کا سلوک نہیں کریں گے تو قیامت والے دن آپ مجھ سے بہت دُور ہو جائیں گی۔'' اتنا کہہ کر وہ سسکیاں بھرنے لگی۔

آسیہ اس کے سر پر ہاتھ پھیرنے لگی۔ حرم اس سے پہلے بھی ایسی باتیں کیا کرتی تھی مگر اس قدر پریشان نظر نہ آتی تھی۔ پچھلے دو مہینوں سے ایک عالمہ کو قرآن پڑھانے کے لئے مقرر کیا گیا تھا۔ کیونکہ حرم نامحرم سے قرآن پڑھنا نہیں چاہتی تھی۔ حجاب دن بہ دن مضبوط اور مستحکم ہوتا جا رہا تھا۔

گھر میں جب تک نوکروں کا آنا جانا رہتا، وہ ان کے سامنے ننگے سر نہ جاتی تھی۔ مگر آسیہ کے خدشات میں یہ سوچ کر اضافہ ہوتا گیا کہ حرم جیسی انقلابی فطرت کے لوگ میانہ روی کو بھلا دیتے ہیں اور مختلف فرقوں اور عقیدوں میں تقسیم ہو کر شر انگیزی کو ہوا دینے کو ایثار و عقیدت کا نام دینے لگتے ہیں۔ یہ عمر رسیدہ عالمہ بی بی اس علاقے میں اپنے خیالات کی پکی اور حد درجے کی تندمزاج مشہور تھیں جنہوں نے قرآن کی ہر وہ آیت بمعہ معنی اور تفسیر کے حفظ کر رکھی تھی جس میں انسان کو صراطِ مستقیم پر لانے کے لئے ڈرانے دھمکانے اور دوزخ کے عذاب اور اذیت کو کھول کر بیان کیا گیا تھا۔ حرم ان سے پہلے غریبوں میں پیسہ تقسیم کرنا، سادگی، خدمت خلق اور برابری کے درس سیکھ چکی تھی۔ عالمہ بی بی نے آسیہ کی ہدایات کے مطابق اسے رشتوں کی اہمیت سے بھی روشناس کر دیا تھا۔ مگر طریقہ دہلا دینے والا تھا۔ ایسی کہانیاں، ایسی روایتیں اور حکایتیں پیش کرتیں کہ حرم کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے اور اس کا سکون غارت ہو جاتا۔ ملازموں سے پردہ اور کوارٹروں میں ان کے بچوں سے کھیلنا بند ہو گیا۔ اسکول میں بھی اپنے کلاس فیلولڑکوں سے بات چیت ختم ہو گئی۔ اس کے باوجود اس کے ڈر اور خوف کا یہ عالم تھا کہ وہ رات بھر اپنے کمرے کی لائٹ آن رکھتی اور اسکول کی کتابوں کے بجائے ہر وقت تلاوتِ کلام پاک سے دل بہلانے میں کوشاں رہتی تھی۔ اس کی طبیعت میں چڑچڑاپن اس حد تک تجاوز کر گیا تھا کہ ہر ایک سے دنگا فساد، ماں سے بدتمیزی، بہنوں کو ہر وقت حجاب کرنے کی تلقین پر مار کٹائی اور بھائی کو داڑھی نہ رکھنے پر برا بھلا کہنا اور جہنمی کہہ کر پکارنا ہر روز کا معمول بن گیا تھا۔ معاملہ کوارٹروں، ملازموں اور اپنی سہیلیوں کی طرف سے ہٹ کر ان کے اپنے گھر کے سکون کو ملیامیٹ کرنے لگا تھا۔

بے حساب گناہوں اور ظلم کے احساس میں اس کے ذہن نے ایسا پلٹا کھایا تھا کہ اسے گھر کے ہر کونے میں جن بھوت اور چڑیلیں نظر آنے لگیں جو اس کے گھر کے ہر فرد کو زندہ نگلنے کے لئے تیار تھیں۔ اور اسے جہنم میں دھکیلنے کے لئے کوشاں۔

آسیہ اس کی ذہنی کیفیت کو جان چکی تھی۔ ایسے درس تو بڑوں کو دیئے جاتے ہیں جنہیں اپنے نفس پر کنٹرول کرنے کی اشد ضرورت ہوتی ہے۔ یہ معصوم بچی یہ درس کیسے ہضم کر پاتی؟ ذہنی طور پر مفلوج ہو گئی۔

آج اس کے ڈر اور گلٹ کی شدت نا قابل برداشت ہونے کی وجہ سے آسیہ اسے کریدتی چلی گئی۔ وہ اسے آیتوں کے ترجمے اپنی زبان میں معصومیت سے سناتی رہی اور خوف سے لرز کر ماں سے چپکی رہی۔ آسیہ کو اندازہ تو پہلے بھی تھا کہ اللہ کے پیغام کو حرم تک پہنچانے کا طریقہ درست نہیں کہ اس کا دماغ بگاڑنے میں بڑا ہاتھ ان جاہل مولوی حضرات کا ہے۔ ہر ایک نے اسے اپنے طریقے سے ڈھالنے کی کوشش کی تھی۔ اور آج اسی کے نتیجے میں وہ کنفیوز اور سائیکو ہو چکی تھی۔ مگر فیضان اپنی جگہ سے نہ ملے تھے۔ اب سوال یہ تھا کہ کیا اس عالمہ بی بی کو بھی رخصت کر دیا جائے یا برداشت کر لیا جائے۔ کیونکہ وہ محترمہ آسانی سے یہ گھر چھوڑنے والی نہیں تھیں جہاں انہیں بے حساب فوائد نظر آتے تھے۔ ڈرائیور کے ساتھ پک اینڈ ڈراپ، گھر کے اندر سردی وگرمی کی سہولیات و آسائشات، ٹرالی پر رات کا بہترین کھانا۔ اور اس کے علاوہ ان کا گھر کے ہر فرد پر رعب داب، روک ٹوک اور آتے جاتے لیکچرز کی بھرمار کے بعد نو بجے انہیں ان کے گھر آئی۔ 9 ڈراپ کر دیا جاتا۔ بدلحاظ، بے باک اور اکھڑ مزاج اور غرور و تکبر ایسا کہ الامان۔ آسیہ کو بھی کئی بار ننگے سر پھرنے والی عورتوں کی سزا پر لمبا چوڑا لیکچر سنا ڈالا تھا جیسے وہ مسلمانیت سے خارج ہے۔ ماہم اور ماہا تو ڈر کے مارے اس کے سامنے ہی نہیں جاتی تھیں، پڑھنا تو درکنار۔ تمام ملازمین پر اس کا رعب تھا۔ وہ کسی کو گنتی میں نہ لاتی تھیں۔ سب ان کی بددعا سے بہت خوف زدہ رہتے تھے۔ کیونکہ جب کسی کو معمولی سی بیماری بھی لاحق ہو جاتی تو وہ فوراً بے لحاظی اور خود اعتمادی سے کہتی کہ فلاں وقت میری بات نہ ماننے کی سزا تمہیں ملی ہے۔ میری بددعا سے بچو اور میرے صبر سے پناہ مانگو۔ میں اپنے رب کے بہت قریب ہوں۔ وہ میری آہ تک کو سن کر دوسروں پر عذابِ الٰہی نازل کرنے میں دیر نہیں لگاتا۔ وہ خود کو بہترین جنتی اور ہر عورت کو جہنمی کا خطاب دے کر سب پر حاوی رہتی تھیں۔ یہ تبدیلی قابل آفرین تھی کہ اب حرم کی دیکھا دیکھی کئی سہیلیوں نے حجاب اوڑھ لیا تھا۔ اسلامی نقطہ نظر سے وہ معصوم بچیوں کو صراطِ مستقیم دکھانے میں باکمال تھیں۔ مگر پیغام دینے کا طریقہ درست نہیں تھا۔ قصور کسی کا نہیں تھا۔ کیونکہ مولوی حضرات نے تو اپنے مدرسوں میں نوکری پیشہ استادوں سے ایسے ہی درس سن کر اپنی تقلید کا آغاز کیا تھا۔ ان کی زبان میں پھر بھی کچھ ٹھہراؤ اور حلاوت تھی۔ عالمہ بی بی کی زبان تو ویسے ہی بے لگام تھی۔ جو دل میں آتا، ذہن میں اُبھرتا، اسے بڑھ چڑھ کر بیان کرنا اپنا اولین فرض سمجھتی تھیں۔ ان کا تمام زور اور نصیحت بے حجاب پھرنے والی لڑکیوں اور عورتوں کے لئے ہوتی جس کے سامنے انکار کرنا یا قیل و قال کرنا بے سُود تھا۔ کیونکہ پردہ تو ہر لڑکی و عورت کے لئے واجب ہے۔ اس لئے عالمہ بی بی کسی کا

لحاظ کئے بغیر لتاڑ دیتیں۔
اب آسیہ اِک نئی کشمکش میں مبتلا ہوگئی تھی کہ ان عالمہ بی بی سے جان چھڑائے تو کس بہانے سے؟ کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا۔ کیونکہ حرم ان کے درس سن کر ڈرنے کے باوجود ان کے ساتھ خوب کمفرٹیبل بھی تھی۔ وہ جب بھی قیامت اور جہنم، گناہوں اور غلطیوں کی سزاؤں کے بارے میں جھوٹی سچی کہانیاں درس کی صورت میں پیش کرتیں تو اس کے سامنے Horror movie کے سین گھوم جاتے۔ تجسس بڑھتا چلا جاتا۔ اور وہ اپنے ذہن میں اِک خاکہ بنا لیتی۔ وہ لرزتے ہوئے لطف اندوز بھی ہوا کرتی تھی اور ڈر کے مارے رات بھر سونے میں بے چین بھی رہتی تھی۔
روشن کمرے میں کروٹیں بدلتے ہوئے اونچی آواز میں آیت الکرسی پڑھ کر خود پر دم کرتی۔ جونہی آنکھ لگتی تو شدتِ احساس سے ماہیٔ بے آب کی مانند تڑپنے لگتی کہ فرشتے، جن کی شکلیں خاصی ڈراؤنی ہیں، اسے برہنہ سر دیکھ کر بالوں سے کھینچ کر دہکتی ہوئی آگ میں پھینک رہے ہیں اور وہ جو کوارٹروں کے نامحرم لڑکوں اور لڑکیوں کے ساتھ پٹھو گرم اور پکڑن پکڑائی کھیلا کرتی تھی، فرشتے اس کے جسم کے ہر عضو کو کاٹ کر کتوں کی خوراک بنا رہے ہیں۔
آسیہ نے سہمی ہوئی حرم سے تمام غیر موزوں اور نامناسب باتیں سن کر فیصلہ کرلیا کہ حرم کو عالمہ بی بی سے جلد از جلد نجات دلائی جائے گی۔ چاہے مجھے فیضان گھر سے ہی کیوں نہ نکال دیں۔ میں اپنی بچی کو سائیکو ہونے سے بچاؤں گی۔

□......○......□

آسیہ سوچ میں غرقاب تھی کہ فیضان لاؤنج میں داخل ہوئے۔ چہرے پر ہوائیاں اُڑ رہی تھیں۔ چال میں بھی نقاہت اور لڑکھڑاہٹ تھی۔
''فیضان! خیریت تو ہے؟'' آسیہ چونک کر کھڑی ہوگئی اور فیضان قریبی صوفے پر ڈھے گئے۔ حرم نے قدرے بے پروائی سے ان کی طرف دیکھا۔
''بابا! ذیشان بھیا کہاں ہیں؟ وہ آپ کے ساتھ شاپنگ کے لئے نکلے تھے۔ آج تو مال لوٹ لیا ہوگا اس نے۔ لالچی کہیں کا۔ ہر وقت آنکھوں میں حرص دوڑ رہی ہوتی ہے۔'' حرم ہنستے ہوئے فیضان کے قریب بیٹھتے ہوئے بولی۔ آسیہ تیزی سے پانی پانی کا اعلان کرنے لگی تو خانساماں پانی لے کر پہنچ گیا۔ آسیہ نے فیضان کو آہستگی سے پانی پلایا۔ چند لمحے گزارنے کے بعد آسیہ نے ہوئے پریشانی کی وجہ دریافت کی اور مسکراتی ہوئی حرم کو کھا جانے والی نظروں سے گھورا۔ بے حسی کی انتہا پر بے پناہ تاسف بھی ہوا اور غصہ بھی آیا تھا۔
''میرے شان کو مجھ سے زبردستی چھین لیا گیا۔'' وہ بمشکل بولے۔
''کیا کہا؟...... ہم سے کسی کی دشمنی نہیں، حسد نہیں۔ ہمارے دوست احباب ہم سے بہت آگے ہیں۔ پھر کون ہیں یہ؟'' آسیہ کو ایسا لگا جیسے ڈرون اٹیک نے اس کے گھر اور اس

کے مکینوں کو نیست و نابود کر دیا ہو اور وہ ننگے آسمان تلے مرغِ بسمل کی طرح تڑپ رہی ہو۔ جس کی جان فقط ہلکی سی سانس میں اُلجھی ہو۔ ''کون ہیں وہ؟''

وہ اپنے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے آنکھیں بند کر کے بیٹھ گئے۔ حرم ان کے ہاتھوں پر پیار کرتے ہوئے ''یا اللہ یا رحمٰن یا رحیم'' کا وِرد اونچی آواز میں کرنے لگی۔

''کون ہو سکتے ہیں؟'' آسیہ نفرت و حقارت سے چیخی۔ ''کہاں ہے میرا بچہ؟ حرم! یہ تمہارے آئیڈیلز اور ہیروز، بھوکے ننگے، بے روزگار۔ کام چور اور لوٹ کھسوٹ سے جیبیں بھرنے والے دہشت گرد ہیں۔ اللہ ان کا بیڑا غرق کرے۔ روحانی اور جسمانی بیماریوں کے مارے ہوئے یہ لوگ ہی ہمارے جانی دشمن ہیں جن کے تم گُن گاتی تھکتی نہیں۔ مجھے میرا بیٹا چاہئے فیضان! میں جانتی ہوں کہ ہماری دولت لوٹنے کے لئے یہ وار کس نے کیا ہے۔ یہ نمونہ جو میں نے مخبری کے لئے پال رکھا ہے۔''

''اسے کچھ نہ کہو۔ ہمارے ساتھ جو ہو رہا ہے، قصور ہمارا ہے۔ حرم اپنے گھر کی مخبری کیوں کرے گی؟'' ہرچند کہ فیضان مری ہوئی آواز میں بول رہے تھے، ماں بیٹی نے سن لیا تھا۔ حرم نگاہیں جھکا کر بیٹھ گئی۔ ''ہمیں تو لوڈشیڈنگ تنگ نہیں کرتی۔ جنریٹر آن ہو جاتا ہے۔ مہنگائی کے باوجود ہمارے پیٹ بھرے ہوئے ہیں اعلیٰ کھانوں اور لوازمات سے۔ کرپشن کا لیول، ہماری طرف سے ہائی ہوا ہے۔ سڑکیں گاڑیوں کی بہتات سے ٹریفک جام کا تحفہ لے کر آئی ہیں۔ چارسُو بدامنی کی فضا ہے۔ امیروں کے بچے اغوا نہیں ہوں گے تو کیا غریبوں کے ہوں گے؟ ہر ناگہانی آفت پر تم حرم کو موردِ الزام کیوں ٹھہرانے لگتی ہو؟ جبکہ تمہیں یہ عزیز بھی بہت ہے۔'' انہوں نے اپنی ہمت بحال کرتے ہوئے گہرے تاسف و کرب سے کہا۔

''اللہ کے بندے! یہ لعن طعن کرنے کا وقت نہیں۔ سوچ بچار کریں۔ تھانے میں رپورٹ درج کرائیں۔ مجھے میرا بیٹا چاہئے۔'' آسیہ دھاڑیں مار مار کر رونے لگی۔ حرم کی آنکھوں سے بھی آنسو بہہ رہے تھے۔ چھوٹی دونوں بہنیں بھی کمرے سے باہر نکل آئیں۔ حالات کو سمجھتے ہوئے وہ بھی واویلا کرنے لگیں۔ چند لمحوں میں گھر کی فضا سوگوار ہو گئی تھی۔

□......○......□

''بیگم صاحبہ! مجھے شان بھیا کے اغوا ہونے کا بے حد صدمہ ہے۔ حرم بی بی نے بھی ناک میں دم کر رکھا ہے۔ عالمہ بی بی کو واپس بلانے کا دس بار مجھ سے کہہ چکی ہیں۔ اگر آپ میری مانیں تو میں آبِ زم زم دم کروا لاتا ہوں۔ گھر میں چھڑکنے سے تمام بلائیں بھاگ جاتی ہیں اور حاسد کی بری نظر کا توڑ بھی ہے۔ اگر آپ اجازت دیں تو حرم بی بی کو بے جی کے پاس لے جا کر دم کرا لاتا ہوں۔ ایک دم سے سنبھل جائیں گی۔ مجھے تو لگتا ہے عالمہ بی بی کو جب سے نکالا ہے، گھر میں پریشانی نے بسیرا کر لیا ہے۔'' اے جی چاچا نے آسیہ کو روتے ہوئے دیکھ کر پُرخلوص و ہمدردانہ لہجے میں کہا۔ ''عالمہ بی بی جادو سے کیا کچھ نہیں کر لیتیں۔ آپ کچھ

کچھ بھی علم نہیں۔"

"کیا یہاں ایسا کچھ ہے؟ کون ہے یہ بے جی؟ تمہاری عالمہ بی بی جیسی سر پھری ہی ہو گی جس کا ایمان تھا کہ مصلحتاً جھوٹ بول لو، چوری چکاری کرلو۔ آخر پیٹ کی آگ بجھانا تو ہے۔ مجھے ایسی عورتوں سے سخت نفرت ہو گئی ہے جو خود کو ہر ایک سے برتر سمجھنے والی ہوں۔" وہ آنسو صاف کرتے ہوئے تڑپ اُٹھی۔

"بیگم صاحبہ! وہ بزرگ خاتون تو درویش اور فقیر ہیں۔ یہاں سے آدھے کلومیٹر کے فاصلے پر ان کا آبائی قبرستان ہے، وہاں رہتی ہیں۔ انہیں کسی قسم کا لالچ نہیں۔ مفت دم درود اور مفت کے ہر دُکھیاری عورت کو مشورے دیتی ہیں۔ بہت اثر ہے ان کی زبان میں۔" وہ عقیدت مندانہ لہجے میں بولا۔

"اس قسم کے شعبدہ باز لوگ تم جیسے کمزور ایمان اور عقیدہ رکھنے والوں کے لئے شیطانیت سے بھرپور خصلتوں کے ہمراہ ہی تو پیدا کئے جاتے ہیں۔ استغفار پڑھا کرو۔ تم تو حرم کی حالت دیکھ کر بھی سبق نہ سیکھ پائے۔" وہ تنبیہاً بولی۔

"بیگم صاحبہ! صرف ایک بار میری بات مان کر تو دیکھیں۔ معجزات نظر آئیں گے آپ کو آپ یہ تو مانتی ہیں نا کہ ہر انسان شکل وصورت، عادات اور نصیب میں ایک دوسرے سے مختلف ہے۔ بے جی ایک عام سی عورت نہیں، بہت دھما کا خیز بزرگ ہیں۔ نہ انہیں کھانے کی پروا ہے نہ اوڑھنے پہننے کی۔ ہم غریبوں کی خدمت میں لگی ہوئی ہیں۔" وہ عقیدت مندانہ لہجے میں بولا۔ "گاؤں کے نمبردار کی بیٹی اور صاحبوں کی بہن ہیں۔ بھری دنیا میں اکیلی تنہا، رب سے دل لگائے قبرستان کی ہو کر رہ گئی ہیں بے چاری۔"

"یہ کیا ڈرامہ ہے؟......سب چالبازی اور مکاری ہے۔" وہ چڑ کر بولی۔

"بیگم صاحبہ! ہمیں اپنے دکھ بہت بھاری معلوم ہوتے ہیں۔ جب دوسروں کی زندگی میں جھانکیں تو پھر ہمیں خود سے خوش نصیب کوئی اور نظر نہیں آتا۔ بے جی نے اپنے دکھوں کا علاج آپ کی اور ہماری خدمت کرنے میں ڈھونڈ لیا ہے۔" وہ دکھ بھرے لہجے میں بولا۔ "وہ ڈرامے باز نہیں ہیں۔ ایسی گستاخی ہم نہیں کر سکتے۔"

"سب پاکھنڈی ہیں چاچا!" وہ ناگواری سے بولی۔ "میری حرم کا دماغ خراب کرنے میں ایسے ہی لوگوں کا ہاتھ ہے۔"

"بیگم صاحبہ! دم سے ہمارا بھلا نہیں ہو گا تو برا بھی نہیں ہو گا۔ آپ ان پر اعتماد تو کر کے دیکھیں۔ آزمانے میں کیا حرج ہے۔" وہ ڈھٹائی سے بولا۔

"بس رہنے دو۔" وہ بیزاری سی ہو کر بولی۔ "ہمارے مذہب کو اُلجھانے والے یہی لوگ تو جہنم رسید ہوں گے۔"

"بیگم صاحبہ! میں آپ کو کسی وقت ان کی زندگی کے بارے میں ضرور بتاؤں گا۔ اگر

آپ کا دل مانا تو ان کے پاس دم اور دعا کے لئے میری بیوی بختو آپ کو لے جائے گی۔ آپ کو فرق محسوس ہو گا حالات میں۔ اور شان بھیا بھی بہت جلد واپس مل جائیں گے۔ حرم بھی ضد کرنا چھوڑ دے گی۔ مجھے پورا یقین ہے جی۔'' وہ پورے وثوق سے بولا۔

''ابھی مجھے کچھ نہیں سننا۔ نہ جانے میرے گھر کو کس کی نظر نے کھا لیا ہے۔ چاچا! میں نے کبھی کسی کو نقصان نہیں پہنچایا۔ پھر میرے ساتھ اتنا بڑا ظلم کیوں ہو گیا؟'' وہ لاچارگی سے بولی تو چاچا تاسف بھری نگاہوں سے دیکھتا ہوا کچن میں چلا گیا اور آسیہ کو بتائے بغیر بے جی سے دم کیا ہوا آبِ زم زم لینے چل دیا۔

□......○......□

''بیگم صاحبہ! ایک بار......صرف پہلی اور آخری بار میری بات مان لیں۔ بے شک آپ عمر میں مجھ سے چھوٹی مگر رتبے میں بہت بڑی ہیں۔ میری گستاخی معاف کر دیں۔ میں آپ کے لئے تعویذ لے کر آیا ہوں۔ اور دم کیا ہوا پانی میں نے گھر کے ہر کونے میں چھڑک دیا ہے۔ اب شان بھیا آئے کے آئے۔'' وہ تعویذ اس کی طرف بڑھا کر بولا۔ ''بس اسے صاحب کے بریف کیس میں رکھ دیں۔ پھر دیکھیں کمال۔ اور یہ تعویذ حرم بی بی کے گلے میں ڈال دیں۔ ان کا دماغ بھی دھیما پڑ جائے گا۔''

''تم بہت ڈھیٹ انسان ہو۔ میں نے کہہ جو دیا ہے کہ مجھے ان تعویذ گنڈوں پر قطعاً یقین نہیں۔'' وہ بپھر کر بولی۔

''بیگم صاحبہ! اللہ تعالیٰ لالچی لوگوں کی دعا قبول نہیں کرتا۔ ایسے لوگوں پر مجھے بھی اعتبار نہیں ہے۔ ایسا بھی جھلّا نہیں ہوں جتنا آپ نے سمجھ رکھا ہے۔ دوسروں کو چھلنی میں چھان لیتا ہوں پل بھر میں۔ بے جی کا اس دنیا سے کوئی تعلق نہیں ہے جی۔ ان کا حجرہ ہر طرح کے دنیاوی مال سے خالی ہے۔ اگلی دنیا دیکھو تو وہاں ہر وقت پھولوں کی بہار، خوشبو اور رونق لگی رہتی ہے۔ کیونکہ حاجت مند قبرستان کی صفائی ستھرائی سے ہی مرادیں پوری کروا لیتا ہے۔ آپ کے اس لان سے کم خوب صورت نہیں ہے قبرستان۔ کیوں نہ ہو؟ وہ ہیں ہی اس قدر پاک دامن کہ ان سے ہر مسئلہ پوچھ لیں۔ چاہے دین کا ہو تو چاہے دنیا کا۔ انسانی فطرت کے مطابق ایسا جواب دیتی ہیں کہ دل وہیں پر تسلی میں آ جاتا ہے۔'' وہ عقیدت بھرے لہجے میں بولا۔

''فار گاڈ سیک۔ ایک تو تمہاری کلاس میں پیروں فقیروں پر اعتماد اور ایمان اپنے رب سے زیادہ ہے۔ یہی شرک تم لوگوں کے لئے یہاں اور وہاں عذاب ہو گا۔ محترمہ قبرستان میں پچھلے تین سال سے بھائی کی قبر پر بیٹھی ہیں۔ میں ہرگز نہیں مانتی۔ عشق بھائی سے کون کرتا ہے؟ کیا اس سے بڑا اور کوئی دھوکا اس کی سمجھ میں نہیں آیا؟ چاچا! وہ ذہنی طور پر بیمار ہو گی جو اپنی زندگی مُردوں کے سنگ گزار رہی ہے۔ سب بکواس ہے اور سراسر فریب ہے۔'' وہ تلملا کر بولی۔

''بیگم صاحبہ! ان کی زندگی کی داستان بہت لمبی ہے۔ اس وقت آپ بہت پریشان ہیں۔ پھر کبھی بتاؤں گا، جیسا میں نے سنا ہے، اچھا اور برا۔ آپ ان سے ملنے کے لئے بے تاب ہو جائیں گی۔'' وہ تعویذ اس کے سامنے رکھتے ہوئے بولا۔ ''بیگم صاحبہ! ہر انسان خطا کا پتلا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرتا ہے تو اسے بے جی بنا ڈالتا ہے۔ انہوں نے بھی اپنی زندگی میں بہتوں کو تنگ بھی کیا اور بہتوں کو خوب نوازا بھی ہے۔''

''اچھا.....'' وہ اپنا دُکھ پل بھر کے لئے بھول گئی۔ ''انٹرسٹنگ۔'' وہ ایک دم سے بولی اور تعویذ کھول کر دیکھنے لگی تو چاچا اچنبھے میں بولا۔

''تعویذ کھولنا منع ہے بیگم صاحبہ! تمام اثرات زائل ہو جاتے ہیں۔ بلکہ تعویذ کے اثرات اُلٹ جاتے ہیں۔''

''اُف.....کس قدر توہم پرست ہیں آپ لوگ۔ اسی لئے تو یہ شاطر اور چالباز لوگ آپ کو آسانی سے بے وقوف بنانے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ جاؤ چاچا! اپنی بے جی سے پوچھ کر آؤ کہ میرا بیٹا کب واپس آئے گا۔'' وہ طنزیہ لہجے میں بولی۔

''بیگم صاحبہ! آپ کو اعتقاد نہیں ان تعویذوں پر اور دم درود پر تو اگلی بات پوچھنے کا کیا فائدہ؟ سب اللہ کا کلام پاک ہے۔ ورنہ انسان میں اتنی ہمت کہاں؟ وہ اسی کلام کے ذریعے حاجت مند کی حاجتوں کے پورا ہونے کی دعا مانگتی ہیں اور دعا سیدھی آسمانوں کو چیرتی اللہ تعالیٰ کے حضور پہنچ جاتی ہے۔'' وہ مضطرب سا ہو گیا تھا۔

''اے جی چاچا! اعتماد اور یقین مستحکم کرنے کے لئے آزمانا ضروری ہے۔ اب میں آنکھیں، ذہن اور سوچ پر تالے لگا کر اندھا اعتماد تو نہیں کر سکتی۔ ایسا اعتماد، یقین اور ایمان تو صرف اُس غیبی ذات کے لئے ہے۔ تمہاری ڈرامہ باز بے جی کے لئے تو ہرگز نہیں۔'' وہ خود اعتمادی سے بولی تو وہ لاجواب سا ہو کر دیکھنے لگا۔

''لے جاؤ یہ تعویذ۔ اگر یہ اتنے ہی کارآمد ہوتے تو تم میرے خانساماں نہ ہوتے، کسی محل کے رہائشی ہوتے۔''

چاچا نے افسردہ نظروں سے آسیہ کو دیکھا اور کھلا ہوا تعویذ اٹھا کر باہر نکل گیا۔

'یہ تو حال ہے ان بڑے لوگوں کا۔ انسان کو انسان نہیں سمجھتے تو بھلا انسان کو فرشتہ کیسے مان لیں؟ اس لئے تو ان کی آزمائشوں اور امتحانوں کی کوئی حد نہیں۔' وہ بڑبڑاتا ہوا کھانا پکانے لگا۔ اور آسیہ پھر اپنے ہی اندیشوں میں گھر گئی۔

□.......○.......□

گھر میں خاموشی کی لہر دوڑ گئی تھی۔ بے بسی و لاچارگی کے شدتِ احساس سے جان لیوا سناٹا آسیہ کی سسکیوں سے ٹوٹتا اور وہ پچھاڑیں کھاتی، پاگلوں کی طرح گھر سے باہر بھاگ جاتی۔ چند دنوں میں ہی تمام جواں شوق، پھر حرم سے برہمی اور فیضان سے شکوے دم توڑ چکے

تھے۔ وہ وسیع و عریض لان عبور کر کے بڑے گیٹ کو کھول کر کھڑی ہو جاتی اور سڑک کو حدِ نگاہ تک پُر امید انداز میں دیکھتی اور باوردی چوکیدار جو بت کی مانند اپنی جگہ ایستادہ رہتا، اس کے قریب جا کر نہایت وضع داری اور لاچارگی سے کہتی۔ ''خان! گیٹ کھلا رکھنا۔ میرا بیٹا ضرور آئے گا۔''

''بی بی صاحب! وہ ضرور آئے گا۔ ظالموں کی شرطیں مان جاؤ۔ بچہ ابھی بہت چھوٹا ہے۔ ہمارا دل ڈرتا ہے کہ کہیں گھبرا کر مر نہ جائے۔'' خان نے اس کے سر میں ہتھوڑا مار دیا۔ کیونکہ خان اوندھی سمجھ کا تھا۔ اس سے جواب باصواب کی امید رکھنا بے کار تھا۔ مگر ماں تڑپ کر بولی۔

''تمہارے منہ میں خاک۔ منہ سے بھلی بات نکالو۔'' توقف کے بعد پھر گویا ہوئی۔ ''وہ جتنے تاوان کا مطالبہ کر رہے ہیں وہ تو ہماری آنے والی دس پشتیں بھی ادا نہ کر سکیں۔ ہماری حیثیت کے مطابق شرطیں لگائیں تو میرا شان گھنٹے میں ری کور ہو سکتا ہے۔ یہ دکھ بارسوخ اور امیر گھرانوں کے مقدر میں لکھ دیا گیا ہے۔ ایک تو وہ لوگ ہیں جن کے سر پھولے ہوئے ہیں اور ہمیشہ دولت کا نشہ، غرور اور تکبر اپنی حیثیت سے بڑھ کر ان کے سلوک و روّیے پر حاوی رہتا ہے۔ ہم میں تو ایسی عفریت اور درشتگی کا نام و نشان تک نہیں۔ پھر نہ جانے اتنی بڑی آزمائش کیوں آ گئی؟'' وہ لرزیدہ لہجے میں بولی۔

''بی بی صاحب! ہر شے بیچ ڈالو۔ یہ گھر اور تمام جائیداد، اپنا تمام سونا اور ہیرے بیچ کر اپنے اصلی ہیرے کو واپس لے آؤ۔ زندگی رہی تو یہ سب با آسانی مل جائے گا۔ کیونکہ دولت اکٹھی کرنے کا گُر جسے آتا ہو، وہ ایک رات میں کروڑ پتی بن سکتا ہے۔ لیکن اولاد کو حاصل کرنے کے لئے بہت جتن کرنے پڑتے ہیں۔ اور پھر شان بھیا اکلوتے بیٹے ہیں۔ بہت قیمتی جان ہے ان کی۔ انہیں واپس لانے میں دیر مت کریں۔''

''ہاں خان! فیصلہ تو یہی کیا ہے۔ پھر بھی رقم پوری نہیں ہو رہی۔'' وہ تڑپ کر بولی۔

''دشمنوں نے مخبری میں زیادتی کر دی بی بی صاحب! یہ دشمن اپنے خونی رشتے دار ہی ہوتے ہیں۔ کسی کو ہنستا بستا نہیں دیکھ سکتے۔ اب تو وہ زمانہ آ گیا ہے کہ جیب میں ایک ہزار ہے تو بتاؤ سو روپیہ۔ اور گیٹ پر وردی والا چوکیدار، پورچ میں لمبی لمبی گاڑیاں اور گھر میں نت نئے ملازموں کا آنا جانا بی بی صاحب! خطرہ ہی خطرہ ہے۔ اسی شو سا نے آپ کو مروا دیا ہے۔'' وہ اپنا تجربہ بتا رہا تھا۔ ''میرے ہوتے گھر میں ڈاکہ ڈالنے کی کسی کو ہمت تو نہ ہوئی مگر ڈرائیور بڑا کمزور نکلا جو شان صاحب کو بھی گنوا دیا۔ گاڑی بھی وہ کمبخت لے گئے۔ شکر ہے گولی سے صاحب جی بچ گئے۔ یہ آپ کی نیکیوں کا بدلہ دیا ہے اوپر والے نے آپ کا سہاگ سلامت رکھا۔'' وہ ہاتھ جوڑ کر آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے بولا تو آسیہ اپنے آنسوؤں پر قابو پاتے ہوئے گھر کے اندر آ گئی۔ متفکر اور مغموم دل کے ساتھ وہ قرآن مجید کی تلاوت کرتے

ہوئے فیضان کا انتظار کرنے لگی جو آج نقدی سے دو بریف کیس بھر کر بیٹے کو لینے گئے تھے۔

اس فارم ہاؤس کے علاوہ سب کچھ بک گیا تھا۔ پورچ بھی گاڑیوں کے بغیر سُونا ہو گیا تھا۔ ان چیزوں کی بیٹے کی زندگی کے سامنے کوئی وقعت نہ تھی۔ فیضان اپنی زندگی ہتھیلی پر رکھے اکیلے گئے تھے۔ پولیس کو اطلاع دینے یا اپنے کسی رشتے دار یا دوست کو ساتھ لے جانے کی دوسری طرف سے اجازت نہیں تھی۔ ورنہ بیٹے کو گولی سے اُڑانے کی دھمکی سے بڑھ کر سچائی واضح تھی۔

رات کے دو بج رہے تھے۔ دل رنج وکلفت اور ہر طرح کے اندیشوں اور وسوسوں سے گھرا ہوا تھا۔ تینوں بہنیں ماں کے کمرے میں موجود تھیں۔ حرم جاء نماز پر بیٹھی مسلسل نوافل پڑھ رہی تھی۔ ماہم اور ماہا ماں کو تسلی و تشفی دیتے ہوئے آنسوؤں کے سامنے حوصلے و ہمت کا بندھ باندھے بیٹھی تھیں۔ کوارٹروں میں رہائشی تمام ملازمین چوکیدار کے ساتھ گیٹ پر محوِ انتظار تھے کہ ڈور بیل پر ماں بیٹیاں بھاگنے کے انداز میں باہر نکل آئیں۔ شان کو سب کے درمیان صحیح سلامت دیکھ کر ماں پر خوشی اور ترس و رحم کے امتزاج میں غشی سی طاری ہو گئی۔ شان نے ماں کو بازوؤں میں بھر لیا۔

ملازمین کے چہرے بجھے ہوئے اور اُداس تھے۔ نصیبو ماں کے ساتھ مین ڈور سے چپک کر بیٹھی تھی۔ کیونکہ اسے اندر آنے کی اجازت نہیں تھی۔

شان کو اپنے سامنے دیکھ کر تینوں بہنیں مسرت سے چیختے ہوئے اسے بوسے دینے لگیں۔ آسیہ بھی سنبھل چکی تھی۔ انسان کس قدر کمزور اور بے دم ہے کہ نہ خوشی ہضم کر سکتا ہے نہ ہی غم، دکھ اور اذیت کو برداشت کرنے کی ہمت رکھتا ہے۔ اس کے باوجود خود کو قوی اور فولادی سمجھ کر اپنے سے کمزور پر اجارہ داری کرنے سے گریز نہیں کرتا۔ اپنی حیثیت بھول بیٹھتا ہے۔

نصیبو اپنی سہیلی کی خوشی کو محسوس کرتے ہوئے اس کے شانوں پر محبت و لگاوٹ سے بھرپور ہاتھ پھیرنے لگی۔ چند لمحوں بعد اسے باپ کی دو گھورتی اور نفرت انگیز آنکھوں نے چونکا دیا اور وہ سرعت سے کوارٹر کی طرف بھاگ گئی۔ اس کے بدن کے ہلتے ہوئے اعضاء کو دیکھ کر ماں بے اختیاری سے بولی۔

''ذرا تھم کے۔ بے شرمے جوان ہو کے وی بال ای رہی۔''

اے جی نے بیوی کی بے تکی ڈانٹ پر بختو کو غصے سے دیکھا۔ شاید ماں اسے ہی کہتے ہیں جو اولاد کو ٹوکنے سے باز نہیں آتی۔ اپنے تمام حقوق کا مناسب استعمال کرنے سے چوکتی نہیں۔ جیسے میری اماں۔ آج تک میں اس کے لئے ایک سال کا بچہ ہی ہوں۔ دھنائی کرنے پر آتی ہے تو پھر میری چٹی داڑھی بھی نظر نہیں آتی۔

''اے جی! میرے بچے کے لئے فوراً دودھ لے کر آؤ۔ چند دنوں میں ہڈیوں کا ڈھانچہ بن گیا ہے۔'' آسیہ نے شان کو گلے لگائے اس کے جسم کو ٹٹولتے ہوئے کہا تو اے

جی چونک اٹھا۔

□.......○.......□

''کل کے بجائے نصیبو کے ہاتھ پیلے آج کر دو بختو! اس کی شوخیاں اور اتھرا پن دیکھ کر مجھے ڈر ہی لگتا رہتا ہے کہ کوئی نیا گل نہ کھلا دیں۔ حرم کی اُترن پہن کر خود کو اس کے برابر سمجھنے لگی ہے۔ بات بے بات اسی سے مقابلہ بازیاں۔ اللہ کرے اپنے خاوند کے ساتھ اس کی بن جائے۔ آپاں بھی منتیں کر کر کے چپ ہوگئی اے۔ توں دھی نوں پڑھا لے۔ آٹھ پڑھ کے کون سا پہاڑ کھود ڈالا ہے جو دسویں کا شور مچا رکھا ہے؟'' اے جی نے رازداری سے ملامت کرتے ہوئے کہا اور دس ہزار جیب سے نکال کر اس کے ہاتھ پر رکھ دیئے۔

وہ آہ بھر کر مسکینیت سے بولی۔

''نویں کی کتابیں حرم بی بی نے خرید دی ہیں۔ وہ خود بھی اسی کے سکول میں آ جائے گی۔ دھی دا مفتے وِچ میٹرک ہو جاندا۔ پر تیرا کی کراں؟''

''میرا کج نہ کر۔ جوان دھی نوں پرنا۔'' وہ سختی سے بولا۔

''فیر ایہہ کر، تن مہینیاں دی ایڈانس تنخواہ پھڑ لے۔ کج کم ہو ہی جاوے گا۔ دس ہزار نال کج نہیں بن دا۔ بڑی مہنگائی اے۔'' وہ آہ بھر کر بولی۔

''اِک دھی پچھے دس بچیاں نوں بھُکا مار۔ مٹی گو بر کھلا۔ تیری تے عقل ماری گئی اے۔'' اے جی نے جل بھُن کر کہا۔ ''حضرت فاطمہؓ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی لاڈلی بیٹی تھیں۔ تین کپڑوں، لوٹا اور جاء نماز کے ساتھ انہیں رخصت کیا گیا تھا۔ ان کی اس مثال دا فائدہ اُٹھا بھلیئے لوکے! اسی اوہناں توں وڈّے تے معتبر نہیں آں۔''

''ہائے۔ جے تے نصیبو اپنی خالہ دی نوں بن جاندی تے فکر نہیں سی۔ ہُن تیری آپاں میری نصیبو نوں طعنے مار مار کے بیمار کر دیوے گی۔'' وہ اپنی پیشین گوئی بتاتے ہوئے بار بار دس ہزار کے نوٹ گنے جا رہی تھی۔ چہرے پر فکرمندی کے آثار ہویدا تھے۔ جیسے انہیں خرچ کرنے کے حساب و کتاب کو گرفت میں کرنے کی کوشش میں ہو۔

''اُٹھو، جاؤ۔ اور شادی کی بھنک حرم کے کان میں نہیں پڑنی چاہیے۔ آج کل ذرا پٹڑی تے اے۔ گھر وِچ رولا رَپا کج گھٹ گیا اے۔ احسان اے اُس نیلی چھت والے دا۔ ہم اپنی حیثیت کے مطابق کام کریں گے۔ چار لوگ اوہناں وَلوں تے چار ساڈے وَلوں۔ ساڈیاں شادیاں کیہڑیاں مشکل نیں۔ اِک دن وِچ بیسیوں کر دیں۔'' وہ آہ بھر کر بولا۔

''ہائے رب امیراں نوں ہی خوش رکھے۔ اسی تے اُس دی مخلوق نہیں ناں۔ خوامخواہ ہی سانوں جم دِتا اے، دنیا دی نفرت تے ترسن واسطے۔'' وہ دکھ بھرے لہجے میں بولی تو اے جی اُس کی طرف ترس بھری نظروں سے دیکھنے لگا۔

□.......○.......□

”حرم نے ہر نوکر کا دماغ خراب کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ اب تو اس قدر مجبور ہوگئی ہوں کہ نت نئے فقیر اپنے گھر میں کیسے داخل کرلوں؟ پہلے ہی ہمیں اس گھر کے نکالے ہوئے نوکروں پر شک ہے۔ چند سکّوں کی خاطر اپنا ایمان بیچنے سے باز نہیں آتے۔ حتیٰ کہ اپنی بیوی اور بیٹیوں کو بھی چالو کر دیتے ہیں۔“ وہ بڑبڑا رہی تھی۔

”بدتمیز کو بیلنس کرنا آتا ہی نہیں۔ مجھ سے ہی سبق سیکھ لیا ہوتا۔ میں کون سا ظالم عورت ہوں۔ نصیبو کے لئے ایک لاکھ اس کا اکاؤنٹ کھلوا کر جمع کرا دیئے ہیں۔ اگلی زندگی میں اس کے کام آ جائیں گے۔ حرم میری جگہ ہوتی تو اپنا گھر لٹا کر اس کے ساتھ چل دی ہوتی۔“

موبائل کی بیپ پر حرم نے نصیبو کا نمبر پڑھا اور فوراً آن کر دیا۔

”نصیب! بولو۔“ وہ اسے ہمیشہ نصیب کہہ کر پکارا کرتی تھی۔

”حرم آپی! آپ کو کوئی نہیں بتائے گا۔ میں ابھی آپ سے کوسوں دور اپنی پھوپھی کے چک میں جا رہی ہوں۔“ اس کی آواز میں مسرت تھی۔ ”پڑھائی بھی راہ میں ہی رہ گئی۔ آپ نے بھی ساتھ نہ نبھایا۔ مجھ سے پیار نہیں رہا تو میں نے اپنے منگیتر سے دل لگا لیا۔ آپی! اس کا مزا ہی اور ہے۔ خاطریں ہی خاطریں۔ تم یاد بہت آؤ گی۔ اب میری واپسی کبھی نہیں ہوگی حرم آپی! اس گھر ڈولی میں جاؤں گی اور کفن پہن کر نکلوں گی۔ مجھے ملنے ضرور آنا آپی!“ اس کے ہر لفظ میں خوشی کی کھنک تھی۔

حرم نے فون بند کیا اور باہر نکل گئی۔ پچھلی سائیڈ کی طرف پہنچی تو اس وقت نصیبو برقع پہن کر ساس کے ساتھ جھک کر چل رہی تھی۔ اس کے دیکھتے دیکھتے وہ ٹیکسی میں بیٹھی۔ اگلی سیٹ پر کالا کلوتا دُولہا نوٹوں کے ہار اور سہرے سمیت فخر سے بیٹھ گیا۔ دُلہن کے ساتھ اس کی ساس اور دو نندیں اوپر نیچے ایڈجسٹ ہو کر بیٹھ گئیں۔ نصیبو نے باہر دیکھنے کی تکلیف ہی گوارا نہ دی۔ وہ دل میں خوشیوں کے دیپ جلائے نئے سفر پر نکل گئی تھی۔ حرم سے ملنے کا خیال دُور کہیں دُور چلا گیا تھا۔

’یہ کیسی شادی تھی؟‘ حرم دل ہی دل میں سوچتے ہوئے اپنے بنگلے کی طرف بڑھتی جا رہی تھی۔ ’آج تک ایسی انوکھی شادی میں نے نہیں دیکھی۔ ہمارے عزیز رشتہ دار اور دوست احباب کی شادیوں کی گہما گہمی مہینوں پہلے شروع ہو جاتی ہے۔ اپنے اور غیروں کے لئے دردِ سر اور پڑوسیوں کے لئے سراسر قیامت بن جاتی ہیں۔ نصیب بہت اعلیٰ نصیبوں والی ہے۔ کسی کو تکلیف میں مبتلا کئے بغیر ہی شوہر کے ساتھ اپنے گھر سدھار گئی۔

”تم کہاں سے آ رہی ہو؟“ وہ جونہی گھر کے اندر داخل ہوئی تو ماں کہیں باہر جانے کے لئے مین ڈور کے قریب ہی کھڑی دیوار پر آویزاں قدِ آدم آئینے میں دیکھتے ہوئے ساڑھی کو درست کرتے ہوئے بولی۔

”میں نصیبو کی شادی اٹینڈ کر کے آئی ہوں۔“ وہ خوش دلی سے بولی۔ ”ممی! بی لیو می۔

شادی کا مزہ آ گیا۔"

"وہ کیسے؟" آسیہ حیرت سے بولی۔ "اور تمہیں کس نے انفارم کیا ہے؟"

"نہ شور، نہ شرابا، نہ ہی ہنگامہ آرائی۔ بس سکون ہی سکون اور خوشی ہی خوشی تھی۔ مجھے نصیبو نے جاتے جاتے فون کر دیا تھا۔ مگر ممی! نصیب کو تو میں نظر ہی نہ آئی۔ وہ بہت خوش لگ رہی تھی۔ جب شادی عین اسلامی اصولوں کے مطابق ہو گی تو اس میں شادمانی اور کامرانی ہی تو ہو گی۔" وہ متاثر ہوتے ہوئے بولی۔

"حرم بٹیا! شادی کیسی رہی یہ اُن حسرت زدہ لوگوں سے پوچھو۔ دُور کے ڈھول سہانے ہی معلوم ہوتے ہیں۔" وہ قدرے چڑ کر بولی۔

"ممی! دُور نہیں، ہمارے عقب میں سب کچھ ہو گیا۔ کسی کو خبر ہی نہ ہوئی۔ کم از کم مجھے تو اپنی سہیلی کی رخصتی کی خبر دے دی ہوتی۔ آپ نے بھی کرفیو لگا رکھا ہے۔ ملازمین کے منہ سی ڈالے ہیں۔ ممی! اگر میں وہاں چلی جاتی تو آپ کا اس میں کیا نقصان ہوتا؟ کم از کم میں اُن کی رسمیں ہی دیکھ لیتی جو ماہم اور ماہا کی شادی پر دُہرائی جاتیں۔" وہ قدرے خفگی سے بولی۔

"خود تو پاگل ہو، قسم سے ہمیں بھی تم نے پاگل کر چھوڑا ہے۔ کتنی بار سمجھایا ہے کہ ان کا اور ہمارا کوئی جوڑ نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس مخلوق کو ہماری خدمت گزاری کے لئے پیدا کیا ہے۔ ورنہ وہ خود ہی انہیں ہمارے مقابل کھڑے کرنے کی عقل وشعور رکھتا ہے۔ اسے روکنے والا کوئی نہیں۔ اس نے انہیں غربت، مفلسی اور فقیری دے کر آزمایا اور ہمیں دولت مند بنا کر انہیں ہمارے تابع کر ڈالا۔ ہمیں ان کی مدد کرنے کا حکم ہے جس کی ہم تعمیل کر رہے ہیں۔ بھیدوں کو وہ جاننے والا ہے کہ ایسا کیوں کیا اُس نے۔ اس پر کوئی بحث و مباحثہ ہے ہی نہیں۔ آسیہ نے ساڑھی کا پلو ٹھیک کرتے ہوئے ناگواری سے کہا۔ "ذرا اپنی حالت ملاحظہ کرو۔ لگتا ہے کسی ماسی کی اولاد ہو۔"

"ممی! اولاد انسان کی لگنا ضروری ہے۔" وہ ہنستے ہوئے بولی۔

"ہاں۔ انسان نما حیوان کی۔ افسوس کہ میں نے تم جیسی ہستی حیوانات کی نسل میں بھی نہیں دیکھی۔ کُتا بھی اپنی جگہ صاف کر کے بیٹھتا ہے۔ تمام چرند پرند صبح ہوتے ہی پروں کی صفائی ستھرائی شروع کر دیتے ہیں۔ تم تو ان سب سے ہی گئی گزری ہو۔ یہی وجہ ہے کہ لوگ تم سے دُور بھاگتے ہیں۔ ان کوارٹروں میں رہنے والی لڑکیوں کے علاوہ ایک بھی تمہاری فرینڈ نہیں۔ تم نے تو اپنی دو بہنوں کو بھی کھو دیا ہے۔ ایک دم مجھے بھی گنوا بیٹھو گی۔" لہجے کی تلخی اور ترشی کو محسوس کرتے ہوئے حرم نے بے پروائی کا اظہار کیا۔

"تمہارا اکلوتا بھائی ہمیشہ کے لئے یہ ملک چھوڑ کر کینیڈا چلا گیا۔ تمہارے بابا اپنا اسٹیٹس بحال کرنے کی تگ و دو میں اپنی عمر سے بہت بڑے لگنے لگے ہیں۔ کیا مجال کہ تمہیں اس کا احساس ہو۔ ان بھیک منگے لوگوں کی طرح پرلے درجے کی کٹھور دل واقع ہوئی ہو۔" وہ تقریباً

چلا رہی تھی۔

''ممی! اس میں فکرمندی کی کوئی بات نہیں۔ ہم نے اپنی زندگی کو اپنے ہاتھوں ڈر اور اندیشوں کے حوالے کر رکھا ہے۔ بھیا کو واپس بلالیں۔ کوئی چھوٹی موٹی نوکری پکڑ لے۔ بابا سے میری التجا ہے کہ جو بچ گیا ہے، بہت ہے ہماری زندگیوں کے لئے۔ اپنے سے نیچے لوگوں کو کیوں نہیں دیکھتے؟ آج تک ان لوگوں کے بچے اغوا کیوں نہیں ہوئے؟ جبکہ وہ ہر وقت گلی کوچوں میں پائے جاتے ہیں۔ ممی! آزاد تو یہ لوگ ہیں جو بے فکری کی زندگی گزار رہے ہیں۔ ہمارے ہاتھوں اور پاؤں میں بیڑیاں ہیں۔ اٹوٹ بیڑیاں۔'' حرم نے تاسف بھرے لہجے میں کہا اور کھلے بکھرے ہوئے بالوں کو سمیٹتی، حجاب کو درست کرتی ہوئی کچن کی طرف چل دی۔ اس کے خیالات ہمیشہ ماں کو دہلا دیا کرتے تھے۔ آج بھی آسیہ کا دل غموں اور وسوسوں میں ڈوب کر رہ گیا اور پچھتاوا اس کے ذہن کو پراگندہ کرنے لگا۔

''چھوٹی بی بی! آپ حکم کریں۔'' دوسرے خانساماں نے عقیدت بھرے لہجے میں کہا۔ کیونکہ اے جی کی آج چھٹی تھی۔

حرم بچوں کی طرح چہک کر بولی۔ ''بابا جی! مجھے چپاتی کھانی ہے۔ جیسی آپ کے گھر میں لکڑی کی آگ پر بنتی ہے، بالکل ویسی۔''

''ہماری نوکری چلی جائے گی۔'' وہ خوف سے کانپ اُٹھا تھا۔

''بابا! ساتھ بغیر دودھ کے چائے۔'' وہ بے پروائی سے بولی۔

''چھوٹی بی بی! یہ ہمارا کھاجا ہے۔ ایسی باتیں بیگم صاحبہ کو بہت پریشان کرتی ہیں۔ آپ بڑے لوگ ہیں۔ چھوٹی باتیں آپ کے منہ پر بڑی اُپری لگتی ہیں۔''

''بابا جی! سب انسان برابر ہیں۔ میں انصاف کرنا چاہتی ہوں تو میرے اپنے اور غیر میرے پیچھے ہاتھ دھو کر کیوں پڑ گئے ہیں؟ میں اتنا جانتی ہوں کہ ہمارے تمام ملازموں کا رزق ہمارے خزانے میں بطور امانت محفوظ کر دیا گیا ہے۔ پھر آپ کو ہمارے جیسا رہنا سہنا اور کھانا پینا میسر کیوں نہیں؟ آپ سب ہمارے گھر کے سامنے دھرنے کا پروگرام بنائیں۔ ظلم کے خلاف آواز اُٹھانا جائز ہے بابا! جب تک آپ کو یہ تمام نعمتیں میسر نہیں، میں نہ تو بہنوں جیسا کپڑا پہنوں گی نہ ہی میرا کھانا امیرانہ ہوگا۔ مجھے دال روٹی میں ہی سکون ملتا ہے۔ اگر میری ممی کو میری پسند پر اتنا ہی اعتراض ہے تو وہ آپ کو برابری کیوں نہیں دیتیں؟ مسئلہ حل ہو جائے گا۔ کتنے افسوس کا مقام ہے کہ وہ بھیا کے اغوا ہونے کے بعد بھی سبق نہ سیکھ سکیں کہ آپ کے حصے کی وہ دولت جس پر ہم کنڈلی مارے بیٹھے ہیں، حاجت مند کس طریقے سے نکلوا کر لے گئے۔ اُلٹا انہوں نے بھیا کو اپنوں اور اپنے ملک کی دھرتی سے جدا کر دیا۔ انہیں تنہائی کی وہ مار دی ہے کہ میرا بھیا نارمل نہیں رہے گا۔ وہ اپنی بہنوں کو ہر پل یاد کرتا ہوگا۔ وہ اس گھر کو خوابوں میں دیکھتا ہوگا۔ افسوس کہ اپنی دولت کی کمی پر شاداں و فرحاں ہونے کا گولڈن

چانس بابا نے کھو دیا۔ یہ بدقسمتی ہے ہماری کہ دولت کی خواہش اور جستجو میں تھوڑے کا بھی مزا نہیں لے پاتے۔ اسے ہی تو لالچ کہتے ہیں۔ مگر میری کوئی نہیں سنتا۔'' حرم کی آنکھیں کرب و تاسف سے بھر گئیں۔

''چھوٹی بی بی! آپ تو جنتی روح ہیں۔ آپ جس چیز سے دُور بھاگتی ہیں وہ تو آپ کا عمر بھر پیچھا کرتی رہے گی۔ میری بات یاد رکھیے گا۔ دولت آپ کی باندی اور عزت آپ کی تقدیر ہوگی۔ آپ کی نرم دلی، خوش مزاجی اور حُسن سلوک سے انقلاب تو برپا نہیں ہوسکتا، آپ کی کوششوں سے ہمارے حالات بہتر ہوئے۔ سوکھی روٹی کی جگہ گیلی روٹی نے لے لی۔ دال میں بھی تڑکا لگنے لگا۔ چائے میں دودھ ڈلنے لگا۔ بچے اسکول میں پڑھنے لگے۔ چھوٹی بی بی! ہر گھر کا ایک مکین آپ جیسا ہو تو کیا ہی بات ہے۔ غربت کا نام ونشان ہی مٹ جائے۔ پھر اس بات پر یقین آ سکتا ہے کہ سب انسان برابر ہیں۔ ابھی تو یوں لگتا ہے جیسے ہم زمین پر رینگنے والے حقیر سے کیڑے ہیں اور آپ آسمان کے چاند اور تارے ہیں جن کا ملاپ ہی ناممکن ہے۔'' وہ سر جھکائے مؤدبانہ انداز میں بول رہا تھا۔

حرم نے اس کی طرف پژمردگی سے دیکھا۔

''بابا جی! مجھے آپ کے گھر کی مٹی کی ہانڈی میں پکا ہوا سالن اور لوح پر پکی ہوئی روٹی چاہیے۔ یہی میرا حکم ہے۔ مجھے بریانی، کوفتے اور کباب کی بھوک نہیں۔ میرے حصے کا اپنے گھر لے جائیے۔ یہ بھی میرا حکم ہے۔ کیونکہ اس پر میرا حق نہیں۔ آپ نے پکایا ہے۔ خود بھی کھائیے اور گھر والوں کو بھی کھلائیے۔'' وہ سختی سے بولی۔

''نہیں چھوٹی بی بی! مجھ پر یہ ظلم مت کیجئے۔ پہلے ہی آپ کی طرف سے ہماری امداد میں کمی نہیں۔ بیگم صاحبہ بہت اچھی خاتون ہیں۔ وہ ہمیں برابری کیونکر دیں؟ ہم ہیں کمی کمین، ان کے خدمت گار۔ اور وہ ہمارے مالک ہیں۔ حرم بی بی! آپ ضد چھوڑ دو۔ ہمیں اپنے حصے کا مل رہا ہے۔ اس لئے تو یہاں کا کوئی ملازم آپ کا گھر چھوڑ کر جانا نہیں چاہتا۔ آپ غلطی پر ہو۔ بھلا ہماری جرأت کہاں کہ صاحب کے ساتھ میز پر کھانا کھایا جائے۔ ایسے آج تک نہیں ہوا۔ جس اسلام کی بات آپ کرتی ہیں، وہ صدیوں پہلے کا تھا۔ اب اس کا رخ بدلے مدت ہوگئی۔ آج کا اسلام یہی ہے، جسے آپ دیکھ رہی ہو۔ ہمیں بھی اسی کی عادت ہوگئی ہے۔'' وہ سمجھانے کے انداز میں بولا۔

''رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ساتھ دینے والے آپ جیسے لوگ تھے۔ ان کے جذبے خالص اور حوصلے بلند تھے۔ آپ لوگوں کی بزدلی اور کم ہمتی کی وجہ سے ایک نیا مذہب وجود میں آچکا ہے۔ پکڑ تو آپ جیسے لوگوں کی ہوگی۔'' وہ خفگی سے بولی۔

''چھوٹی بی بی! ایسے مت کہیں۔ کسی نے سن لیا تو بہت برا ہو جائے گا۔ آپ کو تو کمرے میں قید کر دیا جائے گا لیکن ہمیں آزادی سونپ کر بے روزگار کر دیا جائے گا۔'' وہ لرزتے

ہوئے بولا۔ ''ہمیں ایسی آزادی منظور نہیں۔ اس قید میں ہمارا رزق ہے بی بی!''

''آپ کا ایمان بہت کمزور ہے۔ ہونا بھی چاہئے۔ آپ نے بجا کہا ہے۔ کیونکہ ظلم کے خلاف آواز اُٹھانے کی آپ میں ہمت نہیں۔ پھر آپ کو حقوق کیوں دیئے جائیں گے؟ بھلا یہ زیادتی اور بے انصافی نہیں کہ آپ کا رزق دوسروں کی تجوریوں میں بھر دیا گیا۔ کون دے گا آپ کو؟ ہم لالچی اور خودغرض لوگ بھی آپ کی طرح بے دم اور ڈرپوک ہیں۔ کیونکہ شیطان ہمارے ساتھ ہیں۔ یہ اوپر والا میرا رب ہے جو دے کر نہ پچھتائے نہ گنے۔ دینے پر آئے تو دیتا ہی چلا جائے۔ اور انسان چھیننے پر آئے تو اپنے خون پر بھی وار کرنے سے باز نہ آئے۔ بیٹا باپ کو اور بھائی، بھائی کو ہنستے کھیلتے قتل کر دے۔ مجھے نفرت ہے اس دولت سے۔ بابا جی! آپ تو بہت خوش بخت ہیں۔ نہ آپ کی طرف سے زیادتی و بے انصافی، نہ ہی ظلم و تشدد اور قتل و غارت۔ بس روح کی گہرائیوں تک سکون ہی سکون ہے۔ اگر ہمارا تعلق مغلیہ خاندان سے ہوتا تو آج ہم بھی طاقت وقوت، نام ونمود کی خاطر اپنوں کے سر قلم کر چکے ہوتے۔ خدا کا شکر ہے کہ ہم حاکم نہیں ہیں، بادشاہ نہیں ہیں۔ محکوم اور رعایا ہیں۔ مولوی صاحب کی تمام باتیں دل کو جا کر لگتی ہیں۔ ماما کو نہ جانے ہر مولوی سے چڑ کیوں ہے؟''

اسی اثناء میں اس کی چھوٹی بہن ماہم کچن کے اندر آ گئی۔

''اپیا! کیا آئیں بائیں شائیں کر رہی ہو؟ کسی ایک بات کی جو سمجھ آئی ہو۔ مولوی کی کسی بات کا ہم پر اثر نہیں ہوتا۔ کیونکہ ہماری اپنی سوچ ہے۔'' وہ مزاحیہ انداز میں بولی۔ ''آپ تو بالکل ہی نادان ہیں۔ جس نے جو کہا، وہی مان لیا۔''

''ان کی گہری باتیں عام لوگوں کی سمجھ میں نہیں آ سکتیں ماہم بی بی! یہ تو اللہ لوک بندی ہے۔ جسے نہ اپنی پروا ہے نہ اپنی حاجتوں پر نظر ہے۔ غور و فکر کرتی ہیں ہمارے لئے۔ غریبوں اور بے کسوں کے لئے دل میں درد رکھتی ہیں اور ان کے دُکھوں کا مداوا کرنا چاہتی ہیں۔'' بابا جی کو حرم کا مذاق اُڑانا بہت ناگوار گزرا تھا۔ وہ نہ چاہتے ہوئے بول اُٹھا۔

''بابا جی! اپیا کی باتوں کو ایک کان سے سنو، دوسرے سے باہر پھینک دو۔ یہ تو پیدائشی کھسکی ہوئی ہیں بے چاری۔ پیچ ڈھیلے ہیں ادھر کے۔ اللہ میاں کسنا بھول گیا تھا'' وہ تمسخرانہ انداز میں کنپٹی کی طرف اشارہ کر کے بولی۔ ''ذرا اس کی حالت تو دیکھو نصیبو لگ رہی ہے۔ چلو بابا جی! ایک ایک نصیبو گئی، دوسری تو اے جی کے سامنے موجود ہے۔ چاچا اسے دیکھ کر مطمئن رہے گا۔''

''تم جاؤ اپنا کام کرو۔ مجھے بابا کے ساتھ بات کرنے کا بہت مزا آ رہا تھا۔ ماہم! پلیز ممی کو کچھ مت بتانا۔'' وہ التجائیہ انداز میں بولی۔

''وہ تمہاری دشمن نہیں ہیں اپیا! وہ تمہاری زندگی کے ہر لمحے کو کامیاب دیکھنے کی خواہش مند ہیں۔'' وہ نرمی سے بولی۔

''وہ کیسے؟'' وہ سوالیہ انداز میں بولی۔
''اپیا! معصوم بننے کی کوشش مت کرو۔ دوستی یاری اپنے جیسے لوگوں سے رکھی جاتی ہے۔'' ماہم اس کا ہاتھ پکڑ کر باہر لے آئی اور گھسیٹنے کے انداز میں اپنے کمرے میں لے گئی اور دروازہ لاک کر لیا۔
''مجھے سرِ عام اغوا کرنے کا مطلب؟'' حرم نے حیرت سے کہا۔
''بتاتی ہوں، بیٹھو۔ مگر اپیا! تمہاری حالت تو کرسی اور بستر پر بیٹھنے کے قابل نہیں۔'' وہ اس کا جائزہ لے کر بولی۔
''کیوں بھئی؟ مجھے کسی قسم کی غلاظت تو نہیں لگی ہوئی۔ سادہ صاف ستھرے کپڑے پہنے ہوئے ہوں۔ ان میں خرابی کیا ہے؟ اگر تم دونوں بھی میرا ساتھ دیتیں تو آج ہمارے گھر کا ماحول ہی مختلف ہوتا۔ افسوس ہے تم دونوں کی کافرانہ سوچ پر۔'' وہ غصے سے بولی۔
''اپیا! اِدھر آئینے کے سامنے میرے مدِمقابل کھڑی ہو کر جائزہ لو تو تمہیں اپنی ناگفتہ بہ حالت پر رحم کے ساتھ بے حد غصہ بھی آئے گا۔ غربت سے پیار کا مطلب گندگی نہیں اپیا! تم نے دو چیزوں کو مکس کر دیا ہے۔'' ماہم نے تحمل سے کہا۔
''کون سی دو چیزیں؟ میں سمجھی نہیں۔'' وہ جان بوجھ کر انجان بنتے ہوئے بولی۔
''اپیا! قصور ہی تمہاری اپنی سمجھ کا ہے۔ میں اور ماہا بھی تو دینی تعلیم مسلمان ہونے کے ناطے حاصل کر رہی ہیں۔ ہمارے مذہب میں سختی نہیں، نرمی ہے۔ نہ جانے آپ کس مذہب کو فالو کر رہی ہیں؟ کبھی اپنی حالت پر غور کیا ہے؟ مجھے دکھاؤ کہ کہاں لکھا ہے کہ غریبوں اور مفلسوں کے ساتھ ویسے ہی بن جاؤ؟ بلکہ ان کی زندگی کو بہتر کرنے کے احکامات ہیں۔ اپیا! تم نے حد ہی کر دی ہے۔ بھلا غربت اور غلاظت کا آپس میں رشتہ ہی کیا ہے؟ پاکیزگی اور صفائی ہمارا نصف ایمان ہے۔ مسلمانوں کی پہچان ہی یہی ہے۔ تمہارے ایمان اور عقیدے پر مجھے شک ہونے لگا ہے۔ کیا یہ بہتر نہیں کہ اپنی تمام سہیلیوں کو پاکیزگی اور صفائی کا درس دو۔ ذرا سوچو کہ تمہاری وجہ سے گھر میں کس قدر تناؤ ہے۔ ممی ایک پڑھی لکھی ماں ہیں۔ بے حد نرم دل اور شائستہ خاتون ہیں۔ میں تم سے چھوٹی ہونے کے باوجود انہیں سمجھ گئی ہوں۔ تم بہت عجیب ہو کہ ہر بات کی مخالفت کرنا ضروری سمجھتی ہو۔ کتنے افسوس کا مقام ہے کہ تم ان کی ہر بات کا مطلب ہی اُلٹا لیتی ہو۔ قرآن مجید کو مثبت سوچ کے ساتھ پڑھو۔ تم تو پرلے درجے کی انقلابی بن چکی ہو۔ صرف بم دھماکے میں ملوث ہونا باقی ہے۔'' ماہم نے سنجیدگی اور افسردگی سے کہا۔
''مجھے تمہاری باتیں بالکل ہی غیر معیاری لگ رہی ہیں۔ اللہ سے ڈرو۔ وہ دن دور نہیں جب تم جیسی لڑکیوں کو بالوں سے گھسیٹ کر دوزخ میں ڈالا جائے گا۔ مجھے کسی کی پروا نہیں، میری کوئی حاجت اور خواہش نہیں۔ میرے مالک نے اپنے فضل سے اپنے سوا مجھے ہر ایک سے لاتعلق کر دیا ہے۔ میں ہوں جنتی اور تم ہو جہنمی۔'' وہ قہقہہ لگا کر بولی اور تیزی سے اس

کے کمرے سے باہر نکل کر بڑبڑاتی ہوئی اپنے بکھرے ہوئے بے ترتیب کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

'اپیا تو بالکل عالمہ بی بی کی زبان بولنے لگی ہیں۔ ان کی چھٹی ضروری ہوگئی ہے۔ لگتا ہے کہ ان کی باتیں دن بھر گھر میں گونجتی رہیں گی۔' ماہم نے افسوس سے سوچا۔

□.......○.......□

''ممی! آخر کار آپ پھر سے عالمہ بی بی کو نکالنے میں کامیاب ہو ہی گئیں۔ یہ آپ نے ان پر اور مجھ پر زیادتی کی ہے۔ وہ دو مہینے سے آپ کے بلاوے کے انتظار میں تھیں۔ کیا سوچتی ہوں گی کہ وجہ بتائے بغیر ہی الوداع کہہ دیا۔'' وہ تنک کر غصے میں بولی۔ ''میں نے ان سے بہت کچھ سیکھا ہے۔ نہ جانے آپ کو اعتراض کیوں تھا؟''

''اب اس گھر میں کوئی باہر سے نہیں آئے گا۔ میں نے فیصلہ کر لیا ہے۔ ہمیں گھر میں ہی ماما نے قرآن کی تعلیم دی تھی۔ مجھ سے بہت بڑی غلطی ہوگئی کہ تمہارے بابا کی مان کر خوامخواہ مولوی ذات پر بھروسہ کر لیا۔ میرے شان کو اغوا کرانے میں ہاتھ ہی ان کا ہے۔ اب تو تمہارے باپ کا شوق وجذبہ ٹھنڈا پڑ گیا ہے۔ چلے تھے بیٹی کو عالمہ بنانے۔ ستیاناس کر دیا ہے تمہارا۔ بڑی مشکل سے اس بلا سے جان چھڑائی ہے۔ اب میں خود تمہیں پڑھاؤں گی۔ بہت بڑا چیلنج ہے میرے لئے۔ مجھے سمجھ نہیں آ رہی کہ کیا کروں؟ اب تم چھوٹی نہیں رہی۔ وہی لاأبالی حرکتیں اور بچگانہ باتیں۔ چودہ پندرہ سال میں لڑکیاں اتنی سمجھ دار ہو جاتی ہیں کہ مائیں ان سے مشورے لینے لگتی ہیں۔'' آسیہ نے پژمردگی میں کہا۔ ''نہ تم پڑھائی میں اچھی نہ گھر داری، سلیقہ طریقہ، اوڑھنا پہننا سیکھا۔ کیا سیکھا ہے چودہ سالوں میں؟ صرف بحث مباحثہ کرنا۔''

''ممی! آپ مجھ سے ہمیشہ خفا کیوں رہتی ہیں؟'' وہ تڑپ کر بولی۔ ''کیا میں آپ کی بیٹی نہیں ہوں؟''

''کیونکہ تمہاری ہر بات غیر فطری اور ہر حرکت ابنارمل ہے۔ اور زبان تو دس گز لمبی ہے۔ نہ ماں کا لحاظ ہے نہ ہی ڈر ہے۔ یہ سیکھا ہے تم نے عالمہ بی بی سے؟ اب تو مجھے امید نہیں رہی کہ تم زندگی میں کچھ بن پاؤ گی۔ اسلام ہمیں یہ تو نہیں کہتا کہ ہاتھ پر ہاتھ دھرے رزق حاصل کرو۔ ایسا کوئی معجزہ آج تک رونما نہیں ہوا۔'' وہ زچ ہو کر بولی۔

''آپ میری وجہ سے اتنی پریشان نہ ہوا کریں۔ ممی! یہ زندگی تو چار دن کی ہے۔ اور یہ دنیا جس پر آپ کو بہت اعتماد ہے، مان اور غرور ہے، یہ تو سراسر اِک سراب ہے۔ یہ دنیا فانی ہے۔ اگلی دنیا کی فکر کریں جو ابدی ہے۔ اور یہ اِک اٹل حقیقت ہے۔'' وہ ماں کا ہاتھ پکڑ کر بولی۔ ''عالمہ بی بی کو واپس بلا لیں۔''

''ویسے یہ تو ماننے کی بات ہے کہ یہ لوگ چھوٹی عمر کے بچوں کو بھی والدین کے سامنے

بولنے اور اپنی بات پر بضد رہنے کا طریقہ سکھا دیتے ہیں۔ جو کام سکول نہیں کر پاتا، یہ لوگ نہایت سمجھ داری سے چار انچ کی زبان کو دس گز لمبا کر دیتے ہیں۔ اب اس کا تم فائدہ ہی اٹھا لو۔ دھواں دھار تقریریں کرنا اب تمہارے لئے ہرگز مشکل نہیں رہا۔ سیاست میں آ جاؤ، بہت کامیاب رہو گی۔'' آسیہ طنزیہ لہجے میں بولی۔ ''تمہارے باپ کا ارمان بھی پورا ہو جائے گا اور تمہاری بھی واہ واہ ہو جائے گی۔ کیونکہ یہی بے وقوف ایرے غیرے جنہیں تم اپنا ماں باپ سمجھتی ہو، تمہیں پارلیمنٹ میں سیٹ دلوا کر چھوڑیں گے۔''

''ممی! آپ بہت توہین آمیز باتیں کر رہی ہیں۔ میرا مقام بہت اونچا ہے۔ آپ کچھ نہیں جانتیں۔ ذرا میرے مذہبی اساتذہ سے تو پوچھیں۔ مجھے اس دنیا میں واہ واہ سے کوئی سروکار نہیں۔ ساتویں آسمان پر میری واہ واہ تو ہو گی جب میں آپ کی بخشش کا ذریعہ بن جاؤں گی۔'' وہ فخریہ انداز میں بولی۔

''کیوں بھئی، ہم نے کیا قصور کیا ہے کہ بخشش کے لئے تم سے مشورہ لیا جائے گا؟ یہ ہی باتیں تو بے ہودہ ہیں۔ فضولیات میں اپنی زندگی گزارنے پر مصر ہو تو مزا چکھ لو گی۔'' آسیہ غصیلے لہجے میں بولی۔

''مزا چکھیں گے شراب پینے اور پلانے والے۔ پارٹیز پر بے تحاشا پیسہ لٹانے والے اور اپنے رب کے قوانین کو فراموش کرنے والے۔ یہ تمام علتیں ہمارے گھر کے اندر موجود ہیں۔ ہمارا گھر کھوکھلا ہو چکا ہے۔ بس گرنے کو ہے۔ آپ سب بچ کر کہاں جائیں گے؟ میں آپ سب کا تماشا دیکھوں گی۔ پھر آپ التجا کریں گی اپنی بخشش کی۔ اور پھر حرم آپ کی عرض داشت لے کر اپنے پیارے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جائے گی تو تب میری وجہ سے آپ کی شفاعت ہو گی۔'' وہ برجستہ بولتی جا رہی تھی۔

'ہائے میری بچی کو اُس عالمہ نے تو پاگل ہی کر ڈالا ہے۔' وہ دل میں دکھ سے بڑبڑائی مگر خاموش رہی اور سنجیدگی سے شہر شفٹ ہونے کا پروگرام بنانے لگی۔

□......○......□

''تم فکر مت کرو۔ ذرا بڑی ہونے دو۔ اسے کنیڈ کالج بھیجنا بہتر رہے گا۔ بعض لوگوں پر دوسروں کی باتوں اور ماحول کا بہت اثر ہوتا ہے۔ جب ایک ماڈرن اور تعلیم یافتہ ماحول میں دن رات گزارے گی تو بھول جائے گی ان باتوں کو۔ دوری اور جدائی سے اس کی زبان بھی قابو میں آ جائے گی۔'' فیضان نے آسیہ کو تسلی دیتے ہوئے کہا۔

''کاش آپ میری بات مان جاتے۔'' وہ حسرت سے بولی۔

''اس میں تمہارا یا میرا قصور نہیں۔ باقی بھی تو تین بچے ہیں نا۔ انہوں نے کبھی شکایت کا موقع ہی نہیں دیا۔'' وہ نرمی سے بولے۔

''شان کو بروقت یہاں سے نکال نہ دیا ہوتا تو آج چرسی، افیمچی اور ڈرگی بن چکا ہوتا۔

مجھے تو لگتا ہے کہ حرم کے بارے میں آپ نے فیصلہ کرنے میں دیر کر دی ہے۔'' وہ طویل آہ بھر کر بولی۔

''بیٹیوں کو کم سنی میں ہوسٹل بھیجنا زیادتی ہے۔ انہیں ہر قدم پر ماں کے مشوروں کی ضرورت ہوتی ہے۔ اب ہمارے پاس ایک ہی چوائس رہ گئی ہے کہ اس کی تعلیم کی طرف توجہ دی جائے اور درس و تدریس سے دور رکھا جائے تاکہ اسے کسی اچھے کالج میں داخلہ مل سکے۔ اس نے تو مجھے ہراساں ہی کر ڈالا ہے۔ دین سے والہانہ لگاؤ تو طبیعت میں نرمی اور تحمل پیدا کرتا ہے۔ اس کے مزاج میں تلخی، درشتی اور گرمی کے علاوہ تو مجھے اور کچھ نظر نہ آیا۔ اس کا مطلب واضح ہے کہ بچوں کو دینی تعلیم سے روشناس کرانے کے لئے تعلیم یافتہ سکالرز کی مدد لینی چاہئے۔ ورنہ انجام حرم جیسا ہی ہوگا کہ سیکھا کچھ نہیں، گنوایا بے حساب۔'' وہ افسردگی سے بولے۔ ''فی الحال تو بے چاری ہماری بچی نہ دین کی رہی نہ دنیا کی۔ زمین اور آسمان کے درمیان معلق ہے۔''

''سراسر پاگل ہے۔ اپنا رُتبہ رابعہ بصریؒ اور حضرت فاطمہؓ کے برابر سمجھتی ہے۔ جو اس کے دماغ میں فیڈ کر دیا گیا ہے وہ تو نکلنے سے رہا۔ طوطے کی عمر بڑھ جائے تو وہ نئی باتیں سیکھ نہیں پاتا۔ یہ آپ کی خام خیالی ہے کہ اب حرم کچھ سیکھ پائے گی۔ مجھے تو اُنیس بیس کے فرق کی بھی امید نہیں رہی۔ زمین و آسمان کو کبھی یکجا ہوتے میں نے تو نہیں دیکھا۔ بلکہ میرا تو تجربہ ہے کہ بچہ چار سال کی عمر میں جس جانب مائل ہوتا ہے، تربیت سے اس کے مزاج میں زیادہ فرق نہیں پڑتا۔'' وہ مایوس کن لہجے میں بولی۔ ''وہ چودہ سال کی ہوگئی ہے۔ اس کی فطرت کو بدلنا ناممکن ہے۔''

''ماں ہمت ہار جائے تو پھر کچھ بھی ممکنات میں نہیں رہتا۔ تم تو مجھ سے زیادہ دوراندیش اور باہمت ہو۔ وہی ہوا، جس کا تمہیں ہمیشہ سے اندیشہ رہا ہے۔ میں ابھی بھی اسلامی تعلیم کے حق میں ہوں۔ ہمارا مذہب ہمیں نرمی، عاجزی اور دین و دنیا میں توازن رکھنے کی تلقین کرتا ہے۔ نہ جانے حرم کون سے دین کی پیروکار بن گئی ہے؟ مجھے تو سمجھ ہی نہ آئی۔'' وہ نادم ہوتے ہوئے بولے۔

''میں تو سمجھ گئی تھی۔ اسی لئے تو ہر دوسرے دن مولوی بدلتی رہی۔ مگر افسوس کہ سب کا مسلک ایک ہی نکلا کہ غلط بیانی سے کام لو اور ہمیشہ کے لئے زندگی سے نفرت اور موت کا انتظار مایوسی کی صورت معصوم بچوں کی شخصیت کا حصہ بنا دو۔ فیضان! مجھے لگتا ہے کہ ہماری حرم ڈپریشن کا شکار ہو چکی ہے۔'' وہ روہانسی ہوگئی۔

''ہو سکتا ہے آسیہ! ہمیں کسی سائیکاٹرسٹ سے مشورہ لینا پڑے۔ شاید ہماری بیٹی کو میڈیسن ہی نارمل کر سکے۔'' وہ فکرمندی سے بولے۔

''یہ بہت ضروری ہو گیا ہے۔ پہلے اس کا علاج ہونا چاہئے۔ آپ جانتے ہیں کہ کتنی

مشکل سے اس نے مڈل پاس کیا ہے۔ اللہ کرے میٹرک کر جائے۔ اب مجھے تو اس کی شادی کی فکر ستانے لگی ہے۔ ویسے امید تو نہیں رہی۔ آج کل مناسب اور اپنے لیول کے رشتے ملنے میں خاصی دقت ہو رہی ہے۔ پہلے وقتوں میں خوبصورتی اور حُسنِ کردار سے کام چل جاتا تھا۔ اب ان خوبیوں کے ساتھ اعلیٰ تعلیم اور بچی کا بینک بیلنس رواج اور ضرورت بن چکی ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ کسی طرح رو دھو کر ہم اسے بی اے تک لے ہی جائیں۔ ورنہ ہمارے لئے پریشانی کے سوا کچھ نہیں۔ ماہم اور ماہا کی مجھے فکر نہیں۔ بیلنسڈ پرسنالٹی کی مالک ہیں۔ حالانکہ شکل وصورت نہایت واجبی ہونے کے باوجود وہ کس قدر پُرکشش اور جانفزا لگتی ہیں۔ حرم جس دن صوفی سوپ سے نہا کر نکلتی ہے، اس کے چہرے پر نظر نہیں ٹھہرتی۔ گرومنگ کے بغیر تو حُسن کو گرہن ہی لگ جاتا ہے۔ ہزار بار اسے مثالیں دے کر اور کہانیاں سنا کر سمجھانے کی کوشش کی ہے، کچھ سنتی ہی نہیں۔'' وہ اضطراری کیفیت میں بولی۔ ''اول جلول بن کر اپنے حُسن کو غارت کر ڈالا ہے اس نے۔''

''ہر بچہ اپنی ہی فطرت لے کر پیدا ہوتا ہے۔ اگر حرم اپنی زندگی کو بہتر بنانے کو گناہ تصور کرتی ہے تو اس کا رشتہ گاؤں میں اپنے رشتہ داروں میں طے کرنا بہتر رہے گا۔ ہمارے لیول کے لوگوں میں وہ نہ خوش رہے گی نہ دوسروں کو چین لینے دے گی۔ آسیہ! انسان کس قدر بے بس ہے۔ سوچتا کچھ ہے مگر حالات کے ہاتھوں مجبور ہو کر فیصلہ کسی اور ہی نوعیت کا کرنا پڑتا ہے۔ مجھے حرم بہت عزیز ہے۔ یہ سوچ کر دل ڈوبنے لگا ہے۔ ہم نے اسے سونے کا نوالہ دینا چاہا، شہزادیوں جیسی لیوش زندگی دینا چاہی۔ مگر اس کے مقدر میں رُوکھی سوکھی روٹی اور پھٹے پرانے کپڑے لکھے تھے۔ افسوس کہ ہم اس کی لکھت کو بدل نہ سکے۔ اس کی سوچ، خیالات اور خاندانی ڈھانچہ ہی اس کا نصیب نکلا۔ بچے مقدر کی تابناکی اور تاریکی بھی اپنے خاندان سے ان ہیرٹ کرتے ہیں۔ شاید ہماری حرم کے ساتھ ایسا ہی معاملہ ہے کہ آج میں بھی ناامید ہو گیا ہوں کہ ہم اس کے لئے کچھ نہیں کر سکتے۔'' وہ افسردگی سے سر جھکا کر بیٹھ گئے۔

''فیضان پلیز! ایک اور غلط فیصلہ مت کیجئے گا۔ پہلے ہی معصوم بچی آپ کے شوق پر نثار ہو گئی۔ ہم جب تک ان نوکروں کی زندگیوں سے دور رہے، حرم نارمل رہی۔ ایک تو یہاں کا ماحول اور دوسرا یہاں کی مسجدوں کے جانشین مولوی حضرات، حضرت بلالؓ کیسے بن سکتے تھے؟ تعلیم ہی غلط دی ہے انہوں نے۔'' وہ تڑپ کر بولی۔

''میرا شوق اور خواہش میری اولاد سے بڑھ کر نہیں۔ اگر تم سمجھتی ہو کہ شہر شفٹ ہونے سے یہ مسئلہ حل ہو سکتا ہے تو آج ہی گھر کرائے پر لے لیتے ہیں۔'' وہ نہایت اپنائیت سے بولے۔

''آپ نے تو میرا گھر بھی بیچ دیا۔ فیضان! آپ نے ہنستے مسکراتے ہوئے میرے ہاتھ

پاؤں کاٹ کر رکھ دیئے۔ اب لے دے کے یہ کھیت، ڈیری اور پولٹری فارمز میرا گھر ہیں۔ بالکل ہی پینڈو بنا ڈالا ہے مجھے۔ نہ میرے پاس گاڑی ڈرائیور رہا۔ آپ نے کتنے خوبصورت طریقے سے مجھے میرے سرکل سے نکال لیا ہے۔'' وہ پیچ و تاب کھاتے ہوئے بولی۔

''آسیہ! تمہیں اور مجھے اپنا بیٹا ہر شے سے بڑھ کر عزیز تھا۔ گھر مجبوری کے تحت بِک گیا۔ تم جانتے ہوئے بھی مجھے موردِ الزام ٹھہرا رہی ہو۔ تمہاری مرسڈیز نہ بکتی تو اتنی بھاری رقم بینک میں ڈاکہ ڈالنے سے بھی حاصل نہ کر پاتا۔'' وہ تاسف بھرے لہجے میں بولے۔

''آپ کا فیصلہ ہی سراسر غلط تھا۔ اس منحوس فارم کو سیل کرنا چاہیئے تھا کہ شہری جائیداد کو؟'' وہ چڑ کر بولی۔ ''بیوی کی بات کو اہمیت نہ دینے والوں کا یہی حشر ہوتا ہے۔ خدا کے لئے آپ خود کو سنبھالیں۔ تمام عیاشیاں چھوڑ دیں اور کوشش کریں کہ مجھے اسلام آباد میں گھر خرید دیں۔ آپ کے تمام شوق اپنی جگہ براجمان ہیں۔ جو بھی مشکل آئی، وہ مجھ پر آئی اس لئے آپ کو تو اس کا حساس نہیں ہو سکتا۔ اب چلے ہیں گاؤں میں رشتے کرنے جنہیں چھوڑے ہوئے ایک صدی گزر چکی ہے۔''

''آسیہ! ایک دوسرے کو بلیم کرنے سے کچھ حاصل نہیں ہو گا۔ ہاں پریشانی میں حد درجے کا اضافہ ضرور ہو سکتا ہے۔ تم نہیں جانتی کہ میں بزنس کو بڑھانے کے لئے کہاں کہاں کی خاک نہیں چھان رہا۔ مجھے تمہاری دعاؤں کی ضرورت ہے نہ کہ ناراضگی اور غصے کی۔ بیوی تو شوہر کا سہارا ہوتی ہے۔ اُس کی مورل اسپورٹ سے ہی خاندان پھلتے پھولتے ہیں۔ تم نے تعاون نہ کیا تو ہمارا فارم اور آفس بھی بِک جائیں گے اور ہم عمر بھر کرائے کے گھر میں حسرت و یاس کی تصویر بن جائیں گے۔'' ان کے لہجے میں درد کرم سا گیا تھا۔ آسیہ کی آنکھیں فیضان کی لاچارگی اور بے بسی پر بھر آئی تھیں۔

''آسیہ! یہ یاد رکھو کہ مصیبت ایک ہو کر نہیں آتی، اپنے ہمراہ بیسیوں لے کر وارد ہوتی ہے۔ تم نے ایک بار کہا تھا کہ قدم آگے بڑھایئے۔ ورنہ ہم زوال کے شکنجے میں پھنس جائیں گے۔ کچھ ایسا ہی سانحہ ہو گیا ہے ہمارے ساتھ۔ قدم آگے کے بجائے مخالف سمت اُٹھتے رہے اور مجھے علم ہی نہ ہوا۔ اس وقت ہم دونوں کو یک جان دو قالب ہونا چاہیئے۔ ہم پر اولاد، مال اور نام و نمود کی طرف سے برا وقت ہے۔ تم حوصلہ رکھو، تمہاری ہمت اور صبر میرے لئے کامیابی کی کنجی ہے۔ تم دعا کرو۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔'' وہ دُکھی لہجے میں بولے۔

''اِن شاء اللہ آپ کی محنت ضرور رنگ لائے گی۔ فکر تو مجھے حرم کی ہے۔ آخر اس کے مستقبل اور زندگی کا سوال ہے۔'' وہ کچھ نادم اور قدرے فکرمندی سے بولی۔ ''فیضان! اولاد کا دکھ ہر دکھ پر بھاری ہوتا ہے۔ ہمیں تو انہی کے دکھوں نے عروج سے زوال کی طرف دھکیل دیا ہے۔ بعض گھر بہت مبارک ہوتے ہیں۔ وہاں صرف مسرتیں اور شادمانیاں سایہ کئے رکھتی ہیں۔ مجھے یہ گھر ہی منحوس لگتا ہے۔ پہلے والے مالک ایسے ہی نہیں چھوڑ گئے، ضرور کسی بھوت

پریت کا سایہ ہے اس پر۔ ہمارا جو ایک لمحہ سکون و اطمینان سے گزرا ہو۔''

''آسیہ! بچوں کے سامنے ایسا ذکر کرنے کی غلطی مت کرنا۔ گھر کبھی منحوس نہیں ہوتے۔ اس کے رہائشی سبز قدم ہو سکتے ہیں۔ آئندہ ایسی توہمات میں مت پڑنا۔ یہ فارم ایک بار ہمارے ہاتھ سے نکل گیا تو پھر دوبارہ ایسی شاہانہ زندگی کی تلاش میں ہی ہم مر جائیں گے مگر لاحاصل رہیں گے۔ کیونکہ تمہیں خبر نہیں کہ یہ سب کچھ کیسے مینٹین ہو رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ بھرم رکھ لے۔ رشتہ دار تو کان لگائے بیٹھے ہیں کہ فارم کب بکتا ہے۔ بس دنوں میں کچھ ہیر پھیر ہے۔'' وہ پریشان کن لہجے میں بولے۔

''آپ نے درست کہا ہے۔ نحوست تو ہمارے اندر ہے۔ فیضان! ہمیں توبہ تائب کرنی چاہیے۔ نہ جانے انجانے میں کتنے ہی لوگوں کے دل دکھا دیئے ہیں۔'' وہ خوفزدگی سے بولی۔

''میں جانتا ہوں کہ ہم سے غلطی کہاں پر ہوئی ہے۔'' وہ سوچتے ہوئے بولے۔

''میں بھی جانتی ہوں فیضان! وہ ہماری مجبوری تھی۔ اپنی اولاد کی بہتری مقصد تھا۔ کسی کو دربدر کرنا یا دل دکھانے کی غرض نہ تھی۔ مجھے تو کئی بار گلٹ چین نہیں لینے دیتا شاید میں حرم کے ساتھ انصاف نہیں کر سکی۔ دل میں ممتا کی حدت و محبت کے باوجود اسے اپنی اولاد سے کمتر سمجھتی رہی۔ اسے اپنا خون نہ مانا اور وہ ہم سے دور ہوتی چلی گئی۔'' وہ بلک بلک کر رونے لگی۔

''اب تو جو ہم نے کرنا تھا، کر دیا۔ اب معاملہ سلجھانا ہے ہم نے حرم کا۔ یہ قدرتی امر ہے کہ وہ اپنی اولاد کا بدل نہیں ہو سکی۔ اس لئے خود کو برا بھلا مت کہو۔ میں اس کے لئے ٹیوشن کا انتظام کرتا ہوں۔ کم از کم گھر میں تو اسے مدد ملتی رہے گی۔ سکول تو اپنی مرضی سے جاتی ہے۔'' وہ سوچتے ہوئے سنجیدگی سے بولے۔

''ابھی بھی کئی بار سکول کے بہانے کوارٹروں میں جا چھپتی ہے۔ نصیبو سے جان چھوٹی تو پیٹو جان کو آ گئی ہے۔'' وہ زہر آلود لہجے میں بولی۔ ''عالمہ بی بی نے نامحرم کا جو درس دے ڈالا ہے، اس پر پابند نہ رہتی تو میں غم سے ہی مر جاتی۔''

''تم فکر نہ کرو۔ اب میں بھی سیریس ہو گیا ہوں۔ حرم جوان لڑکی ہے، بے حد نیک اور پرہیزگار بھی ہے۔ مگر منہ زور جوانی پر اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔ اللہ نہ کرے کسی کے ہاتھوں میں ہی نہ آ جائے۔ اسے کوارٹروں میں ان ملازموں کی لڑکیوں سے دور رہنا چاہیے۔ یہ بچیاں اپنے ماحول کی وجہ سے ہماری بچیوں میں بالکل مختلف ہوتی ہیں۔ حرم کی ضد کو تو ہم جانتے ہی ہیں۔ تمہاری فکرمندی بجا ہے۔ میں نے اتنی گہرائی میں کبھی سوچا نہیں۔ کیونکہ اپنی بچیاں ہمیشہ کم سن، معصوم اور پاک دامن معلوم ہوتی ہیں۔ دوسروں کی بچیوں میں تمام نقائص نظر آتے ہیں۔'' وہ ایک دم سے جیسے ہوش میں آ گئے ہوں۔

''میں اپنی زبان سے ایسی بات کہنا نہیں چاہتی تھی۔ مجھے ہر وقت اسی بات کا دھڑکا لگا رہتا ہے کہ کہیں سہیلیاں ہی اسے دھوکا نہ دے ڈالیں۔'' وہ فکرمندی سے بولی۔

''آسیہ! تم اس کی تیاری کرو۔ آئی تھنک کہ اب وقت آ گیا ہے کہ اسے ہوسٹل بھیجنا ضروری ہو گیا ہے۔ تم تو کب کی مجھے اونچ نیچ سمجھا رہی ہو، میں ہی نہ مانا۔ مجھے بھی ایک یہی حل نظر آ رہا ہے۔'' وہ سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولے۔ ''آئی ایم سوری آسیہ! میری وجہ سے تمہیں بہت پریشانیاں اُٹھانی پڑیں۔ میں نے ایسا کبھی سوچا نہ تھا۔ میرا ذہن مکمل طور پر بیدار ہو چکا ہے۔ بند آنکھیں اور کان کھل گئے ہیں۔ حرم کی بے عزتی ہماری رُسوائی ہے۔ آفٹر آل حرم ہماری بیٹی تو ہے ہی۔ تم اکیلی ہی سٹرگل کرتی رہی۔ ویری سیڈ۔''

''تھینک گاڈ۔ لیکن فیضان! ذرا حوصلے اور صبر سے کام لینا پڑے گا۔ مجھے سوچنے کے لئے تھوڑا وقت دیں۔ کیونکہ حرم کی رضامندی کے بغیر تو ہم ایک قدم بھی نہیں اٹھا سکتے۔'' وہ مزید فکرمند ہوگئی تو فیضان نے اسے پیار سے اپنے گلے لگا لیا۔

''وقت ایک سا نہیں رہتا۔ انسان سے بے وفائی اور دغا بازی ایسے سجے کرتا ہے کہ علم ہی نہیں ہونے دیتا۔ خود بے قصور اور بے گناہ اور دوسروں کو موردِ الزام ٹھہرا دیتا ہے۔ اور پھر قلق اور پچھتاوے کا جان لیوا احساس تاحیات ہم سفر رہتا ہے۔ ہم نے اپنی زندگی میں بہت کچھ پایا لیکن جو کھو دیا، وہ بہت قیمتی اور انمول تھا۔''

وہ سسکتی ہوئی آسیہ کے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرتے ہوئے بولے جا رہے تھے۔ آج پہلی بار انہوں نے اپنے بزنس کے نشے سے باہر نکل کر بیوی کے جذبات و احساسات کو محسوس کیا تھا جو یہاں کے مسائل کی دلدل میں اس حد تک کھب چکی تھی کہ ایک ہاتھ اور چہرہ باہر تھا، جسے فیضان نے بروقت سہارا دے کر دلدل سے باہر نکال لیا تھا۔ اور اب وہ اکیلی نہیں تھی۔ جیون ساتھی کے اٹوٹ پیار اور ہمدردی نے اسے اِک نئی حیات بخش دی تھی۔ امید کی کرنیں پھوٹ رہی تھیں۔ اس کے گہرے سمندر میں وہ غوطہ زن ہو چکی تھی۔ اور انہیں حرم کسی اونچے منبر پر شہزادی کے روپ میں مسکان بکھیرتی نظر آ رہی تھی۔

□......○......□

''آسیہ! ٹیوشن کے لئے ایک ذہین اور بے حد شریف ٹیچر کا انتظام ہو گیا ہے۔ میں نے انٹرویو تو لے لیا ہے مگر فیصلہ تمہارے انٹرویو لینے کے بعد کیا جائے گا۔ میں اپنی عقل و سمجھ کو تو پہچان ہی گیا ہوں۔'' وہ ڈنر کے بعد گرین ٹی پیتے ہوئے بولے۔

''آپ کا فیصلہ غلط نہیں ہوگا آنو جی! اب آپ کا ساتھ ہے۔ دیکھئے گا سب کچھ درست ہوتا چلا جائے گا۔ اگر سنگل پیرنٹ بچوں کے لئے بہتر ثابت ہوتے تو آج معاشرے میں مسائل بہت کم ہوتے۔ یہ گاڑی دو پہیوں پر چلتی ہوئی اس میں بیٹھی ہوئی سواریوں کو متوازن رکھ سکتی ہے۔ اب ہماری گاڑی ڈانواں ڈول نہیں، خراماں خراماں چلے گی۔'' وہ پُرتسکین لمبا

سانس لے کر بولی۔

''تھینک گاڈ! کہ ابھی بھی کچھ بگڑا نہیں۔ حرم کو بھی ٹیچر سے ملوانا ضروری ہے۔ کیونکہ اسے ذہنی طور پر تمہیں تیار کرنا پڑے گا۔ کیونکہ تعلیم کے بغیر وہ اِک جاہل عالمہ ہی بن کر رہ جائے گی۔ ہے تو بہت ذہین۔ شاید سمجھ جائے۔'' وہ فکرمندانہ لہجے میں بولے۔''ویسے جینز کو ہم بدل نہیں سکتے۔''

''آپ بالکل بے فکر رہیں۔ سب درست ہو جائے گا۔ جب بچوں کو یہ محسوس ہونے لگے کہ والد صاحب کو ہمارے کسی مسئلے میں کئی دلچسپی نہیں اور ماں کی بھی شنوائی نہیں تو پھر گھر کے ماحول میں نہ چاہتے ہوئے بھی کشیدگی آ جاتی ہے۔ ذہنی طور پر کمزور بچے حرم بن جاتے ہیں۔ اور اسٹرانگ بچے ماہم، ماہا اور شان کی طرح ری ایکٹ کرتے ہیں۔'' وہ سنجیدگی سے بولی تو اسی اثنا میں حرم اپنے کمرے سے باہر نکل آئی۔ سر کے بال بکھرے اور اُلجھے ہوئے تھے اور میل سے بھری شلوار قمیض پہن رکھی تھی۔ دوپٹے کے بغیر اس کے بدن کے اُتار چڑھاؤ نمایاں تھے۔ پاؤں ننگے تھے۔ چہرے پر ہوائیاں اُڑ رہی تھیں۔

''بیٹا! خیریت تو ہے؟'' دونوں نے پریشان ہو کر بیک زبان کہا۔

''بہت بھیانک اور ڈراؤنا خواب دیکھا ہے میں نے۔ لیکن مجھے بچانے والے آپ جانتے ہیں کون تھے۔'' وہ آنکھیں ملتے ہوئے بولی۔

''ادھر آؤ، میرے پاس بیٹھو۔ میں بتاتا ہوں کہ وہ کون تھے۔ تمہارے بابا تھے نا؟'' وہ خوشگوار لہجے میں بولے۔

''نہیں بابا! آپ کو خوش فہمی ہے۔ وہ نور تھا۔ حرم شریف سے اِک نور اُبل رہا تھا جس نے مجھے اپنے حصار میں لے کر مجھے دوسروں کی نظروں سے اوجھل کر دیا تھا۔ اور رسولِ پاکؐ تھے جنہوں نے اپنی کملی مجھ پر ڈال کر مجھے ہر خطرے سے محفوظ کر لیا تھا۔ پھر بھی میں ڈر کے مارے چیخ رہی تھی۔ مگر آواز گلے میں پھنس گئی تھی۔ ایک دم سے میری آنکھ کھلی تو میں بے اختیاری میں لاؤنج کی روشنی کی طرف بھاگ آئی۔'' وہ خوداعتمادی سے بول رہی تھی۔

آسیہ نے فیضان کی طرف دیکھا۔ ان کے چہرے پر پریشانی ہویدا تھی۔ انہوں نے حرم کو صوفے پر اپنے ساتھ بیٹھنے کا اشارہ کیا تو وہ ان کے قریب سمٹ کر بیٹھ گئی اور اپنے بکھرے ہوئے بالوں کو سمیٹنے لگی۔

''بیٹے! یہ اشارہ ہے تمہاری پڑھائی کی طرف۔ وہی نور اور روشنی ہے جو تمہاری زندگی کی راہوں میں ضوفشانی بکھیر کر تاریکی کو ختم کرتا جائے گا۔'' وہ پیار بھرے لہجے میں بولے تو وہ اچنبھے سے انہیں دیکھنے لگی۔ کیونکہ انہوں نے آج تک کبھی تعلیم کے بارے میں کوئی سوال نہ پوچھا تھا۔ بلکہ اسے تو یہ بھی توقع تھی کہ انہیں علم ہی نہیں ہوگا کہ وہ کس کلاس میں پڑھ رہی ہے۔ اور آج تک اس کے کون سے گریڈز آتے رہے ہیں۔

''کل سے میرے بیٹے کے لئے ٹیوٹر گھر پر پڑھانے آنے لگے گا۔ سکول جانا تمہاری اپنی مرضی پر منحصر ہے۔ ٹھیک ہے نا؟...... پھر میرا بچہ کنیڈ جانے کے قابل ہو جائے گا۔ کیسا رہے گا؟'' وہ اسے پیار کرتے ہوئے بولے۔

''بابا! اس کی ضرورت نہیں تھی۔ مجھے آگے نہیں پڑھنا۔'' وہ بے ساختگی سے بولی۔

''بیٹا! نور سے خالی ذہن و قلب تو مُردہ ہو جاتے ہیں۔ اس کی جیتی جاگتی مثال تم خود ہو۔ تمہیں زندگی سے کوئی دلچسپی نہیں۔ یہ بھی موت کی ایک قسم ہے۔'' وہ درد بھرے لہجے میں بولے۔ ''یہ موت طبعی موت سے زیادہ اذیت ناک ہوتی ہے۔ کیونکہ یہ موت انسان نے خود اپنے ہاتھوں سے مسلط کی ہے جو اللہ تعالیٰ کو قطعاً پسند نہیں۔ کیونکہ زندگی اور موت تو وہی دینے والا ہے۔ ہم اس کی ذات کے ساتھ خود کو شریک نہیں کر سکتے۔ اسے ہی تو شرک کہتے ہیں جو ہمارے رب کو بہت ناپسند ہے۔ بالکل ایسے کہ میں تمہاری ماں کے ساتھ کسی اور عورت کو شریک ٹھہرا دوں تو تمہاری ممی کو کیسا محسوس ہوگا؟''

''بہت برا۔ کیونکہ ممی آپ میں کسی اور کی شرکت کو کیونکر قبول کریں گی جبکہ آپ میں بے حساب خوبیاں پوشیدہ ہیں۔'' وہ جمائی لیتے ہوئے بولی۔

''اسی طرح بیٹا! اوپر والا خودکشی کو حرام قرار دیتا ہے۔ کیونکہ زندگی لینے والا وہ ہے۔ ہم نہیں۔ تعلیم کے بغیر تم اپنے رب کی شناخت سے محروم رہ جاؤ گی۔ اس کے قرب کے حصول کے لئے، غور و خوض کرنے کے لئے علم چاہئے۔ دوسروں کی سنی سنائی باتوں پر یقین کرنے سے بہتر ہے کہ تم میں کھوج لگانے کی قوت ہو۔ اور وہ قوت تعلیم کے بغیر تم میں نہیں آ سکتی۔'' وہ نرماہٹ و لگاوٹ سے بولے تو وہ گہری سوچ میں چلی گئی۔

آسیہ خاموشی سے حرم کو دیکھے جا رہی تھی۔ چہرے پر اُمید کی پرچھائیاں گہری ہوتی جا رہی تھیں۔

''جس نور کو تم نے خواب میں دیکھا ہے، وہ علم ہے۔ اور حرم شریف کا مطلب ہے اللہ تعالیٰ کی مقدس ذات پر مکمل بھروسہ اور یقین رکھو گی تو نور میں بسیرا کرو گی۔ ورنہ اس جہان میں بھی تاریکی ہے اور اگلی دنیا بھی اندھیاری ہے۔ کیونکہ ہمارے رب کو جہالت سے بے پناہ نفرت ہے۔ پھر وہ جاہلوں سے پیار کیسے کر سکتا ہے؟ ان پر اپنی رحمتوں کے دروازے کیسے کھول سکتا ہے؟'' وہ پیار بھرے لہجے میں بولے۔ ''اللہ تعالیٰ نے تمہیں جھنجھوڑ کر جگایا ہے کہ غفلت میں اپنی زندگی مت گزارو۔ میرے نور کو پالو اور اس میں سما جاؤ۔ کیونکہ تمہاری زندگی ایک انمول تحفہ ہے۔ تم نہیں جانتیں کہ تم پیدا ہوتے ہی موت کے منہ میں جانے لگی تھیں۔ تمہیں اسی ذات نے دوبارہ زندگی بخش دی۔''

''وہ کیسے بابا؟ میں اُس مقدس ذات کو دیکھنا چاہتی ہوں جس کے اختیار میں یہ سب کچھ ہے۔ میں نے اسے پانے کی چاہ میں دنیا سے منہ موڑے رکھا۔ بابا! افسوس کہ اسے پا نہ سکی۔''

وہ بے تابی سے بولی۔
''بیٹا! اگر تم اُسے پانا چاہتی ہو تو وہ تمہیں ہر شے میں نظر آئے گا۔ بس دیکھنے والی آنکھ چاہئے۔ مگر افسوس کہ تمہارے پاس وہ آنکھ ہی نہیں۔ ایسا احساس ہی نہیں۔ نہ مثبت سوچ ہے۔ بچے! غصہ اور ہٹ دھرمی تمہارا زوال ہے۔ اسے پانے کے لئے دنیاوی اور دینوی تعلیم کی اوّلین ضرورت ہے۔ والدین کو اپنا بہترین محسن اور مربی سمجھنے کی ضرورت ہے۔ ہر دھندلی شے واضح ہو جائے گی۔ بیٹا! جو ایکسٹریمسٹ لوگ ہوتے ہیں وہ اندھے، بہرے اور گونگے ہوتے ہیں۔ یہ جہالت کی سب سے خطرناک قسم ہے۔ ایسے لوگوں پر عذابِ الٰہی ناشکری، بے صبری اور تند مزاجی کی صورت میں نازل ہوتا ہے۔'' وہ ملائمت سے بولے تو وہ پھر سوچ میں ڈوب گئی۔

''بیٹا! میں تو چاہوں گا کہ تم اسکول جانا باقاعدگی سے شروع کر دو۔ گھر پر ایک گھنٹے کے لئے ٹیوٹر بھی آ جائے گا۔ پڑھائی تمہارے لئے آسان ہو جائے گی۔ ایک دفعہ تم بی اے کر لو۔ میرا تم سے وعدہ ہے کہ تمہیں اسلامک ہسٹری کی ڈگری کے لئے یو۔ کے بھیج دوں گا۔ خوب جی بھر کر ریسرچ کرنا اور حقیقی دین کو سمجھنا۔ پھر تمہیں آج کی حرم پر بے پناہ ندامت ہو گی۔'' وہ اسے پیار کرتے ہوئے بولے۔

''بابا! اب آپ سمجھ گئے ہیں کہ شخصی آزادی کتنی اہم ہوتی ہے۔ میں بی اے کر لوں گی۔ کیا آپ سے بارگیننگ کرنے کا بھی حق رکھتی ہوں یا نہیں؟'' وہ مسکرا دی تھی۔

''ہاں ہاں۔ کیوں نہیں؟'' وہ بھی مسکرا کر بولے۔

''میں ایف اے اور بی اے کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد اسلامیات میں ماسٹرز کرنا چاہتی ہوں۔ بابا! پھر مجھے سیرت النبیؐ میں پی ایچ ڈی بھی یو کے سے کرا دیجئے گا۔ دین اور دنیا دونوں ہی سنور جائیں گے۔'' وہ پُر امید لہجے میں بولی۔ ''کاش آپ نے مجھے پہلے سمجھانے کی کوشش کی ہوتی۔ اب تو میری شرط مانی جائے گی نا؟''

''وائے ناٹ میری جان! میرے بچے کو جس مضمون میں انٹرسٹ ہے، ہم اعتراض نہیں کریں گے۔'' وہ دل ہی دل میں شکرانہ ادا کرنے لگے کہ کم از کم وہ کسی طرف تو آئی۔ دنیاوی تعلیم کے ساتھ دینی تعلیم پر بھلا انہیں اعتراض کیونکر ہوتا؟

''حرم! ہمیں معاف کر دینا۔ کیونکہ ناسمجھی میں تمہیں سمجھنے کی ہم نے کوشش ہی نہیں کی۔ بلکہ ہر پل تمہیں بدلنے کی کوشش کی، اپنے جیسا بنانے کے لئے تمہیں میں نے بہت ستایا ہے۔'' آسیہ نے اس کی کمر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

''بیٹا! بس میری ایک بات یاد رکھنا۔ گو کہ میری دینی تعلیم گہری اور زیادہ نہیں ہے۔ مگر بنیادی کچھ اصول جو میں نے ہمیشہ اپنے پلّے باندھ رکھے ہیں۔ ایمان، عقیدہ اور ہمارا اسلام یہ اجازت نہیں دیتا کہ ہم فرقہ بندی کے ان جھگڑوں میں اپنا وقت ضائع کریں۔ ہر ذی روح

کو اپنی پریکٹس کرنے کی آزادی ہونی چاہئے۔ اور ہمیں ایسا مسلمان بن کر سب کے سامنے مثال بننا چاہئے کہ دوسرے مذاہب متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکیں۔ مگر افسوس کہ ہم نے اپنے دین کے رنگ و روپ کو بدل ڈالا ہے۔ کیونکہ آج ہر مرد اور عورت جنہیں اپنی پہچان، عزت و نام چاہئے چند درس کلاسز اٹینڈ کرنے کے بعد تقلید کا سہارا لے لیتے ہیں۔ چونکہ ہم میں ابھی تک جہالت کوٹ کوٹ کر بھری ہے۔ فوراً ہر سنی سنائی بات کی تحقیق و تفتیش کئے بغیر ان کی صف میں شامل ہو جاتے ہیں۔ خود پسندی جہالت کی نشانی ہے، اسے اپنی ذات سے نکال دو۔ ورنہ بخشش نہیں ہو گی۔ پذیرائی تو اس ذات کے لئے ہے۔ ہمارے لئے نہیں۔ انسان جتنا علوم و فنون سے بہرہ اندوز ہو گا، اس میں عاجزی و انکساری ہو گی۔ زبان کے بے جا استعمال پر قابو ہو گا۔ بڑوں کی عزت اور چھوٹوں سے شفقت کا سلوک اس کے گرد و پیش کے ماحول کو جنت کا نمونہ بنا ڈالے گا۔ اس کا لباس تقویٰ اور روح ایمان کی مضبوطی ہو گی۔ پاکیزگی اور صفائی اس کے مسلمان ہونے کی غمازی کرے گی۔ کیونکہ مسلمان غلیظ نہیں ہوتا۔ اگر وہ غلیظ ہے تو مسلمان کہلانے کا حق دار نہیں۔"

وہ اسے پیار سے سمجھا رہے تھے اور حرم سر جھکائے غور سے سن رہی تھی۔ بابا کے منہ سے پہلی بار ایسی باتیں سنتے ہوئے بہت بھلا لگ رہا تھا۔

فیضان نے اس کی دلچسپی کو محسوس کرتے ہوئے دل کی گہرائیوں سے سوچا کہ وہ اپنی بیٹی کو اپنے دین کی پازیٹو اویئرنیس کیسے دیں؟ اس کے ذہن میں جو اسلام کا نقشہ جاہل حضرات نے کھینچ دیا ہے، اسے مٹا کر نیا خاکہ کیسے کھینچا جائے؟ ابھی ذہن امیچور ہے، ذہانت کی بھی کمی نہیں۔ اب اسے چینلائز کیسے کیا جائے؟

"بیٹا! اگر تم اجازت دو گی تو تمہیں کل اپنی مصروفیات میں سے کچھ وقت نکال کر چند اصول بتانا چاہوں گا۔" وہ کچھ ہچکچاتے ہوئے بولے۔

"ضرور بابا! اس میں اجازت کی قطعاً ضرورت نہیں۔ آپ کی باتیں مجھے بری نہیں لگیں۔" وہ مسکراتے ہوئے بولی۔ "کل سے میں باقاعدگی سے سکول جانے لگوں گی۔ کیوں بابا؟ پھر آگے چلیں گے۔"

"میں تم پر فخر کرتا ہوں مائی سویٹ ہارٹ! زیادہ ذہین و فطین بچے تم جیسی حسین فطرت کے ساتھ پیدا ہوتے ہیں۔ قصور میرا تھا کہ اپنے تمام فرائض کو صرف روزی کمانے تک ہی محدود رکھا۔ میں کس قدر نادان تھا۔ تمہاری ماں کا جواب نہیں جس نے کبھی ہمت نہ ہاری۔" وہ اسے پیار سے اپنے ساتھ چپکا کر بیٹھے تھے۔ حالانکہ اس کے کپڑوں اور جسم کی بدبو نے سانس لینا دوبھر کر دیا تھا۔ مگر وہ اسے برداشت کر گئے تھے۔ کیونکہ وہ ان کی ہر بات کو اہمیت دے رہی تھی۔ اس کے چہرے پر ندامت کے سنگ بے تحاشا تابعداری تھی۔ مگر ماں کے لئے یکدم سختی عود کر آئی۔

''بچپن سے ہی ممی جانتی تھیں کہ مجھے نصیبو کے سکول میں پڑھنے کی خواہش تھی۔ مگر ہر بار ممی نے مجھے لعن طعن اور مار پھٹکار کر کے خاموش کرا دیا۔ آپ تک پہنچنے کی ہمت تو ممی ختم کر دیا کرتی تھیں۔'' وہ شکایتی انداز میں بولی تو آسیہ نے منہ دوسری طرف موڑ لیا۔ کیونکہ وہ سچ ہی تو کہہ رہی تھی۔ اسے اس کیس کی مِس ہینڈلنگ کا احساس ہونے لگا تھا۔ اس لئے یہ الزام تراشی تو نہ تھی۔ پھر بحث و مباحثہ کس بنیاد پر ہوتا؟

''بیٹا! اب بے فکر ہو جاؤ۔ آج سے میں صبح فجر کی نماز کے لئے تمہارے ساتھ ہی اُٹھ جایا کروں گا اور صرف آدھا گھنٹہ ہم باپ بیٹی ایک دوسرے کے خیالات سے کھیلا کریں گے۔ کچھ میں تم سے سیکھوں گا اور کچھ تم مجھ سے سیکھو گی۔ ٹھیک ہے نا؟'' وہ مسرت آگیں لہجے میں بولے۔

''بالکل ٹھیک۔ آئی لو یو فار دیٹ بابا! مگر ایک شرط ہے۔'' وہ خوش ہوتے ہی بجھ گئی۔

''بولو بیٹا! بے مشروط زندگی کا مزا ادھورا ہی رہتا ہے۔ اس میں کہیں نہ کہیں کچھ حدیں، توازن اور پابندی ہو تو بہترین ہے۔'' وہ مسکرا دیئے تھے۔

''ممی ہم دونوں کے درمیان نہیں ہوں گی۔ کیونکہ انہوں نے مجھے ہمیشہ ہرٹ بھی کیا اور میری ایک نہ سنی۔ بس اپنے خیالات میرے ذہن میں گھول کر ڈالنا چاہتی تھیں۔ بابا! ڈنڈے کے زور پر دوسروں کے خیالات بدلتے ہیں نہ ہی ان کی کوئی اہمیت ہوتی ہے۔ ممی نے ہمیشہ مجھے دھتکارا۔ ہر ایک کے سامنے ذلیل و رسوا کیا۔ صرف اس لئے کہ میں اس پاک ذات کی کھوج میں تھی۔ بلکہ ممی کو چاہئے تھا کہ اسے تلاشنے میں میری مددگار ہوتیں۔ مجھے دنیا سے نفرت کرنا انہوں نے سکھایا ہے۔'' وہ نفرت آگیں لہجے میں بولی۔

''ایسی بات نہیں بیٹا! دل سے ماں کے بارے میں تمام منفی خیالات کو نکال دو۔ ماں سے دوستی کر لو۔ میرے ساتھ تمہاری دوستی اور پکی ہو جائے گی۔'' وہ ہنستے ہوئے بولے تو حرم نے نظریں جھکا لیں۔

''آسیہ! میری بیٹی جیسے چاہے گی، اس کے بابا تو ویسا ہی کریں گے۔ امید ہے تمہیں اعتراض نہیں ہو گا۔ کیونکہ میں جانتا ہوں کہ حرم تمہیں باقی بچوں سے بڑھ کر عزیز ہے۔ جو تم نے اپنا، میرا اور حرم کا دن رات کا سکون غارت رکھا۔''

انہوں نے آسیہ کو آنکھ ماری تو وہ ان کی بات کا مدعا سمجھ گئی۔

''میں بھی ویسا ہی کرنے کے لئے تیار ہوں۔'' آسیہ نے ہنستے ہوئے کہا۔ ''جیسے میری حرم خوش اور مطمئن ہے۔ میں اسی میں ہی خوش ہوں۔''

حرم نے اچنبھے سے ماں کی طرف دیکھا کہ آج تو وہ ایک مختلف ماں لگ رہی تھی۔ چہرے پر نفرت و حقارت کے بجائے محبت کی پرچھائیاں تھیں۔ زبان میں زہر کے بجائے شہد کی گھلاوٹ تھی۔ ہو سکتا ہے یہ بابا کے سامنے ایکٹنگ کی جا رہی ہو جو وقتی ہو۔ یہ ناممکنات

میں سے ہے۔ حرم نے دکھ سے سوچا۔

''پھر بھی آپ ہم دونوں کے درمیان ہڈی کا رول ادا نہیں کریں گی۔'' وہ سختی سے بولی تو آسیہ مسکرا کر رہ گئی۔

''شرط قابل قبول ہے۔'' فیضان نے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا تو حرم نے اپنا ہاتھ ان کے ہاتھ میں دے دیا۔ آسیہ نے خوشی سے سرشار ہوتے ہوئے دونوں بازو اوپر اٹھائے اور بلند آواز میں بولی۔

''میں نے ہتھیار پھینک دیئے۔''

''ہینڈز اپ کا مطلب تو میری بیٹی سمجھتی ہے نا۔'' فیضان خوش دلی سے بولے تو حرم نے ماں کے مسکراتے چہرے کی طرف دیکھا۔

''حرم قید با مشقت کا اعلان کر سکتی ہے مگر اصولاً گولی نہیں چلا سکتی۔'' آسیہ نے پیار بھرے لہجے میں کہا تو حرم قریب بیٹھی ہوئی ماں کی آغوش میں سر رکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی تو ماں باپ کے آنسو بھی اس کے آنسوؤں میں شامل ہو گئے۔

''مجھے فقط ایک بات کہنے کی اجازت چاہئے۔'' آسیہ توقف کے بعد آنسو صاف کر کے خوش دلی سے بولی۔

''ممی! گنہگار تو نہ کریں۔'' حرم نے عقیدت مندانہ لہجے میں کہا تو آسیہ نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا کہ باپ کی چند باتوں میں ایسا کون سا جادو تھا کہ اس کا لب و لہجہ ہی بدل گیا تھا۔

''بیٹا! میں جانتی ہوں کہ تم اپنے رب کے بہت نزدیک ہو۔ کیونکہ اس کے احکامات پر چلنے کی کوشش کر رہی ہو۔ بیٹے! میں نے غربت میں صفائی اور سلیقہ مندی دیکھی ہے۔ رکھ رکھاؤ اور دنیا داری پائی ہے۔ تم اپنے تمام ملازموں کو صفائی ہمارا نصف ایمان ہے، اس پر درس دینا شروع کر دو۔ نہ کہ ان کی راہ پر خود چل نکلو۔ ان کے لئے یہ کام کر جاؤ۔ پھر دیکھو اس کے فوائد۔ ان کی اچھی خصلتیں اپناؤ تا کہ وہ تمہاری خوبیوں اور اچھائیوں سے بہترین سبق سیکھیں۔ ان کی اخلاقیات سے گری ہوئی باتوں اور حرکتوں پر احتجاج کرو۔ انہیں زندگی کو بہتر طریقے سے گزارنے کے گُر سکھاؤ۔ ان کی زندگیوں میں انقلاب آ جائے گا۔''

''بیٹا! جب انہیں اپنی زندگی کی قدر و قیمت کا احساس ہو گا تو وہ ہم سے اپنی رہائش کی صاف ستھری جگہ کی ڈیمانڈ کریں گے۔'' فیضان نے سوچتے ہوئے کہا۔ ''بغیر مانگے تو ماں بھی بچے کو دودھ نہیں پلاتی۔ یہ انسانی فطرت ہے۔''

''بابا! میں سمجھ گئی۔ ممی! تھینک یو۔'' وہ آسیہ کو پیار کرتے ہوئے اپنائیت اور لگاوٹ سے بولی۔ ''ممی! آپ درست فرما رہی ہیں۔ اب مجھے بہت سکون کی نیند آئے گی۔ اس لئے گڈ نائٹ مائی سویٹ ہارٹ۔'' وہ اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

''حیرت کی بات ہے فیضان! کہ حرم نے اتنی لمبی چوڑی نصیحتیں سن لیں۔ جبکہ میری زبان سے ادا کردہ ایک لفظ اس کے تن بدن میں آگ لگا دیتا تھا۔ آج آپ کی زبان سے ادا کردہ سینکڑوں حروف نے آگ کو ٹھنڈا کرنے میں کمال کا کام کیا ہے کہ اس نے میری بھی سن لی۔ واہ!'' آسیہ خوش ہوتے ہوئے بولی۔

''بیگم! مابدولت کو باپ، والد اور بابا کہتے ہیں۔'' وہ فخر سے اکڑ کر بولے تو لاؤنج میں قہقہے گونج اٹھے۔

□.......○.......□

''مطلب یہ ہوا کہ تم اپنی جگہ پر قائم ہو۔ میں ذرا سا کھسک گیا ہوں اپنی جگہ سے۔ ہمیشہ ہی تمہارے سامنے کمزور پڑ جاتا ہوں۔ تم ٹھیک کہتی ہو کہ بزنس میں کبھی حرام سے بھی برکت ہوئی ہے؟ آسیہ! نہ چھوڑنے کے بہانے ہیں سب اور خود کو بے وقوف بنانے کے۔'' وہ سنجیدگی سے بولے تو آسیہ نے پُرتسکین سانس لیا۔

''آسیہ! میں نے دو دن اور دو راتوں کے ہر لمحے میں تمہارے مشورے کے بارے میں سوچا ہے۔ مجھے آبادی اور بربادی کے دونوں راستے نظر آئے ہیں۔ آج سے چند سال پہلے میں ایسی نصیحت سننے کے لئے قطعاً تیار نہیں تھا۔ تمہیں دھمکی دے کر ہراساں کرنے پر معافی کا خواستگار ہوں۔'' وہ نادم سے ہو کر بولے۔

''ایسا مت کہیں۔ ابھی ہماری زندگی کی شام نہیں ہوئی۔ بھری دوپہر ڈھلنے کو ہے۔ بہت جلد ہوش میں آنے اور فیصلہ کرنے کی مبارکباد پیش کرتی ہوں۔ اب ہماری آنے والی نسلیں کبھی بھی برباد نہیں ہوں گی۔ ہمارا خاندان عبرت کی تصویر نہیں بنے گا۔ ہنستے بستے سرسبز و شاداب محلات کھنڈرات میں تبدیل نہیں ہوں گے۔ وہاں ایک کے بعد دوسری نسل براجمان ہوتی رہے گی۔ اور یہ نسلوں کا پہیہ قیامت تک چلتا رہے گا۔''

اس کی خواہش آناً فاناً پوری ہو جائے گی، اس نے کبھی سوچا بھی نہ تھا۔ جس کی وجہ سے اسے طلاق کی دھمکی ملی تھی، آج اسے چھوڑنے کی بات ہو رہی تھی۔ خوش آئند تبدیلی پر وہ مسرت وانبساط میں جھوم اُٹھی تھی۔ وہ پھر گویا ہوئے۔

''حرام خوشیاں نہیں دیتا بلکہ چھین لیتا ہے۔ ہم پر بھی آزمائشیں آئیں۔ کٹھن امتحان پاس کیے۔ تھینک گاڈ کہ پاک ذات نے ہماری رسّی دراز نہیں کی۔ تمام مشکلات تمہارے صبر و حوصلے کی وجہ سے کٹ گئیں۔ اس کا مجھے احساس ہے۔ بیگم! اب مجھے اپنے خون سے حرام کو چھان کر الگ کرنا ہے۔ پھر اس جنت میں جہاں میری آسیہ نامی حور رہائش پذیر ہے اپنے بچوں کے ساتھ، اس جنت کو پاک کرنے کی ضرورت ہے۔ کہیں ہماری معصوم بچیوں کے مقدر پر اس کی چھاپ نہ لگ جائے۔ اب مجھے حرم کے فیوچر کی فکر نہیں رہی۔ بادل چھٹ رہے ہیں۔ ارادہ تو میں نے کر لیا ہے، فیصلہ کرنا اور اس پر قائم رہنا اسی کی طرف سے غیبی مدد آئے

گی تو ہو گا۔ میں جانتا ہوں کہ ڈرنک چھوڑنا میرے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ لیکن میں یہ بھی جانتا ہوں کہ میرا سرکل، میرے دوست احباب سب مجھے چھوڑ جائیں گے۔ عمر کے اس حصے میں نئے دوست کہاں سے ڈھونڈوں گا؟ کیا اکیلا خوش رہ سکوں گا؟ ڈپریس تو نہیں ہو جاؤں گا؟ اس کے بزنس پر کیا اثرات ہوں گے؟''

''فیضان! میں جانتی ہوں کہ وے آف لائف بدلے گا۔ یہ آسان کام نہیں ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ کہیں آپ بدک ہی نہ جائیں۔ اور دوبارہ شراب پینا شروع ہی نہ کر دیں۔ کیونکہ شیطان کا گھروندہ بہت مضبوط ہوتا ہے جو پکے ارادوں کے وار سے ٹوٹ سکتا ہے۔ ذرا سی بھی لڑکھڑاہٹ ہوئی تو شکست ہماری اور جیت اس کی ہے۔'' وہ سنجیدگی سے بولی۔

''بھئی اس میں میرا کمال ہے نہ ہی تمہاری نصیحت و مشورے کا۔ کرم و فضل تو میرے رب کی طرف سے نازل ہوا ہے۔ نورانی بارش دینے والا وہ ہے، ہم نہیں۔ ہمارے ارادوں کو فیصلوں میں بدلنے والی وہ پاک ذات ہے۔ اور فیصلوں میں کامیابی بھی اسی کی رحمتوں کی مرہونِ منت ہے۔'' وہ بھی سنجیدگی سے بولے۔

آسیہ حیرت سے اُنہیں دیکھنے لگی تھی۔ کیونکہ آج تک انہوں نے دن میں ایک نماز کے بعد دوسری نماز کبھی ادا نہیں کی تھی۔ قرآن مجید رمضان المبارک میں پڑھنے کے بعد سال بھر کے لئے بند کر دیا جاتا تھا۔ آسیہ اشارتاً اور حرم احتجاجاً احساس دلانے کی کوشش کرتیں تو جواب ندارد۔ لیکن شراب ایک میجر ایشو تھا جسے وقتاً فوقتاً آسیہ دبے لفظوں میں ہوا دینے سے باز نہ آتی تھی۔ بات تو حیرت کی تھی کہ آسیہ نے آج جھجکتے اور سہمتے ہوئے ریکویسٹ کی تھی۔ شاید وہ وقت دعا کی قبولیت کا تھا کہ زندگی کا اتنا بڑا فیصلہ آسانی سے ہو گیا۔ اب ثابت قدمی بھی اسی ذات کی طرف سے بطور انعام ملے گی۔ جسے آگہی، شعور اور سمجھ بوجھ نہ ہو تو اللہ تعالیٰ بھی عفو و درگزر سے کام لیتا ہے۔ جب ایک تعلیم یافتہ، دانشمند اور دور اندیش انسان سوچ بچار کرنے سے کتراتا ہے تو شیطان اس کا رازداں بن جاتا ہے۔ اور ہمدرد و مربی بن کر اس کی کمزوریوں سے فائدہ اُٹھا کر مفلسی، محتاجی اور تنہائی کی ذلتوں اور رسوائیوں سے ڈراتا ہے تو انسان دلدل میں کھبتا چلا جاتا ہے۔

دونوں خاموشی سے سوچے جا رہے تھے کہ اس فیصلے کے بعد آگے کیا ہونے والا ہے۔ اس بھید کا پردہ ابھی تک سرکا نہ تھا۔

□......○......□

حرم غور و خوض کرتی رہی۔ بابا کی باتیں دل کو جا لگی تھیں۔ آسیہ کی شرمندگی اور افسوس کی سچائی پر دل جھوم اٹھا تھا۔ پہلی بار بابا نے مجھے اہمیت دی اور فکرمندی کا اظہار کیا۔ جبکہ بابا کے پیار میں کمی نہ تھی۔ مگر میری زندگی میں انہیں کوئی دلچسپی نہ تھی۔ یکدم بابا کو میرا خیال کیسے آ گیا؟ کیا خوب صورت مثالیں اور باتیں یاد آتی ہیں اُنہیں؟

اسی نشے میں دن گزرتے گئے اور وہ سنبھلتی گئی۔
ایک صبح کے انتظار میں اس نے اپنی کپڑوں کی الماری سے پرانے بوسیدہ کپڑے، گھسے ہوئے جوتے نکال کر کمرے سے باہر دروازے کے سامنے ڈھیر لگا دیئے۔ پرانے تولیے اور چادریں بھی اسی ڈھیر کا حصہ بن گئی تھیں۔ پھر کمرے کو صاف کرنا شروع کیا۔ پاکیزگی نصف ایمان ہے اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ جس پر میں اپنی رحمتوں کے دروازے کھول دیتا ہوں تو وہ شکرانہ ادا کرے۔ اور میری عطا کردہ نعمتوں کو دوسروں پر ظاہر کرے۔
وہ سوچتی جا رہی تھی۔ اب سوچ منفی نہیں تھی۔ وہ مسلسل اللہ تعالیٰ کے حضور معافی کی عرضداشت بھیج رہی تھی جس نے اس کی نعمتوں کو ہر دم ٹھکرایا تھا۔ ماں کی جی بھر کر گستاخی کی تھی۔ اور اس نے ہمیشہ اسے معاف کر کے سینے سے لگا لیا تھا۔ سچ ہے کہ میری ماں جیسی عظیم عورت اس دنیا میں دوبارہ پیدا نہیں ہوگی۔ کاش اب نصیبو سے ملاقات ہو جائے تو اسے اپنی نئی دنیا کی سیر کراتے ہوئے اسے اپنے جیسا بنا لوں گی۔ نہ کہ اس کا روپ دھار کر اس کی دنیا کی باسی بن کر اِک مجرم بن جاؤں گی۔ اب ایسا نہیں ہوگا۔ اب میری بھی سہیلیاں میرا روپ اپنائیں گی جو میرے مالک کو بھی پسند ہے۔

□.......○.......□

''ممی! آپ میری طرف سے ہر وقت فکرمند رہتی تھیں۔ اس کی قطعاً ضرورت نہیں۔ آپ نے فرسٹ ٹائم مجھے دو جملوں کا جو درس دیا ہے، وہ مولوی حضرات کے پانچ سالوں پر حاوی ہو گیا ہے۔ مجھے آپ جیسی ماں آج تک کہیں نظر نہیں آئی۔ تھینک یو ممی! اور سوری بھی ضرور کہوں گی۔ میں نے اتنے سال جو آپ کو پریشان رکھا اور خود کو غلیظ اور میلا، بے ترتیب اور بدسلیقہ، بدلحاظ اور منہ پھٹ، ضدی اور غصیلی۔ مجھے معاف کر دیجئے ممی! میں نے قرآن مجید میں پڑھا ہے، والدین کے سامنے اُف نہ کرو۔ یہ کیسے مولانا صاحب تھے جنہوں نے مجھے ہمیشہ آپ سے ہر بات منوانے کی تلقین کی۔'' وہ ماں کے سامنے سر جھکائے اس کے کمرے میں کھڑی تھی۔ کیونکہ وہ خوشی کے باوجود کئی راتوں سے ایک پل کے لئے بھی سو نہ سکی تھی۔ اس کے کانوں میں ماں کے الفاظ گونج رہے تھے۔ شاید یہ ماں کی سالہا سال کی دعاؤں کا اثر تھا کہ جو اس کے منہ سے نکلے ہوئے چند الفاظ نے حرم کی سوچ کو بدل ڈالا تھا۔ بابا کی چاشنی میں ڈوبی ہوئی باتیں تھیں جنہوں نے زہر کو مار کر اس کے اندر چاشنی بھر دی تھی۔
آسیہ حیرت و اشتیاق سے اپنے بستر سے چونک کر اُٹھی۔ حرم کی گفتگو کانوں میں میٹھا رس گھولنے لگی۔ وہ کرسی پر بیٹھ کر خود کو سنبھالنے کی کوشش کرنے لگی۔ اسے حرم کی باتوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ اگر وہ پیارٹ کی گھلاوٹ کے چند فقروں پر ہی سرعت سے اپنی نئی زندگی کی راہوں پر گامزن ہونے کا عہد کر چکی ہے تو یہ اِک معجزہ ہے جو آج بھی باری تعالیٰ اپنے بندوں کو اپنی شان، رعب اور دبدبے سے دکھاتا ہے۔

''آئی نو ممی! کہ آپ کو یقین نہیں آ رہا۔ جسٹ بی لیو ممی! آئی ایم آلسو ویری سر پرائزڈ کہ یہ سب کیسے ہو گیا؟'' حرم لمبا سانس لے کر ماں کے قدموں میں بیٹھ گئی اور سر ماں کے گھٹنوں پر رکھ لیا۔ ''بابا بہت اچھے ہیں۔ اور آپ ان سے بڑھ کر۔''

''حرم جان! مجھے تمہاری سرخ آنکھوں اور چہرے کی کسلمندی سے لگتا ہے کہ تم رات بھر نہیں سوئی۔ مطلب یہ ہوا کہ اس وقت ذہن بھی مضطرب اور دل بے تاب ہے۔ تمہارا ارادہ اور نیت، فیصلہ اور عہد عارضی اور وقتی بھی ہو سکتا ہے۔ تم دن بھر آرام کرو۔ رات بھر سوؤ۔ پھر خود کو سوچ بچار کا وقت دو۔ اس کے بعد جو بھی عہد اپنے باری تعالیٰ سے کرو گی، وہ ایفا ہی ہو گا۔ سکول جانا کب سے شروع ہے، اس کے بارے میں فیصلہ فوری طور پر ہو جانا چاہئے۔ کیونکہ وقت گزرے جا رہا ہے۔''

ماں پیار و لگاوٹ سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بول رہی تھی۔ اس کے بال بھیگے ہوئے تھے اور شیمپو کی ہلکی سی مہک نے آسیہ کو دل کی گہرائیوں سے ہراساں و پریشان کر دیا۔ اس نے اس کے کپڑوں کی طرف نظر دوڑائی۔ صاف ستھرے استری شدہ لباس کو زیب تن کئے دیکھ کر مزید تجسس میں چلی گئی۔ پاؤں میں ربڑ کی گھسی ہوئی چپل کی جگہ صاف ستھری چمڑے کی نئی فلیٹ چپل تھی جو پرسوں ہی اس کے کمرے میں رکھ دی گئی تھی۔ حیرت کی بات کہ ابھی تک کسی سہیلی کے پاؤں تک نہ پہنچی تھی۔ کیونکہ یہ تو روز کا معمول تھا کہ اس کے لئے ہر نئی چیز کا استعمال گناہ کبیرہ تھا۔ کیونکہ بقول مولوی صاحب ایسی قیمتی اور نئی اشیاء پر اس کا نہیں، اس کی تمام غریب، مسکین اور بے کس سہیلیوں کا حق تھا۔ ورنہ یہی اشیاء دوزخ میں اسے تپ تپ کر لگیں گی۔

''ممی! پلیز حیرت کی دنیا سے باہر تشریف لے آئیں۔'' وہ کچھ نادم سی ہو کر مسکرائی۔

''میں نے بابا سے جو وعدہ کیا تھا، وہ بدستور قائم رہے گا۔'' وہ ماں کے گھٹنوں پر ہی بوسے دینے لگی۔ ''میں بڑی ہو گئی ہوں۔ یقین کریں، میں بہت کچھ جان گئی ہوں۔ اب میں تصویر کا روشن رخ دیکھ رہی ہوں۔''

''حرم جان! یہ سب کیسے ہوا؟ کہیں میں اِک سہانا سپنا تو نہیں دیکھ رہی؟ تم اپنی بات پر جمی رہو گی نا؟'' وہ بے یقینی سے بولی۔

آسیہ نے سر جھکا کر اس کے نکھرے اُجلے بالوں پر بوسہ دیا۔ ایسا پیار کئے تو جیسے مدت ہی ہو گئی تھی۔ کیونکہ وہ نصیبو کی طرح کبھی کبھار ہی تو نہایا کرتی تھی، وہ بھی صوفی سوپ سے۔ جس کی بُو اس کے جسم اور بالوں پر چپک کر رہ گئی تھی۔ اسکول میں بھی اسے تمام ٹیچرز حقارت کی نظر سے دیکھا کرتی تھیں۔ کلاس فیلوز اس کے پھٹے ہوئے ہاتھ اور اُلجھے ہوئے بدبودار بال دیکھ کر اس سے دُور بھاگنے کی کاوش میں رہتیں۔ اسے برا بھلا کہتیں، نفرت کا اظہار کرتیں۔ حرم کو اپنی توہین کے بجائے ان کی دھتکار پر فخر ہوتا۔ کیونکہ اسے سبق ہی یہی دیا گیا

تھا کہ اللہ تعالیٰ کو بے پروا اور ہر طرح کے لالچ سے محفوظ مسلمان بہت پسند ہیں۔ وہ انہیں سیدھا جنت میں لے جائے گا۔ جہاں دودھ کی نہریں بہہ رہی ہوں گی، شہد کی نہریں اور ہر طرح کے پھل درختوں، پودوں اور بیلوں پر لٹک رہے ہوں گے۔ جن لوگوں نے یہاں کی عارضی زندگی کو ان تمام نعمتوں میں گزار دیا، وہ تو سراسر جہنم کی آگ کا حصہ بن جائیں گے۔

حرم ہمیشہ اپنے کمرے کا تمام پھل، ڈرائی فروٹ اور نمکو مولوی صاحب کے ساتھ رخصت کر دیا کرتی تھی۔ اور رہی سہی کسر نصیبو نکال لیتی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ حرم بے حد پتلی دُبلی، بیمار اور مزاجاً خاصی چڑچڑی ہو چکی تھی جس پر ماں کے سمجھانے کا رتی بھر اثر نہ ہوتا تھا۔ آج اسے تمام مولوی حضرات کی باتیں یاد آ رہی تھیں جو بے بنیاد اور غیر موزوں تھیں۔

وہ ماں کے سوال پر اس کے قدموں سے اُٹھی اور ساتھ والی آرام دہ کرسی پر بیٹھ گئی اور ماں کے ہاتھ کو پکڑ کر حیرت سے بولی۔

''مجھے نہیں معلوم ممی! کہ میرے دل نے پلٹا کیسے کھایا؟ بہت مشکل سوال ہے۔ اور جواب تو ہے ہی ناممکن۔''

''میری جان! جب آپ کو میرے سوال کا جواب مل گیا تو پھر ہم اس موضوع پر طویل گفتگو کریں گے۔'' وہ اس کے کھردرے ہاتھ پر بوسہ دے کر بولی۔

''یعنی آپ کو مجھ پر قطعاً بھروسہ نہیں۔ ممی! حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قول پر تو آپ کو مکمل طور پر یقین ہوگا کہ ارادوں کے بدلنے سے میں نے رب کو پایا۔ مجھے اپنے رب سے بے پناہ عقیدت ہے۔ اس نے مجھے اپنی پہچان تو کرائی تھی نا۔ بس یہی سمجھیں کہ میں نے آج اپنے مالک کو پالیا۔ یہ سب اتفاقاً نہیں ہوا ممی! آپ کے اور بابا کے منہ سے نکلے ہوئے چند الفاظ آپ کے نہیں تھے۔ وہ اللہ تعالیٰ بول رہا تھا۔ جو میرے دل میں کھب گئے۔ کیونکہ میرا مالک بھی تو مجھ سے پیار کرتا ہے نا۔'' وہ عقیدت و احترام سے بولی۔

''بیٹا! مجھے تم پر یقین ہے۔ وقت کی سفا کی اور ستم ظریفی پر بھروسہ نہیں۔ اگر تم نے مستحکم عہد و پیمان اپنے رب سے کرلیا ہے کہ تم اپنی بساط کے مطابق اس کی غریب مخلوق کو شعور سکھاؤ گی، ان کے سامنے بہترین مثال بن کر ان کی زندگیوں کو بدل دو گی تو یہ ہے اپنے حقیقی مالک کی راہ میں جہاد اور صدقۂ جاریہ۔ یہ بات ذہن نشین کر لو کہ اللہ تعالیٰ سے کیا ہوا وعدہ پورا ہونا لازم ہے۔ جب میری دوستوں میں سے کوئی دوست حجاب کی طرف مائل ہوتی ہے تو میں اسے بھی یہ بات کہتی ہوں کہ کیا تم نے حجاب اوڑھنے کا فیصلہ سوچ سمجھ کر کیا ہے یا اپنے پسندیدہ سکالر کے درس کا وقتی اور عارضی اثر ہے؟ تو وہ سوچنے پر مجبور ہو جاتی ہیں کہ مجھے اللہ کے احکامات کو اوّلیت دینی چاہئے جو عین قرآن کے مطابق ہوں۔ میرا پسندیدہ سکالر مجھ تک جو پیغام پہنچا رہا ہے اس میں کہیں ذہنی اختراعات سے کالے کو سفید تسلیم کرنا مقصود تو نہیں؟ کیونکہ حجاب مذاق ہے، نہ ہی ڈرامہ کہ آج اوڑھا اور جب درس کے اثرات ختم ہوئے تو اُتار

پھینکا۔ اور پھر ہزار حجتوں اور حیلے بہانوں کا سہارا لے کر اپنے گناہوں میں مزید اضافہ کر ڈالا۔ ہمارے مذہب میں مستقل مزاجی اوّل شرط ہے۔ پھر آہستہ آہستہ ہر سانس کے ساتھ تاریکی پر نور غالب آتا چلا جاتا ہے۔ آج تمہیں میرے چند جملوں نے سرتا پا بدل ڈالا ہے۔ ابھی بھی وقت ہے، سوچ لو۔ کیونکہ اس کے بعد تمہاری واپسی ناممکن ہو جائے گی۔ ایک مسلمان کے گھرانے میں درس و تدریس کا گزر ہو یا نہ ہو، بنیادی اصول ہر بچے کو گھٹی میں بخش دیئے جاتے ہیں۔ ان اصولوں کی تہہ تک پہنچنے کے لئے ہمیں پڑھے لکھے سکالر کا سہارا لینا چاہئے جو قرآن و سنت سے ہٹ کر درس دینے کا گناہِ کبیرہ کرتے ہوئے باری تعالیٰ کی ناراضگی سے خوف زدہ رہتے ہوں۔ قصور تمہارا نہیں۔ میرا انتخاب ہی ہر بار غلط رہا۔“

”ممی! بی لیو می۔ خدمتِ خلق کا طریقہ جو آپ نے گوش گزار کر دیا ہے، بہت مناسب اور قابل تحسین ہے۔ آپ کا چھوٹا سا درس سالوں کے درس پر بھاری پڑ گیا۔ اور بابا کا تو جواب ہی نہیں۔“ وہ ہنستے ہوئے بولی تو آسیہ کی آنکھوں میں مسرت کی روشنائی پھیل گئی۔

□.......○.......□

حرم کا رزلٹ آؤٹ ہونے میں چند گھنٹے باقی تھے۔ آسیہ اور فیضان کو شدت سے انتظار تھا۔ جبکہ حرم مطمئن اور پُرسکون تھی۔ نہ غم و فکر تھا فیل ہونے کا، نہ ہی اشتیاق تھا پاس ہونے کا۔

جب میٹرک میں تھرڈ ڈویژن لے کر کامیاب ہوگئی تو بھی ذہن و قلب میں فرسٹ ڈویژن لینے کی اُمنگ نہ اُبھری تھی۔ آسیہ اور فیضان وقتی طور پر مضطرب ہوئے۔ یہ فطری امر تھا۔ مگر حرم کے سامنے خوشی کا اظہار کئے بغیر چارہ بھی تو نہیں تھا۔ حرم نے خوب داد وصول کی اور اگلے ہی دن ایف جی کالج فار گرلز میں اس کا ایڈمیشن ہو گیا۔

وہ پہلے ہی کافی حد تک سنبھل چکی تھی۔ ہر مہینے وہ کوارٹروں کا دورہ کرتی اور سب کے ساتھ مل کر وہاں کی صفائیاں کراتی۔ اور اپنی سہیلیوں کو صاف ستھرا رہنے کی تلقین کرتی۔ صابن، سرف، شیمپو اور ٹوتھ پیسٹ سب میں تقسیم کرنے سے اُسے ذہنی و قلبی سکون ملتا اور روح خوش ہو جاتی۔ اب قرآن پاک کو سمجھ کر پڑھنے سے اس کی ذہنی صحت بحال تو ہو ہی گئی تھی۔ اس نے ماہم اور ماہا کو بھی پڑھانا شروع کر دیا تھا۔ اس کے ٹیبل پر ہر وقت دینی کتابوں کے ڈھیر لگے رہتے تھے۔ گھر کے ماحول کی کشیدگی ختم ہوگئی تھی۔ حرم کی زندگی میں توازن کی وجہ سے ہر وقت کی فکرمندی و پریشانی کی جگہ طمانیت نے لے لی تھی۔

فیضان کی شام ڈھلے واپسی ہو جاتی۔ دولت دونوں ہاتھوں سے اکٹھی کرنے کا لالچ بیٹے کو حاصل کرنے کے بعد ایسا مدھم پڑا کہ زندگی میں چین و سکون آ گیا۔

□.......○.......□

”جس محفل میں باری تعالیٰ کا نام لیا جائے تو اس محفل میں رحمتیں نازل ہونے لگتی ہیں۔

بھلا یہ کیسے ممکن تھا کہ آپ کے کاروبار میں فضل و کرم کی کمی رہ جاتی۔ آپ کے رزق میں برکت کی بہتات نہ ہوتی۔ ہم کمزور اور بے بس لوگ شیطان کے ہتھکنڈوں میں پھنس کر مزید لاغر ہو جاتے ہیں اور انسان کا غیب پر یقین و اعتماد رکھنا جس قدر مشکل ہو جاتا ہے۔'' آسیہ نے مسرت آگیں لہجے میں کہا۔ ''ایمان مستحکم ہو تو پھر ہر غیبی، اَن دیکھی اور انجانی شے پر اندھا یقین بن جاتا ہے ہی بڑھتا چلا جاتا ہے اور انسان فسوں کے ہالے میں ایسا بے نیاز ہوتا ہے کہ آکاش کو چھونے لگتا ہے۔''

''آسیہ! مجھے اس بات پر یقین ہو گیا ہے کہ انسان جس چیز کے پیچھے بھاگتے وقت خود سے بے گانہ ہو جاتا ہے تو وہ چیز اس کی دسترس سے دور ہو جاتی ہے۔ اور آخر ایک دن وہ اوندھے منہ زمین پر ایسا گرتا ہے کہ پھر اُٹھ نہیں سکتا۔ میرے ساتھ ایسا ہی سانحہ پیش آیا تھا۔ اب میں دولت کے پیچھے نہیں بھاگتا۔ دل میں طمع ہے نہ لالچ و غرض ہے تو اب دولت میرا پیچھا نہیں چھوڑتی۔ مٹی کو چھوتا ہوں تو سونا بن جاتی ہے۔ مجھے بیتے ہوئے اس وقت کا بے تحاشا پچھتاوا اور دکھ ہے جو میں نے خودغرضی میں گزار دیا۔ بچوں کے بچپن کے حسین دنوں کو انجوائے کیا، نہ ہی تمہاری رفاقت سے محظوظ ہوا۔ بس ہر وقت افراتفری کے عالم میں شعور پر بھی دھند چھائی رہی اور نہ قوتِ سماعت نے ساتھ دیا، نہ قوتِ بینائی کام آئی۔'' فیضان کے لہجے میں اِک کسک تھی۔ آسیہ نے مسکرا کر موضوع بدل ڈالا۔

''تو پھر فیضان! ہم سنگاپور کب جا رہے ہیں؟ وقت اچھی باتیں کرنے کا ہے۔''

''سب سے پہلے ہم عمرہ کی سعادت حاصل کریں گے۔ شان کا سمسٹر ختم ہونے میں چند دن باقی ہیں۔ اس بار یعنی فرسٹ ٹائم اس کی چھٹیاں اس کے لئے بہت بڑا سرپرائز ہوں گی۔ ابھی حرم کو بھی بتانے کی ضرورت نہیں۔ اس خوشی میں اپنی پڑھائی کی طرف سے بالکل ہی غافل ہو کر بیٹھ جائے گی اور صبح دوپہر شام میرا دماغ چاٹ جائے گی۔'' وہ خوش دلی سے بولے۔

''ایکسٹریمسٹ تو پرلے درجے کی ہے نا۔ لگتا ہے اس نے اپنی ماں کی فطرت پائی ہے۔'' وہ آہستگی سے بولی۔

''بھئی ہمارے بچوں سے قطعاً مماثلت نہیں رکھتی۔ یوں سمجھو کہ ایک مغرب ہے تو دوسرے مشرق۔ تو مجھے تمہاری سوچ سے اتفاق کیوں نہیں ہو گا؟'' وہ سنجیدگی سے بولے۔

''لیکن اس کی شرافت اور پاکیزگی میں تمہارا دخل ہے۔ اس کے علاوہ کوئی رنگ ہم سے نہیں لیا۔''

اسی اثناء میں حرم کالج سے واپس گھر پہنچ گئی۔ اس نے لاؤنج میں داخل ہوتے ہی حجاب اُتار کر صوفے پر پھینک دیا اور سنجیدگی سے بولی۔

''گرمی کے موسم میں حجاب اوڑھنا بہت ناگوار گزرتا ہے۔ مگر کیا کروں؟ مجبوری ہے۔

اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔ ممی! آپ نے اور ماہا نے ابھی تک اس حکم کے بارے میں کچھ نہیں سوچا۔‘‘

’’ابھی مجھ میں مستقل مزاجی کی خاصی کمی ہے جان! وہ دن ضرور آئے گا۔ جسٹ ویٹ اینڈ سی۔‘‘ وہ نادم سی ہو کر بولی۔

’’وہ وقت جب ہم پر بڑھاپا طاری ہو جائے گا، حُسن ختم اور بدصورتی کا آغاز ہو چکا ہو گا۔ پھر تو پردہ نہ کرنے پر اللہ تعالیٰ کو بھی اعتراض نہیں ہو گا۔ کیا اس وقت کا انتظار ہے آپ کو؟.....ممی! آپ بہت چالاک ہو گئی ہیں۔‘‘ وہ قہقہہ لگا کر بولی۔ ’’چیٹنگ منع ہے ہمارے مذہب میں۔‘‘

’’اری پگلی! میں اب بھی حسینۂ عالم نہیں ہوں۔ اس لئے مجھے کیا لگے حجاب سے؟‘‘ وہ بے پروائی سے بولی۔

’’ابھی تو میں جوان ہوں۔ کیوں ممی! اس سے انکار کر دیا تو پھر آپ عورت تو نہ ٹھہریں۔‘‘ وہ شگفتہ لہجے میں بولی۔

’’بیٹا! یہ تکرار، بحث مباحثہ اور قیل و قال اس وقت تک ہماری زندگی کا حصہ رہے گی جب تک ہماری حرم ڈولی میں بیٹھ کر اپنے پیا دیس سدھار نہیں جاتی۔‘‘ فیضان نے اسے پیار کرتے ہوئے کہا۔

’’بابا! آپ کی بیٹی گھٹیا لڑکیوں کی طرح ڈولی میں نہیں بیٹھے گی۔ اس لئے کہ اسے اپنے بابا سے بے پناہ محبت ہے۔ اے۔ جی چاچا بتاتے ہیں کہ یہاں سے تھوڑے ہی فاصلے پر ایک محبت و عشق میں مدہوش بڑھیا، بھائی کی قبر کے سرہانے بیس گھنٹے عبادت میں گزارتی ہے۔ اس لئے تو اسے بزرگی کا شرف حاصل ہوا۔ یہ جو آپ کی حرم ہے نا، آپ سے دیوانگی کی حد تک عشق کرتی ہے۔‘‘ وہ ذو معنی بات کہہ کر فیضان کے ساتھ چپک کر بیٹھ گئی۔

’’لو جی۔ ایک نئی سوچ کا نیا انکشاف۔ پلیز حرم! اب ایک نیا ڈرامہ شروع نہ کر دینا۔‘‘ آسیہ زہر خندی ہو کر بولی۔

’’آسیہ! پریشانی کی ضرورت نہیں۔ ہم گھر داماد رکھ لیں گے۔ پھر بابا اس کی ٹک میں بہت پیچھے رہ جائیں گے۔‘‘ وہ چھیڑنے کے انداز میں بولے۔

’’بابا! شادی بھی کوئی رچانے کی چیز ہے؟ جس گھر میں دیکھو، اسی کی وجہ سے پرلے درجے کی بے سکونی ہے۔‘‘ وہ سخت ناگواری سے بولی تو فیضان نے آسیہ کو آنکھ مار کر نہایت سرشاری سے کہا۔

’’ہمارا گھر جنت کا گہوارہ ہرگز نہ ہوتا اگر ہماری شادی نہ ہوتی۔ ہم سے پوچھ کہ اس شادی نے ہمیں کیا کچھ بخشا۔ ایک سٹیبل اور بیلنسڈ لائف دو دلوں کے ملنے سے وجود میں آتی ہے۔‘‘ فیضان نے خوشگوار لہجے میں کہا۔

”لیکن شخصی آزادی تو ہر ایک کے حق کے زمرے میں آتی ہے۔ ایگریڈ؟“ حرم نے ہنستے ہوئے کہا اور اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی۔

”تھینک گاڈ! کہ کم از کم ایک نارمل لڑکی جیسا سلوک اور وطیرہ تو ہے نا۔ ورنہ سابق حرم تو ٹھاہ پھاہ کر کے ہمیں لمبا چوڑا درس دے ڈالتی۔ اور آپ کان کھول کر سن لیں۔ شادی کے اختلاف پر آپ اسے شہہ نہیں دیں گے۔“ آسیہ نے بھی ہنستے ہوئے کہا۔

”بس تو پھر مارے گئے۔ میں جانتا ہوں کہ اس میں بغاوت کے جراثیم ابھی تک موجود ہیں۔ تم بھی یاد رکھنا، اسے ہوا دے کر ضد اور غصے کی حدوں سے دُور ہی رکھنا۔ کیونکہ فطرت بدلا نہیں کرتی۔“ فیضان نے سنجیدگی سے کہا تو آسیہ ایک دم ہی اضطراری کیفیت میں فیضان کی طرف دیکھنے لگی مگر منہ سے کچھ نہ بولی۔ کیونکہ انہوں نے یاد دہانی کرانے میں غلط نہیں کہا تھا۔ بات تو سو فیصد درست اور سچی تھی۔

□......○......□

”اے جی چاچا! باز آ جاؤ شرک کرنے سے۔ ہر جمعے بے جی کی حاضری، دعا، نیاز۔ یہ سب کیا ہے؟ مجھے بالکل پسند نہیں۔“ آسیہ نے اسے قرآن مجید سے آیت پڑھ کر سنائی۔

(ترجمہ) ”اے لوگو! اپنے رب کی عبادت کرو جس نے تمہیں اور تم سے پہلے کے لوگوں کو پیدا کیا۔ یہی تمہارا بچاؤ ہے۔ جس نے تمہارے لئے زمین کو فرش اور آسمان کو چھت بنایا اور آسمان سے پانی اتار کر اس سے پھل پیدا کر کے تمہیں روزی دی۔ خبردار باوجود جاننے کے اللہ کے شریک مقرر نہ کرو۔“

”اے جی چاچا! کچھ سمجھ آئی کہ نہیں؟ ذرا سوچو کہ جس نے ہماری ضروریات پوری کیں، اسے چھوڑ کر دوسروں کو اس کا شریک ٹھہرانا کفر نہیں تو اور کیا ہے؟ توبہ تائب کرو اور اللہ کو ایک مانو اور صرف اسی کی عبادت کرو۔ اسی کے غلام بن جاؤ۔ اسی کے سامنے داد و فریاد کرو۔ جھولی پھیلا کر اس وقت تک دعا مانگو جب تک تمہاری شنوائی نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ ایسے نیکوکار جو بیماری، رزق کی کمی اور اولاد کی طرف سے آنے والی آزمائشوں میں صابر و شاکر رہتے ہیں اور اسی کے سامنے جھکے رہتے ہیں اور اسی کی رحمتوں کے طلب گار ہیں، وہ انھی کے لئے جنت الفردوس کے اعلیٰ مقامات کا فیصلہ کر چکا ہے۔ جو اس کی پیدا کردہ مخلوق میں سے چناؤ کرتے ہیں، غیب کا علم جاننے کی خاطر ان کے سامنے سجدہ ریز ہوتے ہیں، ان کے ہاتھوں کو بوسہ اور پاؤں کو چھونا اور گڑگڑا کر ان سے اپنی بگڑی سنوارنے کی تگ و دو کرتے، یہ سراسر کفر ہے۔ ایمان کی کمزوری کی وجہ سے اسلام سے خارج ہونے کے تمام ہتھکنڈے شیطان کے ہیں۔“ وہ ناراضگی سے بولی۔

”آپ نے درست فرمایا ہے۔ لیکن بیگم صاحبہ! یہ نیک بندے، ولی اللہ بھی تو ہمارے مسائل حل کرنے کے لئے وہی بھیجتا ہے۔ اس گھر کے حالات معجزاتی طور پر بدل گئے۔ یہ

سب کیسے ہوا؟ میں نے آپ کو بتائے بغیر اس گھر کے ہر کونے میں تعویذ دبائے۔ حرم بی بی کو تعویذ دودھ میں گھول کر پلائے۔ صاحب کے لئے بے جی سے چینی دم کرائی۔ آپ کے ذہنی سکون کے لئے ان سے ہر جمعرات دعا کرائی۔ شان بھیا کی سلامتی کے لئے اپنی تنخواہ سے ہر گیارہویں کو دیگ میں حصہ ڈالا۔ بیگم صاحبہ! یہ کفر اور شرک نہیں، اپنے رب سے عقیدت اور [illegible] رہے۔ بے جی نے یہ عظمت اور بڑائی دس سال کی عمر میں ہی پالی تھی۔ انہوں نے اپنی [illegible] مخلوق کے نام لکھ دی۔ وہ اپنی نرم دلی اور خوش خلقی کی وجہ سے اپنے رب کے بہت نزدیک [illegible] کی پیاری ہیں۔ ان کی برکت کی وجہ سے اس علاقے میں چین وسکون ہے۔ معجزے دکھاتی ہیں۔ مریض چارپائی پر آتا ہے، واپس پیدل جاتا ہے۔ جس عورت کا حمل نہ ٹھہرتا ہو، اولادِ نرینہ سے محروم ہو یا بے اولاد ہو، جس پر بھوت پریت کا سایہ ہو، ایک بار دم سے پاگل بھی ہوش میں آجاتے ہیں۔'' وہ احتراماً بولا۔ ''وہ غیب کا علم بھی رکھتی ہیں اور قسمت کا حال بھی بتاتی ہیں۔''

''اسے کہتے ہیں جہالت۔ کیا بے جی نعوذ باللہ ہمارے نبی سے بڑھ کر ہو گئیں جنہوں نے فرمایا ہے (ترجمہ) کہ میں ایک انسان ہوں، اللہ کا بھیجا ہوا پیغمبر ہوں اور نہ غیب جانتا ہوں اور نہ میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں۔ نہ ہی تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں۔ اے جی چاچا! قرآن کریم کی روشنی میں ایک عام انسان بھی دوسروں کے لئے نورِ راہ بن سکتا ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم اسے اپنے رب کے مدِمقابل ٹھہرا کر اس سے رحمتوں کی بھیک مانگیں۔ ہم اسے پیغمبروں، نبیوں اور رسولوں کا درجہ نہیں دے سکتے۔ خدا کے لئے ہم پر رحم کرو۔ یہ ٹونے ٹوٹکے کرنے چھوڑ دو۔ میں کسی تیسرے بندے سے اس خاتون کا حدود اربعہ معلوم کرتی ہوں جس کی وجہ سے اس علاقے میں شرک کی بیماری کینسر کے مرض کی طرح تیزی سے پھیل رہی ہے۔ مجھے یہ بتاؤ کہ قبرستان میں بیٹھنے والی وہ ولی اللہ کیسے ہو گئیں؟ ذہنی مریضہ معلوم ہوتی ہیں بے چاری۔ انہیں کسی ماہر نفسیات کے پاس لے جانے کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں معاف فرمائے اور دنیا کی ذلت و رسوائی اور آخرت کے عذاب سے بچائے۔'' وہ تاسف بھرے لہجے میں بولی۔ ''کاش! ہم نے بروقت اس مقدس کتاب کو پکڑ لیا ہوتا تو ہم پر اتنی آزمائشیں نہ آتیں۔ اس وقت وہ دور ہے جس میں جاہل، اَن پڑھ اور پاکھنڈی، چالباز و شاطر لوگ ولی اللہ ہونے کا دعویٰ کرنے لگے ہیں۔ نعوذ باللہ۔ کیونکہ ہم بذاتِ خود گنوار اور جہالت میں کھبے ہوئے ہیں۔ ہمیں بے وقوف بنانا ہرگز مشکل نہیں...... اے جی چاچا! یہ میری باتیں نہیں، قرآن کریم کے احکامات ہیں۔ ہم میں سب سے بڑا نقص ہی یہی ہے کہ اللہ کے پیغام میں انسان کی شرکت کا گناہِ کبیرہ کیا۔ اور جعلی ... سہارا لے کر اپنی نفسانی خواہشات کا پرچار کیا۔'' وہ سنجیدگی سے بولی۔

''نیکوکار اور عبادت گزار، اپنے رب سے خالص محبت و عقیدت رکھنے والے لوگ

معجزات دکھاتے ہیں نہ ہی غیب کے علم کا اعتراف کر کے اپنے آس پاس لوگوں کا اجتماع چاہتے ہیں۔ جلوت اور خلوت میں وہ اپنے رب کے حضور حاضری دینے کی طلب میں سجدہ ریز ہیں۔ اُن کے پاس ان بے ہودگیوں اور فضولیات کے لئے ایک لمحہ بھی نہیں۔ وہ تو اپنے مالک کی یاد میں غرقاں ہیں۔ تم نے انہیں اللہ کے ساتھ شریک عبادت مان لیا۔ یہ بتاؤ کہ بے جی کے پاس اتنا وقت کہاں سے آ گیا اگر وہ عالمہ دین ہیں۔''

''بیگم صاحبہ! آپ نے مجھے غلط سمجھا ہے۔ میں عبادت تو اپنے رب کی کرتا ہوں۔ بے جی تو ہماری مسیحا ہیں۔'' وہ تڑپ کر بولا۔

''دعا عبادت کا درجہ رکھتی ہے۔ پھر بے جی کے سامنے آہ و بکا کیوں کرتے ہو؟ ان سے قرآن کے مطابق تعلیم حاصل کرو۔ یہ کتاب راہِ حیات ہے۔ زندگی میں نور بکھیر دیتی ہے۔ ہر شے واضح طور پر نظر آنے لگتی ہے۔ اسے سمجھنے کی کوشش کرو۔ تمہیں پڑھنا لکھنا تو آتا ہی ہے۔'' وہ تسلی دیتے ہوئے بولی۔ ''اگر بے جی ان مولوی حضرات جیسی نابلد ہے جنہوں نے حرم کو ذہنی مریض بنا ڈالا تھا تو آئی ایم سوری۔ اس سے دعا کرانا تو کجا، مشورہ لینا بھی گناہِ عظیم ہے۔''

''بیگم صاحبہ! ایسے تو نہ کہیں۔ داتا صاحب اور نظام الدین اولیا بھی تو بہت بڑے بزرگ تھے جن کے در سے آج تک کوئی سوالی خالی نہیں لوٹا۔ میری یہاں کی نوکری بے جی کی دین ہے جی۔ یقین کریں۔'' وہ اعتماد سے بولا۔

''اے جی چاچا! تم ان وزنی دلائل کو نہیں سمجھو گے۔ کہاں وہ بزرگ اور کہاں ہم۔ جنہوں نے رب کے عشق میں دنیا کو تیاگ دیا تھا۔ بھئی نپا تلا یا وافر رزق دینے والا وہی ہے۔ بے جی تمہارے مقدر کو بدل نہیں سکتی۔ اپنی بے جی سے کہو تمہیں ذکرِ الٰہی کے فوائد کا درس دے دیں۔ تعویذ گنڈوں سے پرہیز کریں۔ اللہ تعالیٰ کی پاک ذات میں ذہنی اختراعات کفر ہے۔'' وہ نہایت نرماہٹ سے بولی۔ ''دنیا کو بزرگانِ دین چھوڑ سکتے ہیں یا جنونی اور دیوانے۔ نہ جانے بے جی کس کیٹگری میں آتی ہیں۔''

آسیہ سوچنے لگی تو اے جی نے اپنے جذبات و احساسات اور زبان پر قابو رکھتے ہوئے دکھ بھری نظر آسیہ پر ڈالی۔ کیونکہ وہ بے جی کا پکا مرید جو تھا۔ سر جھکائے اور منہ لٹکائے لاؤنج سے کچن کی طرف چلا گیا۔

'بڑے لوگوں کے یہی کرتوت مصیبت بن کر ان پر برستے رہتے ہیں۔ اب بے جی تک ان کی تمام باتیں تو پہنچ گئی ہوں گی۔ آخر وہ مانی ہوئی بزرگ تو ہیں نا جی۔' وہ برتن دھوتے ہوئے مسلسل سوچے جا رہا تھا اور آسیہ کے تجسس کا پیمانہ ایسا لبریز ہوا کہ اس نے بے جی کی زندگی کے ہر لمحے کو جاننے کا تہیہ کر لیا اور سوچ میں پڑ گئی کہ ان کی اصلیت تک رسائی کیسے ہو؟ قبرستان میں حجرہ اور معصوم لوگوں سے پذیرائی کا مقصد کیا ہے؟ کہیں ڈرامہ اور سراب تو

نہیں؟ آخر اس نے بے جی کے آبائی گاؤں سے بے جی کی عمر کی خاتون کو اپنے فارم ہاؤس بلا لیا۔

□.......○.......□

فاطمہ بی بی تین بھائیوں سے چھوٹی، چوتھے نمبر پر تھی اور تین بھائیوں سے بڑی تھی۔ چھ بھائیوں کی ایک بہن خاصی نخرے باز اور خود پسند بچپن سے ہی تھی۔ دو بھائی بچپن میں ہی چیچک جیسے موذی مرض کا شکار ہو گئے تھے۔ تیسرا بھائی 1918ء کی جنگ عظیم میں لاپتہ ہو گیا تھا۔ اس لحاظ سے فاطمہ بی بی تین بھائیوں سے بڑی ہونے کے ناطے والدین کی آنکھوں کا تارا اور کم عمری میں ہی کرتا دھرتا تھی۔ آٹھ سال کی عمر میں اس کا نکاح اٹھارہ سالہ کزن کے ساتھ اس لئے کر دیا گیا تھا کہ وہ اکلوتا ہونے کے ساتھ زرعی جائیداد کا مالک بھی تھا اور فاطمہ بی بی بھی اپنے باپ کی جائیداد کی حصہ دار تھی۔ اس لئے گھر کی دولت گھر ہی میں رکھنے کے مصداق یہ رشتہ طے ہوا تھا۔

فاطمہ بی بی جب پندرہ سال کی ہوئی تو رخصتی کے پروگرام بننے لگے تو لاڈ پیار میں پلنے والی فاطی نے شادی سے انکار کر دیا۔ گھر میں قیامت برپا ہو گئی۔ کیونکہ ان کے خاندان میں اس قسم کا سانحہ پہلے کبھی پیش نہ آیا تھا۔ باپ نے الگ نرمی و سختی سے وجہ جاننے کی کوشش کی۔ ماں نے اپنے طریقے سے گرمی و سردی کی فضا میں اسے کریدا۔ مگر کوئی خاطر خواہ نتیجہ نہ نکلا۔ اس کے لبوں کی خاموشی نہ ٹوٹی۔ تینوں بھائی جن کی عمریں بارہ، تیرہ اور چودہ کے لگ بھگ تھیں، وہ اُنہیں کسی خاطر میں نہ لاتی تھی۔ اس لئے انہوں نے وجہ دریافت کرنے کی کوشش بھی نہیں کی تھی۔

گاؤں میں خبروں کو مضبوط اور طویل پَر لگ جایا کرتے ہیں۔ جونہی ایک کے کان میں یہ بھنک پڑی، آس پاس کے گاؤں میں رہنے والوں نے بھی دس قیاس آرائیاں کر ڈالیں۔ دبے لفظوں میں موردِ الزام اس کے والدین کو ہی ٹھہرایا گیا تھا۔

اُس زمانے میں مہذب گھرانوں کی بچیاں گھر پر ہی دنیاوی تعلیم حاصل کیا کرتی تھیں۔ یہ تعلیم کتاب و اخبار پڑھنے اور اپنے نام کے دستخط کرنے تک محدود رہتی تھی۔ گاؤں میں نصابی تعلیم کا رواج نہیں تھا۔

دینی تعلیم مدرسہ کے مولوی جی کی بیوی حاجن بی بی سے حاصل کرنے ان کے گھر جانا پڑتا تھا۔ گاؤں کی تمام بچیاں مل کر ان سے فیض یاب ہونے جاتی تھیں۔ فاطی نے دینی اور دنیاوی تعلیم حاصل کرنے کے بعد اپنے گھر میں ہی گاؤں کے بچوں کو پڑھانے کا بندوبست کیا۔ شوقین مزاج اور زندہ دل تو وہ بچپن سے ہی تھی، دو بھائیوں کی نصابی کتابوں خصوصاً مرزا غالب کے اشعار کی دلدادہ اور علامہ اقبال کی صوفیانہ شاعری کو کیڑے کی مانند چاٹ گئی۔ کئی علماء کی تفسیروں کو کھنگال ڈالا۔ بتدریج پڑھائی سے اس کی علمیت کا اندازہ اس کی خود اعتمادی

سے لگانا مشکل نہ ہوتا تھا۔ گاؤں میں جہالت کا دور دورہ تھا۔ وہ جوانی کی چلچلاتی دوپہر میں ہی سب کی بے جی بن گئی تھی۔ بڑے چھوٹے، مرد اور عورتیں جب تک انہیں سلام نہ کرتے، ان کے دن کا آغاز نہیں ہوتا تھا۔ کسی کام کی شروعات نہ ہو پاتی تھی۔ سولہ سالہ بے جی کو عزم واحترام کا یہ ذائقہ ایسا بھلا لگا کہ وہ دم درود، قسمت کا حال اور استخارہ نکال کر سب کو متاثر کرنے لگی۔

□......○......□

''پتر! توں بیں بائیس سال دے گیڑے وِچ ایں۔ ویاہ داوی اِک ویلا ہوندا اے۔ گزر جائے تے پچھتاوا ہی پچھتاوا رہ جاندا اے۔'' ماں نے نہایت ملائمت سے کہا۔

''دیدے! شادی نہیں کروں گی۔ آپ کو مسئلہ کیا ہے؟ کیا دو روٹی کھلانا مشکل لگ رہا ہے یا میرے لئے گھر میں ایک چارپائی کی جگہ نہیں رہی؟'' وہ تنک کر بولی تھی۔

''فاطی پتر! ایسی تے گل ہی نہیں۔ خوش بخت والدین وہ ہوتے ہیں جن کی اولاد ان کے ہاتھوں اپنے گھر کی ہو جاوے۔'' وہ نرمی سے بولیں۔

''پرانیاں گلاں نیں دیدے! نویں زمانے دی گل کر۔ میں نے شادی کرنی ہوتی تو چچیرے سے کرلیتی۔ میں اس غلاظت میں نہیں پڑوں گی۔'' وہ لاپروائی سے بولی۔

''اے کملیے! تیرا ابا ساری رات جاگدا رہندا اے۔ بڑا پچھتاندا اے تیرا رشتہ بھرا دے گھر کر کے۔ نی تتیئے (بدقسمت) مَن جا شادی واسطے۔ تیرے چاچے دا پتر تیرے بغیر شادی واسطے نہیں راضی ہوندا۔ ایڈا سوہنا گبھرو جوان اے۔ دَس تُوں کی چاہندی ایں؟'' وہ دکھ بھرے لہجے میں بولی۔

''دیدے! مجھے کچھ نہیں چاہئے۔ گبھرو جوان کی شادی کہیں اور کر دیں۔'' وہ قہقہہ لگا کر بولی۔

''فاطی پتر! بھرجائیاں دے بچے کھیلاویں گی، پالیں گی۔ تے انہاں دے برتن تے پوتڑے دھوویں گی، فیر وی کوئی راضی نہیں ہووے گا۔ پتر! اپنے گھر جا۔ تیرا اپنا راج ہووے گا۔ ساورے دِی حویلی تے زمین دی توں ہکلی مالک ہوئیں گی۔ دَس اوہ چنگا کہ ایہہ چنگا؟'' وہ سمجھاتے ہوئے روہانسی ہوگئی۔

''دیدے! نہ اوہ چنگا تے نہ ایہہ چنگا۔ ان کے درمیان والا رستہ چنگا۔'' وہ ہنستے ہوئے بولی۔

''تیری پڑھائی دا کی فائدہ؟ نہ تُوں دنیا دی رہی نہ دین دی۔ انہاں معصوم بچیاں نُوں تُوں کی سکھائیں گی؟'' وہ آہ بھر کر رہ گئی اور فاطی نے ہنس کر پھر ٹال دیا۔

ماں بیٹی میں اس موضوع پر گفتگو ہر دوسرے دن ہوا کرتی تھی اور وہ ہر بار ماں کو لاجواب کر دیتی۔

ہر رمضان میں اس نے اعتکاف بیٹھنا شروع کر دیا۔ کم سن بے جی کی عبادت کے گھر گھر چرچے ہونے لگے۔ عید میلادالنبی کے موقع پر گاؤں کی عورتوں اور لڑکیوں کو اپنی حویلی میں جمع کر لیتی۔ لڑکیاں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شان میں نعتیں پڑھتیں۔ عورتیں درود شریف کا وِرد کرتیں۔ بے جی سب کو سیرت النبی کا درس دیتیں۔ بتاشے سب میں تقسیم کئے جاتے۔ اس کی تعریف میں سب زمین و آسمان کے قلابے ملا دیتیں۔ بے جی کا انگ انگ خوشی میں ڈوب جاتا۔ اور وہ رجب کا انتظار کرنے لگتی جس مہینے میں وہ ہر صبح کونڈوں کے ختم کے لئے ہر گھر جا کر درود بھیجتی اور حلوے اور کھیر کے چکھنے سے کونڈوں کا افتتاح ہو جاتا۔ ہر مہینے گیارہویں کی دیگ اس کی حویلی میں پکتی۔ اس کے لئے پیسے گاؤں کے لوگ جمع کرنے کا کام کیا کرتے تھے۔ یہ کھانا لنگر کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا۔ چارسُو بے جی کے چرچے تھے اور بے جی اپنی تعریف میں پھولی نہ سماتی تھیں۔ جب والدین نے اس کا رجحان مکمل طور پر دین اسلام کی طرف دیکھا تو انہوں نے شادی کے بارے میں بات کرنا چھوڑ دی اور اس کی خوش بختی پر نازاں رہنے لگے۔

□.......○.......□

سب سے چھوٹا بھائی کریم بچپن سے ہی پڑھائی سے بھاگتا تھا۔ اس لئے اسے بے جی نے اپنی خدمت گزاری کے لئے منتخب کر لیا تھا۔ اس سے بڑے عبداللہ اور اکبر گاؤں کے سکول سے مڈل کرنے کے بعد میٹرک کرنے ساتھ والے قصبے میں گورنمنٹ سکول چل کر جاتے اور شام ڈھلے گھر واپس آتے۔

راولپنڈی سے انہوں نے ایف اے امتیازی پوزیشن میں مکمل کیا۔ اس خوشی و فخر میں والد صاحب نے انہیں علی گڑھ اور دون سکول بھیج دیا۔ ذہانت و فطانت میں دونوں ہی باکمال تھے۔ کمی تیسرے میں بھی نہیں تھی۔ مگر وہ گاؤں کا ہی ہو کر ہو گیا تھا۔ گاؤں کے چرسی اور اچکے ہر وقت اس کی بیٹھک میں نشے میں دُھت ملتے۔ رات بھر جواء کھیلا جاتا اور دن بھر خواب خرگوش کے مزے لوٹے جاتے۔ اس پر نہ ماں کا کنٹرول تھا، نہ ہی باپ کی نصیحتوں کا اثر ہوتا تھا۔ بے جی کا وہ چہیتا بھائی تھا۔ اس لئے وہ اس کی کسی حرکت پر اعتراض نہیں کرتی تھی۔ کیونکہ اس میں ان کی اپنی غرض کا گہرا تعلق تھا۔ کیونکہ وہ بھائی کو اپنا محتاج رکھنا چاہتی تھی۔ جب اس کی شادی کی بات چلی تو بے جی نے اس کی مخالفت میں ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا تھا۔ وجہ پوچھی تو اس نے ٹال مٹول سے سب کو مطمئن کرنے کی کوشش کی۔ مگر ماں اس کی خودغرضی کو بھانپ گئی تھی۔ آخر بے جی کو بھی ایک اٹوٹ سہارے کی ضرورت تھی جو عمر بھر اس کے ساتھ ہی ہوتا۔ بے شک گھر سے باہر جو مرضی ہے کرے۔ لڑکوں کا تو کچھ بگڑتا نہیں۔ اس نقطے پر آ کر بے جی کی دینی تعلیم پر خودغرضی کی مہر لگ جاتی۔

''کریم! اگر شادی اتنی ہی اہم اور اچھی ہوتی تو میں انکار کیوں کرتی؟ نری سر دردی

ہے۔تم بھی اس سے بچ کر رہو۔ میں جانتی ہوں نبھا نہیں پاؤ گے۔'' وہ پیار بھرے لہجے میں بولی۔

''بے جی! مجھے تو شادی کی ضرورت ہے۔ تمہیں نہیں تھی۔'' وہ اکڑ کر بولا۔

''کیا کرو گے پاگل کہیں گے۔ ساری زندگی بیوی کی جی حضوری میں گزار کر بھی تہی دست رہو گے۔'' وہ نرمی سے بولی۔

''بے جی! ایسا نہیں ہوگا۔ بچے ہوں گے۔ بیوی ہو گی باتیں سننے کو ہو گی۔ چولہا گرم رہے گا۔ میرا گھر بستا رہے گا۔ مجھے اور کیا چاہئے؟'' وہ سنجیدگی سے بولا۔

''شیر کو جب موت پکارتی ہے تو وہ جنگل چھوڑ کر شہر کی طرف بھاگ نکلتا ہے۔ مجھے الہام ہوا ہے کہ تمہارے ساتھ بھی ایسا ہی المیہ ہونے والا ہے۔''

''ہائے بے جی! منہ سے اچھی سی بات نکالو۔تم نے تو مجھے ڈرا ہی دیا ہے۔ مجھے اپنے ماے کی بیٹی بہت پسند ہے۔قسم سے جب ہرنی کی چال چلتی ہوئی سامنے سے گزرتی ہے تو کلیجہ اُچھل کر منہ کو آنے لگتا ہے۔'' وہ رال ٹپکاتا ہوا بلا۔

''یعنی دل دے بیٹھے ہو۔ مجھے تو وہ ایک آنکھ نہیں بھاتی۔ بہت گھٹیا پسند ہے تمہاری۔'' وہ نخوت سے بولی۔

''بے جی! ایسے تو نہ کہو۔ بجلی ہے بجلی۔'' وہ سنجیدگی سے بولا۔

''بجلی سے بچ کر رہو۔ بھسم کر دے گی جہاں گرے گی۔'' وہ نفرت آگین لہجے میں بولی۔

''ذرا دھیمے مزاج کی ہوتی تو پھر بھی سوچ بچار کرنی پڑتی۔ اب تو ہرگز نہیں۔ آگ میں ہاتھ ڈالو گے تو وہ جل کر راکھ ہو جائے گا۔''

''بے جی! تم خوامخواہ ہی اس کے خلاف ہو۔ اس مسکین نے تمہارا کیا بگاڑا ہے؟'' وہ افسردگی سے بولا۔

''میرا بگاڑنے کی اس میں ہمت ہے کیا؟ خدا کی قسم ایسی بددعا دوں گی کہ پاسا مار دوں گی (فالج ہو جائے گا)'' وہ چڑ کر بولی۔

''بے جی! اسے بددعا کے بجائے مجھے دعا دو۔ تاکہ وہ میری ہو جائے۔ اس کا ابا عادت کے مطابق روڑے ضرور اٹکائے گا۔ بے جی! اس کے مرنے کی التجا کر دو رب کے حضور۔'' وہ اس کے پاؤں دباتے ہوئے بولا۔

''اُٹھ ادھر سے۔ مجھے لگا ہے گناہ گار کرنے۔'' وہ ہنسی دباتے ہوئے بولی اور پیار سے ہلکی سی چپت رسید کر دی۔

''بے جی! میری طرح عمر بھر وہ تیری غلام رہے گی۔ میرا تجھ سے وعدہ ہے۔'' وہ خوشامدی انداز میں بولا۔

''یہ سارے وعدے وعید اس وقت کے لئے ہیں کریم! بیوی آ گئی تو پھر نظریں نہیں ملاؤ

گے۔ اپنی بے جی کو بھول جاؤ گے۔ پہچان گے نہیں۔ آنکھوں پر بیوی کے جھوٹے پیار کا جو پردہ چڑھتا ہے تو پھر بینائی عمر بھر کے لئے غائب ہو جاتی ہے اور کانوں میں وہ انگلیاں ٹھونس کر ایسا بہرہ کرتی ہے کہ صرف اسی کا راگ سنائی دینے لگتا ہے۔ اور یہ تمہاری زبان تو نکاح نامے پر دستخط کرتے ہی تالو سے جا لگے گی۔ کہاں گئی تیری بے جی اور تم۔'' وہ تمسخرانہ انداز میں بولی۔

''بے جی! بڑے افسوس کی بات ہے، تمہیں مجھ پر بھروسہ نہیں۔ دیکھ تیری خاطر سکول ہی نہ گیا۔ تیری مٹھی چاپی میں لگا رہا۔ اب دعا دے دے۔ جفا نہ کرنا۔ کیا تمہیں اچھا نہیں لگے گا جب اس سُونی حویلی میں تیرے ننھے بھتیجے اور بھتیجیاں بھاگ دوڑ رہی ہوں گی۔'' وہ اپنی مونچھوں پر بل دیتے ہوئے بولا۔

''اس حویلی میں فاطمہ بی بی کی برکتیں ہیں دیدے! اور ابا کی رحمتیں ہیں۔ اور پھر دس گاؤں کی چہل پہل ہے۔ مجھ سے اور غل غپاڑہ برداشت نہیں ہوگا۔ عبادت کا وقت نہیں ملے گا۔'' وہ بیزار کن لہجے میں بولی۔

''بے جی! یہ جو غالب چاچا کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ گئی ہو، اس کی جان چھوڑ دو۔ پھر سارا وقت تیرا ہی تو ہوگا۔'' وہ مذاقاً بولا۔

''دھت تیرے کی۔ کیسی باتیں کرتا ہے تُو۔ دین اور دنیا میں توازن رکھنا عبادت ہے۔ اس لئے غالب چاچا اور اقبال بابا کو ساتھ لے کر چلنا بہت ضروری ہے۔ یہ الہام اور آنے والے کل کی باتیں ویسے تو دماغ پر حاوی نہیں ہو جاتیں۔'' وہ اس کا کان مروڑتے ہوئے بولی۔ ''چل جا کر اپنا کام کر۔ چرس، بیڑی سے تمہیں فرصت نہیں ملتی چلا ہے شادی رچانے۔ وہ بھی رضیہ سے جس کا نخرہ ہی شہزادی جیسا ہے۔ دو گھنٹے میں ناک سے چنے چبوا دے گی۔''

''بے جی! ایک احسان کر دو۔ استخارہ نکال دو۔ سب کے استخارے نکال کر شادی کا فیصلہ کر دیتی ہو۔ اپنے چھوٹے کرمی کے لئے بھی تو اپنے رب سے مشورہ دے لو۔'' وہ منت سماجت کرتے ہوئے بولا۔

''یہ تم نے عقل کی بات کی ہے۔ آج رات ہی یہ کام کئے دیتی ہوں۔ جو بھی فیصلہ ہوا، اس پر قائم رہنا۔ ورنہ اللہ تعالیٰ ناراض ہو جائے گا۔ پہلے ہی کسی کام کے نہیں ہو۔ پتہ چلے شادی کرتے کرتے جان سے بھی گئے۔'' وہ ہنستے ہوئے بولی۔ ''کچھ رشوت نہیں دو گے؟''

''کیوں نہیں بے جی! اس کے بغیر تو تم اپنی ماں کا بھی استخارہ نہ نکالو۔ ویسے تمہارے کاروبار کی وجہ سے گاؤں کے حلوائی کی عیش رہتی ہے۔ کیا مجال صبح نو بجے کے بعد برفی مل جائے۔ ساری کی ساری استخاروں کی نذر ہو جاتی ہے۔ بے جی! مجھے بھی اپنے علم میں سے کچھ حصہ دے دو۔ بیوی بچے خوب تندرست اور خوش رہیں گے۔'' وہ چھیڑتے ہوئے بولا۔ ''آس پاس کے علاقے میں جانتی ہو تمہیں کس نام سے پکارا جاتا ہے؟''

''جانتی ہوں۔ آخر تم جیسے شیطان بھی تو یہاں موجود ہیں نا۔ مجھے غصہ نہیں آتا۔ بولتے رہیں۔ گناہگار وہ ہوتے ہیں، ان کی نیکیوں کا ثواب مجھے مل جاتا ہے۔'' وہ سنجیدگی سے بولی۔

''بے جی! تُو فکر نہ کر۔ تیرے مزار پر تیرا نام مائی برفی ہی لکھوا دوں گا۔ میں ابھی برفی لے کر آتا ہوں۔ تُو استخارے کی نیت باندھ۔'' وہ بے قراری سے بولا۔

''بالکل ہی پاگل ہو۔ اس وقت دن دہاڑے کون نکالتا ہے استخارہ؟ رات تو آنے دے۔ صبح تجھے خوشخبری سناؤں گی۔'' وہ نرماہٹ سے بولی۔ ''جا، ابّے کا حقہ بھر دے۔ اسی کسی اور کا حقہ بھرا ہوا پسند نہیں آتا۔ شلہ دیدے کے ہاتھ کا اور تندوری روٹی چنو کے تنور کی۔''

''دم درود تیرا ہے نا بے جی!'' وہ برجستہ ہنستے ہوئے بولا۔ ''اور شعر غالب چاچا کے۔''

''تجھے کیا پسند ہے؟ کچھ ہو تو۔'' وہ بھنویں چڑھا کر بولی۔

''بانسری میری۔ بے جی! بھول گئی ہو، جب بجاتا ہوں تو تیرے اقبال بابا کو بھی قبر میں ہلا کر رکھ دیتا ہوں۔ تم نے خواب میں دیکھا تو تھا۔ بہت خوش ہیں مجھ سے۔'' وہ دانت نکالتے ہوئے بولا۔

''تجھ پر نہیں، مجھ پر خوش ہیں۔ ہر صبح ان کی بخشش کے لئے سورۂ یٰسین پڑھتی ہوں۔ نیک اور پرہیزگار صوفی تھے۔ بھلا بانسری کے بے تکے سُروں پر کیونکر خوش ہوں گے؟'' وہ تنک کر بولی۔

''اچھا میں برفی لے کر آتا ہوں۔ تم نیت تو باندھو۔'' وہ جانے کے لئے کھڑا ہو گیا تو بے جی اسے دیکھ کر ہنسنے لگیں۔

□.......○.......□

''دیدے! میں دال سبزی نہیں کھاؤں گا۔ ذرا میری صحت دیکھ۔ ہر ایک کانگڑی پہلوان کہہ کر بلاتا ہے۔ سارا پیسہ دو بیٹوں پر لگا کر میرا حق مار دیا ہے نمبردار جی نے۔'' کریم نے چنگیر میں روٹی اور سالن کی رکابی کو چارپائی پر ماں کی طرف دھکیل کر خفگی سے کہا اور مونچھوں پر ہاتھ پھیرنے لگا۔

''تُو پڑھنے کے قابل ہوتا نا تو رب دی سوں، دال سبزی بھی ہنڈیا میں نہ پکتی۔ لسی سے روٹی کھا لیتے مگر تجھے لاہور پڑھنے کے لئے ضرور بھیج دیتے۔ تُو نکلا ہی نالائق۔'' ماں نے غصے سے کہا۔

''دیدے! ہماری ایسی حیثیت نہ تھی۔ یہاں کی بارانی دو ہزار کنال زمین سے کیا حاصل ہوتا ہے؟ بھوک اور غریبی۔ بارش نہ ہو تو فصل سر تک تو نکالتی نہیں۔ اگر زیادہ برس پڑے تو اپنا سر سجدے میں رکھ کر نیست و نابود ہو جاتی ہے۔ دونوں صورتوں میں پریشانی ہے۔ بے جی! تُو بہت چالاک نکلی۔ جانتی تھی اپنے چاچے کے حالات۔ ان زمینوں اور حویلیوں کے لالچ میں رُل گئی ہوتی تیری طرح۔ اب مزے سے ہم سب پر حکم چلاتی ہے۔ گاؤں والے اس کے

سامنے آنکھ اٹھا کر بات نہیں کرتے۔ ایک عورت ذات کو اس سے بڑھ کر عزت نہیں مل سکتی جتنی بے جی نے اس چھوٹی عمر میں کما لی ہے۔ وہ تو اپنا پیٹ برفی سے بھرے رکھتی ہے۔ اسے تیری دال سبزی کی پروا نہیں۔ گاؤں سے ہر ختم درود کا بہترین کھانا ٹرے میں سج کر ایسے آتا ہے جیسے تھانے دار کے ظلم سے بچنے کے لئے گاؤں والے اسے پیش کرتے ہیں۔ دیدے! ایک تیرا کریم ہی بے چارہ نماناں (مسکین) ہے۔" وہ مونچھوں کو تاؤ دیتے ہوئے بولے جا رہا تھا۔

"تیری ماں ملکانی بھی نمانی ہی ہو گئی اے۔ چنگا بھلا گزارا ہو رہیا سی۔ پر میں کی کراں نمبردار جی دی خواہش دا۔ کہندے تے ٹھیک نیں کہ ایک نسل کو مشکلیں دیکھنی پڑتی ہیں، اگلی کئی نسلیں زندگی عیش میں گزار جاتی ہیں۔" وہ دال کا نوالہ بنا کر اس کے منہ کے قریب لے گئی۔

"پر دیدے! یہ بتا کہ مجھے کیا فائدہ ہوا؟ میں تو عمر بھر یہ دال روٹی ہی کھاؤں گا۔ عیش تو کریں گے لالہ عبداللہ اور لالہ اکبر۔" وہ ماں کے ہاتھ سے نوالہ لے کر منہ میں ڈال کر بولا۔

"زمین اور اس حویلی کا بٹوارہ کر کے میرا حصہ مجھے دلا دو۔ آخر میری بھی تو شادی اور بیوی بچے ہوں گے۔ انہیں مٹی اور گھاس پر تو نہیں پال سکتا۔ وہ دونوں تو شہروں میں محلوں اور کوٹھیوں میں رہیں گے۔ میرے پاس گاؤں میں کوئی ڈھارا (چھت) ہونا چاہیے۔"

"بڑا کملا ایں توں۔ ایہہ سارا کجھ تیرا ہی تو ہے۔ دوواں نوں اُچی وڈی تعلیم دلو دِتی اے۔ اُن کا اس جائیداد میں اتنا ہی حصہ ہوگا جتنا تم چاہو گے۔ فکر نہ کریا کر۔ نمبردار جی کے تم بھی پُتر ہو۔ ان کا حساب و کتاب غیروں کے لئے کھرا ہے تو کیا تیرے لئے ملاوٹ والا ہو گا؟" ماں نے تسلی دینے کے انداز میں کہا۔

"نمبردار جی پر تو مجھے بھروسہ ہے۔ اپنے دو بڑے بھائیوں پر نہیں۔ وہ مجھے بہت نفرت سے دیکھتے ہیں۔ اُٹھتے بیٹھتے نصیحتیں کرتے تھکتے نہیں۔ مجھے بڑا ہی بے وقوف، لاپروا اور نالائق سمجھتے ہیں۔ دیدے! تُو نے مجھ پر توجہ نہیں دی۔ بے جی نے بھی ان دونوں کو ہمیشہ پیار بھی کیا، اہمیت بھی دی۔" وہ دکھی لہجے میں بولا۔

"کیا تجھے چرسی اور اچکی بنانے میں بھی میرا ہی ہاتھ ہے؟ نمبردار جی تو تمہیں کب کے گاؤں سے نکال چکے ہوتے۔ میری وجہ توں چپ نیں۔ جو وی دال روٹی ملدی اے، کھاؤ پیو تے عیش کرو۔ بھائیوں کی جب تک تعلیم مکدی نہیں، ہانڈی وِچ گوشت پکنا ای حرام اے۔" وہ غیظ و غضب میں بولی۔

"بس دیدے! میں اپنا بندوبست کر لوں گا۔ نمبرداری اب میں لوں گا۔" وہ تڑ کر بولا۔

"یا پیری مریدی پکڑ لوں گا۔ بے جی یہ کام کر سکتی ہے تو مجھ میں کمی کہاں ہے کہ بے جی کا خدمت گار بن کر زندگی گزار دوں۔"

عیب ہو۔ بہن، وہ بھی ایک اور اکیلی۔ اس کے مقابلے پر کھڑے ہو جاؤ گے۔ اس نے اپنا دل اللہ کے نام پر قربان کر دیا ہے۔ ورنہ شادی نہ کر لیتی۔ نور سے نہا کر اس دنیا میں آئی ہے۔ خوش بخت ایسی کہ اپنے بعد تین بھائی لے کر آئی۔'' وہ فخریہ انداز میں بولی۔

''بس وہی تو سب کچھ ہے۔'' وہ منہ بنا کر بولا۔ ''کل سے یہ دال اسے کھلانا اور اس کے لئے جو من و سلویٰ اُترتا ہے نا، اس پر میرا حق ہے۔ اس بار دونوں لالہ سے بھی حساب کتاب کرلوں گا۔ صاحب بنے پھرتے ہیں۔ توں ماں ہوں کے اُنہاں نوں صاحب کہہ کر پکارتی ہو تو میں غیرت اور شرم سے مر مر جاتا ہوں۔'' وہ چارپائی سے اُٹھ کر بیٹھک کی طرف بڑھ گیا۔

'رب خیر ہی کرے۔ غصے دا بڑا ہی برا اے۔ زہریلا ناگ اے۔ گل تے سچ ہی کہندا اے۔ نمبردار جی نے میرے اس پُتر نال انصاف نہیں کیتا۔ ہائے اسے بھی اس گاؤں سے نکال دیتے تو اس کی زندگی بھی سنور جاتی۔ اپنی اولاد میں سے کوئی بچہ نالائق نکل آئے تو کیا اسے یوں بے مہار چھوڑ دیا جاتا ہے؟ اب شادی کے پیچھے پڑ گیا ہے۔ نو مہینے بعد بچہ آ جائے گا۔ خرچہ ہی خرچہ۔ وڈے دو پُتراں دی پڑھائی تے ختم ہو جاوے پہلے۔ فیر اللہ خیر کرے۔ بڑے بھائیوں کی شادی ہو گی، پھر اس کے بارے میں سوچوں گی۔' وہ وہیں چارپائی پر سر جھکائے سوچتی رہی۔ سردیوں کی دھوپ کے سائے ڈھلنے لگے۔ فضا میں خنکی سی ہونے لگی تو وہ ایک لمبی سرد آہ بھر کر وہاں سے اُٹھ کر برآمدے میں آ گئی۔ تخت پوش پر افسردگی کی حالت میں بیٹھ کر پھر سوچ کی گہری وادیوں میں کھو گئی۔ گھر میں کام کرنے والی دس سالہ بچی نے اس کے سامنے تخت پوش پر کب چائے کی کیتلی اور پیالی رکھی تھی، اسے خبر ہی نہ ہوئی۔ نالائق بیٹے کی نافرمانی اور ناانصافی ہر دوسرے دن ماں کو مضطرب کر جاتی تھی۔ مگر اس کے والد کو اس کے کرتوتوں اور ماں سے بے لحاظی کا بتانا گویا شہد کی مکھیوں کو چھیڑنے کے مترادف تھا جس میں صرف کریم ہی نہیں، ماں بھی شدید زہریلی اذیت کا شکار ہو جاتی۔ اس لئے خاموشی میں ہی عافیت جانی۔

□.......○.......□

''بے جی! تمہیں چار دن سے برفی کھلا رہا ہوں۔ ابھی تک تم نے استخارہ ہی نہیں نکالا۔ کیا میری خدمت میں کمی آ گئی ہے جو میرا کام نہیں ہو رہا؟'' وہ بے جی کے پاؤں دباتے ہوئے خوشامدی انداز میں بولا۔

''ایسا ہرگز نہیں۔ بس استخارہ ٹھیک نہیں آ رہا۔'' وہ متذبذب ہو کر بولی۔

''کیوں بے جی؟ مجھے کنوارہ مرنے کا کوئی شوق نہیں۔ چھوڑو استخارے کو۔ آخر شادی تو کرنی ہے نا۔ کرلوں گا۔'' وہ چڑ کر بولا۔

''بھنگ، چرس چھوڑنے کا اشارہ ہے۔ ورنہ وہ تمہیں چھوڑ کر بھاگ جائے گی۔ استخارہ اپنے اللہ سے مشورہ لینے کو کہتے ہیں۔اس لئے اب تم وہی کرو گے جس کا اشارہ ہوا ہے۔'' وہ سوچتے ہوئے بولی۔

''بے جی! ایسی شرطیں مت لگاؤ۔ اگر مامے کی بیٹی کا استخارہ درست نہیں نکلا تو ایسے کر خالہ کی بیٹی کا استخارہ نکال دے۔ اگر وہ بھی درست نہیں تو اپنے خاندان کی ہر لڑکی کا استخارہ نکال دے۔کوئی تو میری قسمت میں لکھی ہو گی۔شکل صورت کو چھوڑ دو تو بہتر ہے۔اس وقت گھر والی چاہئے۔ چولہا گرم رہنا ضروری ہو گیا ہے۔'' وہ بے بسی سے بولا۔''بے جی! ایک دفعہ نہیں، دو بار نیت باندھو۔شاید مجھ پر فضل ہو جائے۔''

''تاؤلے نہ بنو کرمی! ابھی تو تمہاری عمر گلی ڈنڈا کھیلنے کی ہے۔کن مصیبتوں کا سودا کرنے لگے ہو؟ لیکن فکر نہ کر۔ ہر رات استخارے کی نیت کر کے سوؤں گی۔کسی رات تو مراد پوری ہو جائے گی۔'' وہ اس کی بے چینی کو محسوس کرتے ہوئے بولی۔

''بے جی! گاؤں میں رہنے والے لڑکوں کی شادی گلی ڈنڈا کھیلتے ہی ہو جایا کرتی ہے۔ میرے لئے نئی بات نہیں۔ایک چولہے سے اُٹھے گی، دوسرا چولہا سنبھال لے گی۔ جو پکے گا، خوش ہو کر کھا لے گی۔ ڈیدے کو بھی آرام کی ضرورت ہے۔ جب سے دونوں لالہ پڑھنے گئے ہیں، دیدے بھی کام کر کر کے تھک گئی ہے۔ بے جی! وہ نمبردارنی ہے۔ دس نوکرانیاں آس پاس ہوتی تھیں۔اب لالے کی پڑھائی کی نذر ہو گئیں۔'' وہ ہمدردانہ لہجے میں بولا۔''ایک ٹوٹی پھوٹی لڑکی سے تو گزارہ نہیں ہو سکتا۔ دیدے بڑی صبراں والی اے۔''

''بات تو ٹھیک ہے۔'' وہ گہری سوچ میں چلی گئی کہ اس نے بھی تو ماں کا کبھی ہاتھ نہ بٹایا تھا۔ بے جی کے رُتبے میں جھاڑو، برتن، گوبر اور دُھلائی کا کام سجتا ہی کہاں تھا؟

ہر رات کے بعد اگلی رات اور پھر بے حساب راتیں گزرتی چلی گئیں۔مگر استخارہ درست نہ نکلا۔کریم کی ہر صبح تڑپ اور بے تابی کے ساتھ طلوع ہوتی اور ہر شام بے جی منت سماجت اور خوشامدیں کرنے میں گزر جاتی۔

وقت نے گزرنا تھا، گزرتا چلا گیا۔ اکبر بی اے کی ڈگری حاصل کر کے واپس گاؤں آ گیا۔عبداللہ نے آگے پڑھنے کی ضد کی تو نمبردار جی نے گھر میں دال سبزی پکانے پر بھی کرفیو لگا دیا۔ اکبر نے رائل آرمی میں کمشن حاصل کر لیا اور عبداللہ انجینئرنگ کی ڈگری حاصل کرنے یو۔کے جانے کی تیاری کرنے لگا۔

عبداللہ کی بچپن کی منگیتر عائشہ بی بی اس کی خالہ کی بیٹی تھی۔ ماں کے اصرار پر نمبردار جی نے عبداللہ کی شادی کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ بے جی نے استخارہ نکال کر گرین سگنل دے ڈالا۔ عبداللہ پر باہر کی دنیا اور زمانے کے رنگ تو خوب چڑھ چکے تھے۔ وہ اپنی ان پڑھ کزن سے شادی کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا جس نے اس گاؤں سے باہر قدم تک نہ نکالا تھا۔ چٹی

ان پڑھ ہونے کے ساتھ بمشکل نماز یاد کرسکی تھی۔ بے جی کی طرح ذہین و فطین ہرگز نہیں تھی۔ صورت بھی واجبی تھی۔ اپنی ہمجولیوں کی چھیڑ خانیوں نے اس کے دل میں عبداللہ کی یادوں کا تاج محل آباد کر رکھا تھا۔ اس کی چھٹیوں کا جس بے چینی سے انتظار کیا کرتی تھی، اس کرب کو وہ ہی جانتی تھی۔ اظہارِ محبت کا دور نہ تھا۔ والدین رشتے طے کرتے تھے اور پردہ داری میں ہی لڑکی بیاہ کر سسرال سدھار جاتی تھی۔ عائشہ بی بی اسی ماحول کی پروردہ تھی۔ جبکہ عبداللہ کے خیالات بدل چکے تھے۔ گہری سوچ بچار کے بعد اس نے بے جی کا سہارا لینا چاہا کہ کسی طریقے سے والدین کو یہ شادی روکنے پر مجبور کر دے کہ استخارہ ہی درست نہیں نکل رہا۔ پہلی بار استخارے کے بعد اشارہ سمجھنے میں غلطی کا اعتراف کرنا بے جی کو خاصا مشکل لگ رہا تھا۔ آخر ان کی بھی عزت کا سوال تھا۔ دونوں بہن بھائی رات بھر سو نہ سکے تھے۔ بے جی کو اپنے تینوں بھائیوں سے والہانہ محبت تھی۔ ان پر وہ جان چھڑکتی تھی۔ اور بھائیوں کو بھی اپنی بڑی بہن سے بڑھ کر اور کوئی پیارا نہ تھا۔ ان کی ہر بات ان کے لئے حرفِ آخر ہوتی تھی۔ بہن کی اس بات پر وہ شادی کرنے پر رضامند ہو گیا کہ اسلام میں چار شادیوں کی اجازت ہے تو عائشہ بی بی سے شادی کر کے اسے گاؤں میں ہی ہمیشہ کے لئے چھوڑ دیا جائے اور دوسری شادی اپنی مرضی سے کرنے میں ہرج ہی کیا ہے؟ یہ رازدارانہ مشورہ عبداللہ کو بہت پسند آیا کہ والدین بھی خوش اور یہ بھی مطمئن۔

شادی کی تیاریاں ہونے لگیں۔ کریم جو کہ کئی سالوں سے شادی کے لئے بضد تھا مگر استخارہ اس کی راہوں کی رکاوٹ بن گیا تھا۔ گھر چھوڑ کر دوسرے گاؤں میں اپنے دوست کے ہاں چلا گیا۔ بے جی کے علاوہ گھر کے ہر فرد سے اس کی دشمنی ہو چکی تھی۔ بے جی کو اپنے بھائیوں کو ہاتھ میں رکھنے کے تمام گُر آتے تھے۔ وہ انہی گُروں کے مضبوط بل پر شاداں، امید و آس کا سہارا لئے کریم کو لینے چل دی۔ دنیا اِدھر کی اُدھر ہو جائے، بے جی تینوں بھائیوں کے لئے ماں سے بڑھ کر عظیم درجے پر براجمان تھی۔ اس لئے کریم قیل و قال کئے بغیر ہی ان کے ساتھ ہو لیا۔ دوسرا بھائی اکبر، اسے اپنے خاندان کے رکھ رکھاؤ اور گاؤں کے رسم و رواج سے قطعاً سروکار نہ تھا۔ شادی میں شرکت کرنا وقت کا زیاں سمجھ کر ٹال مٹول کرنے لگا۔ نمبردار جی کی تعلیم زیادہ تو تھی نہیں، اس کے بہانوں کو سمجھ نہ سکے۔ بے جی اپنے بھائی کی طبیعت کو بہت اچھی طرح جانتی تھیں۔ انہوں نے چند جملوں کا ایک خط لکھا۔ ان الفاظ میں نہ جانے کیا جادو تھا کہ وہ شادی کے عین وقت پر پہنچ گیا، جب عبداللہ گھوڑے پر بیٹھا نوٹوں کے ہاروں اور پھولوں کے سہرے میں آراستہ گھر کے دروازے سے باہر بارات اور ڈھول باجوں کے شور میں پریشان حال کھڑا تھا۔ خاندان کے مرد حضرات اس کا سر صدقہ اس کے اوپر کھنکتے سکے ڈال کر اپنے پیار و خوشی کا اظہار کر رہے تھے اور ایک شور اور دھکم پیل میں بچے اور گاؤں کی غریب عورتیں وہ پیسے اٹھانے کی کوشش میں تھیں۔

اکبر پینٹ شرٹ اور سر پر ہیٹ رکھے کافی دیر تک یہ تماشا دیکھتا رہا۔ عبداللہ کی عقل پر حیران و پریشان وہ کسی نتیجے پر نہ پہنچ سکا کہ یہ سب کیسے ہو گیا۔ عبداللہ جو کہ روشن دماغ اور ماڈرن تعلیم و زمانے کی کھلم کھلا تصویر تھا، اس ماحول کے قانون و ضابطوں میں قابو کیسے آ گیا؟ بے جی شٹل کاک برقعے میں تمام خواتین کے ساتھ صحن میں کھڑی تھیں۔ نگاہیں دروازے پر جمی ہوئی تھیں۔ بھائی کا بے چینی سے انتظار تھا۔ ابھی تک آس کی ڈوری ٹوٹی نہ تھی۔ بھیڑ کو چیرتی ہوئی وہ باہر کے ہجوم میں کھڑی ہو کر گلی کی نکڑ کی طرف دیکھنے لگی۔ آخر کار وہاں اکبر کو پا کر تسکین سے بھرپور ایک طویل سانس لی اور پھر اندر آ کر عورتوں میں اکبر کی آمد کا اعلان کرنے لگی۔ عمر رسیدہ ماں کی آنکھوں سے ساون کی جھڑی پھوٹ نکلی تھی۔ جس کی خوشی بھی بیٹوں نے قسطوں میں ہی اس کی آغوش میں ڈالی تھی۔

بارات دھیرے دھیرے چلتی ہوئی دُلہن کے گھر پہنچ گئی۔ دوپہر کا کھانا کھا کر شام ڈھلنے سے پہلے ہی دُلہن کی ڈولی نمبردار جی کے گھر اُتار دی گئی۔ اسے بے جی کے کمرے میں دوسری چارپائی پر بٹھا دیا گیا اور رسمیں ادا ہونے لگیں جن میں نہ دُلہا اور نہ ہی کسی اور مرد کی شرکت تھی۔ کیونکہ اسے بے حیائی سے موسوم کیا جاتا تھا۔

جب رات آئی تو دُلہن گوٹے لپے سے بھری ہوئی لال شلوار قمیض اور دوپٹے میں ملبوس بھاری سونے کے زیورات پہنے اسی چارپائی پر لیٹ کر اپنے دولہا کے بارے میں سوچنے لگی۔ بے جی ہر پانچ منٹ بعد کروٹ بدل کر اللہ کا وِرد کرتیں اور کمرے کے دروازے کی طرف دیکھتیں کہ عبداللہ سے اندر جھانکنے کی غلطی بھی سرزد نہیں ہونی چاہئے۔ کیونکہ رواج کے مطابق یہی درست تھا اور وہ ماڈرن دور کا نمائندہ ان رسومات و روایات پر قطعاً یقین نہیں رکھتا تھا۔ بے جی اسی خدشے میں رات بھر سو نہ سکیں۔

اگلی صبح گاؤں کے ہر گھر میں کھانا تقسیم کیا گیا اور حویلی کے بیرونی احاطے میں تمام رشتے داروں اور دوست احباب کے ہمراہ دوپہر کا کھانا تناول کیا گیا۔ بیٹھک میں رات گئے تک نمبردار جی اپنے دوستوں میں گھرے رہے۔ حقے اور چائے کا دور دورہ رہا۔ عبداللہ اور اکبر، ماں کے کمرے میں کب کے سو چکے تھے۔ کریم اپنے دوستوں میں بیٹھا چرس پیتے ہوئے اول فول بک رہا تھا اور دوست ایک ہی مشورہ دیئے جا رہے تھے کہ جس لڑکی پر وہ ہاتھ رکھے، ہم اسے ابھی اٹھا لائیں گے۔ اور صبح ہونے سے پہلے وہ تمہارے نکاح میں ہو گی۔ لیکن وہ اپنی بے جی کی بے حرمتی کا گناہِ عظیم کرنے کے سخت خلاف تھا۔ جبکہ انہی کے استخارے پر مکمل یقین ہونے کے باوجود اُلٹی سیدھی ہانکے بھی چلے جانا فطری امر تھا۔ تمام غصے اور خفگی کی کیفیت تھی کہ اس کے ساتھ ایسا کیوں ہو رہا ہے؟ اس سے ایسا کون سا گناہ سرزد ہوا ہے کہ جس کی پاداش میں اسے جو سزا مل رہی ہے، کاٹے نہیں کٹ رہی کہ استخارہ کیوں نہیں نکل رہا۔

اکبر لاابالی اور شوخ مزاج نوجوان تھا۔ ویسے کے دوسرے دن ہی چلتا بنا۔ عبداللہ کی بھی اگلے دن ہی فلائٹ تھی۔ وہ بھی بیوی کی رونمائی کئے بغیر یہ جا وہ جا ہو گیا۔ اور دُلہن اپنے من میں ہی آنسو گراتی رہ گئی۔

عبداللہ کے جانے کے بعد بے جی نے اسے اپنے کمرے سے نکال دیا اور وہ ساس کے کمرے میں دوسری چارپائی پر ڈیرہ جما کر ہر پل اللہ کی یاد میں گزارنے لگی اور اس کی آمد کے انتظار میں وظیفے اور صدقے خیرات بھی جاری وساری رہے۔ مگر تف ہے کہ کبھی دوسروں کے سامنے زبان پر عبداللہ کا نام یا ذکر تک آیا ہو۔ جیسے وہ کل کی طرح آج بھی اس کا نامحرم ہو۔

□.......○.......□

'میں نے کتنا غلط سوچا تھا کہ پڑھے لکھے بیٹے میرا شملہ اونچا رکھیں گے۔ گاؤں میں میری عزت بڑھے گی۔ مگر سب خام خیالی تھی۔'

نمبردار جی حلقے کی نے منہ میں دبائے سوچ جا رہے تھے کہ بے جی نے پاس سے گزرتے ان پر پھونک ماری اور چارپائی پر ان کے سامنے بیٹھ گئی اور عائشہ کو آواز دی۔

''عاشو! بھا پا جی کب سے یہاں بیٹھے ہیں۔ کوئی لسی پانی ہی پوچھ لیا ہوتا۔ کیا تم اپنے باپ کے ساتھ ایسا سلوک کرتی تھی؟'' لہجے میں کڑواہٹ تھی۔

''بے جی! اپنا باپ تو اپنا خون ہوتا ہے۔ کچھ بھی نہ کرو تو پھر بھی واری صدقے جاتا نہیں تھکتا۔ تم گھر میں کنوار (کنواری) مصلے پر بیٹھی ہو۔ اپنے ماں باپ کی خدمت ہی کر لو۔ دو جہان کی روشنی ہو جائے گی۔'' وہ بھی تلخی سے بولی۔

''ہائے مرجاواں۔ کُڑے! نمبردار جی دا کوئی لحاظ اور دید نہیں۔ جا دفع ہو جا۔ اور ٹھنڈی چاٹی دی لسی دا گلاس بھر لیا۔'' ساس دور سے ہی غصے میں بولی تو وہ زور زور سے پاؤں پٹختی ہوئی وہاں سے غائب ہو گئی اور پھر ادھر نہ پلٹی۔

''اس کو تو طلاق دلوا کے چھوڑوں گی۔ ایک بار عبداللہ تو آ جائے۔'' بے جی نے دانت پیستے ہوئے سرگوشی میں کہا۔

''پتر! اس کا قصور نہیں۔ اس کو معاف کر دیا کر۔ کمبخت تمہاری بددعاؤں کی ماری ہوئی ہے۔'' نمبردار جی نے مردنی آواز میں کہا۔

''بھا پا جی! آپ نے اکبر کی حرکت دل کو لگا لی ہے۔ دیدے بھی منجی نال لگ گئی اے۔ جواناں دے یہ کام نہ ہوں تو شیر کیسے کہلائیں؟ اسے بخش دیں۔'' وہ حوصلہ دیتے ہوئے بولی۔

''کسی مسلمان لڑکی سے نکاح کر لیتا تو اتنا دکھ نہ ہوتا۔ انگریز کی بیٹی سے شادی اور ہمیں بتائے بغیر۔ ناک ہی تو کٹ گئی ہے گاؤں میں۔ میں نے کیا سوچا تھا۔ نتیجہ بڑا مندا نکلا ہے۔ نہ عبداللہ دی خیر خبر نہ اکبر ولوں سکون۔'' وہ تڑپ کر بولے۔

''بھا پا جی! مجھے تو اس نے بتا بھی دیا تھا۔ بلکہ استخارہ مجھ سے ہی نکلوایا تھا۔ پہلی بار ہی

شاندار اشارہ ہو گیا۔ آپ کو اس لئے نہیں بتایا کہ آپ اس کی اجازت نہ دیتے اور پھر وہ شادی رچا لیتا اور مزید بے عزتی ہوتی۔ ابھی تو انجانے میں ہی یہ کام ہو گیا۔ گاؤں والوں کے سامنے آپ کی عزت رہ گئی۔ پر میرے بھائی کی رَج کے بے عزتی ہو گئی۔ وہ جوان اور بے مہار ہے۔ اس کی منہ زوری گاؤں والے بھلا دیں گے۔ تھوڑے سے وقت کی ضرورت ہے۔ مگر آپ کی عزت واپس نہ آتی۔ جو بھی ہوا، بہت بہتر ہو گیا۔ چار دن میں چٹی چمڑی سے دل بھر جائے گا۔ واپس یہاں ہی آئے گا۔'' بے جی نے ان کے کندھے دباتے ہوئے کہا۔

''استخارہ کبھی غلط نہیں کہتا۔ اکبر کی شادی ہمارے خاندان کے لئے بہتر ثابت نہ ہوئی تو نقصان دہ بھی نہ ہو گی۔ اِن شاء اللہ اگلا استخارہ بڑا ہی ستھرا اور سچا ہو گا۔''

''پُتر! تیرے استخاروں کا فیصلہ بھی تیرے مزاج کے مطابق ہی ہوتا ہے۔ اب کریم پر کرم کر دو۔ سب سے چھوٹا مگر سب کا سرا ہے۔ تم نے جس عقلمندی سے عبداللہ کو قید کیا ہے، یہی ہتھکنڈا اکبر پر بھی آزماتی تو آج نسل کے بے دین ہونے کا خوف نہ ہوتا۔ اِک رحم کر بیٹی! اب کریم کا فیصلہ بھی سنا دو۔ وہ تو بے چارہ اسی گاؤں کا ہو کر رہنا چاہتا ہے۔ اپنے مطابق ہی چھلانگ لگانا چاہتا ہے۔ بڑھ سمجھ دار ہے اَن پڑھ ہو کر بھی۔ اب اسی سے تو ہماری نسل پر، ان چڑھے گی۔'' نمبردار جی نے سوچتے ہوئے کہا۔ ''تمہارے استخارے میں گڑبڑ کیوں ہے؟ سمجھ نہیں آ رہی۔''

''بھاپا جی! حکم اللہ تعالیٰ کی طرف سے آتے ہیں۔ میں تو اِک بہانہ ہوں، وسیلہ ہوں۔ میری کیا مجال کہ خود سے فیصلہ کر دوں۔ اتنا بڑا گناہ کروں گی تو یہ جو عزت ملی ہے، خاک میں مل جائے گی۔'' وہ سنجیدگی سے بولی۔ ''جھوٹ، فریب اور مکاری میں ذلالت ہے۔ وقار ہرگز نہیں ملتا۔''

''ہاں تم ٹھیک کہتی ہو۔ ہائے سوچتا ہوں کہ اپنا اور تیری ماں اور بچوں کا پیٹ کاٹ کر انہیں پڑھایا۔ مجھے اس کا کیا فائدہ ہوا؟ کریم قربانی کا بکرا نہ بنتا تو میں دیکھتا کہ وہ اتنے بڑے بڑے افسر کیسے بن جاتے۔ ایک بچے کی زندگی تباہ کر کے دو کی سنوارنا چاہی۔ مگر مجھے تو ان کی زندگیوں پر بھی رشک ہی ہونے لگا ہے۔ انسان کی کوشش اور محنت تقدیر کے سامنے بے بس اور بیکار ہو جاتی ہے۔''

''بھاپا جی! آج آپ نے دل چھوڑ دیا ہے۔ اگر عبداللہ نے بھی باہر شادی کر لی تو پھر کیا ہو گا؟'' وہ سہم سی گئی۔

''ایسے نہ بولو۔ اس کی بیوی گھر میں موجود ہے۔ ہے بھی اپنی برادری سے۔ ہم منہ دکھانے کے قابل نہیں رہیں گے۔'' وہ تڑپ کر رہ گئے۔ بے جی کو اپنا مشورہ یاد آ گیا جو انہوں نے اسے شادی کی رضامندی پر دیا تھا۔

بے جی کی زوردار آواز پر عائشہ مٹی کے پیالے میں لسی لے کر آ گئی۔ بے جی نے اسے

کھا جانے والی نظروں سے گھورا اور زہر آلود لہجے میں بولی۔
''ادھر بیٹھو اور بھاپا جی کو پنکھے سے ہوا دو۔ کیسے پسینے میں بھیگ گئے ہیں۔ تم یہاں مفت کی روٹیاں توڑنے کے لئے نہیں ہو۔ تمہاری خدمت میں کمی آئی تو جوتے مار کر گھر سے نکال دوں گی۔''
''تمہارا اپنے بارے میں کیا خیال ہے؟ اپنے گھر جاؤ۔ بے چارا تمہارا دُلہا آج بھی تمہارے انتظار میں کنوارہ بیٹھا ہے۔'' وہ تنک کر بولی۔ ''لگی ہے مجھے رعب دکھانے۔''
''مت زبان چلاؤ بھاپا جی کے سامنے۔'' وہ آنکھیں نکالتے ہوئے بولی۔ ''تمہاری ماں نے تمہیں یہ عقل سکھائی ہے مرن جوگی۔''
نمبردار جی نے حقے کی نئے منہ سے نکالی اور تہبند درست کرتے ہوئے کھڑے ہو گئے۔
''یہی وجہ ہے کہ مرد کبھی عورتوں میں نہیں بیٹھتے۔ ان سے کوئی مشورہ نہیں لیتے۔ ان کی کسی بات کو اہمیت نہیں دیتے۔ کیونکہ مرد کی قدر اور عزت نہیں رہتی۔'' وہ غصے سے بولے اور بیٹھک کی طرف بڑھ گئے۔

□.......○.......□

بے جی نے بے چینی سے خط وصول کیا اور چند سکے ڈاکیے کو پہنچا دیئے۔
عبداللہ کا خط تھا جو دو مہینے پہلے کا لکھا ہوا تھا۔ ہمیشہ خط بے جی کے نام سے آتا تھا جس میں عبداللہ نے اپنی پڑھائی کے ساتھ اپنی غیر نصابی مصروفیات کا بھی ذکر کیا ہوتا تھا۔ اور ہر خط میں بے جی کو اپنے پاس بلانے کی خواہش کا تذکرہ ضرور ہوتا تھا۔ بے جی کا سر فخر سے تن جاتا اور عائشہ کی شامت قیامت کا روپ دھار لیتی۔
اس بار خط پڑھتے پڑھتے بے جی کے ہاتھ پاؤں کانپنے لگے تھے۔ اس نے نہایت گرمجوشی میں ڈوبے ہوئے الفاظ کا سہارا لے کر بے جی کے مشورے پر عمل کرنے کا انکشاف کیا تھا کہ اس نے اپنی ہی کولیگ کرسچین لڑکی سے چرچ میں شادی کر لی ہے۔
''اور میری طرف سے آپ کو اجازت ہے کہ عائشہ کو آگاہ کر دیا جائے۔ تاکہ وہ اپنی زندگی کے بارے میں کوئی فیصلہ کر سکے۔ میں چند دنوں بعد اسے طلاق ارسال کر دوں گا۔ کیونکہ ابھی وہ پیپرز مکمل نہیں ہوئے۔ میں عائشہ کو آزادانہ زندگی دینا چاہتا ہوں۔ اسے اپنے نام کے ساتھ منسوب رکھنا جہالت اور ظلم ہے۔''
بے جی کا سر چکرا گیا تھا۔ بھاپا جی ابھی اکبر کی نازیبا حرکت پر سنبھل نہیں پائے تھے۔ دیدے بھی چند دنوں کی مہمان نظر آ رہی تھی۔ یہ خبر سنتے ہی وہ دونوں ہارٹ اٹیک کا شکار ہو جائیں گے۔ مصلحتاً وہ یہ خبر شیرِ مادر سمجھ کر پی گئی اور بھائی کو زہریلی سیاہی میں ڈوبے ہوئے قلم سے ایسا خط لکھا کہ وہ وہاں تڑپ کر رہ گیا۔ کیونکہ بہن کی ناراضگی اور غصہ وہ کسی صورت میں قبول نہ کر سکتا تھا۔ جب تک عائشہ کو طلاق بھی پہنچ چکی تھی۔ گھر میں کہرام مچ گیا تھا۔ گاؤں

ہیں گھر گھر ان کی کہانیاں بیان ہونے لگیں۔ خوبیاں بھی خامیوں میں تبدیل ہو چکی تھیں۔ مگر بے جی سے دم درود کرانے، تعویذ گنڈے لینے اور استخارہ نکلوانے والوں کی کمی نہ ہوئی تھی۔

□.......○.......□

دو مہینے بعد پھر سے عبداللہ کا خط موصول ہوا۔ بے جی کے تن بدن میں آگ ہی تو لگ گئی۔ عبداللہ باپ بننے والا تھا۔ بھلا یہ کیسے ممکن تھا؟ ایک غیر مذہب عورت کے بطن سے نئی نسل کی شروعات اس کی پیری فقیری پر تو اِک اَن مٹ سیاہ دھبہ ثابت ہو سکتی تھی۔ اور باپ تو یہ صدمہ برداشت نہیں کر سکے گا۔ بے جی نے بھائی کو لعنت و ملامت سے بھرپور خط لکھا اور اسے آگاہ کیا کہ ابھی تک گاؤں میں اور ماں باپ کو اس کی شادی کی خبر نہیں۔ اس لئے بہتری اسی میں ہے کہ اس بے دین عورت کو چلتا کرے اور فوراً بچے کو ضائع کروا دے۔ خط پڑھ کر عبداللہ سکتے میں آ گیا۔ وہ جو بے جی کے کندھے پر بندوق رکھ کر شادی کے بارے میں اعلانیہ طور پر سب کو بتانا چاہ رہا تھا، وہ خوش فہمی خط پڑھتے ہی کافور ہو گئی۔ بے جی کی ناراضگی مول لینا کسی صورت گوارا نہ تھا۔ فوراً خط کا جواب دیا کہ وہ بہت جلد اس مصیبت اور دردسری سے خلاصی حاصل کر لے گا۔

انہی دنوں دیدے اس دارِ فانی سے کُوچ کر گئیں۔ آخری وقت بھی ان کی زبان پر عبداللہ اور اکبر کا نام تھا۔ پچھتاوا ان کی آنکھوں میں چھلک رہا تھا کہ بچے باہر نہ بھیجے جاتے تو آج وہ اسی گھر کی رونق بنے ہوتے۔ عبداللہ نے ماں کی موت کی خبر سنی تو دل کو اِک دھچکا سا لگا کہ اکبر کی بے رُخی اور لاتعلقی کے اتنے بھیانک اثرات اور اس کی شادی ان کے خاندان کی خانہ بربادی ثابت ہوئی۔

والد صاحب نے بھی اسے عاق کر دیا تھا۔ مگر اسے رتی بھر پروا نہ تھی۔ جو بگڑا تھا، جو بھی خسارہ ہوا تھا، بے چارے سادہ لوح والدین ہی اس شکنجے میں آئے تھے۔ عبداللہ کو تمام خبریں بے جی روانہ کرتی رہتی تھیں۔ یہ خبر تو جان کو کھا جانے والی تھی کہ دیدے بیٹوں کی جدائی کا زخم نہ سہہ سکیں اور آخر کار چل بسیں۔ اسی شش و پنج میں گرفتار وہ اپنی بیگم کے ساتھ واک کر رہا تھا۔ خاموشی کی مہر اس کے ہونٹوں پر ثبت تھی۔ بیگم حسبِ معمول باتوں میں مصروف تھی۔ اس کا سانس پھولا ہوا تھا اور دل کی دھڑکن خاصی تیز تھی۔ سر بھی گھوم سا گیا تھا۔ وہ قریبی بینچ پر ستانے کی غرض سے بیٹھ گئی۔ عبداللہ فوراً اسے ہاسپٹل لے گیا۔ بلڈ پریشر کافی ہائی تھا۔ اسے ہاسپٹل ایڈمٹ ہونا پڑا۔ چند گھنٹوں بعد بلیڈنگ شروع ہو گئی اور اسے آپریشن تھیٹر لے گئے۔ بے بی ضائع ہو جانے کا صدمہ ماں کو بے حال و نڈھال کر گیا۔ جبکہ عبداللہ نے سکون کا سانس لیا اور بے جی کے مشورے اور نصیحت کے مطابق اس نے اس کی صحت یابی کے بعد جو پہلا کام کیا وہ اسے طلاق دینے کا تھا۔

اس کے بعد انگلینڈ اس کا دل نہ لگا۔ وہ واپس اپنے ملک آ گیا۔ گاؤں جانا موت کو

دعوت دینے کے برابر تھا۔ کیونکہ وہاں ابھی تک طلاق کی آگ بھڑک رہی تھی۔ اسے قتل کرنے کی دھمکیاں زوروں پر تھیں۔ اس لئے اس نے لاہور نوکری کے لئے اپلائی کیا تو کامیابی ہوگئی۔

نمبردار جی اپنی بیماری، پریشانی اور نقاہت کے باوجود بیٹے سے ملنے لاہور جانے کا پروگرام خوشی خوشی بنانے لگے۔ بے جی نے انہیں اُونچ نیچ سمجھا کر روکنا چاہا، استخارہ بھی نکال کر منع کیا۔ مگر وہ ایک نہ مانے۔ اپنی زندگی میں ایک بار اپنے بیٹے کی شان وشوکت، رعب و دبدبہ دیکھنا بہت اہم لگا تھا۔ اسے مبارکباد دینا بھی اپنے فرائض کے زمرے میں لگا۔ وہ تیار ہوکر اسے ملنے لاہور چلے گئے۔ بڑی مشکل سے گھر کے ایڈریس پر پہنچے تو باہر سے ہی وسیع و عریض سرسبز لان میں سفید بنگلے کو دیکھ کر جھوم گئے۔ تیزی سے گیٹ کی طرف بڑھے ہی تھے کہ باوردی چوکیدار نے نخوت سے انہیں روک دیا۔ انہوں نے اپنا تعارف کرایا تو وہ حیرت سے انہیں دیکھنے لگے۔ وہ اپنے پہناوے اور بات چیت سے اتنے بڑے افسر کے والد کہیں سے نہیں لگ رہے تھے۔ چوکیدار نے انہیں انتظار کرنے کو کہا تو وہ آہ بھر کر گیٹ کی پُلی پر ہی بیٹھ کر بار بار سڑک کی طرف دیکھ کر بے چینی سے انتظار کرنے لگے۔ پھر بھی چوکیدار نے گیٹ نہ کھولا۔

شام ہونے کو تھی کہ جب عبداللہ کی گاڑی گیٹ کے سامنے رُکی۔ گیٹ کھول دیا گیا۔ نمبردار جی تیزی سے گاڑی کی طرف لپکے۔ عبداللہ نے اچنبھے سے انہیں حقارت و ندامت سے دیکھا اور گاڑی اندر داخل ہوگئی۔ اور چوکیدار نے تمسخرانہ مسکراہٹ سے گیٹ بند کردیا۔ نمبردار جی شرمندہ سے ہوکر حیرت و تاسف میں ڈوب گئے۔

'میرے بیٹے نے مجھے نہیں پہچانا۔ بے شک بڈھا ہوگیا ہوں، مگر میری رگوں میں خون تو وہی دوڑ رہا ہے جو اس کے وجود کو تازگی و جوانی بخشے ہوئے ہے۔ جس میں ڈاہڈی کشش بھی ہے اور بوہتی تپش بھی ہے۔ ہائے اس جاتک کو کیا ہوگیا ہے؟' وہ سکتے کے عالم میں وہیں جامد کھڑے سوچ جارہے تھے کہ چند ہی لمحوں کے بعد چوکیدار نے گیٹ کھولا تو نمبردار جی لپک کر گیٹ کے اندر جانے کے لئے بڑھے۔

چوکیدار نے سِلک سے راستہ روک کر نخوت سے کہا۔ ''صاحب نے فرمایا ہے کہ تم گاؤں چلے جاؤ۔ بے جی سے کہہ دینا کہ میں دو چار دنوں میں گھر کا چکر لگاؤں گا۔''

یہ کہہ کر چوکیدار نے سو کا نوٹ نمبردار جی کی طرف بڑھایا۔ ''صاحب نے تمہارے لئے کرایہ وغیرہ بھیجا ہے۔ اب تم یہاں سے جاؤ۔ بغیر سوچے سمجھے منہ اٹھائے چلے آتے ہیں نکمے کہیں کے۔ یہ شہر ہے۔ جہاں نوکری ہے تو چھوکری ہے۔ پھر چاکری بھی نہیں کھٹکتی۔ میرا وقت قیمتی ہے۔'' وہ تلخی سے بولا اور نوٹ ان کے ہاتھ میں تھما کر گیٹ بند کرنے لگا۔

نمبردار جی حیرت و تاسف بھری نظروں سے کبھی ہاتھ میں تھمے نوٹ کی طرف اور کبھی بند

گیٹ کی طرف دیکھتے ہوئے اندازہ لگانے لگے کہ بیٹے نے انہیں پہچانا کیوں نہیں؟ اس میں تبدیلی تو نہیں آئی۔ شاید چار سال کی جدائی نے میرا چہرہ بگاڑ دیا ہو۔ اس کے بھائی اکبر کی بے رخی اور اس کی ماں کی موت نے مجھے حواس باختہ کر دیا ہو۔ ورنہ عبداللہ تو ایسا بے مروّت و بے لحاظ تو ہرگز نہیں تھا۔ ماشاء اللہ! کیا شان ہے میرے بیٹے کی۔ اتنی لمبی گاڑی، باوردی ڈرائیور اور یہ محل۔ مگر کس کام کا کہ اکیلے ہی زندگی گزار رہے ہو۔

چوکیدار کی آواز پر وہ چونکے۔

''بابا! اب جاؤ۔ ورنہ صاحب میری چھٹی کر دیں گے۔ وہ بہت سخت مزاج اور سنگدل انسان ہیں۔ ذرا سی بات بری لگ جائے تو پولیس کے حوالے کر دیتے ہیں۔ بابا! ایسا نہ ہو کہ تم بھی میرے ساتھ جیل میں چکی پیس رہے ہو۔ میں تو جوان جہان ہوں، اتنی محنت و مشقت برداشت کر لوں گا۔ تمہارا تو وہاں سے جنازہ ہی نکلے گا۔'' وہ تمسخرانہ انداز میں بولا۔

''پُتر! تم نے اپنے صاحب کو بتایا ہے کہ میں اُس کا بھاپا ہوں۔ نمبردار دین محمد۔ جاؤ ایک بار پھر بتاؤ۔ شاید میرے صاحب پُتر نے سنا نہ ہو۔'' وہ اُمید و بیم کے لہجے میں بولے۔

''بابا! بھلا باپ کو اولاد نہ پہچانے، یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ گاؤں کے سادہ لوگوں میں سب سے بڑا نقصان یہی تو ہوتا ہے کہ نوکر بھی باپ کے درجے پر اور ملازمہ تو ہر رشتے میں موجود ملے گی۔'' اس نے زہر آلود لہجے میں کہا اور گیٹ بند کر دیا۔

نمبردار جی اپنا شملہ درست کرتے ہوئے وہاں سے چل پڑے۔

'او بدبخت! اگر مجھے پہچاننے میں غلطی ہوئی ہے تو بھی مجھ سے بات تو کر لیتا۔ تیرے در پر کھڑا تھا۔ شاید مجھے آواز سے پہچان جاتے میرے بچے۔ تیرے تک پہنچ اتنی مشکل ہو گی، میں نے کبھی سوچا نہیں تھا۔ کاش تمہیں گاؤں سے باہر کی دنیا نہ دکھاتا۔ تمہاری نگاہوں پر پرائی، خودغرض، بے فیض اور دھوکے باز دنیا کے بے شمار رنگ چڑھ گئے ہیں۔ تمہارا اپنا اصلی اور نکھرا رنگ کہاں چھپ گیا ہے؟ او پُتر! میں چھ پُتراں دے باوجود آج اکیلا رہ گیا۔ اب تو مجھے چرسی بیٹا ہی بہت قیمتی لگنے لگا ہے جو میرے پاس آ کر بیٹھتا ہے۔ میری باتیں سنتا ہے۔ میرا حقہ تیار کرتا ہے۔ میرے شملے کو خود تیار کرتا ہے۔ اور کس قدر فرمانبردار ہے اپنی بے جی کا کہ آج تک کنوارہ بیٹھا ہوا ہے۔'

وہ چلتے ہوئے شدت کی اذیت میں سوچے جا رہے تھے۔ 'تم گاؤں آؤ گے تو میں بھی تمہارے ساتھ یہی سلوک کروں گا۔ پھر تمہیں علم ہو گا کہ اپنے خون کو نہ پہچاننے کا دکھ کتنا بڑا ہوتا ہے۔ ہائے خون میں تو جیٹھ اور ہاڑ کی گرمی ہوتی ہے۔ مقناطیسی محبت ہوتی ہے۔ جس میں مرنے کے بعد بھی کمی نہیں آتی۔ ہر وقت ہی اپنی طرف کھینچ بھی لیتی ہے اور موم کی طرح پگھلا بھی دیتی ہے۔ تم پر تو دونوں نے ہی کام نہ کیا۔ میری اور میرے خاندان کی بدقسمتی ہے کہ تم دونوں اپنی جڑوں، اپنی بنیادوں کو بھول گئے ہو۔ تم دونوں کو صاحب کہتے ہوئے مجھے فخر محسوس

ہوتا ہے۔ کیونکہ ایک باپ کی ذات ہی تو اپنے بیٹے کو خود سے لمبا، خود سے طاقتور اور عقلمند دیکھنے کی خواہشمند ہوتی ہے۔'

خودکلامی کرتے ہوئے ان کی آنکھیں بھر گئیں۔ وہ وہاں سے پاپیادہ ہی چل پڑے۔ جب تھک کر چُور ہو گئے تو تانگے میں بیٹھ کر ریلوے اسٹیشن پہنچ گئے۔ پنڈی جانے والی ٹرین کی روانگی میں کئی گھنٹے باقی تھے۔ وہ وہیں شملہ اُتار کر بینچ پر لیٹ گئے۔ گاڑی آئی اور گزر گئی مگر نمبردار جی نہ اُٹھے۔ اسی شش و پنج میں بتلا وہ مالکِ حقیقی سے اصل اور حقیقت معلوم کرنے جا چکے تھے۔

□.......○.......□

بے جی نے خوشی خوشی عبداللہ کا خط کھولا اور ساتھ بڑبڑانے لگی۔

'میرے بھاپا جی پر قبضہ ہی جما لیا ہے۔ جانتے بھی ہو کہ دیدے کے جانے کے بعد میں کتنی اکیلی ہو گئی ہوں۔ وہی تو میرا سہارا ہیں۔ اور میرا لاڈلا کریم دودھوں اور پوتو سے دُور رہے۔ میری دعا ہے اس کے لئے۔ کیونکہ وہ بھی تو میرا بہت خیال رکھتا ہے۔ اکبر کا کوئی اتہ پتہ نہیں۔ ہائے جیتا رہے، اپنی گوری کے ساتھ ہی عیش و عشرت میں ہو گا۔ ایک عبداللہ ہی تو ہماری شان ہے۔'

''میری پیاری بے جی۔''

بے جی نے فخر و مسرت سے بلند آواز میں دعا دی۔ 'عبداللہ! تم جیتے رہو۔ کوئی ڈھنگ کا ساتھی مل جائے تو کتنا ہی اچھا ہو جائے۔ مگر تم تو اپنی بے جی کو بھول جاؤ گے۔ جیسے اکبر بھول گیا۔ نہ جانے ہندوستان یوپی سے پنجاب آیا بھی ہے کہ لکھنؤ کی پان گلوری میں ہی مست ہے جو ظالم کو بے جی کی یاد ہی نہ ستائی۔' وہ سوچتے ہوئے آنسو صاف کر کے پھر سے خط کی طرف توجہ مبذول کرتے ہوئے تحریر پر بوسہ دے کر پڑھنے لگی۔

''میری جان بے جی! السلام علیکم۔

تم نے بھاپا جی کو میرے بنگلے پر کس خوشی میں بھیج دیا؟ میں نے سیٹ ہونے کے بعد تم سب کو ملنے گاؤں تو آنا ہی تھا۔ میں دیکھتا کہ یہ گھٹیا دو ٹکے کے لوگ مجھے قتل کیسے کرتے؟ انہیں جیل کا ایسا شاندار تعارف کراتا کہ یاد ہی رکھتے کہ ہاتھ کس پر ڈالا ہے۔ میں بھی عبداللہ ہوں جس کی قسمت کی ہر لکیر پر ڈگری کی عبارت لکھی گئی ہے۔''

یہ پڑھ کر بے جی خود سے ہی مخاطب ہوئی۔

'یہ بتاؤ عبداللہ! کہ وہ تمہارے پاس خوش تو ہیں؟ جب سے دیدے گئی ہے، بہت اکیلے ہو گئے ہیں۔ نمبرداری بھی چھوڑ دی۔ ورنہ وہ بھی اچھا شغل اور مصروفیت تھی۔ خوب ٹھکا بھی تھا۔ گاؤں میں خوب چلتی بھی تھی۔ کریم کے کرتوتوں کی پردہ داری بھی تھی۔ اب تو وہ بھی سر سے لے کر پاؤں تک ننگا ہو گیا ہے۔ لے دے کے میں ہی انہیں نظر آتی ہوں، ان کا رونا

دھونا سننے کے لئے۔ سچ بتاؤں میرا تو اپنے کریم سے دل بہلا ہوا ہے۔ اچھا ہی ہوا کہ شادی کا استخارہ نہ نکلا۔ ورنہ وہ بھی آنکھیں پھیر چکا ہوتا۔ میں تنہا تتی (دُکھی) جان اس حویلی میں اپنی زندگی کیسے کاٹتی؟' وہ روہانسی ہوگئی۔

'بس عبداللہ! میرے بھاپا جی کو بھیج دو۔ بلکہ اپنی گاڑی پر خود چھوڑنے آؤ۔ پورے گاؤں میں دھوم مچ جائے گی۔ ہماری تمام قربانیوں کا اجر مل جائے گا۔ اور تم سچ کہتے ہو کہ کوئی تمہاری طرف آنکھ اُٹھا کر دیکھنے کی جرأت نہیں کر سکے گا۔'

''بے جی! میں اتنے بڑے بنگلے میں اکیلا ہوں۔ اب اپنی مرضی سے شادی کروں گا کسی ہم دین سے۔ کیوں بے جی! اب تو اجازت ہے نا؟''

''خدا کے لئے، بے جی کے استخارے کے بغیر ایسی غلطی مت کرنا'' اس نے فوراً ہی ایسے جواب دیا جیسے وہ سامنے ہی تو بیٹھا ہو۔

''بے جی! میری ایک عرض ہے۔ آئندہ بھاپا جی کو میرے بنگلے پر مت بھیجنا۔ میرے ملازموں کی حالت ان سے بدرجہا بہتر ہے۔ مجھے بہت شرمندگی ہوتی ہے یہ کہتے ہوئے کہ یہ میرے الد صاحب ہیں۔ لانگڑ (دھوتی) اور کڑکتے شملے والے۔ بھاپا کا یہاں شہر میں میرے پاس کیا کام؟ افسوس کا مقام ہے کہ لوگ بدلے، دنیا بدل گئی، مگر ہمارے بھاپا جی نہ بدلے۔ بے جی! ان کا پہناوا ہی بدل ڈالو۔ زبان پر تو قابو پایا جا سکتا ہے۔ کم گوئی کا بہانہ بہترین ہتھیار ہے۔ زبان نہ کھلے تو کوئی کیا جانے بولی کو۔ لباس تو تمام رازوں کو افشا کر دیتا ہے۔ اس بار میں ان کے لئے بہترین شلوار قمیض، کوٹ اور ہیٹ لے کر آؤں گا۔ خدا کے لئے ان کے ایک گز لمبے شملے کو تو غائب کرو۔ میری التجا ہے اپنی پیاری بے جی سے۔''

اس نے تمسخرانہ انداز میں جواب دیا۔

'باؤلا کہیں کا۔ بھلا بھاپا جی خود کو کیوں بدلیں گے؟ وہ بھی چھوٹی موٹی چیز نہیں ہیں۔ جوانی میں چیئرمین کے عہدے پر فائز رہے۔ نمبرداری تو ان کے مقدر میں پیدائش سے ہی لکھ دی تھی۔ آج تک اس علاقے میں کسی ایک کا بیٹا اتنا پڑھا لکھا نہیں جتنے تم ہو۔'

''اور آج تک تمہاری بے جی جیسی بیٹی کسی کے گھر میں پیدا نہیں ہوئی دَم درود کرنے والی۔ ولی، اولیاء اور بزرگ تو بے حساب دیکھنے اور سننے میں آئے ہیں۔ لڑکی ولی کہیں نظر نہیں آئی۔ میں نے بھاپا جی کو بہت روکنا چاہا مگر وہ اُلٹے پاؤں پلٹ گئے۔ مجھے لگتا ہے دیدے کی موت نے انہیں مخبوط الحواس کر دیا ہے۔ مجھے شک گزرا تو تھا کہ وہ اپنی حالت پر خود بھی بہت نادم تھے۔ میں نے بہت سمجھایا کہ اب آپ آ ہی گئے ہیں تو کوئی بات نہیں۔ آپ کو کل تک سر سے لے کر پاؤں تک بدل دوں گا۔ صاحب کے والد کو صاحب ہی بنا کر چھوڑوں گا۔ میری اس خواہش پر وہ مجھ سے شاید خفا ہو گئے تھے۔ جب میں واش روم سے باہر نکلا تو وہ جا چکے تھے۔ بے جی! خدا کے لئے اب مجھے گناہگار مت کرنا۔ وہ جب بھی میرے لئے اُداس ہوں،

خود آنے کے بجائے خط کے ذریعے مطلع کر دیں۔ خدمت میں حاضر ہو جاؤں گا۔''

'ہائے میرے بھاپا جی اُسی دن واپس آ گئے تھے تو کہاں چلے گئے جو ابھی تک گھر نہیں پہنچے۔' وہ اچنبھے سے اُٹھی، خط وہیں پھینکا، برقعہ سر پر رکھ کر وہ کریم کو ڈھونڈنے باہر نکل گئی۔ مگر کریم کسی بھی دوست کے ڈیرے اور بیٹھک میں نہ ملا۔ وہ خوف سے لرزتی ہوئی رشتہ داروں کے ہر گھر میں جھانک کر بھاپا جی کا پوچھتی اور ان کے اچانک غائب ہونے کی روئیداد تڑپ کر سناتی اور اگلا دروازہ کھول کر بھاپا جی کو دلسوز آواز سے پکارتی۔

حویلی ایک گھنٹے میں رشتہ داروں اور علاقے کے تمام معزز حضرات سے بھر گئی۔ آدھی رات کریم بھی گھر واپس آ گیا۔ بے جی نے اس کا کان مروڑتے ہوئے اس کے سر میں دو جوتے کس دیئے۔ وہ ان کے سامنے سر جھکا کر بیٹھ گیا۔ اسے حویلی کی چھل پہل میں اُداسی اور مایوسی کی سمجھ نہیں آئی تھی۔

''کچھ ہوش ہے تمہیں کہ ہمارے ساتھ کیا ہو گیا؟'' وہ روتے ہوئے چیخی۔ ''ہر وقت چرس میں مدہوش رہو۔ کوئی جیے یا مرے، تمہیں اس سے کوئی مطلب نہیں۔''

''اب کی بار عبداللہ لالہ نے شادی رچالی ہو گی۔ بے جی! میں بھی ایسا ہی کرنے والا ہوں۔ دو بھائی ایسی بے ہودہ حرکتیں نہایت فخر سے کر سکتے ہیں تو مجھے کیا تکلیف ہے؟ اب کسی کی رکاوٹ میں نہیں آؤں گا۔ نہ ہی تمہارے استخارے کا انتظار کروں گا۔ شادی رچا کر تمہارے استخارے کو حلال کر دوں گا۔ ذرا دیکھنا تو بے جی۔''

''بدبخت! تمہارے بھاپا جی ایک مہینے سے غائب ہیں۔ جاؤ انہیں ڈھونڈ کر لاؤ۔ لاہور کا کونہ کونہ چھان مارو۔ شاید کسی دور پار کے رشتہ دار کے ہاں چلے گئے ہوں۔ تمہیں پڑی ہے شادی کی۔'' وہ دُہائی دیتے ہوئے بولی۔

''آج تک بھاپا جی رات باہر نہیں رہے۔'' وہ بھی چونک گیا۔ ''وہ اکثر کہا کرتے تھے کہ جب اُڑتے پنچھی اپنے گھونسلوں میں واپس آتے ہیں تو مجھے ان پر بے تحاشا پیار آتا ہے۔ انسان کو وفا ان سے سیکھنی چاہئے کہ کیا مجال کہ اپنے آشیانے سے باہر رات کا ایک لمحہ بھی گزار جائیں۔ بے جی! ہمارے بھاپا کہاں رہ گئے؟ میرا دل ڈوبنے لگا ہے۔''

بے جی نے کوئی جواب نہ دیا تو کریم دھاڑیں مارنے لگا۔ بے جی کے سامنے خط کھلا ہوا تھا۔ وہ بار بار پڑھ کر نتیجہ اخذ کرنے کی کوشش کر رہی تھی مگر معمہ حل نہ ہو سکا کہ بھاپا تو بڑے شوق سے عبداللہ سے ملنے شہر گئے تھے۔ وہاں پہنچتے ہی واپس کیوں چل پڑے؟ بیٹوں کی کسی بات کا آج تک انہوں نے برا نہیں منایا۔ کبھی ڈانٹ ڈپٹ نہیں کی۔ ان کی ہر غلطی کو معاف کر دیا۔ ہائے جب سے دیدے گئی ہے، بھاپا بھی کچھ نارمل نہیں رہے۔ نہ جانے اپنا رستہ ہی بھول گئے ہوں۔ لاہور اتنا بڑا شہر ہے۔ ضرور کہیں نہ کہیں بھٹک رہے ہوں گے۔

وہ سوچ کے تانے بانے بُن رہی تھی مگر سر پیر کا حصول ناممکن لگ رہا تھا۔

''بے جی! میرا دل کہتا ہے کہ وہ ضرور اور جلد ہی آ جائیں گے۔ اُنہیں مزاروں پر حاضری دینے کا بہت شوق ہے۔ مجھے امید ہے کہ داتا صاحب کے مزار پر سر جھکائے بیٹھے ہوں گے۔ دیدے نے اُنہیں بہت دکھی اور اکیلا کر دیا ہے۔ وہ بھاپا کی بڑی اچھی ساتھی تھیں۔ وہ اُنہیں بھول نہیں پائے۔ بے جی! تم مانو یا نہ مانو، داتا جی کے پاس بیٹھے دیدے کی بخشش کی التجا کر رہے ہوں گے۔'' وہ کافی سوچ بچار کے بعد بولا۔ ''کاش میں ہی ان کے درد کو محسوس کر لیتا۔ اُنہیں سگریٹ کا ایسا شاندار کش لگواتا کہ دیدے کو بھی بھلا دیتے اور اپنے بڑھاپے کو بھی جوانی میں بدلنے کی سوچنے لگتے۔

''کریم! کبھی کبھی تم بھی بڑے پتے کی بات کرتے ہو۔ یہ موذی چرس چھوڑ دو تو دونوں بھائیوں کو پچھاڑ دو گے۔ کریم! میری ایک بات تو مانو۔ کل ہم دونوں بہن بھائی لاہور چلتے ہیں۔ عبداللہ کے پاس جانے کے بجائے سب سے پہلے اپنے پیارے بزرگ، پیروں کے پیر داتا صاحب کے مزار پر حاضری دیں گے۔ مجھے الہام ہوا ہے کہ بھاپا جی ہمیں ان کے مزار پر ہی مل جائیں گے۔ اچھا ہے، ان کے دل کو کچھ تو سکون آیا ہو گا۔'' وہ پُر اُمید لہجے میں بولی۔

''میرا تو اس طرف دھیان ہی نہ گیا۔ تم بڑے سمجھ دار اور دُور اندیش نکلے ہو کہ تمہاری سوچ کہاں پہنچ گئی۔''

''آخر بے جی کا بھائی اور نمبردار جی کا بغیر ڈگریوں کے وہ بیٹا ہوں، جسے کاغذی تعلیم کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ پھر بتاؤ بے جی! لائق فائق کون ہوا؟ جنہوں نے ہماری زمینوں کو کاغذوں کے حوالے کیا یا جس نے گنوائے بغیر ہی اعلیٰ عقل و ہمت پائی۔ اسے تعلیم کہتے ہیں۔'' وہ خود پسندی کے انداز میں بولا۔ ''بے جی! میں اکیلا بھی جا سکتا ہوں۔ لالہ کے بنگلے پر رات گزار کر اگلے ہی دن بھاپا کو ساتھ لے کر واپس پہنچ جاؤں گا۔ تُو دعا کر۔ فکر نہ کر۔''

''اس بہانے عبداللہ سے میری بھی ملاقات ہو جائے گی۔ اُس کا بنگلہ بھی دیکھ لوں گی۔ اُس کی شان و شوکت کی نظر بھی اُتار دوں گی۔ گھر بھر میں دم کر کے اسے جادو ٹونے سے محفوظ بھی کر لوں گی۔'' وہ قدرے اطمینان بھرے لہجے میں بولی۔ ''اس لئے دونوں بہن بھائی چلتے ہیں۔''

''ٹھیک ہے بے جی! اگر تُو کہتی ہے تو مان لیتا ہوں۔'' وہ سنجیدگی سے بولا اور اُٹھ کر حویلی سے باہر نکل گیا۔ مسجد سے اذان کی آواز آ رہی تھی۔ اُس نے رمضان چاچا کے گھر کا دروازہ کھٹکھٹا کر گھوڑا گاڑی تیار کرنے اور آدھ گھنٹے میں ریلوے اسٹیشن جانے کا پروگرام بتایا اور سخت فکرمندی کے عالم میں حویلی کے اندر آ کر برآمدے میں بان کی ننگی چارپائی پر لیٹ گیا۔ بے جی جانے کی تیاری میں مصروف ہو گئیں۔

□.......○.......□

داتا صاحب کے دربار سے ناکامی کے بعد کریم نے بے جی کو عبداللہ کے بنگلے پر چھوڑا اور خود ریلوے اسٹیشن چلا گیا۔ وہاں کا بھی کونہ کونہ کھنگال مارا۔ ہر آنے جانے والے سے بھاپا جی کا حلیہ بیان کر کے معلوم کرنے کی کوشش کی لیکن ناکامی نہ ہوئی۔ وہ دُکھ وغم میں دنیا و مافیہا سے بے خبر بین کرتا ہوا بنگلے پر پہنچا اور گیٹ سے اندر داخل ہوتے ہی سر پر دونوں بازو رکھ کر اس نے دکھ بھری آواز میں کہا۔

''ہائے لالہ! ہائے بے جی! اسیں لٹے گئے۔ اسیں یتیم نے لاوارث ہو گئے۔'' وہ بار بار یہ جملے دہراتا ہوا برآمدے تک پہنچا۔ عبداللہ نے آواز سن کر اخبار میز پر زور سے پھینکا اور بے جی کی طرف دیکھ کر غصیلے لہجے میں بولا۔

''میرا بھی وہ باپ ہی تھا۔ کیا مجھ دکھ نہیں ہے ان کی یوں گمشدگی کا؟ مگر کچھ اپنے جذبات پر کنٹرول بھی تو کرنا ضروری ہوتا ہے۔ بے جی! اسے جا کر سمجھاؤ کہ یہ بین اس ماحول میں نہیں چلتے۔ گاؤں جا کر دس رشتے داروں کے ساتھ مل کر ادا کرے گا تو بہتر رہے گا۔ خوب داد وصول کرے گا۔''

''عبداللہ! کیسی عجیب باتیں کرتے ہو؟ اگر تمہیں بھاپا جی کا اتنا ہی دکھ ہوتا تو کب کے ڈھونڈ چکے ہوتے۔ اوّل تو انہیں اکیلا جانے نہ دیا ہوتا۔ عبداللہ! کان کھول کر سن لو۔ اگر ہمارے بھاپا جی نہ ملے تو میں زندہ ہی قبر میں دفن ہو جاؤں گی۔ تیری اکلوتی بہن نہیں رہے گی۔ سن لو۔ پھر نہ کہنا کہ میں نے بتایا نہیں تھا۔'' بے جی زار و قطار روتے ہوئے بولیں۔

''بے جی! پلیز رونا بند کرو۔ میرے لئے کیا حکم ہے میری بے جی کا؟'' وہ ایک دم سے مدھم پڑ گیا۔ کیونکہ بے جی کی آنکھوں میں آنسو دیکھنا اور یوں مرغ بسمل کی طرح تڑپنا اس سے برداشت کرنا محال تھا۔ عبداللہ نے زندگی میں سب سے زیادہ پیار ہی بے جی سے کیا تھا۔ ان کی کسی بات کو کبھی ٹالا نہ تھا۔ ان کے سامنے تو وہ کٹھ پتلی بن جایا کرتا تھا۔ بندر کے تماشے سے بہن کا دل بہلانے لگتا تھا۔

''تمہارے لئے تمہاری بے جی کا حکم ہے کہ ابھی اور اسی وقت اُٹھو اور اس وقت تک گھر واپس نہ آنا جب تک بھاپا جی کی اطلاع تمہارے پاس نہ پہنچے کہ وہ کہاں ہیں، کس حالت میں

ہیں اور ہم سے کس گستاخی کا بدلہ لے رہے ہیں۔'' وہ آنسو صاف کرتے ہوئے بولی تو عبداللہ کھڑا ہو گیا۔

''میں ابھی اور اسی وقت جانے کے لئے تیار ہوں۔ مگر اس چرسی کو یہاں سے چلتا کرو۔ بے جی! یہاں میری بھی تو عزت ہے، نام ہے۔ اس کی موجودگی میں خاک میں مل جائے گی بنی بنائی عزت۔'' وہ نخوت سے بولا۔

''ہیں..... ارے باؤلے! وہ کیوں جائے گا یہاں سے؟ اس کے لالے کا بنگلہ ہے۔ غیر تو نہیں۔'' وہ حیرت سے بولیں۔ ''کیسی بے وقوفانہ باتیں کرتے ہو؟ تمہاری عزت اس کی عزت اور تمہارا نام اس کا نام۔ اس کا آگے پیچھے تمہارے بغیر کون ہے؟ نہ رَن نہ کن۔ تم ہی تو سب کچھ ہو۔''

''بے جی! میری بات یاد رکھنا۔ یہ ناہنجار میرے ملازموں اور چوکیداروں کے ساتھ چرس اور بھنگ کے سیشن لگائے گا۔ کس قدر گھٹیا انسان ہمارے گھر میں پیدا کیا گیا ہے۔ مجھے اس چرسی سے سخت گھن آتی ہے۔ گاؤں میں بھی ہمارے گھر کی عزت کی بولی لگا دی ہے اس نے۔ بھاپا جی کو دیدے کا نہیں، اس کا غم کھا گیا ہے۔ میں اب سمجھا ہوں اس کی حالت دیکھ کر۔'' وہ نفرت آگین لہجے میں بولا۔

''او صاحب! ایسی باتیں مت کر۔ میں جانتی ہوں تیری محبت کی شدت کو، عقیدت کی انتہا کو۔ یقین جانو کمی اس بے چارے میں بھی نہیں۔ آج تک میرے استخارے کے انتظار میں بیٹھا ہے۔ تمہارا کیا خیال ہے کہ سچ مچ استخارہ اس کے حق میں نہیں نکل رہا؟ ایسا ہرگز نہیں۔ اس نشے کی وجہ سے میں کسی کی بیٹی کی زندگی تباہ نہیں کرنا چاہتی۔ دوسری میری اپنی مجبوری یا خودغرضی کہ گاؤں کی حویلی میں مجھے اسی نشئی کا ساتھ چاہئے۔ اپنی تو اس کی سوچ ہے نہیں، میری لکیر کا فقیر ہے۔ اپنی درویش بے جی کے لئے آئیڈیل ہے۔ بھاپا نے تو ہر شے بیچ کر دو بیٹوں کو اعلیٰ تعلیم دلوا دی۔ مجھے گھر بیٹھے دینی اور دنیاوی تعلیم سے آراستہ کیا۔ اگر زیادتی ہوئی ہے تو اسی مسکین پر۔'' وہ سمجھاتے ہوئے رحم و ترس سے بھر بھر گئی۔

''بے جی! یہ شروع ہی سے نالائق اور کند ذہن ہے۔ ذرا سا بھی بہتر ہوتا تو بھاپا جی نے اس کے مستقبل کی خاطر اپنا سودا کر لیا ہوتا۔ وہ تو بہت زِیرک انسان تھے اور دوراندیش باپ بھی۔ یہ ہی بدنصیب نکلا۔'' عبداللہ نے چڑ کر کہا۔ ''اس لئے اس پر رحم و کرم کرنے کے بجائے صبح شام دس جوتے لگایا کرو۔''

''جو بھی ہے، جیسا بھی ہے، عبداللہ! میں تو اس کو ایک پل کے لئے اکیلا نہیں چھوڑ سکتی۔ لے دے کے ایک حویلی ہی تو باقی رہ گئی ہے۔ مجھے ہر وقت ڈر لگا رہتا ہے کہ کہیں یہ بے وقوف اسے کھو نہ دے۔ اس کے دوست ہلکی سی تھپکی دے کر اسے ہتھیا نہ لیں۔ انہیں صرف میرا ہی ڈر ہے۔ باقی یہ بات کسی سے چھپی ہوئی تو ہے نہیں کہ اکبر تو ہمیشہ کے لئے بے دین

بیوی کا پیارا ہو گیا۔ اور عبداللہ کو دیندار بیوی نے گاؤں سے بھگا دیا۔ نہ اپنی بھلی ثابت ہوئی نہ پرائی بھاوج۔ ہائے ہماری قسمت۔'' وہ غصیلے لہجے میں بولی۔

''بے جی اِک احسان کرو مجھ پر۔ اس سٹوپڈ ایکٹر کے بین پر کرفیو لگا دو۔ اور اسے گھر کے اندر بند کر دو۔ خدا کے لئے بے جی! تمام نوکر ہنس رہے ہیں۔''

کریم کے بین بتدریج بلند اور دُکھی ہوتے جا رہے تھے۔ اس کے آس پاس ملازموں کی اِک فوج تماشائی بنی کھڑی تھی۔ جیسے بندر کا تماشا دکھایا جا رہا ہو۔

□.......○.......□

'بھاپا جی کہاں چلے گئے؟...... میرے گھر میں وہ پہلی بار آئے تھے۔ میرے روّیے نے اُنہیں موت کے گھاٹ اُتار دیا ہو گا' عبداللہ ڈرائیو کرتے ہوئے سوچے جا رہا تھا۔

'اتنے بڑے شہر میں انہیں تلاش کرنا آسان کام نہیں۔ مجھ سے ناراض ہو کر وہ کہیں نہیں جا سکتے۔ ضرور گھر جانے کے لئے اسٹیشن کی طرف رخ کیا ہو گا' وہ سوچتے ہوئے ریلوے اسٹیشن پہنچ گیا۔ گاڑی پارک کر کے وہ تانگہ اسٹینڈ کی طرف چلا گیا۔ وہاں کوچوان سواریوں کے انتظار میں گھوڑوں کو چارہ کھلا رہے تھے۔

عبداللہ نے ان کے قریب جا کر ہر ایک سے مصافحہ کیا اور اپنی پریشانی کی کتھا بیان کی تو ایک کوچوان جس کا نام انتظار حسین تھا، اس نے ایک کپڑے کا میلا سا تھیلا نکالا جو ایک سواری اس کے تانگے میں بھول گئی تھی۔ جس کے حلیے کا عبداللہ نے نقشہ کھینچا تھا، وہ اسی سواری سے ملتا جلتا تھا۔ عبداللہ نے تیزی سے تھیلا پکڑا اور کھول کر دیکھنے لگا۔ بھاپا جی کی دھوتی اور کُرتہ دیکھ کر وہ شاک میں چلا گیا۔ ایک رومال میں مسواک، کنگھی اور عطر کی شیشی باندھی ہوئی تھی۔ ایک تھیلے میں کھسہ لپیٹا ہوا تھا اور ایک خستہ حال کاپی تھی، جس پر کچھ حساب کتاب، پوسٹل ایڈریس، ہندوستان کے ہر سکول، کالج اور یونیورسٹی کے نام بمعہ ایڈریس لکھے ہوئے تھے۔ لندن کی یونیورسٹی کے نام بمعہ پروفیسرز کے۔ اور عبداللہ کے گھر کا ایڈریس جس کے نیچے لکھا تھا۔

''زندہ باد میرے بچے! میری شان اور میرا ایمان ہے تُو۔ تُو میرا ہی نہیں، اس گاؤں بھر کا صاحب ہے۔''

یہ پڑھ کر اس کا سر چکرا گیا۔ 'او مائی گاڈ!'

''صاب جی! ہاتھ لگایا بخش دیجیو۔ میں نے اسے کھول کر نہیں دیکھا۔ امانت تھی میرے پاس۔ رب نے خود حفاظت کی اور آپ تک پہنچا دی۔''

''یہ تھیلا میرے بھاپا جی کا ہے۔'' وہ افسوس ناک لہجے میں بولا۔

''وہ بہت جلدی میں تھے۔ گاڑی چھوٹنے کے ڈر میں بھول گئے اور گھر پہنچ کر یاد تو آیا ہو گا۔ میں ان کے انتظار میں ہی تھا۔ وہ تو نہ آئے چلو ان کا بیٹا تو آ ہی گیا۔ اچھا ہوا۔'' وہ

بولے جارہا تھا۔

عبداللہ نے تھیلا سمیٹا، اسے گرہ لگائی اور اسے عقیدت سے اٹھا کر سینے سے لگایا اور چل پڑا۔

'بھاپا جی! کہاں چلے گئے؟ مجھے معاف کر دیں۔ آپ یوں اپنا اثاثہ بھولنے والی ہستی تو نہیں تھے۔ میرے سلوک سے آپ ضرور شاکڈ ہوں گے۔ پریشان و ہراساں ہوں گے اور بہت جلدی ہوگی اپنے گھر جانے کی۔ مجھ پر بے پناہ غصہ ہوگا۔ بے بسی اور بے چارگی ہوگی۔ پچھتاوا اور کرب ہوگا۔ کچھ بھی ہوسکتا ہے۔ جو بھی احساسات و جذبات تھے، بے حد اذیت دہ ہوں گے۔ مجھے معاف کر دیں بھاپا جی! آپ کو تلاش کئے بغیر بے جی کو شکل نہیں دکھاؤں گا۔ میں سب کا گناہگار ہوں۔ یہ انجانے میں مجھ سے اتنی بڑی غلطی سرزد ہوگئی، مجھے اندازہ ہی نہ ہوا۔ بے وقوف، نادان، جاہل اور اناڑی تو میں ہوں، کریم نہیں۔ وہ مجھ سے بہت بہتر انسان ہے۔ جس نے اپنے ماں باپ کو پیار کیا، ان کی قدر کی، انہیں اُف تک نہ کہا، ان کے سامنے آنکھ اٹھا کر گستاخی کرنے کی جرأت نہ کی۔ اور آج بھی وہ ان کے لئے کیسے تڑپ رہا ہے۔ چھوٹے بچوں کی طرح بلک بلک کر فریادیں کر رہا ہے جسے میں نے ایکٹنگ کا نام دیا۔ کیا زندگی میں، میں نے ہر قدم پر ایکٹنگ نہیں کی؟ جس مقام پر میں کھڑا ہوں، کیا اسے حاصل کرنے کے لئے میں نے ایکٹنگ نہیں کی؟...... بہت کی اور بار بار کی۔ اور آئندہ بھی جاری و ساری رہے گی۔ انسان جس ماحول میں رہتا ہے، اس کی ایکٹنگ اسی کے مطابق ہوتی ہے۔ اس کے لطیفے، کہاوتیں اور کہانیاں اسی کے مطابق تخلیق کی جاتی ہیں۔ طنز و مزاح میں بھی وہی رنگ بھرا جاتا ہے۔ دُکھوں اور غموں کے اظہار میں ویسی ہی جھلک نمایاں ہوتی ہے۔ میں یہ نہ سیکھ پایا تو ان ڈگریوں کا میرے خاندان کو کیا فائدہ ہوا؟ بھاپا جی! آپ نے مجھے بہت بڑا سبق سکھا دیا جو مجھے دنیا کے بہترین سکول، کالج اور یونیورسٹیز بھی نہ سکھا دے۔ ایک بار مجھے معافی کا موقع تو دے کر دیکھیں۔ پھر کبھی آپ کو مایوسی نہیں ہوگی'

□......○......□

صاحب کو گھر سے گئے پانچواں دن تھا۔ نہ کوئی خبر نہ اطلاع موصول ہوئی تھی۔ بے جی کی نوافل، نمازوں، وظیفوں اور دعاؤں میں بتدریج اضافہ ہو رہا تھا۔ انگریز کی طرف سے عبداللہ کو عنایت کردہ وسیع و عریض تناور درختوں اور سدا بہار و موسمی پھولوں سے مزین بنگلہ جو خوشی کی حالت میں جنت کا گہوارہ معلوم ہوتا تھا، اب کس کی وقعت و اہمیت دوزخ سے کم نہ تھی۔ انسانی مزاج بھی ڈھلتے موسم کی طرح ہے۔ جو کبھی بھی ایک سا نہیں رہتا۔ گرمی و سردی کی شدت اور تخفیف میں شدید اور دھیما پڑ جاتا ہے۔ اور یہی پیمانہ ماحول اور فضا کے اچھا یا برا، اُتار یا چڑھاؤ، اُداسی و خوشی اور مایوسی و اُمید سے ہمہ گیر رکھنے میں کمال کا رول ادا کرتا ہے۔

کریم ایک کمرے میں بند ہوا تو اسے باہر نکلنے کی ضرورت ہی محسوس نہ ہوئی۔ نہ دل مطمئن تھا، نہ ہی سوچ مثبت تھی۔ طرح طرح کے وہم، خدشے اور اندیشوں کی دبیز تہہ ذہن و قلب پر چھا چکی تھی۔ عبداللہ واپس آئے یا نہ آئے، اسے اس سے کوئی سروکار نہ تھا۔ بھاپا جی کا منتظر دکھ اور غم سے نڈھال خلوت نشینی میں آہ و بکا کیے جا رہا تھا۔ بے جی کے لئے یہ دکھ بھی ہر دکھ پر بھاری تھا کہ کریم جو اس کی تنہائیوں کا ساتھی تھا، سنبھل نہیں رہا تھا۔

صاحب ساتویں دن صبح ہی صبح گھر واپس آ گیا۔ اس کی اپنی حالت بھی کافی ناگفتہ بہ ہو چکی تھی۔ چہرے پر اُداسی و مایوسی کی پرچھائیوں کے ہمراہ احساسِ ندامت کا غلبہ تھا۔ سیدھا بے جی کے کمرے کی طرف چل دیا۔ ہاتھوں میں ایک بھاپا جی کے کپڑوں کا تھیلا تھا۔ دوسرے ہاتھ میں ایک چھوٹی سی گٹھڑی تھی۔ بے جی ابھی تک جاء نماز پر بیٹھی دعاؤں کو طویل کرتی جا رہی تھیں۔ آنسو رواں دواں تھے۔ عبداللہ کو دیکھ کر تیزی سے کھڑی ہو کر اس کے گلے لگ کر روتے بلکتے اور تڑپتے ہوئے بولنے لگیں۔

''تم ہمیں ان نوکروں کے سہارے چھوڑ کر کہاں غائب ہو گئے تھے؟ جانتے ہو کہ میں نے تمہاری سلامتی اور واپسی کے لئے کتنے وظیفے کر ڈالے ہیں۔ شکر ہے کہ تم خیریت سے پلٹ آئے ہو۔ کاش میں نے بھائیوں سے اس قدر پیار نہ کیا ہوتا۔''

''بے جی! آپ کے حکم کی تعمیل کی ہے۔ میری گھر واپسی ابھی بھی ناممکن تھی۔'' وہ پژمردگی سے بولا۔ ''مجھ آپ کی فکر ستائے جا رہی تھی اس لئے واپس آ گیا۔ لاہور کا کوچہ کوچہ، گلی گلی چھان ماری۔''

''پھر بھی اکیلے ہی آئے ہو۔ میرے بھاپا جی کہاں ہیں؟'' وہ دروازے کی طرف دیکھ کر امید و بیم لہجے میں بولی۔ ''مجھے امید ہے کہ اتنے دنوں بعد تو انہیں میرے بادشاہ بھائی نے ڈھونڈ ہی نکالا ہوگا۔ میرا بھائی ایسا ویسا تو ہے نہیں۔''

''ہمارے بھاپا جی یہ ہیں بے جی!'' اس نے تھیلا اور گٹھری نہایت احترام سے ان کی آغوش میں رکھتے ہوئے رنجیدگی سے کہا اور بے دم سا ہو کر ان کے سامنے سر جھکا کر کسی مجرم کی مانند بیٹھ گیا اور آنسو پیتے ہوئے تمام سرگزشت گوش گزار کر دی۔

گھر کا ماحول سوگوار تو تھا ہی، اب سوگواری کو زبان مل گئی تھی۔ خوب رونے دھونے کے بعد بے جی نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

''ہم اپنے بھاپا جی کی میت اپنے گاؤں لے کر جائیں گے۔ اپنے آبائی قبرستان میں وہ دفن ہوں گے تو ہر رشتہ دار، اڑوس پڑوس اور ان کے دوست احباب کے فاتحہ پڑھنے سے ان کی روح کو ایصالِ ثواب ملے گا۔ ہماری رِیت رواج یہی ہیں۔ آخر نمبردار تھے ہمارے بھاپا جی۔'' بے جی نے روتے ہوئے کہا۔ ''دوسرا اپنے باپ دادا کے پہلو میں ہم نشینی بھی نصیب ہو گی۔ دیدے بھی خوش ہو جائے گی۔ لے جانے کی تیاری کرو۔''

’’بے جی! یہ تو ناممکن ہے۔‘‘ وہ اچنبھے سے بولا۔ ’’کیسی عجیب اور انہونی باتیں ہیں آپ لوگوں کی۔ قبر کھدوا کر مردہ لے جانے کی خواہش پاگل پن ہے۔‘‘

’’اسے میں ممکن بناؤں گی۔ تم چوڑیاں پہن کر گھر بیٹھو۔ انگریزی تعلیم نے تمہیں بزدل اور کم ہمتی ہی تو سکھائی ہے۔ مجھے آج احساس ہوا ہے کہ کریم اَن پڑھ ہی بھلا تم سے ہزار درجے بہتر ہے۔ اپنے خاندان کے ہر فرد کے قریب بھی ہے۔ اور میرے جوتے، گالیاں اور ڈانٹ کھا کر بھی میرے سامنے آنکھ نہیں اٹھاتا۔ تم صاحب اس کی جوتی کی خاک سے بھی بدتر ہو۔ مجھے تو اس تمام کھیل میں تمہاری لاپروائی اور بے توجہی نظر آتی ہے۔ پہلی دفعہ افسر پُتر کی شان و شوکت کے نظارے تو انہوں نے دیکھ ہی لئے ہوں گے۔ بے چارے مسکین ہضم ہی نہ کر سکے اور اللہ کو پیارے ہو گئے۔‘‘ بے جی نے روتے ہوئے کہا۔

’’مجھ پر الزام تو مت لگائیں۔ وہ صرف آپ سب کے بھاپا نہیں تھے، میرے بھی تھے۔ اور مجھے پسند بھی بہت کرتے تھے۔ ایسے تو مجھ پر پیسہ پانی کی طرح نہیں بہا دیا تھا۔ ان کا سب سے لاڈلا بیٹا میں ہی تو تھا۔ انہیں مجھ پر فخر تھا بے جی!‘‘ وہ بمشکل بولا۔ گلٹ کی شدت سے الفاظ حلق میں اٹک رہے تھے اور آنکھیں مارے ندامت کے جھکی ہوئی تھیں۔

’’خوب صلہ دیا ہے اولاد نے۔ اکبر کو اولاد دو کہ آرمی بینڈ کے ساتھ باپ کا منہ دیکھنے آ جائے۔ اور تم انجینئر ہو۔ مضبوطی سے قبر ڈیزائن کرو باپ کی کہ کہیں باہر نہ نکل آئے۔ کریم! اسی وقت اُٹھو۔ ہم ریلوے کے قبرستان سے اپنے بھاپا جی کی میت اپنے آبائی قبرستان لے کر جائیں گے۔ جہاں ان کے باپ دادا دفن ہیں۔ یہاں لاوارث اور بے نام کیوں رہیں۔ تمہیں یاد ہے، میرے بھاپا نے مجھے کبھی بیٹی تصور نہیں کیا تھا۔ مجھ سے بڑے تینوں مرحوم جوان بیٹوں کا لقب مجھے ہی دیا کرتے تھے۔ میں آج انہیں بیٹا ہی بن کر دکھاؤں گی۔‘‘

بے جی نے اپنی تسبیح گلے میں ڈالی اور صندوق میں اپنے قرآن اور کپڑے ڈال کر تالا لگا دیا اور سرعت سے باہر نکل گئیں۔ ملازمہ کو تانگہ لانے کا حکم صادر کیا اور کریم کے ساتھ گیٹ پر کھڑی ہو کر تانگے کا انتظار کرنے لگیں۔

’’بے جی! خفا ہو کر مت جائیں۔ کریم کو گاؤں بھیج دیں۔ جا کر قبر کا انتظام کرے۔ ہم دونوں میت کے ساتھ جائیں گے۔‘‘ عبداللہ نے منت سماجت کرتے ہوئے کہا۔ ’’بھاپا جی کو لے جانے کے لئے ہمیں تھوڑا وقت چاہئے گا۔‘‘

’’ٹھیک ہے۔ سمجھتی ہوں۔ جاہل نہیں ہوں صاحب! تم مجھے قبرستان چھوڑ دو۔ باقی کارروائی ہوتی رہے گی۔ ورنہ میں خود بھی سب کچھ کرنے کی ہمت رکھتی ہوں۔ آخر اسی دلیر باپ کی بیٹی ہوں۔‘‘ وہ ہمت کو بحال کرتے ہوئے بولی۔ ’’ڈر کس بات کا؟ باپ ہمارا ہے۔ ان پر حق ہمارا ہے۔ نہ کہ اس بیگانی مٹی کا۔‘‘

’’بے جی! یہ گاؤں کا آبائی قبرستان نہیں ہے۔ شہری قبرستان میں ایک جوان عورت کا

اکیلے رُکنا درست نہیں۔'' وہ آہستگی سے بولا۔''یہاں کے قانون واصول آپ نہیں جانتیں۔ یہاں جانے والوں کے ساتھ پیارے مرنہیں جاتے۔''

''تو کیا قبرستان یعنی موت میں بھی تفریق کی گئی ہے یہاں۔ امیر، غریب، شہری اور دیہاتی کی پیدائش اور مرگ بھی ایک جیسی نہیں رہی۔ عبداللہ! حیف ہے تمہاری سوچ پر۔ تم تو دیسی نہیں، ولایتی بن گئے ہو۔ ولایت کی تعلیم نے یہی تو تمہیں سکھایا ہے۔ انگریز کی روٹی پر پلنے سے تم ولایتی کتے بھی نہیں کہلا سکتے۔ دیسی اور غلام ہی رہو گے۔ نہ تمہاری جان نہ پہچان ہے نہ ہی تمہارے خاندان کا نام ونمود تمہارا ساتھ دے سکا۔ کیونکہ تمہاری ذہنیت ہی غلامانہ ہے اور اسی پر تمہیں فخر ہے۔ تمہاری تمام ڈگریوں پر جہالت کی مہر چسپاں ہے۔ یاد رکھو، تمہاری جڑیں گاؤں کی مٹی میں ہیں۔ تمہاری نفرت وندامت سے مرنہیں جائیں گی۔ آخر ہو جو صاحب۔ کچھ نہیں سمجھو گے ہماری ریت رواج کو۔''

''بے جی! آپ خوامخواہ ناراض ہو رہی ہیں۔ آپ اندر تو چلیں۔ میں کریم کو ٹرین پر بٹھا کر بھاپا جی کو گاؤں لے جانے کی پرمیشن لے کر آتا ہوں۔ بے جی! یہ آسان کام نہیں۔ آپ کو باہر کی دنیا کی کوئی خبر نہیں۔ پلیز بے جی! آپ کا قصور نہیں۔ دیہاتی کیا جانیں ان ایٹی کیٹس کو۔''

''پرمیشن یعنی اجازت نامہ۔ باپ ہمارا اور اجازت دے گی انگریز سرکار۔ واہ جی واہ۔'' وہ طنزیہ لہجے میں بولی۔ ''تم بھی تو اسی سرکار کے پٹھو ہو۔ تمہیں مشکل نہیں ہونی چاہئے۔'' وہ کڑک دار انداز میں بولتی ہوئی گیٹ سے ہٹ کر بنگلے کے اندرونی حصے میں آ کر اونچی آواز میں رونے لگی۔

اور پھر گاؤں میں میّت پہنچی تو فلک شگاف چیخوں اور بین نے تہلکہ مچا دیا۔

نمبردار جی کا جنازہ ہوا تو جنازہ گاہ میں تِل دھرنے کی جگہ نہ رہی۔ سب نے باری باری جنازے میں شرکت کا شرف حاصل کیا۔ جتنے منہ اتنی باتوں کے مصداق نمبردار جی جنتی روح تھے۔

نمبردار جی کے جانے کے فوراً بعد سب اپنے کاموں میں مصروف ہو گئے۔ مگر بے جی کا دل دنیا سے اُچاٹ ہو گیا۔ کریم پہلے ہی ہتھے سے اُکھڑا ہوا تھا، اب بالکل ہی بے لگام ہو گیا۔ جب عبداللہ کی پوسٹنگ دہلی ہوئی تو اس نے بے جی سے استخارہ نکلوائے بغیر ہی ایک کرسچین عورت شبنم سے شادی کر لی۔ اس شادی کی خبر ملتے ہی بے جی حقیقی دنیا میں واپس پلٹ آئیں۔

''ہائے میرے باپ کی نسل بے دین ہو گی۔ یہ تو نہیں ہونے دوں گی۔'' ایک لمحے میں دہلی جانے کا پروگرام بنا لیا۔ حویلی کا ایک کمرہ کھلا چھوڑا، باقی حصے کو مقفل کر دیا کہ لامحالہ کریم حویلی اور والدین کے ہاتھوں سے بنائے ہوئے سامان جن میں چارپائیاں، پیڑھیاں اور بید

کی کرسیاں اور ہلکی جست کے برتن شامل تھے، بیچ کر چرس اور بھنگ کی نذر نہ کر دے۔
شبنم نے بے جی کا خوش دلی سے خیر مقدم کیا۔ ان کے آنے کا مقصد سن کر وہ دہل گئی اور فوراً کلمہ پڑھنے پر رضامند ہو گئی۔ بے جی مصلحتاً اس وقت خاموش رہیں اور اپنے دین اسلام کا طویل درس دے کر کلمہ پڑھایا اور اسے دائرۂ اسلام میں داخل کر کے عبداللہ کے آفس میں مٹھائی تقسیم کر دی۔ عبداللہ مطمئن اور پُرسکون پہلے بھی تھا، بے جی کی خوشی میں شامل ہونے کے بعد دل کی گہرائیوں سے پُرتسکین اور بے فکر ہو گیا۔ مگر بے جی جب تک اپنا مقصد پورا نہ کر لیتیں انہیں چین آنا مشکل تھا۔ دن رات پلاننگ میں گزرنے لگے۔
چند مہینوں میں ہی انہوں نے شبنم پر الزام تراشیاں شروع کر دیں۔ کونونٹ کی پڑھی ہوئی شبنم نے پروا نہ کی۔ اسی کشمکش میں اس نے ایک بچی کو بھی جنم دے دیا جسے بے جی نے دیکھنا ہی گوارا نہ کیا۔ ہر وقت کی کانا پھوسی سے گھر میں شیطانیت بسیرا کر گئی اور عبداللہ نے شبنم سے بیڈروم الگ کر لیا۔ وہ بے جی کے کمرے میں شفٹ ہو گیا۔ وہ جب بھی فارن ٹور سے واپس آتا تو بے جی کے سامنے اپنے اٹیچی کیس کھول دیتا اور بے جی اپنی مرضی سے ایک آدھ چیز نکال کر شبنم کو بخش کر احسانِ عظیم فرماتیں۔
یہ سلسلہ بڑھتا چلا گیا۔ جب عبداللہ کی پوسٹنگ کراچی ہوئی تو شبنم نے اس کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا۔ بے جی کی دلی تمنا پوری ہو رہی تھی۔ بہن اور بھائی نے اس کی خواہش کو بخوشی قبول کر لیا اور ماں بیٹی کو وہیں اکیلا چھوڑ کر دونوں کراچی آ گئے۔ شبنم اپنے میکے شفٹ ہو گئی۔ ابھی انہیں گئے دو ہفتے ہی ہوئے تھے کہ شبنم کو طلاق وصول کرنی پڑی اور بے جی چند مہینوں بعد فتح یابی کے جھنڈے لہراتی ہوئی واپس اپنے گاؤں آ گئیں۔ حویلی کی خستہ حالی دیکھ کر وہ تڑپ تڑپ کر روئیں۔ والدین کی قبروں پر دن رات تلاوتِ قرآنِ پاک کے علاوہ قبرستان میں صفائی ستھرائی کرتیں اور چاروں طرف پودوں اور درختوں کی پرداخت ہونے لگی۔
دیکھتے ہی دیکھتے ان کی خوبصورت حویلی اُجڑنے لگی اور قبرستان آباد، سرسبز و شاداب اور اُجلا اُجلا لگنے لگا۔

□.......○.......□

''اللہ خیر ہی کرے۔ صاحب جب بھی مجھے اپنے پاس بلاتا ہے کوئی گڑبڑ ضرور ہوتی ہے۔ شادی کر چکا ہوتا ہے یا کرنے کے چکروں میں ہوتا ہے۔ وہ جانتا بھی ہے کہ میں جب تک بھاپا جی اور دیدے کی قبروں پر حاضری نہ دے لوں، میری صبح نہیں ہوتی۔ وہ قبرستان کم میری توجہ، پیار اور عقیدت سے سرسبز شگفتہ لان زیادہ لگتا ہے جہاں مجھے اس بھری جوانی میں بھی کوئی خوف و خطر نہیں۔ چاہے رات بھر وہاں بیٹھی رہوں۔ سکون ہی سکون ہے۔ جیسے دیدے کی آغوش میں تھا۔

''بے جی! کن سوچوں میں گم ہو؟'' کریم نے کنگ سائز پتھر کی جاء نماز کے قریب بیٹھتے ہوئے پوچھا۔ ''کہ میرے آنے کا بھی احساس نہ ہوا۔ کیا بات ہے بے جی؟ بتاؤ تو۔''

''کیا...... کیا بتاؤں؟...... عبداللہ کا خط آیا ہے۔'' وہ تسبیح پڑھتے ہوئے بولیں۔

''چوتھی شادی رچالی ہو گی۔ کیوں بے جی! میں نے غلط تو نہیں کہا؟ یہاں ایک کرنی عذاب اور آزمائش بن گئی ہے۔ لالہ دھڑا دھڑ شادیاں کرتا جا رہا ہے اور طلاقیں دیتا جا رہا ہے۔ خیر سے اب کس بدنصیب کے نصیب پھوٹے ہیں؟'' وہ زچ ہو کر بولا۔

''کریم! وہ دن میں دس شادیاں کر سکتا ہے۔ آخر صاحب ہے۔ جانتے ہو اس کی نوکری اور ٹھکہ۔ اِدھر اُدھر آنے جانے کے لئے اس کے لئے ٹرین کو گھر میں بدل دیا جاتا ہے جہاں کچن بھی ہے اور اس میں خانساماں بھی وردی پہنے موجود ہے۔ بیڈ روم بھی شاہانہ اور اسٹڈی بھی بہترین۔'' وہ فخریہ انداز میں بولی۔

''تو بے جی! ایسے کر لالہ کے پاس ہمیشہ کے لئے چلی جا۔ عیش کی زندگی گزار۔ مجھے تو وہ گھاس نہیں ڈالتا۔ ورنہ میں کب کا جا چکا ہوتا؟ آخر اس کی کمائی اور شان پر میرا بھی تو حق ہے نا۔ قربانی کا بکرا تو میں ہی بنا تھا نا۔ باقی تو سب کے سب عیش میں تھے۔'' وہ سنجیدگی سے بولا۔

''ارے باؤلے! یہ تمہاری نیکی کا ہی صلہ ہے کہ تمہیں اکیلا چھوڑ کر کہیں جانے کو دل ہی نہیں مانتا۔ تینوں بھائیوں میں تم مجھے سب سے زیادہ پیارے اور میٹھے لگتے ہو۔ میری آنکھوں کا نور تم ہو۔ لے دے کے تم ہی اس حویلی اور باپ دادا کی قبروں کے وارث ہو۔ تم پڑھ نہ سکے، اچھا ہی ہوا۔ ورنہ آج اس گاؤں میں ہمارا نشان تک مٹ گیا ہوتا۔ آپس کی بات ہے تم نے قربانی پسند کے مطابق نہیں دی۔ بلکہ تمہاری مجبوری تھی۔ بعض اوقات فرمانبرداری کمزوری بن جاتی ہے۔ ویسے ہو بھی تم ایک بے ہمتے انسان۔''

''بے جی! میری شادی کر دو۔ ماچھن کی بیٹی تو اسی وقت میرے ساتھ نکاح کرنے کو تیار ہے۔ میں تمہاری عزت کی خاطر چپ ہوں۔'' وہ رازداری سے بولا۔

''ہائے اس کا بیڑا غرق ہو۔ اپنی ذات دیکھے اور ہماری۔ خبردار جو تم نے اس کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھا بھی۔ دیدے قبر میں تڑپ اُٹھے گی۔ اب تیرے یاروں شرابی اور کبابی کم بختوں کو یہ حویلی نظر آتی ہے جو تمہیں ماچھن کا درد دکھا دیا۔ تم میں ایک بھی گن بھلا ہوتا تو استخارہ نکل آتا۔ اب تم میں رکھا ہی کیا ہے؟ لے دے کے ماچھن کی کُڑی ہی رہ گئی ہے تمہارے لئے۔ تُو تو ڈوب مر کر مو! تم سے تو اکبر اور عبداللہ ہی بھلے نکلے۔'' وہ تلملا کر بولی۔

''بے جی! مجھ میں شرافت اور انسانیت ہے۔ میرے خاندان کی یہی تو پہچان میری وجہ سے باقی رہ گئی ہے۔'' وہ سینہ تان کر بولا۔ ''تیرے دونوں چہیتے جو گل کھلا رہے ہیں، ان کی پردہ داری کرنے سے عزت بچ نہیں سکتی۔''

''بدبخت! چرس افیم ہی چھوڑ دو۔ جواء لعنت ہے۔ زانی ہونے کے علاوہ بھی تو بے شمار علتیں ہیں۔ تم میں کہاں سے آ گئی شرافت اور انسانیت؟'' وہ اُلجھ کر بولی۔

''بے جی! سب سے زیادہ عقل مند انسان اکبر لالہ نکلا۔ ایسا غائب ہوا کہ جیسے اس دنیا سے اٹھ گیا ہو۔'' وہ قہقہہ لگا کر بولا۔ ''وہ تو ہے ناشریف اور بھلا مانس۔''

''تمہارے منہ میں خاک۔ اللہ تعالیٰ اُس کو لمبی عمر عطا فرمائے۔ وہ اپنی دنیا میں خوش و خرم ہے تو تمہیں یا مجھے تکلیف کیونکر ہو؟ اب تو میرا بھائی بچوں کا باپ بھی بن چکا ہوگا۔'' وہ آہ بھر کر بولی۔

''اب چوڑے چماروں کے بچوں پر فخر ہونے لگا ہے بے جی! انگور کھٹے ہیں۔'' وہ چھیڑتے ہوئے بولا۔

''چل ہٹ یہاں سے۔ میں تو عبداللہ کے بلاوے کو رد نہیں کر سکتی۔ ویسے تمہارا مشورہ قابل غور ہے۔ میں عید، شب برات پر قبروں پر آ سکتی ہوں۔ قبروں پر چادریں چڑھاؤں، دیے جلاؤں اور واپس چلی جاؤں۔ بقیہ زندگی وہیں اللہ کی یاد میں گزار دوں۔'' وہ سوچتے ہوئے بولی۔ ''تمہیں بھی ہر مہینے جیب خرچ بھیجتی رہوں گی۔ خوب عیش و عشرت کی زندگی گزارو۔''

''ہاں یہ آخری فقرہ خوب کہا۔ بے جی! تیاری پکڑو۔ میں تمہیں ریل میں بٹھا دوں گا۔ دو تین دن میں کراچی پہنچ جاؤ گی۔'' وہ خوشگوار لہجے میں بولا۔

''ٹرین میں جاتی ہے میری جوتی۔ یہ دیکھ عبداللہ نے جہاز کا ٹکٹ بھیجا ہے۔'' وہ لفافہ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے ناز و انداز سے بولی۔

''چلو بے جی! اس بہانے میں بھی ہوائی اڈہ دیکھ لوں گا۔ تم جہاز میں سوار ہو جانا، میں تمہارا جہاز اُڑتے ہوئے دیکھوں گا۔ بے جی! تمہیں بہت مزا آئے گا۔ اور میں نیچے کھڑا تمہیں ہاتھ ہلاتا ہوا زار و قطار روتا جاؤں گا۔'' وہ حسرت و یاس بھرے لہجے میں بلا اور رونے لگا۔

''کریم! ایسے نہ بول۔ میرا دل بیٹھ جائے گا۔ میں تیرے لئے بھی ٹکٹ بھجوا دوں گی۔ بس ذرا اپنا پہناوا اور اپنی حالت درست کر کے آنا۔ آخر میرے بادشاہ بھائی کی بھی تو کوئی عزت ہے۔ اس بے چارے کو ہر وقت اپنی بنی بنائی عزت کے چلے جانے کا دھڑکا لگا رہتا ہے۔ مجھے دیکھو کہ وہ ہمیشہ مجھے اپنے تمام دوستوں سے کیوں ملواتا ہے؟ کیونکہ مجھے پہننے اوڑھنے اور بات کرنے کا سلیقہ آتا ہے۔ ورنہ میرا داخلہ بھی ممنوع ہوتا۔ بلکہ تم جانتے ہو کہ میں جب بھی عبداللہ کے پاس گئی، رشتوں کی لائن لگ جایا کرتی تھی۔ آج بھی یہی حال ہے۔'' وہ سمجھانے کے انداز میں بولی۔

''کاش مجھے کسی نے سلیقہ سکھانے کی کوشش کی ہوتی۔ یہاں نہ سہی، وہاں ہی کوئی لڑکی

عاشق ہو جاتی تیرے کرمو پر۔ یہ نہ تھی ہماری قسمت کہ وصالِ یار ہوتا۔'' وہ کہتا ہوا وہاں سے اٹھ کر برآمدے میں چارپائی پر لیٹ کر چھت کو گھورنے لگا۔

□.......○.......□

وہ ایئرپورٹ پر اُتریں تو دل میں خوف تھا کہ اتنی بڑی جگہ اوران بے حساب لوگوں کے ہجوم میں عبداللہ کو کیسے ڈھونڈے گی۔ چہرے پر ہوائیاں اُڑ رہی تھیں۔ متلاشی آنکھوں میں فکرمندی کے سائے لہرا رہے تھے کہ سینکڑوں میں انہوں نے اپنے خوبرو، دراز قد و قامت والے وجیہ بھائی کو فوراً پہچان لیا۔ اس کے پہلو میں دراز بالوں، خوبصورت خدوخال اور گوری رنگت والی لڑکی کو دیکھ کر وہ چونک گئیں۔ بالشت بھر بلاؤز اور شفون کی پرنٹڈ ساڑھی میں وہ خاصی پُرکشش لگ رہی تھی۔ وہ آگے بڑھ کر نہایت لگاوٹ واپنائیت سے ملی۔ بے جی بھی رکھ رکھاؤ اور لحاظ داری کے تمام گُروں سے آشنا تھیں۔ اسے بھینچ کر گلے لگا لیا اور مسکرا کر بولیں۔

''عبداللہ! میں جانتی تھی کہ تم نے میرے لئے کوئی حسین اور انمول تحفہ حاصل کرلیا ہوگا جو مجھے فوراً پہنچنے کا تار ملا۔''

''بے جی! شکریہ تحفہ قبول کرنے کا۔ اس تحفے کا نام سیدہ زینب حسین ولد سید ذاکر حسین شاہ ہے۔'' وہ خوش دلی سے بولا۔

''سید زادی ہے؟'' وہ ایک دم سے چونکیں اور خود پر قابو پاتے ہوئے بولیں۔ ''بہت پیارا نام ہے تمہاری طرح۔'' اتنا کہہ کر وہ ایسی چپ ہوئیں کہ تمام راستے وہ دونوں بولتے رہے مگر بے جی نے سوائے ہوں اور ہاں کے کچھ نہ کہا۔ عبداللہ ذہنی طور پر پریشان ہوگیا تھا۔ کیونکہ وہ اپنی بے جی کی فطرت کو اچھی طرح جانتا تھا۔ ناپسندیدگی ان کی خاموشی میں پھوٹ رہی تھی۔ زینب سمجھنے سے قاصر تھی۔

اسی عالم میں وہ اپنے گھر پہنچ گئے۔ زینب نے انہیں اپنے ہاتھوں کا بنا ہوا مغلائی کھانا کھلایا اوران کا سامان ملازمہ کے ساتھ مل کر کمرے میں سیٹ کر دیا اور اگلے ہی دن اس نے ان کی شاپنگ کا پروگرام بنا لیا تاکہ انہیں یہاں کے فیشن ایبل لوگوں میں رہتے ہوئے سبکی محسوس نہ ہو۔

زینب سونے اپنے کمرے میں چلی گئی اور عبداللہ بے جی کے ساتھ ہی بیڈ پر نیم دراز ہو گیا اور مسرت آگین لہجے میں بولا۔ ''بے جی! بھابی کیسی لگی؟''

''چوکھی (کافی) خوبصورت اور چوکھی چلتر چالاک۔ اِسے بے جی کی سیٹ سنبھال لینی چاہیے۔ چوکھی کامیاب رہے گی۔'' لہجے میں طنز تھا۔

''لگتا ہے پسند نہیں آئی۔'' وہ گھبراہٹ میں بوکھلا کر بولا۔

''چٹی چمڑی پر فدا ہو گئے ہو۔ بس یہ ہے تمہاری عقل و سمجھ۔ پہلی بار اپنی، دوسری کرٹی، تیسری بار میم اوراب شیعہ فرقے کی بیوی۔ حد ہی تو کر دی ہے تم نے۔'' وہ سر ہلاتے ہوئے

سختی سے بولی تو وہ جھٹکے سے اُٹھ کر بیٹھ گیا۔
"سچ کہوں گی عبداللہ! شیعہ کی کمی تھی۔ تمہاری احسان مند ہوں کہ وہ تم نے پوری کر دی۔ اوپر سے ظلم یہ کہ سید زادی۔ بے وقوف! ہم کُتب شاہی اعوان ہیں۔ ہم سید برادری کی بے انتہا عزت کرتے ہیں۔ ان سے رشتے جوڑنے کی گستاخی نہیں کر سکتے۔ یہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد میں سے ہیں۔ سید زادی سے رشتہ جوڑنا تباہی ہے۔ خانہ بربادی ہے۔" وہ سوچتے ہوئے سنجیدگی سے بولیں۔ "اللہ خیر ہی کرے۔ میں تو خوفزدہ ہو گئی ہوں۔"
"بے جی! زمانہ بدل گیا ہے۔ لوگ بدل گئے ہیں۔ سوچ اور عمل بدل گئے ہیں۔ یہ تمام تو ہمات پرانے زمانے کی ہیں۔ ہم پڑھے لکھے لوگ ہیں۔ اب ایسی باتیں ہمیں زیب نہیں دیتیں۔ اگر یہ بات کریم کے منہ سے نکلتی تو مجھے حیرت نہ ہوتی۔ اب تو مجھے حیرت کے ساتھ افسوس بھی ہو رہا ہے۔" وہ نرم و ملائم لہجے میں بولا۔
"ارے بھائی! اگر تمہیں پسند ہے تو ٹھیک ہے نا۔ لمبی چوڑی تمہید کی ضرورت نہیں۔" وہ سختی سے بولیں تو عبداللہ نے ان کے لہجے کی سختی کو نظرانداز کرتے ہوئے کہا۔
"بے جی! آپ تھک گئی ہیں۔ آرام فرمائیں۔ صبح بات کریں گے۔"
"تم میرے پاس سوؤ گے۔ اتنے بڑے بھوت بنگلے میں اکیلے مجھے ڈر لگے گا۔" وہ اسے پکڑتے ہوئے بولیں۔
"آپ بلا خوف و خطر قبرستان میں رات گزار دیتی ہیں۔ جبکہ جن، بھوت پریت تو وہاں بسیرا کرتے ہیں۔ یہ تو آباد گھر ہے بے جی! پھر ڈر کس بات کا؟" وہ قہقہہ لگا کر ان کے سر پر بوسہ دیتے ہوئے بولا۔ "میری بے جی کا بھی جواب نہیں۔ نہ جانے کتنے رنگ و روپ ہیں میری بے جی کے۔"
"بھئی انگریز صاحب کا بنگلہ ہے۔ نہ اس میں قرآن مجید کی تلاوت ہوئی ہو گی نہ ہی نماز روزہ۔ آسیب زدہ لگتا ہے یہ بنگلہ۔" وہ سنجیدگی سے بولیں۔
"اب نماز روزہ اور قرآن پاک پڑھنے پڑھانے والی میری بے جی آ چکی ہیں۔ ہر طرف برکتیں نازل ہوں گی۔" وہ خوشامدانہ لہجے میں بولا۔
"یہ شیعہ سید زادی صرف ماتم ہی کرتی ہے اور نوحے ہی پڑھتی ہے یا کچھ اور بھی اسے آتا ہے؟" وہ رُکھائی سے بولی۔
"آپ خود پوچھ لیجئے گا۔ البتہ آپ اپنی تسلی اور خیر و برکت کے لئے گھر میں قرآن خوانی کروا سکتی ہیں۔" وہ نہایت عقیدت مندانہ انداز میں بولا۔
"ہاں یہ تو کرنا ہی پڑے گا۔ عبداللہ! میں ہمیشہ تمہارے پاس خوشی سے آتی ہوں۔ مگر ہر بار پریشان رہ کر واپس چلی جاتی ہوں۔ تم میں اور مجھ میں یہ فاصلہ کیوں ہے؟ جبکہ میں تمہاری عاشق اور تم میرے معشوق ہو۔ بہن اور بھائی کے پیار کی ایسی مثال آج تک سننے میں نہیں

آئی۔ پھر ایسا کیوں ہے؟'' وہ تاسف بھرے لہجے میں بولی۔ ''میں تو تمہاری موجودگی میں خود کو ملکہ تصور کرنے لگتی ہوں۔''

''بے جی! یہ میری بدقسمتی ہے کہ میں آپ کو خوش نہیں کر سکا۔ میں نہیں جانتا کہ آپ میرے لئے کیسی بیوی چاہتی ہیں۔ بے جی! یہ لڑکی تو بے دین نہیں بلکہ سید اور ذاکر صاحب کی بیٹی ہے۔ لگتا ہے کہ ہم سے اعلیٰ مقام ہے اس کا۔ اب یہی اس کی خامی بن گئی۔ بتائیں کہ میں کیا کروں کہ آپ ہمیشہ کے لئے میرے پاس رہ جائیں۔ گاؤں کی زندگی بہت گھٹیا اور مشکل ہے۔'' وہ افسردہ سا ہو کر بولا۔ ''بھاپا جی کے وقت وہاں اور ہی بات تھی۔ اب تو اُلو بولتے ہیں وہاں۔''

''اب تم نے جو بھی فیصلہ کیا ہے، مجھے تمہاری خوشی کی خاطر قبول کرنا پڑے گا۔ کیونکہ مجھے اپنی زندگی سے بڑھ کر تمہاری آبادی وخوشحالی عزیز ہے۔ پیار کی سچائی یہی ہے کہ قربانی مانگتی ہے۔ آج کے بعد تم میری زبان سے اعتراض نہیں سنو گے۔'' وہ اس کے افسردہ چہرے پر پیار سے ہاتھ پھیرتے ہوئے بولی۔ ''ہائے میں اپنی ماں جائے بھائیوں کے مقدر نہ بدل سکی۔ اکبر نہ جانے کس حال میں ہوگا۔ تم نے بھی تو اسے ڈھونڈنے اور ملنے کی کوشش نہیں کی۔ کریم دین ریاست کے ناب ہے۔ اپنے حلیے کو نہیں دیکھتا۔ نشے نے اُسے حد درجے کا گدھا بنا دیا ہے۔ مگر سمجھتا ہے کہ اس جیسا زیرک اور عقلمند انسان آج تک اس گاؤں میں پیدا نہیں ہوا۔ اپنی حالت کو دیکھو کہ کاٹتی جوتی کی طرح شادی بدل لیتے ہو۔ خدا کے بندے! جوتی ناپ کی ہو تو لمبا عرصہ نکال ہی لیتی ہے۔ جوں جوں گھستی ہے، آرام دہ ہوتی جاتی ہے۔''

وہ نخوت سے بولی تو وہ ان کی سوچ پر تاسف سے انہیں دیکھنے لگا کہ انہی خیالات کی وجہ سے انہوں نے شادی نہ کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ ہر بار خود ہی مناتیں اور پھر نقوص نکالنے میں بھی حد سے نکل جاتیں۔ آج بھی یہی حال ہے۔ جبکہ بیوی اپنے حُسنِ اخلاق اور بلند کرداری سے تاج کا نگینہ بن سکتی ہے۔ دل پر حکمرانی کر سکتی ہے۔ سوچ پر قابض ہو سکتی ہے۔ پھر بے جی نے جوتی سے تشبیہ کیوں دی ہے؟ اُسے زینب پر رحم وترس آنے لگا تھا۔

□......○......□

بے جی ہمیشہ سے خوش لباس، خوش خوراک اور خوش گفتار واقع ہوئی تھیں۔ گاؤں کے دقیانوسی ماحول میں پردہ نشینی میں بھی انہوں نے اپنے جذبۂ شوق کو مرنے نہ دیا تھا۔ عبداللہ ان کے ہر شوق اور ہر خواہش کی قدر کرنے میں پیش پیش ہوتا تھا۔

نمبردار باپ کی بیٹی اور دو اعلیٰ تعلیم یافتہ بھائیوں کے ناطے سے گاؤں کی عورتوں نے انہیں بخوشی قبول کر لیا تھا کہ جیسے وہ اسی کی حق دار تھیں۔ ویسے بھی دینی رجحان کی وجہ سے ان کا اسٹیٹس بھی بہت اعلیٰ وارفع تھا۔ گاؤں کے سادہ لوح لوگ ہر بات پر یقین رکھنے والے اور ان کی ہر نصیحت ومشورے کو مان کر چلنے میں مطمئن رہتے تھے۔ حالانکہ خود ایسی cynical

ثابت ہوئی تھیں کہ دوسروں کی ہر بات اور ہر دلیل پر انکار و اعتراض اور تنقید کرنا ان کا شیوہ تھا۔ چوتھی شادی کرنے کے بعد عبداللہ کو ان کی شخصیت میں چھپی ہوئی کچھ برائیاں بھی نظر آئیں۔ مگر بڑی بہن کی عقیدت اور محبت میں ہمیشہ کی طرح کچھ بول نہ سکے۔ باپ کے یوں چلے جانے کا گلٹ بھی تھا۔ ضمیر کو مطمئن رکھنا بھی تو خاصا اہم تھا۔

زینب، بے جی کی ہم عمر بھی تھی اور کچھ دلچسپیاں بھی ایک جیسی تھیں اس لئے آپس میں بن بھی گئی اور رشتے کی کڑواہٹ کی وجہ سے ٹھن بھی گئی۔ زینب نے بے جی کے سامنے ساڑھیاں، ڈائمنڈ کی جیولری، جوتے اور پرس کے انبار ہی تو لگا دیئے۔ ان کے تمام پرانے کپڑے ملازموں میں تقسیم ہو گئے۔ بے جی تمام فیشن کے باوجود دم درود کرنا نہ بھولیں۔ اپنے بنگلے پر کام کرنے وال ملازمین اور آس پاس کا تمام نوکر طبقہ ان سے فیض یاب ہونے لگا۔ انہوں نے گھر میں ہی ان کے بچوں اور ماؤں کو قرآن پاک کی تجوید سکھانا شروع کر دی۔ چند ہی مہینوں میں انہوں نے یہاں بھی اپنا مقام حاصل کر لیا تھا۔ پڑھے لکھے، دانشمند اور جہان دیدہ لوگ gullible کم critical زیادہ ہوتے ہیں۔ اس کا اندازہ اور تجربہ بھی بے جی کو تھا۔ کیونکہ یہ بھی تو ہائی آئی کیو لیول کی خاتون تھیں۔

وہ عبداللہ کے دوست واحباب میں بے جی کے بجائے باجی کے نام سے پہچانی جانے لگی اور بے جی بھی ان کے سامنے درس و تدریس سے پرہیز ہی رکھتی تھیں۔ دانشمندی اسی میں تھی۔

دن شان دار اور راتیں بے حد پُرسکون تھیں۔ زینب نے ایک بچی کو جنم دیا جس کی شباہت بے جی سے بہت ملتی تھی۔ اس کا نام بھی بے جی نے حسن آرا رکھا۔ اپنے خاندان کی نئی نسل کا پہلا بچہ ہمیشہ خاصی اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔ کرسچین مذہب سے اُٹھنے والی نسل کا تو اس نے کبھی انکشاف نہ کیا تھا۔ حسن آرا قلب و ذہن پر ایسی قابض ہوئی کہ وہ زینب کو ہر بات پر ٹوکنے لگیں جیسے انہوں نے بیسیوں بچوں کو پروان چڑھایا ہو۔ دھیرے دھیرے بات بڑھنے لگی۔ ماں توں توں اور میں میں تک جا پہنچا۔ عبداللہ نے لاکھ سمجھانے کی کوشش کی مگر تکرار اور جھگڑا کم ہونے کے بجائے بڑھتا چلا گیا۔ بے جی نے عبداللہ کو طلاق پر اُکسانا شروع کیا۔ پہلے تو وہ نہ مانا لیکن جب بے جی کی ضد و سختی اور ہٹ دھرمی کی داستان کا رخ خوشامد اور چاپلوسی کی طرف مڑا تو عبداللہ کے سلوک و رویے میں تبدیلی رونما ہوئی جس نے بے جی کو طمانیت بخشی اور زینب کو بے سکون کر دیا تھا۔ اس سے پہلے کہ بے جی طلاق دلوانے میں کامیاب ہو جاتیں، ان کا تبادلہ انگلینڈ ہو گیا۔ جہاں بیوی اور بچوں کے علاوہ خاندان کا کوئی فرد نہیں جا سکتا تھا۔ زینب اور عبداللہ حسن آرا سمیت انگلینڈ جانے کے لئے تیار ہو گئے اور بے جی کو واپس گاؤں بھیج دیا گیا۔ وہ جب یہاں پہنچیں تو پتہ چلا کہ کریم حویلی جوئے میں ہار کر کہیں روپوش ہو گیا تھا۔ سب نے اپنی اپنی قیاس آرائیاں بے جی کے گوش گزار کر دیں۔

کسی نے کہا کہ وہ کسی مزار کا مجاور بن گیا ہے۔ کسی نے کہا وہ اکبر کو ڈھونڈنے نکل گیا ہے۔ کسی نے کہا کسی کنوئیں میں کُود کر جان دے دی ہے۔ ہر ایک کی اپنی من گھڑت داستان تھی۔ جیسی بھی تھی، عبرت سے بھرپور تھی۔

بے جی کو ماسی نے سہارا دیا جس کی بیٹی کو عبداللہ نے طلاق دے دی تھی اور وہ اس کے خون کے ایسے پیاسے ہوئے کہ عبداللہ کو گاؤں کو خیرباد کہنے میں ہی عافیت لگی۔

اس کے باوجود جب بے جی بے یار و مددگار یہاں پہنچیں تو ان کی حالت پر خون نے ایسا جوش مارا کہ انہوں نے تمام ناراضگی اور غصے کو برطرف کر کے بے جی کے لئے اپنے گھر کے دروازے کھول دیئے۔ ہر صبح بے جی ڈاکیے سے عبداللہ کے خط کے بارے میں پوچھا کرتی تھیں۔ تین ہفتے اسی انتظار اور بے چینی میں بیت گئے۔ آخر عبداللہ کا خط آ ہی گیا۔ اس نے اپنا پوسٹل ایڈریس بھی لکھ بھیجا تھا اور انہیں ہر دوسرے دن خط لکھنے کی تاکید بھی کی تھی اور انہیں بہت جلد اپنے پاس بلانے کا وعدہ بھی کیا تھا کہ وہ انہیں حُسن آرا کی آپا کے ویزے پر بلا سکتا ہے۔ بے جی یہ پڑھ کر ریخ پا ہو گئیں۔

بے جی نے یہاں کے تمام حالات سے عبداللہ کو باخبر کر دیا اور جوئے میں ہاری ہوئی حویلی کو واپس لینے پر زور دیا۔ عبداللہ خط پڑھتے ہی مان گیا۔ مگر زینب آمادہ نہ ہوئی۔ اس کے دلائل کافی ٹھوس تھے کہ حویلی کی واپسی ضروری نہیں۔ کیونکہ جلد یا بدیر اسے کھنڈرات میں ہی تبدیل ہونا ہے۔ سب سے بہتر یہ ہے کہ بے جی کی شادی کر دی جائے۔ کیونکہ ان کا چچا کا بیٹا ابھی تک ان کا منتظر تھا اور بے جی کی عمر 35 کے لگ بھگ تھی۔ جوانی بھی تھی، حُسن بھی تھا۔ اس میں قباحت کیا تھی؟ مگر یہ سن کر بے جی تو آگ بگولا ہو کر رہ گئیں۔ تھوک کر چاٹنا ان کی فطرت نہیں تھی۔ اپنی ہار کو تسلیم کرنا اور زیر ہو جانا انہوں نے پہلے دن سے سیکھا نہ تھا۔ برا مان گئیں۔ عبداللہ کو تار دے کر بلانا چاہا مگر اس نے خالہ کے گھر آنے سے انکار کر دیا۔ اگلی خبر دو مہینے گزر جانے کے بعد زینب کی طرف سے تھی۔

□.......○.......□

زینب مجھے خط کیونکر لکھے گی؟ عبداللہ کی غیر حاضری معاف نہیں کروں گی۔ اب عبداللہ میرے ساتھ غیریت برتے گا، دوسرے بھائیوں کی طرح۔'' بے جی خط کھولتے ہوئے خفگی سے بڑبڑائیں۔

'یہ دن بھی دیکھنا میرے نصیب میں تھا کہ چھ بھائیوں کی اکلوتی بہن یوں لاوارث ہو کر رہ جائے گی۔ تین اللہ تعالیٰ نے اپنے پاس بلا لئے۔ باقی کے تین زمانے نے نگل لئے۔ اب بھابی حال احوال پوچھے گی۔ اس سے تو موت ہی بہتر ہے۔'

وہ خط کھول کر تحریر پڑھنے لگی۔

''پیاری بے جی صاحبہ!

السلام علیکم۔ میں نہایت افسوس سے آپ کو بتانا چاہ رہی ہوں کہ عبداللہ کو دو ہفتے قبل ہارٹ اٹیک ہو گیا تھا۔ ڈاکٹرز کوشش کے باوجود انہیں زندگی نہ دے سکے۔ میں غیر زمین میں دفن کرنے کے بجائے لت کی میت کو کراچی لے آئی تھی اور باعزت طریقے سے انہیں سپردِ خاک کر دیا تھا۔ ہزاروں لوگوں نے جنازے میں شرکت کی۔ جیسا کہ آپ جانتی ہیں کہ عبداللہ کو گاؤں کے ماحول اور وہاں کے لوگوں سے قطعاً لگاؤ نہ تھا۔ انہیں صرف آپ کی پروا تھی۔ ورنہ وہ اپنے قلم سے گاؤں کا نام تک نہ لکھتے۔ میں نے آپ کو اطلاع دینا اس لئے ضروری سمجھا کہ عمر بھر آپ خوانخواہ انتظار کے کرب کا شکار رہیں گی۔ اپنا خیال رکھئے گا۔
آپ کی بھابی۔ زینب حسین عبداللہ۔"

بے جی نے خط پڑھا ہی تھا کہ غشی کی حالت میں وہیں ڈھے گئیں۔ تعزیت کرنے والوں کا تانتا بندھ گیا اور طلاق یافتہ عائشہ نے بین کرتے ہوئے سب کی آؤ بھگت بھی کی۔ جب ہوش میں آئیں تو ہمت کر کے اُٹھیں، اپنا بیگ تیار کیا، تانگہ منگوایا اور اس کے منع کرنے کے باوجود ایئر پورٹ چل دیں۔ اگلے دن کی سیٹ تو مل گئی مگر وہ گاؤں واپس نہ آئیں۔ رات ایئر پورٹ کے فرش پر سجدہ ریزی میں آہ وفغاں کرتے ہی گزار دی۔ اور صبح نو بجے کی فلائٹ سے کراچی سدھار گئیں۔

کراچی پہنچ کر وہ سیدھی زینب کے میکے چلی گئیں۔ زینب انہیں دیکھ کر سرتا پا لرز گئی تھی۔ جیسے بے جی نہیں، اِک طوفان برپا ہونے والا ہے۔ اور پھر وہی ہوا جس کا اندیشہ تھا۔

بے جی نے عبداللہ کی میت کو قبر سے نکلوایا اور میت کے ساتھ ہی اپنے گاؤں پہنچ گئیں اور اپنے آبائی قبرستان میں دفن کر کے وہیں ایک پکی اینٹ اور سرکی چھت کا کمرہ بنا لیا اور اپنے بھائی کے عشق میں تمام دنیا کو خیر باد کہہ کر اس کی قبر کی مجاور بن گئیں۔ اور چالیس سال کی عمر میں انہوں نے علاقے میں اپنی بزرگی اور مرشدی کا لوہا منوا لیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے جو اگلا قدم اٹھایا، وہ زینب سے نفرت وحقارت کی نشاندہی کرنے کے لئے کافی تھا۔ انہیں سمجھانے کی کسی میں ہمت نہ تھی۔ رشتہ دار تو ویسے بھی تماشائی تھے، ان کی ہاں میں ہاں ملائی۔ انہوں نے زینب پر مقدمہ دائر کر دیا کہ اس نے عبداللہ کو زہر کھلا کر مارا ہے۔ وہ قاتل ہے۔ دوسرا مقدمہ تمام جائیداد کے حصول کا تھا جس پر اس کا بھی پورا پورا حق تھا۔ بینک اکاؤنٹ، پنشن فریز کر دیئے گئے اور شہری جائیداد بھی وقتی طور پر ضبط ہو گئی۔ اور یوں تمام رشتے اور ناطوں پر غصے، انتقام اور نفرت کی دبیز تہہ جم کر رہ گئی۔

زینب پر کیا بیتی؟ حُسن آرا ننھیال میں کس حال میں پروان چڑھنے لگی؟ بے جی نے پلٹ کر دیکھنے کی تکلیف گوارا نہ کی تھی۔ کیونکہ عبداللہ کے ہر سانس اور مت کے بعد اس کے جسمِ خاکی پر صرف ماں جائی کا حق تھا۔ زینب اور حُسن آرا تو کسی حق میں شریک نہ تھیں۔ یہی ان کی سوچ تھی۔ قصور ان کا کم ہی تھا۔ نہ ہی بیوی کے رشتے میں منسلک ہوئیں نہ ہی ان کے

اندر مامتا نے کونپل نکالی۔ اس لئے ان سے ہمدردی کی توقع رکھنا ہی بے کار تھا۔

دن رات وہ قبر پر بیٹھی عبادت کرتی رہتیں۔ اس چاردیواری کے اندر وہ محفوظ بھی تھیں اور اپنے باپ دادا اور بھائی کی قربت میں سکون بھی محسوس کرتی تھیں۔ گرد و پیش کی مرید عورتوں میں ہر دن اضافہ ہوتا چلا گیا۔ ان کا دم درود وسعت اختیار کر گیا۔ اور بہت جلد انہوں نے اپنے اسی آبائی قبرستان کی دیوار کے ساتھ ایک کمرہ، غسل خانہ اور رسوئی بنوا کر کچے فرش پر اپنا بستر لگا لیا۔ اور اپنے بھائی کی کرسی جو حویلی کے بڑے کمرے کی زینت بنی ہوئی تھی اور لندن سے ڈگری حاصل کرتے ہوئے فوٹوگراف جو اسی کمرے کی دیوار پر آویزاں تھی، وہ میز جس پر عبداللہ کو کھانا دیا جاتا تھا، آخر وہ گاؤں کا صاحب تھا۔ اور پتھر کی کنگ سائز جاء نماز جو ان کے باپ دادا کے بعد ان کی ملکیت میں تھی، یہ سامان کریم نے حویلی چھوڑنے سے پہلے ماسی کے گھر بطور امانت رکھوا دیا تھا۔ بے جی وہ یادگار سامان اپنے کمرے میں لے آئیں۔ خالہ نے دیدے کی شادی کی لال مخمل کی رضائی، جاء نماز اور تسبیح بمعہ لوٹے کے، ان کے حوالے کی جو ماسی حویلی سے اُٹھا لائی تھی۔

اگر کریم نشے کی حالت میں قبرستان کی چاردیواری بیچنے کی سوچ رکھتا تو آج اس کے آباؤ اجداد کی قبروں کے بھی سودے ہو چکے ہوتے۔ مگر ایسا اُسے خیال ہی نہ آیا تھا۔ ورنہ بے جی بے نشان ہی اس دنیا سے رخصت ہو چکی ہوتیں۔ پچھلے تیس سالوں سے بے جی آس پاس کی مجبور و بے بس خواتین کی مسیحا ہیں۔ ان کے دُکھوں کا مداوا کرنا اُن کی زندگی کا نصب العین ہے۔ مگر عبداللہ کی ذات میں شرکت کرنے والی ہستیوں کو انہوں نے آج بھی معاف نہیں کیا۔ یہ ان کا کیسا پیار تھا؟ کیسا عشق تھا اور کیسا دیوانہ پن تھا کہ ان کی عبادت گزاری، پرہیزگاری اور بلند کرداری پر اسی جنونی پن کی چھاپ تھی کہ وہ سوچنے سمجھنے سے قاصر تھیں۔ یہ وہ سچی سرگزشت تھی جو سینہ بہ سینہ سرگرداں رہی۔ سالہا سال گزر جانے کے بعد آج بھی زندۂ جاوید ہے۔

□.......○.......□

''اے جی چاچا! میں نے ماسی برکتے سے بے جی کا تمام حدود اربعہ تو معلوم کر ہی لیا ہے۔ لیکن میرے تجسس میں کمی نہیں آئی بلکہ پیاس بڑھ گئی ہے۔ بے جی سے ملنے کا اشتیاق بے تابی میں بدل گیا ہے۔ کیا پچھلے زمانے کی عورتیں آج کی عورت سے زیادہ اسٹرانگ تھیں؟ میری گاڑی رات کے وقت جب کسی قبرستان کے پاس سے گزرتی ہے تو میں ڈر کے مارے آنکھیں بند کر لیتی ہوں اور اللہ تعالیٰ سے اپنی اور اپنے پیاروں کی عمر درازی کی دعا مانگنے لگتی ہوں۔ اور اگلے ایک گھنٹے تک کلمہ شریف میری زبان سے ادا ہوتا رہتا ہے۔'' آسیہ نے متذبذب لہجے میں کہا۔

''تمہاری بے جی کی ایک بات پسند نہیں آئی۔ یہ ان کا کیسا پیار ہے کہ اپنے پیار کی ننھی منی کونپلوں کو انہوں نے پودا اور پھول بننے سے پہلے ہی کچل دیا۔ ان کی نفرت اور ستم ظریفی

پر مجھے شرم سی آنے لگی ہے۔ بے شک ان کے پیار، عشق کا جذبہ بے حد سچا تھا مگر نوے فیصد تو حق بیوی اور بچوں کا ہی تھا۔ ان کا بس چلتا تو وہ عمر بھر کے لئے بھائی کو اپنے پیروں تلے چھپا لیتیں۔ کسی کو ان کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی اجازت نہ ہوتی۔ یہ سراسر زیادتی اور بے انصافی ہوتی۔ اس حالت میں وہ کسی کو فیض کیسے پہنچا سکتی ہیں؟

''جی بیگم صاحبہ! ایسا ہی ہوتا۔'' وہ رومال سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے بولا۔ ''مگر ہیں وہ عزت مآب۔ اس سے آپ انکار نہیں کر سکتیں۔''

''اے جی چاچا! مجھے مزے دار سی کافی پلاؤ۔ میرا دماغ گھوم سا گیا ہے۔ مجھے یہ خاتون خود پسند، خودغرض اور جابرانہ فطرت کی معلوم ہوتی ہے جس کے تم مرید ہو۔'' وہ کنپٹیوں کو انگلیوں سے دباتے ہوئے بولی۔ ''حرم بی بی کو بھی جوس فرنچ فرائز کے ساتھ دو۔ ایگزام کی تیاری میں کھانا پینا ہی بھولی ہوئی ہے۔''

''بیگم صاحبہ! ہماری حرم بی بی بھی درویشانہ طبیعت کی مالک ہیں۔ اگر آپ نے بروقت انہیں پکڑ نہ لیا ہوتا تو یہ بھی کب کی کوئی گدی سنبھال چکی ہوتیں۔'' وہ سنجیدگی سے بولا اور کچن کی طرف بڑھ گیا۔

'بات تو سچ ہی کہہ گیا ہے۔ ہم اپنی کمزوریوں اور برائیوں کی پردہ پوشی میں کس سلیقے اور نفاست سے کام لیتے ہیں کہ برائی خوبی میں اور کمزوری مضبوطی میں عیاں ہونے لگتی ہے۔ بے جی ایک بزدل خاتون ہیں جو حالات اور وقت کا مقابلہ کرنے کی ہمت نہیں رکھتی تھیں۔ جن میں رشتے نبھانے اور زمانے کے ساتھ چلنے کی جرأت اور حوصلہ نہیں تھا۔ ان کا پہلا زینہ عشقِ خداوندی اور دوسرا عشقِ مجازی ہے۔ دونوں میں کوئی مطابقت نہیں۔ وہ تو اپنی مخلوق سے محبت کرنے کا درس دیتا ہے۔ اس مخلوق میں سب سے اوّلین اپنے خونی رشتے ہیں۔ اس لئے صلہ رحمی پر خاصا زور دیا گیا ہے۔ بے جی نے اپنی زندگی کے حسین مرغزاروں اور سرسبز و شاداب مقامات کی جگہ خاردار، تنگ و تاریک اور نوکیلے پتھریلے راستوں کا چناؤ کر کے اپنی زندگی سے بے انصافی کی ہے۔ انہیں اس ستم ظریفی اور زیادتی کا جواب دہ ہونا پڑے گا۔ کسی پیارے کے چلے جانے سے زندگی کا رکنا جائز نہیں۔ اگر وہ من کے پنجرے کو اس کی یاد سے آباد رکھتی تو اس کے بدن کی شرکت کو بھی ہنس کر قبول کر لیتی۔ اس نے تو اپنے پیارے رشتے سے نفرت کی ہے۔ اِک معصوم بچی کو اپنے پیار کی سزا دی ہے۔ مجھے کبھی کبھار حرم سے بہت ڈر لگنے لگتا ہے۔ جب سے بے جی کی کہانی سنی ہے۔ پھر اے جی کا حرم کے بارے میں اندازہ بالکل درست ہے۔ وہ بچپن سے ہی اسی طرف جا رہی ہے۔ یہی مولوی حضرات بیسیوں بچوں کو دینی تعلیم سے فیض یاب کر رہے ہیں لیکن ان میں سے ایک بھی حرم جیسے خیالات رکھنے والا نہیں۔ تو پھر قصور بے چارے مولوی حضرات کا تو نہ ہا۔ اب تو مجھے اس بات کا یقین ہونے لگا ہے کہ ہماری حرم کا ہی دماغ خراب ہے۔ پھر جینز کا بھی کمال ہے کہ بچوں میں ٹرانسفر بھی تو

ہوتے ہیں۔ کیا معلوم اس کے خاندان میں کیسے کیسے لوگ پیدا ہوئے ہوں۔ آئی ایم شیور کہ اس کے خاندان میں کہیں نہ کہیں درویش، فقیر اور مسکین طبع کی پیدائش بھی ہوئی ہو گی۔ شکر ہے کہ فیضان کی توجہ نے اس کی فطرت کو قطرے مولڈ کر دیا ہے۔ لیکن مجھے تو ہر وقت دھڑ کا ہی لگا رہتا ہے کہ نہ جانے یہ محترمہ پھر کب پٹڑی سے اُتر جائے۔ اگر ایسا سانحہ رونما ہو گیا تو پھر اسے میں دوبارہ واپس لا نہ سکوں گی۔ جوان ہو گئی ہے۔ بے مہار، بدزبان اور بے لحاظ تو حد درجے کی ہے۔ سوچتی ہوں، کیوں نہ بی اے کرنے کے بعد اس کی شادی کر دی جائے۔ ذرا امتحانات سے فارغ ہو لے، پھر اس سے بات کروں گی۔ میں جانتی ہوں فیضان روڑے اٹکانے سے باز تو نہیں آئیں گے۔ اسے بہت بڑا اسکالر بنانے کا خواب جو ہمیشہ سے دیکھ رہے ہیں، اس سے وعدے وعید بھی کر چکے ہیں۔ مجھے خدشہ ہے کہ باپ بیٹی میری بات کو نظر انداز کر دیں گے۔ اُف! کس قدر نادان ہیں کہ دبی چنگاریوں کو ہوا دے کر شعلوں میں تبدیل کرنا چاہتے ہیں۔ میں نہیں چاہتی کہ میری حرم کی زندگی بے جی جیسی حسرت و یاس میں ڈوبی ہوئی ہو۔ مجھے اس کے اندر اُگے ہوئے ہر بیج کو نکالنے کا واحد ہتھیار شادی کے سوا اور کچھ نظر نہیں آتا۔ اور ایک بے حد ضروری فیصلہ کہ اسے بے جی کے سائے سے بھی دور رکھنا ہو گا۔ اے جی کو دم درود اور ان کا ذکر کرنے سے منع کرنا ہو گا۔ یہ خطرہ تو ہماری بغل میں موجود ہے۔ ہمیں خبر ہی نہ ہوئی۔ کاش ہم اس فارم ہاؤس کو بیچ کر شہر چلے جائیں۔ کاش فیضان میری بات مان لیں۔ کاش ایسا ہو جائے۔ ویسا ہو جائے۔'

وہ کاش کی گردان کرتی چلی گئی جس میں امید کم، مایوسی زیادہ تھی۔ تھوڑے تھوڑے فاصلے پر چھوٹے چھوٹے آباد گاؤں اسے قبرستان کی طرح خاموش، تنہا اور بدصورت لگنے لگے تھے۔ جیسے اس قبرستان میں ہر مردہ اپنے ہاتھ بڑھاتا ہوا اس کی گردن دبانے کو ہے اور اس کی روح پرواز کرنے کے لئے پَر تول رہی ہے۔

وہ تیزی سے حرم کے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ وہ کمپیوٹر کھولے اپنا کام کر رہی تھی۔ ماں کو دیکھ کر وہ پلٹی۔ آسیہ کی پریشان اور خوف زدہ صورت دیکھ کر وہ کھڑی ہوئی اور اس کے قریب آ کر اسے سہارا دے کر کرسی پر بٹھا دیا۔

''ممی! طبیعت تو ٹھیک ہے؟ بلڈ پریشر تو ہائی نہیں ہو گیا؟ یا شوگر لیول تو ڈاؤن نہیں ہو گیا؟'' وہ بے چینی سے بولی تو آسیہ نے سنبھلنے کی کوشش کی۔ حرم نے فریج کھول کر ایپل جوس کا ٹن کھول کر اس کے لبوں کو لگایا تو وہ غٹا غٹ پی کر بولی۔

''بیٹا! تمہاری شادی کا سوچ کر دل ڈوب سا گیا۔ بیٹی جوں جوں قد نکالتی ہے، ماں کا دل ریزہ ریزہ ہونے لگتا ہے۔''

وہ ذرا سا مسکرائی۔

''ریزہ ریزہ.....'' وہ آسیہ کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے مذاقاً بولی۔ ''وہ تو پتھروں کے

ہوتے ہیں۔ آپ کا دل تو بہت نرم اور خاص الخاص گوشت پوست کا ہے۔ وہ ریزہ ریزہ نہیں، خون خون ہو گیا۔''

''ہاں بھئی۔ کچھ ایسے ہی ہو گیا۔ ناک سیدھے طریقے سے پکڑو یا بازو سر سے گھما کر پکڑو۔ بات تو ایک ہی ہے کہ شادی کا تصور ہی مجھے تڑپا گیا۔'' وہ اسے پیار کرتے ہوئے بولی۔ حالانکہ اپنی پیشین گوئی کی پریشانی تھی کہ کہیں سچ نہ ہو جائے۔

''ممی! آپ خوامخواہ پریشان ہو گئی ہیں۔ میرا شادی کرنے کا کوئی ارادہ نہیں۔ جیسا کہ آپ جانتی ہیں کہ میری تعلیم ابھی مکمل نہیں ہوئی۔ میں اسلامک اسٹڈیز میں ایم ایس کرنے کے بعد اپنے دین کی خدمت کروں گی۔ شادی بیکاری، بزدلی کے سوا اور کیا ہے؟ جسٹ آ ویسٹ آف ٹائم۔'' وہ سنجیدگی سے بولی۔ جواب پارینہ ہی تھا۔ اس کے باوجود آسیہ سرتاپا لرزتی ہوئی اسے دیکھنے لگی۔ اس کی نکھری اُجلی پاکیزہ جوانی کس قدر حسین تھی۔ شاید اسے خبر نہ تھی کہ اگر وہ حجاب میں نہ ہوتی تو اب تک رشتوں کا تانتا بندھ چکا ہوتا۔ اس کے چہرے پر نور پھیلا ہوا تھا۔ معصومیت کا راج تھا۔

''آپ کو میری بات سن کر حیرت ہوئی ہے نا؟......ممی! میں کسی قید میں زندگی گزارنے کی خواہش مند نہیں ہوں۔ آپ کی خوشی کی خاطر دنیاوی تعلیم کی ڈگریاں حاصل کرلوں گی مگر شادی کی ڈگری حاصل کرنا میرے بس کا روگ نہیں۔ میرا اس دنیا سے فرار کا مقصد آپ کو دکھ دینا ہرگز نہیں۔ میں اپنی زندگی کا ہر لمحہ دوسروں کے نام وقف کرنا چاہتی ہوں۔ اس پر تو میرا حق ہے نا؟'' وہ سنجیدگی سے بولے جا رہی تھی۔ آسیہ کی آنکھوں کے سامنے بے جی کی زندگی گھوم گئی۔ بے مقصد اور بے کار۔

'عشقِ حقیقی دنیا سے دُور نہیں کرتا بلکہ اس کی مخلوق کے قریب کرتا ہے۔' اس نے دل میں سوچا اور جواب دیئے بغیر باہر نکل گئی۔ کیونکہ اس وقت سمجھانے بجھانے اور بحث و مباحثہ کا وقت نہیں تھا۔ کل اُس کا بی اے کا پہلا پیپر تھا۔

□......○......□

''میں مسلم گھرانے میں پیدا ہوئی تھی۔ سسرال بھی مسلم تھا۔ میں حد سے تجاوز کرنے والوں کے سخت خلاف ہوں۔ آپ نے جس دانش مندی سے اسے تعلیم کی طرف راغب کیا ہے، بے مثال ہے۔ ہم پھر سے ایک بہت بڑی آزمائش میں گرفتار ہونے والے ہیں۔ آپ کی عقلمندی اور دور اندیشی سے ہی ہم آزمائش سے بچ سکتے ہیں۔'' آسیہ نے ملائمت سے کہا تو فیضان حیرت سے اس کی طرف دیکھنے لگے۔

''میری بات غور سے سن لیں۔ حرم لندن پڑھنے کے لئے ہرگز نہیں جائے گی۔ اسے میری عرض و التجا سمجھیں یا میرا حکم۔ آپ کو غور و خوض کرنا پڑے گا۔'' آسیہ نے مستحکم لہجے میں کہا۔

''آسیہ! میرا اس سے وعدہ ہے۔ میرے اسی وعدے پر تو اس نے بی اے کر لیا ہے۔ حرم کی اس اچیومنٹ کا انعام بہت ضروری ہے۔ اب وعدہ خلافی کرنا مناسب نہیں۔'' وہ اچنبھے سے بولے۔ ''وہ میرے بارے میں کیا سوچے گی اور کیا سیکھے گی؟''

''اُس وقت وعدہ کرنا بہتر تھا، اِس وقت وعدہ توڑنا ضروری ہے۔ اب حالات کے تقاضے پورے کرنے میں مصلحت ہے۔ ہمیں جلد از جلد اپنی پیاری بچی حرم کی شادی کر دینی چاہئے۔ ہاتھ سے نکل گئی تو کبھی قابو نہیں آئے گی۔ آپ جانتے ہیں کہ جب بھی شادی کی بات ہوتی ہے وہ فوراً سیخ پا ہو جاتی ہے۔ زندگی تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ بے حد حسین وجمیل گفٹ ہے۔ وہ اسے گفٹ ہی سمجھ کر انجوائے کرے۔ ہم کرسچین نہیں ہیں کہ اسے چرچ کے حوالے کر دیں۔ ہم مسلمان ہیں۔ ہمارے مذہب میں نکاح فرائض کے زمرے میں آتا ہے جو ہر امیر غریب پر واجب ہے۔ پھر لڑکی کا اس معاشرے میں تنہا رہنا آسان کام نہیں۔ دس پردوں میں بھی برہنہ ہی ہوتی ہے۔ ہماری حرم کا حُسن و جوانی بھی تو کافرانہ ہے۔ مجھے ہر وقت خوف رہتا ہے کہ کہیں ہمارا معاشرہ اسے داغ دار ہی نہ کر دے۔ اس پر اُٹھی ہوئی ایک انگلی ہزاروں میں منتقل ہو گئی تو جس خدمتِ خلق کا یہ خواب دیکھ رہی ہے، فوراً چکنا چور ہو جائے گا۔ مائیں اپنی بیٹیاں اس کے سائے سے بھی دُور رکھیں گی۔ آپ میری بات پر سنجیدگی سے توجہ دیں کہ وہ آپ کی ہر بات کو بہت اہمیت دیتی ہے۔ اسے سمجھانے کی کوشش کریں۔ اور احکامِ الٰہی کے مطابق مثالوں سے اسے صرف آپ ہی منوا سکتے ہیں۔'' آسیہ نے طولانی تمہید کے بعد التجائیہ لہجے میں کہا۔

''بات تو تم نے بڑے پتے کی، کی ہے۔ تم حرم کے لئے رشتہ ڈھونڈو۔ شادی کے بعد شوہر کی رضامندی سے جو بھی کرنا چاہے گی، ہمیں اعتراض نہ ہوگا۔ اگر مزید پڑھنا چاہتی ہے تو بڑے شوق سے اپنی تعلیٰ جاری رکھ سکتی ہے۔ آج کل کے لڑکے فطرتاً مختلف ہیں ہمارے وقتوں سے۔ کم از کم بیوی کی تعلیم پر پابندی نہیں لگاتے۔ اُنہیں اِن سکیورٹی نہین رہی۔ مطمئن ہیں۔'' فیضان کے بدلے ہوئے خیالات نے آسیہ کو پُرسکون کر دیا تھا۔

''فیضان! رشتہ تو بہت بہترین ہے میری نظروں میں۔ مجھے حرم کا ڈر ہے۔ مان کے نہیں دے گی۔ بہت ہی ضد کی پکی لڑکی ہے۔ ہم نے بھی خوانخواہ بغیر سوچے سمجھے جذبات میں آ کر نہ جانے کیسے خون کو اپنے خالص خون میں شامل کر لیا۔ طرہ یہ کہ حرم مجھے اپنے بچوں سے بڑھ کر عزیز ہے۔ اس سے مجھے بہت پیار اور اُنس ہے۔ اس کا برا کیونکر چاہوں گی؟ جن بچوں کی شادی نہیں ہوتی، وہ بہت جلد ذہنی مریض بن جاتے ہیں۔'' وہ تڑپ کر بولی۔

''تمہارے ہوتے ہوئے حرم نفسیاتی بیماریوں سے دور ہی رہے گی۔ کیونکہ پالنے والی ماں، پیدا کرنے والی ماں پر فوقیت حاصل کر لیتی ہے۔ میں جانتا ہوں کہ تم حرم کے بغیر ایک پل بھی نہیں رہ سکتی۔'' وہ پُرستائش لہجے میں بولے۔ ''یہ تمہاری ہی ہمت اور حوصلہ ہے کہ حرم

کے سامنے تم نے گھٹنے نہیں ٹیک دیئے۔ ورنہ حرم جاہل اور اَن پڑھ ہی رہ جاتی۔ اب بھی تمہیں اپنے ارادوں میں کامیابی ضرور ہوگی۔ یہ میرا ایمان ہے۔"

اسی لمحے حرم لاؤنج میں داخل ہوئی۔ چہرے پر طمانیت وتسکین دیکھ کر فیضان نے اسے اشارے سے اپنے پاس بلا لیا۔

"آج کل فریڈم میں کون سی مصروفیت ہے؟ کیسا لگ رہا ہے؟" وہ پیار بھرے لہجے میں بولے تو وہ مسکرا کر بولی۔

"بابا! بہت خوب، بہت ہی اچھا محسوس ہو رہا ہے۔ لیکن میں فارغ نہیں ہوں۔ اپنے ملازمین کے لئے کام کر رہی ہوں۔ بابا! کیا ہی اچھا ہوتا اگر اُنہیں پکے کوارٹر بمعہ بجلی اور پانی کے بنوا دیئے جاتے۔ ان کی زندگی قدرے آسان اور سہل ہو جاتی۔"

"بیٹا! تمہارے خیالات بہت نیک ہیں اور میرے ارادے بھی مستحکم ہیں۔ ذرا حالات بہتر ہو جائیں تو پھر اس کے بارے میں کچھ کرتے ہیں۔ فی الحال تم اپنے مستقبل کا پروگرام بناؤ۔ شان بھی دو ماہ کی چھٹی پر آ رہا ہے۔ میں چاہتا ہوں بھائی کی موجودگی میں تمہارا رشتہ تو طے ہو ہی جانا چاہیے۔ پھر ماہم کی باری۔ اور اس کے بعد ہم اپنی بہورانی سے اپنے گھر کو بارونق بنائیں گے۔ اللہ کرے سب کام بروقت پایۂ تکمیل تک پہنچیں۔" وہ ملائمت سے بولے۔

"آپ کا پروگرام سن کر دلی مسرت ہوئی ہے۔ نیت اور جذبے نیک بھی ہیں اور بے حد ضروری بھی۔ لیکن بابا! جہاں تک میرا تعلق ہے، میری شادی ایک انسان سے نہیں، انسانیت سے ہو چکی ہے۔ مجھے انسانیت کی خدمت کے لئے خود کو تیار کرنا ہے۔ آپ کو اپنا وعدہ تو یاد ہو گا۔" وہ خود اعتمادی سے بولی۔

"وہ وعدہ تمہاری شادی کے بعد بھی تو پورا ہو سکتا ہے۔" وہ گھبرا سے گئے تھے۔

"بابا! آئی ایم سوری۔ شادی نیکیوں، اچھائیوں اور بھلائیوں میں رکاوٹ کا سبب بنتی ہے۔ اس لئے میں نے آج ہی نہیں، جس دن نصیبو کی شادی ہوئی تھی، اسی دن ارادہ کر لیا تھا کہ آپ کو چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤں گی۔ اب وہی ارادہ ایک فیصلے میں بدل چکا ہے۔ جسے بدلنے کی کوشش مجھے بہت ہرٹ کرے گی۔ کیونکہ فیصلہ سوچ بچار کے بعد کیا گیا ہے۔" وہ نہایت احتراماً بولی۔ "آئی لو یُو بابا! میں آپ کو چھوڑ کر بہت ناخوش ہو جاؤں گی۔ اگر آپ کو اپنا شوق، خواہش اور فرض کو پورا کرنا ہی ہے تو ایک آدھ سال کی بات ہے، ماہم اور ماہا اس قابل ہو جائیں گی۔"

"اس میں کوئی شک نہیں، ہر کام اپنی اپنی باری سے پایۂ تکمیل تک پہنچیں گے۔ لیکن اس معاملے میں تمہاری شنوائی نہیں ہوگی۔" فیضان مسکرا کر مگر سختی سے بولے۔ "والدین پر بھروسہ کرنے والی اولاد زندگی میں کبھی دھوکے، فریب اور جھوٹ کا شکار نہیں ہوتی۔ اور میری حرم تو ہے ہی بے مثال۔ ہمیشہ اپنے بابا کی نصیحت اور مشورے کو بہت اہمیت دیتی ہے۔"

''بابا! نو خوشامد۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولے۔

''خوشامد نہیں، حقیقت ہے۔ بڑی بیٹی کردار کی مضبوط اور نیک طینت ہو تو پھر باقی بچے مسائل کھڑے نہیں کر سکتے۔ تمہارے نقشِ قدم پر ہی ماہم اور ماہا چلیں گی۔ اس لئے خودغرضی کی اجازت نہیں دے سکتا۔'' وہ نرماہٹ سے بولے تو حرم متذبذب سی ہو کر فیضان کو غور سے دیکھنے لگی۔

''یس حرم! آئی ایم سیریس۔ تمہیں اس کا مطلب سمجھ آ گیا ہوگا۔'' وہ سنجیدگی سے بولے تو حرم بوکھلاہٹ میں بولی۔

''میں کچھ نہیں سمجھی بابا! میں تو اپنے بابا کا پیار جانتی ہوں۔ توجہ کو سمجھتی ہوں۔ اس کے علاوہ اور کچھ بھی سمجھنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتی۔''

''میری التجا سمجھو یا حکم۔ تمہیں شادی کرنی ہوگی، بہت جلد۔'' وہ مستحکم لہجے میں بولے۔

''ممی! آپ کیوں خاموش ہیں؟ کچھ تو بولیں۔'' وہ چپ سادھے آسیہ کو دیکھ کر تڑپ کر بولی۔

''تمہارے بابا نے جو بھی کہا ہے، مجھے اس سے اتفاق ہے۔ اگر شادی انسان کے لئے ضروری نہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ کے احکامات میں اس کا ذکر بار بار کیوں آتا؟ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور رضامندی کے لئے تمہیں اقرار کرنا پڑے گا۔ شادی کو عبادت اور پرستش سمجھ کر اس میں شمولیت اختیار کرو گی تو تمہارا ہر سانس عبادت و ریاضت ہے۔'' آسیہ نے پیار بھرے لہجے میں سمجھایا تو وہ خاموش ہو گئی۔

''اس خاموشی کو رضامندی سمجھو آسیہ! میری بچی کو ڈلہن بنانے کی تیاری کرو۔'' فیضان نے شگفتہ لہجے میں کہا تو حرم آنسو صاف کرتی ہوئی وہاں سے بھاگ گئی۔

''آسیہ! تم فکر مت کرو۔ شادی سے پہلے تم اپنے دل کا حال تو جانتی ہونا۔ لڑکی کو ایسے گمان ہوتا ہے جیسی تیتری کے پَر کاٹ کر پنجرے میں بند کر دیا ہو۔ حالانکہ اس کے برعکس ہوتا ہے کہ لڑکا بے چارہ اپنے بھولے پن میں ہی قید و بند کی صعوبتوں پر خوشی خوشی دستخط کر کے خود کو بہت دانش مند تصور کرنے لگتا ہے۔ بیوی کے پاؤں تلے بے چارے معصوم کی گردن۔ ذرا اہل کرتو دکھائے۔'' وہ ہنستے ہوئے چھیڑنے کے انداز میں بولے۔

''اللہ کرے میری حرم کے لئے ایسا ہو۔ میں تو اس میں ناکام ہی رہی۔ سچ مچ تیتری کے پَر ہی تو کاٹ دیئے ہیں آپ نے۔ اب تو عادت اتنی پختہ ہو چکی ہے کہ پنجرہ کھلا ہے مگر تیتری نے اس سے باہر نکل کر آزاد فضاؤں میں اُڑنے کے بارے میں سوچا ہی نہیں۔ پنجرے کے اندر کا تحفظ دل کو بھا گیا ہے۔ باہر کی دنیا سے ڈر اور خوف آنے لگا ہے۔ یعنی خود اعتمادی کا قلع قمع کرنے میں آپ کامیاب ہو گئے ہیں۔ ایسے حالات و واقعات کا ری ایکشن بیٹیوں میں ضرور آتا ہے۔ بس میری دعا ہے کہ حرم جلد از جلد اپنے گھر اور اپنے شوہر والی ہو

جائے۔ ورنہ ماہم اور ماہا بھی اسی ڈگر پر چل نکلیں گی۔ آج کل کی لڑکیوں میں یہ وبا تیزی سے پھیل رہی ہے۔'' وہ دُکھے دل کے ساتھ بولی تو فیضان نے مسکرا کر اس کا ہاتھ مضبوطی سے پکڑ لیا جیسے کبھی نہ چھوڑنے کا وعدہ ری نیو کر رہے ہوں۔

□......○......□

''حرم جان! پلیز ذرا فٹ سی تیار ہو جانا۔ آج کچھ مہمان آ رہے ہیں گھر میں۔'' وہ حرم کے کمرے میں اس کے ساتھ ہی بستر پر لیٹ گئی۔

''مہمانوں کا میرے فٹ سا تیار ہونے سے کیا تعلق ہے؟'' وہ انجان سی بن کر بولی۔

''یار! سمجھا کرو۔ تمہیں دیکھنے آ رہے ہیں۔'' وہ ذرا گھبرا کر بولی۔

''کوئی بھاؤ لگانے کا ارادہ ہے؟ ممی! سچ بتائیں۔ اگر میں ہر لحاظ سے پاس کر دی گئی تو مجھے بھی تو میرے رب نے دیکھنے، پرکھنے اور سمجھنے کے حقوق سے نوازا ہے۔ آپ ری جیکٹ کرنے کی صورت میں مجھ سے خفا تو نہیں ہو جائیں گی؟ آخر اس کا سودا کرنے، بارگیننگ کرنے پر میرا بھی تو اختیار ہے نا۔'' وہ خود اعتمادی سے بولی۔ ''جو حقوق مجھے باری تعالیٰ نے سونپ رکھے ہیں، وہ آپ مجھ سے چھین نہیں سکتیں۔ ہے نا ممی؟ وہ استعمال کرنے پر اعتراض نہیں ہوگا، وعدہ کریں نا۔

''بعض اوقات مذہب کے کچھ اصول و قانون معاشرے اور ہماری تہذیب و تمدن میں ایڈجسٹ نہیں ہو پاتے۔ اس لئے چشم پوشی سے ہی کام لینے میں عافیت سمجھی جاتی ہے۔'' وہ لاجواب سی ہو کر بولی۔

''ممی! میں بائیس برس سے سانس لینے کو زندگی تصور کرتی رہی۔ اِک عام شعور و سوچ کے مطابق یہ درست بھی ہے۔ مگر اب میں نے اپنے اس فری گولڈن ٹائم میں سوچا ہے کہ میرا نام حرم ہر جگہ میری پہچان ہے۔ یہ ظاہری شناخت بھی بے حد ضروری ہے۔ مگر ممی! یہ تو عارضی ہے۔ جب سانس کی ڈوری ٹوٹ جائے گی تو یہ پہچان بھی چھناکے سے ٹوٹ جائے گی۔ اس کے بعد پیارے قبر پر نام کا کتبہ لگا کر اسے زندہ رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ بھی وقتی ہے۔ انہی پیاروں کے جانے کے بعد وہاں کوئی فاتحہ پڑھنے بھی نہیں آئے گا۔ نام شجرۂ نسب تک محدود ہو جائے گا۔ یہ بھی اِک پہیلی ہے۔ ایک دن ممی! وقت کا جھاڑو اسے بھی صاف کر دے گا۔'' وہ اُداس سی نظر آنے لگی تھی۔

''اس فلسفیانہ گفتگو کا مطلب؟..... میں کہہ رہی ہوں کہ تم تیار ہو جاؤ۔ تم نے بے تکا لیکچر پیش کر دیا۔'' آسیہ کچھ چڑ سی گئی۔

''ممی! میں نے ابھی تو گفتگو کا آغاز کیا ہے۔'' وہ ذرا سا مسکرائی۔ ''اگر اجازت ہے میری پیاری ممی کی طرف سے تو آگے چلوں۔''

''ہاں بولو۔ شاید تمہارا لیکچر مکمل ہونے کے بعد مدعا سمجھنے میں آسانی ہو۔'' وہ بھی ذرا سا

مسکرا دی۔ کچھ نادم بھی ہوئی۔

''تھینک یو ممی! گفتگو کا اہم موڑ...... ہر انسان کی اصل پہچان تو اس کے اندر پوشیدہ ہے۔ اس شناخت کا نام حرم نہیں ہوتا۔ وہ میرے رب کی ذات ہے۔ اس کے تمام بابرکت نام حرم کی ہر رگ و ریشہ میں رچے بسے ہوئے ہیں اور وہیں خون کے ساتھ شیطانیت بھی آمیزش کی کوشش میں محو ہے۔ جس نے شیطان کو اہمیت دی، وہی اس کی خصلتیں و عادات بن کر اس کی اندرونی کیفیت کی غمازی کریں گی۔ ممی! میرا جہاں بھی رشتہ ہو گا، انہیں میرے ظاہری حُسن سے سروکار نہیں ہونا چاہئے۔ انہیں میرے باطن کو سمجھنے کے لئے میرے ا.. جھانکنا پڑے گا۔ اور یہ معمہ ڈرائنگ روم میں بیٹھ کر چائے کا ایک کپ پینے کی مدت میں حل ہونا ناممکن ہے۔'' حرم کے لہجے کی مایوسیت سے وہ چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

''ممی! میں جانتی ہوں آپ کیا، دنیا کا کوئی بشر میری ان باتوں سے اتفاق نہیں کرے گا۔ سب مجھے پاگل اور دیوانی سمجھ کر مضحکہ خیز نظروں سے دیکھتے ہوئے گزر جائیں گے۔ اس لئے میں کسی کو بھی کنونس نہیں کروں گی۔ یہی وجہ تھی کہ میں نے شادی نہ کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔'' وہ مستحکم لہجے میں بولی۔

''ناٹ اگریڈ۔'' آسیہ تنک کر بولی۔ ''تم غلطی پر ہو۔ اس دنیا میں زندگی گزارنے کے قانون و ضابطوں کو تم ٹھکرا نہیں سکتیں۔ اگر زندگی ایک مُردہ بن کر ہی گزارنی تھی تو یہ دنیا اتنی حسین، پُرکشش اور دلربا نہ ہوتی۔ تم نیچر کے خلاف نہیں چل سکتی۔ ورنہ رب العزت خفا ہو جائے گا۔ اس کی کری ایشن کو جھٹلانے والے ہم کون ہوتے ہیں؟ اس کی وسیع و عریض، پاک و معتبر ذات کی پہچان ہی عبادت ہے۔ اور عبادت ہر نیک عمل کرنے کا نام ہے۔ محض سجدوں اور درسوں تک محدود ہرگز نہیں۔ توبہ استغفار پڑھو اور اس کی تخلیق کے ہر پہلو پر غور و فکر کرو۔ یہ ہے تمہاری اصل عبادت، حقیقت اور سچائی۔ تمہاری سوچ بہت چھوٹی ہے ابھی۔ اسے تجربات و مشاہدات اور معلومات سے فراخ کرو۔'' آسیہ نے ملائمت سے کہا۔ ''شادی عورت کی عزت و تکریم، وقار و کروفر کی حفاظت کرتی ہے۔ پھر بچے اس کی زندگی میں خوشیوں کے حسین رنگ بھر کر اس کے ہاتھ میں جنت کی کنجی تھما دیتے ہیں۔ عورت کا اتنے عظیم درجے سے محروم ہونا عقلمندی نہیں، نادانی ہے۔''

''یتیم یا حاجت مند بچے کو گود لینا اتنا اعلیٰ و ارفع درجہ ہے کہ جنت کے ہر دروازے کی کنجی اس ماں کے ہاتھ میں چلی جاتی ہے جس نے غیر کے خون کو اپنا رنگ دیا اور اس کی تربیت و تعلیم میں کہیں کمی نہیں آنے دی۔ ممی! میں نصیبو کی بیٹی کو گود لے لوں گی۔ نصیبو بہت غریب ہے۔ وہ چھ بچوں کو پال تو لے گی مگر انہیں تعلیم اور اچھی تربیت دینے سے قاصر رہے گی۔'' وہ پژمردہ لہجے میں بولی۔ ''اس غربت کے سرکل کو ہم جیسے باوسائل لوگ توڑ سکتے ہیں۔''

''وہ تو سب ٹھیک ہے۔ فی الحال تیار ہو کر ڈرائنگ روم میں آ جانا۔ بہت اعلیٰ خاندان کا تعلیم یافتہ اکلوتا بیٹا ہے۔ نام ہے اُس کا حبان۔ سنا ہے اپنے نام کی مانند خاص الخاص منفرد شخصیت کا مالک ہے۔ مجھے امید ہے کہ ہمیں پسند آ جائے گا۔'' آسیہ پُرامید لہجے میں بولی۔

''ممی! زندگی میں نے جس ناشناسا کے ساتھ گزارنی ہے، اسے پسند کرنے کا میرا بھی تو حق ہے نا۔'' وہ حیرت سے بولی۔

''شیور.....شیور.....اسی لئے تو کہہ رہی ہوں کہ تمہیں ہماری گفتگو کا حصہ بننے میں نہ تو انکار کرنا چاہئے نہ ہی اعتراض کی اجازت ہے۔'' وہ اسے پیار بھرے لہجے میں کہہ کر مسکرائی۔

''میری تعلیم کا کیا ہو گا ممی؟'' وہ اضطراری کیفیت میں بولی۔

''اس کے لئے اک عمر پڑی ہے میری جان! شادی کی عمر بہت کم ہوتی ہے۔ بیت جائے تو پھر ڈھنگ کا رشتہ ملنا ناممکن ہے۔'' وہ سمجھانے کے انداز میں بولی۔

''تو اس عمر کو گزر جانے دیں ممی! کیا رکھا ہے اس شادی میں؟ میں وہ لڑکی نہیں ہوں جو شادی کے لڈو کھائے بغیر پچھتاووں کی آماجگاہ کی باسی بن کر دوسروں کے لئے حسرت و یاس کی تصویر بن جائے۔'' وہ سنجیدگی سے بولی۔

'تم نہیں سنو گی، نہیں مانو گی۔ تمہارے باپ سے بات کرنی پڑے گی۔' آسیہ نے دل میں کہا اور وہاں سے اُٹھ کر باہر نکل گئی۔

□.......○.......□

''فیضان! رشتہ للّی نے بھیجا ہے۔ کوئی مذاق نہیں۔ لڑکے نے یو کے سے ماسٹرز امتیازی پوزیشن میں کیا ہے۔ اور ہے بھی اکلوتا۔ نہ بہن نہ بھائی، نہ کسی جائیداد میں بٹوارہ ہے نہ بنک میں حصہ داری کرنے والا دوسرا موجود ہے۔ ہماری حرم عیش کرے گی۔ دونوں ہاتھوں سے بھی لٹائے گی تو ختم ہونے میں نہیں آئے گا۔'' آسیہ خوشی سے بولے جا رہی تھی۔

''اپنی بیٹی سے مشورہ کرنا مت بھولنا۔'' وہ سنجیدگی سے بولے۔

''میں نے اسے سمجھا دیا ہے۔ لیکن بات تو آپ کی سنے گی اور مانے گی۔ اللہ تعالیٰ اس پر اپنی رحمتیں اور برکتیں نازل فرمائے۔ بعض اوقات وہ مجھے یہاں کی مخلوق نہیں لگتی۔ حرم کا نور اس کے انگ انگ سے پھوٹ رہا ہوتا ہے۔ اس کی زبان سے معطر خوشبو میں نہائے ہوئے پھول بکھر رہے ہوتے ہیں۔ اور آنکھیں اس کی اعلیٰ کرداری اور بلند اخلاقیات کی چغلی کھا رہی ہوتی ہیں۔ وہ ماں باپ کتنے بدنصیب تھے جنہوں نے اِک روشن ستارے سے پردہ داری کر لی۔'' وہ ایک دم سے اُداس ہو گئی۔

''اگر وہ ایسا نہ کرتے تو آج ہم اس روشن ستارے کی راہنمائی میں اپنا راستہ کیسے ڈھونڈ پاتے؟ جب سے حرم میری زندگی میں آئی ہے، خدا نے بے حساب رزق سے مجھے قارون کے خزانے کا مالک بنا دیا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ اپنے کرتوتوں کی وجہ سے انسان پر آزمائشیں

بھی آتی ہیں، ناکامی اور شکست بھی ہوتی ہے۔'' فیضان نے کافی کا سِپ لیتے ہوئے کہا تو سامنے سے حرم وارد ہوئی۔ کالے دوپٹے کے ہالے میں اس کا نورانی چہرہ کھلا ہوا تھا۔

فیضان نے ایک اچٹتی نظر اس پر ڈالی اور فوراً آنکھیں جھکا لیں۔ آخر باپ مرد ہی تو ہوتا ہے۔ یہاں تو اصل بھی نہیں تھا۔ اس کی سوچ میں شوریدگی اور تغیر ایک فطری امر تھا۔ انہوں نے دل میں سوچا۔ جنت میں حوریں حرم سے بڑھ کر حسین، پاک اور بے ضرر ہرگز نہیں ہوں گی۔ حرم کو حوروں پر فوقیت ہوگی۔ اور میں اسی حور کا انتخاب کروں گا۔

اپنی سوچوں کی وادی میں حرم کی ہمراہی پر وہ چونک اُٹھے۔

'آج سے پہلے میں نے ایسا کبھی نہیں سوچا۔ تو پھر آج کیوں میری رگوں میں شیطان سرایت کرنے لگا ہے؟ بی ہیو یور سیلف فیضان! شی اِز یور ڈاٹر۔'

ان کے ضمیر نے لعنت و ملامت سے انہیں جھنجوڑ کر بیدار کر دیا۔ مگر آنکھوں میں ایک انہونی سی بھوک تڑپ رہی تھی۔ حرم کسی اور کی ہو جائے گی۔ یہ کیسے ممکن ہے؟

حرم وہاں سے گزر کر لان میں جا چکی تھی۔ آسیہ نے فیضان کی تعاقب کرتی ہوئی، بولتی ہوئی نظروں کو بھانپ کر پل بھر میں زمین اور آسمان کو یکجا ہوتے دیکھا۔ اس وقت فیضان کی نظروں میں کچھ پیاس و ہوس سی تھی۔ آج دیکھنے کا طریقہ ہی مختلف تھا۔ وہ اپنی بہیمانہ سوچ پر خود کو کوسنے لگی کہ اس نے ایسا سوچا ہی کیسے اور کیوں؟ بھلا باپ اپنی بیٹی کو غلیظ نظروں سے دیکھ سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔

''آسیہ! جونہی رشتہ طے ہوگا، دعائے خیر کے ساتھ ہی شادی کی ڈیٹ فکس کر دیں گے۔ آئی تھنک کہ جوان بیٹی کا اس گھر سے دانہ پانی اُٹھ گیا۔ ہمیں بہت جلد فیصلہ کرنا ہوگا۔ حرم رضامند ہو یا نہ ہو، مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا۔'' وہ دل پر قابو پاتے ہوئے بولے مگر زبان کچھ لڑکھڑا سی گئی تھی۔ انہوں نے سر صوفے پر ٹکا دیا اور آنکھیں موند لیں۔

''فیضان! کیا ہوا یکدم؟ ابھی تو آپ ٹھیک تھے۔ خوش باش، گپیں لگا رہے تھے۔ آسیہ نے ان کی پیشانی پر ہاتھ پھیرا۔ پسینے کے خطرے اُبھرے ہوئے محسوس کر کے وہ فوراً پانی لینے چلی گئی۔ فیضان کو اپنی باغیانہ سوچ پر تاسف وندامت نے ہلا کر رکھ دیا تھا۔

'مرد ایک جانور اور خونی درندہ ہے۔ اور عورت اس کا شکار ہے۔ اسی لئے تو سورۃ نساء میں اس درندے کے لئے حدیں مقرر کر دی گئی ہیں۔'

وہ دل ہی دل میں بڑبڑانے لگے اور سیدھے بیٹھ کر اپنے گرے بالوں میں اُنگلیاں پھیرنے لگے۔ آسیہ پانی کا گلاس لے کر پہنچ گئی۔ اس کے چہرے پر فکرمندی کے اشارے نمایاں تھے۔

''لگتا ہے بیٹی کی شادی کے بارے میں سوچ کر ہی آپ کا دل بیٹھنے لگا ہے۔ ماہم اور ماہا کی دفعہ کیا ہوگا؟''

"آسیہ! آئی ایم فائن۔ بیٹی کو ایک مرد کے ہاتھ میں دینے کا دکھ باپ کو گھائل کر جاتا ہے۔ کیا کروں، مجبوری ہے۔ لیکن برداشت تو کرنا پڑے گا۔ تم نے درست سوچا ہے۔ حرم تو مجھے ماہم اور ماہا سے بھی زیادہ لاڈلی ہے۔ کیونکہ اس کا ہمارے سوا اور کوئی رشتہ نہیں۔" وہ پانی کا گلاس پکڑتے ہوئے بولے۔ مگر نظریں آسیہ سے ملانی مشکل لگ رہی تھیں۔ جیسے آسیہ نے ان کے دل، ذہن اور نگاہوں کی چوری پکڑ لی ہو۔ لہجے کو خوشگوار کرتے ہوئے گویا ہوئے۔

"ایگزیکٹلی میرے پاپا بھی یہی فرمایا کرتے تھے۔ آپ نے تو پھر بھی مرد کی عزت کی پاسداری کا ثبوت دیا ہے۔ کچھ برا بھلا نہیں کہا بے چارے کو۔ وہ تو کہا کرتے تھے، ایک مونکی، کم بخت بندر کے ہاتھ میں بیٹی دینے کا قلق کبھی چین نہیں لینے دیتا۔ ذرا اپنے سسر جی کی نظروں میں اپنا مقام ملاحظہ فرمائیے۔" وہ ہنستے ہوئے بولی تو فیضان بھی زبردستی ہنسنے کی کوشش کرنے لگے۔

□.......○.......□

ڈرائنگ روم میں للّی کے ساتھ اس کی دوست اور اس کا بیٹا حبان براجمان تھے۔ حبان کی نگاہیں بار بار دروازے کی جانب اُٹھتیں اور ناکام ہو کر جھک جاتیں۔

حبان کی عمر تقریباً 28 یا 30 سال کے لگ بھگ رہی تھی۔ بلند قد و قامت اور سانولے رنگ میں اس کی شخصیت خاصی پُرکشش اور جاذبِ نظر تھی۔ خوش لباس اور خوش مزاج تو تھا ہی۔ مگر تھا کم گو۔ خاموشی سے خواتین کی ایک آدھ بات سن کر ہلکی سی مسکراہٹ سے ان میں اپنی شمولیت کا اظہار کرتا رہا۔ فیضان کسی اہم میٹنگ میں لاہور چلے گئے تھے۔ آسیہ اُن کی اس حرکت پر نالاں بھی ہوئی، حیران بھی ہوئی کہ فیضان اس میٹنگ کو ملتوی بھی کر سکتے تھے۔ جبکہ اس نے انہی کے مشورے سے آج کی تاریخ مقرر کی تھی۔ پھر ایسی کیا ایمرجنسی تھی کہ انہوں نے اپنا بیگ آفس میں ہی منگوا لیا اور اس سے ملے بغیر لاہور چل دیئے۔

ایسا پہلی مرتبہ ہوا تھا کہ وہ خدا حافظ کئے بغیر ہی اسے حیرت کی دنیا میں دھکیل کر دوسرے شہر آناً فاناً چلے گئے۔ وہ اپنی ہی آگ میں جھلس رہی تھی۔ خود کو جتنا سمجھاتی، حیرت اور غصہ اتنا ہی اُبھرتا۔ اس وقت وہ مہمانوں کے ساتھ بیٹھی باتیں بھی کر رہی تھی۔ ان کی دلنشیں باتیں بھی سن رہی تھی مگر ذہنی طور پر وہ وہاں موجود نہیں تھی۔ تجسس اور اشتیاق ہر لمحے بڑھتا جا رہا تھا کہ ابھی تک انہوں نے فون بھی نہیں کیا۔

وہ اسی کشمکش میں مبتلا تھی کہ اے۔ جی چاچا، چائے کی ٹرالی گھسیٹتا ہوا اندر داخل ہوا تو آسیہ نے حیرت سے دروازے کی طرف دیکھا کہ شاید حرم پیچھے چلی آ رہی ہو۔ جبکہ آسیہ نے اسے دس بار سمجھایا تھا کہ وہ تیار ہو کر ٹرالی سمیت ڈرائنگ روم میں آئے گی اور سب کو چائے سرو کرنے کے بعد حبان کے سامنے والے صوفے پر خود اعتمادی سے بیٹھ جائے گی۔ اور پھر چائے کے دوران وہ ان کی گفتگو میں مکمل طور پر شامل ہو جائے گی۔ اپنی محنت کی ناکامی پر وہ

تلملا اُٹھی۔

''اے جی چاچا! مجھے لگتا ہے کہ حرم سوئی کی سوئی رہ گئی ہے۔ اس کا دروازہ ناک کرو۔ قیلولہ کا وقت گزر چکا ہے۔'' وہ اپنے غصے پر قابو پانے کے بعد ذرا سا مسکرا کر بولی۔ ''امتحان ختم ہوئے اور حرم کی نیند، کسلمندی اور سستی کا آغاز ہوا۔''

اے جی سر جھکائے باہر نکل گیا اور سیدھا حرم کے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ اس کا دروازہ اندر سے بند تھا۔ اس کی دستک پر کھول کر وہ پھر سے مولانا اسرار الحق کا لیکچر سننے لگی۔

''حرم بی بی! ڈرائنگ روم میں مہمان آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ آپ ابھی تک تیار بھی نہیں ہوئیں۔ بیگم صاحبہ ناراض ہو جائیں گی۔'' وہ آہستگی سے بولا۔ ''یہ درس بعد میں بھی سنا جا سکتا ہے۔ آپ بھی حد کرتی ہیں۔''

''اے جی چاچا! مجھے یہ بتایئے کہ کیا نصیبو کی بھی آپ نے ایسے ہی رونمائی کی تھی؟ اور پھر سودے کی کم بیشی پر رشتے کا طے ہونا یا انکار کرنا'' وہ تلخ لہجے میں بولی۔

''حرم بی بی! ہم غریب لوگ بیٹی کی پیدائش پر ہی اسے اپنے قریبی رشتے میں شہد چکھانے سے ہی ان کی ملکیت میں دے دیتے ہیں۔ پھر انہی کی امانت سمجھ کر ہم پالتے پوستے ہیں۔ اور جوان ہوتے ہی ان کے حوالے کر دیتے ہیں۔ ہمارا تمام کام بہت آسان ہے۔ مگر ہے یہ بے انصافی۔ آج نصیبو اتنی مجبور اور دکھی نہ ہوتی اگر اس کی بچپن میں ہاں نہ کہی ہوتی۔ اس کا خاوند چٹا ان پڑھ اور رَ کے بے وقوف۔ آج تک ماں کی لمبی زبان اور اس کے بے دردی سے چلتے ہوئے ہاتھوں کو روک نہیں سکا۔ اس کا بس نہیں چلتا کہ بیٹے سے شادی رچا لیتی۔ بیٹے کے سینے پر ہاتھ رکھ کر سوتی ہے۔ رکھوالی کرتی ہے میری بچی کی۔ ہے تو میری اپنی بہن مگر ہے بہت چالباز اور مکار۔'' وہ دکھ بھری آواز میں بولا۔

''حرم بی بی! آپ تو میری نصیبو ہیں۔ ایک ادنیٰ سی بات کہنا چاہتا ہوں۔ یاد رہے گی تو بھی مہربانی۔ ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے باہر اُٹھا پھینکیں گی تو بھی دعائیں ہیں۔ جس دھرتی کے ہم باشندے ہیں یہاں زن، زر اور زمین کی بہت اہمیت ہے۔ زن بھی مال سمجھا جاتا ہے جس کا مول نہیں ہوتا، بولی نہیں لگائی جاتی، بن پیسے کے خرید لیا جاتا ہے۔ کوڑیوں سے بھی کم سستا مال۔ مگر جب اسے چھوڑنے کا کہو تو یہ گھٹیا مال کیسے انمول ہو جاتا ہے کہ شوہر کبھی اس سے کنارہ کشی کا نہ سوچے۔ اس کو قید کر دے کہ ہاتھ سے نکل گیا تو عزت چلی جائے گی۔ زمین بنجر ہوگئی تو گویا ماں کا سودا کر دیا۔ غیرت ڈوب مرے گی۔ ایک طرف اہمیت اور دوسری طرف بے وقعت۔ میری نصیبو کے ساتھ کچھ ایسا ہی ظلم ہوا ہے۔ چھ بچوں کی ماں تو زنجیروں میں اُلجھی ہوئی ہے۔ طلاق مانگے گی تو بدکار کہلائے گی۔ حق کے لئے آواز اٹھائے گی تو جبر و تشدد اس کا مقدر بن جائے گا۔ باپ اور بھائی حتیٰ کہ ماں بھی اس ستم میں شامل ہوگئی۔ بھلا کون پالے گا چھ بچوں کو؟ نصیبو انہیں چھوڑنا نہیں چاہتی۔ ہم بچوں سمیت

اسے قبول نہیں کر سکتے۔ حرم بی بی! آپ کا رواج تو بہت اچھا اور فائدہ مند ہے کہ کم از کم لڑکی اور لڑکا شادی سے پہلے ایک دوسرے کا مزاج سمجھ جاتے ہیں۔ یہ کچے دھاگے کا رشتہ لوہے کی زنجیر کی طرح مضبوط ہو جاتا ہے۔ آپ تیار ہو جائیں اور اللہ کا نام لے کر اس رشتے کی شروعات تو کریں۔'' وہ ہاتھ جوڑ کر بولا۔ ''حرم بی بی! میں آپ کے ساتھ ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ یہ لوگ بہت اچھے ثابت ہوں گے۔''

''اے جی چاچا! تم بھی حرم بی بی کے ساتھ گپیں لگانے بیٹھ گئے۔ شاباش۔'' آسیہ نے کمرے میں آ کر تیزی اور غصے سے کہا۔

''ممی! میں نامحرم سے کیونکر ملوں گی؟'' حرم نے مردنی آواز میں کہا۔

''کل یہی تمہارا محرم ہو گا۔ اُٹھو! مجھے تنگ مت کرو۔ تمہارا باپ مجھے آزمائش میں ڈال کر خود رفو چکر ہو گیا ہے۔ جی چاہتا ہے کہ میں بھی کہیں بھاگ جاؤں۔'' آسیہ نے بیزاری سے کہا۔

''حرم بی بی کو یہی تو سمجھا رہا ہوں کہ آنکھیں اور کان بند کر کے کسی نامحرم کو اپنا بنانے کی غلطی مت کرنا۔'' وہ دکھ و کرب سے بولا۔ ''یہ غلطیاں اور ان کی سزائیں تو ہمارے نصیب میں لکھ دی گئی ہیں۔ حرم بی بی! میری بات مان لیں۔ ممی جیسا بھی کہیں آپ نے انکار نہیں کرنا۔''

''ٹھیک ہے ممی! آپ چند منٹ کے لئے مجھے تنہا چھوڑ دیں۔ میں مہمانوں سے ملنے ضرور آؤں گی۔'' حرم نے نگاہیں جھکا لیں اور دونوں باہر نکل گئے۔

''آسیہ! تم نے تو انہیں ترسا ہی دیا ہے۔ کہاں رہ گئی ہماری شہزادی؟'' للّی نے مسکراتے ہوئے کہا تو آسیہ بھی ہلکی سی مسکراہٹ سے حبان کو دیکھنے لگی۔ اس کی نگاہوں میں تجسس تھا۔ انتظار اور بے تابی تھی کہ حرم ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی۔ کالے حجاب اور وہی دن بھر کے سلوٹ شدہ کپڑوں میں ملبوس۔ اس نے سب کو سلام کیا اور آنٹی للّی کے سامنے بیٹھ گئی۔ حبان کو اس نے ایسے نظرانداز کیا تھا کہ جیسے وہ تو یہاں موجود ہی نہیں۔ اِدھر اُدھر کی چند باتوں کے بعد ہی وہ وہاں سے اُٹھ گئی۔ حبان حیرت سے اسے جاتے ہوئے دیکھنے لگا۔

آسیہ نے امید و بیم نظروں سے حبان کی طرف دیکھا۔ وہ گہری سوچ میں کھو چکا تھا اور اس کی ماں کے چہرے پر ناگواری کے آثار نمایاں طور پر نظر آ رہے تھے۔ للّی بھی کچھ نادم سی لگی۔ اسے یہ امید تو ہرگز نہیں تھی کہ حرم آج بھی اپنے نائٹ سوٹ میں ہی پائی جائے گی۔ تھوڑے توقف کے بعد لڑکے کی ماں عارفہ جانے کے لئے کھڑی ہوگئی۔ حبان ابھی تک اپنے خیالوں کے تانے بانے سلجھانے کی کوشش کر رہا تھا۔ ماں نے پیار سے اس کے بالوں پر ہاتھ پھیرا تو اس نے چونک کر سر اٹھایا اور ماں کی طرف دیکھا۔ ماں کی آنکھ کا اشارہ سمجھ کر وہ کھڑا ہو گیا۔

''آنٹی! آپ سے مل کر بہت خوشی ہوئی۔'' وہ مؤدبانہ انداز میں بولا۔ ''آپ کا فارم

ہاؤس بہت شاہانہ لگا۔ اور آپ کا اخلاق اور حُسنِ سلوک قابل ستائش ہے۔ تھینک یُو آنٹی۔“

یہ سن کر آسیہ کا دل بلیوں اُچھلا۔ مگر عارفہ کا دل ڈوبنے لگا۔ حرم اسے کسی لحاظ سے اپنے بیٹے کے قابل نہ لگی تھی۔ اپنے خوبرو اکلوتے بیٹے کے لئے اس کی بہو کا بے مثال ہونا بے حد ضروری تھا۔ یہاں تو ایسا کچھ نہ تھا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے اپنا گھر گھوم گیا جو مستقبل میں درس گاہ ہوگا۔ جہاں فرقہ بندی پر پروپیگنڈے کیئے جائیں گے۔ وہ دل ہی دل میں بڑبڑائی۔

’شادی آسیہ سے نہیں اس کی حجابی، کند ذہن اور تنگ دل بیٹی سے کرنے کا ارادہ تھا جو کھوٹا سکہ ہی نکلی۔ للی ہمیں کہاں لے آئی ہے؟ اس کی خبر تو ایسی لوں گی کہ یاد ہی رکھے گی۔‘

وہ سوچتی ہوئی ڈرائنگ روم سے باہر نکل آئی۔ آسیہ اس کی خاموشی اور بیزاری کو بھانپ تو گئی تھی لیکن اپنے موڈ کو اس نے خوشگوار ہی رکھا اور باہر پہنچ کر اس نے انہیں اپنے فارم کا راؤنڈ بھی لگوایا۔ مالی نے گلاب کے ملٹی کلرز کے خوب صورت گلدستے اور موتیے کی کلیوں کی باسکٹ مہمانوں کو پیش کی۔ اور گاڑی کی ڈِکی میں دیسی انڈوں کی ٹرے، بھینس کے دودھ کی بوتلیں اور تازہ سبزیاں رکھوادیں۔

حبان دلچسپی سے تمام کارروائی دیکھ رہا تھا۔ اس نے بنگلے کی طرف غیر ارادی طور سے دیکھا تو پورچ کی بائیں سائیڈ کی کھلی کھڑکی پر نظریں جم کر رہ گئیں۔ حرم اپنے ہی دھیان ٹرالی سے کباب اٹھا کر کھا رہی تھی۔ سر ننگا تھا اور لمبی زلفیں کمر کو چھو رہی تھیں۔ حرم کو محسوس ہوا کہ اس کے چہرے پر کسی کی نظروں کی حدت و تپش نے اسے بے چین سا کر ڈالا ہے۔ چونک کر کھلی کھڑکی سے باہر جھانکا اور تڑپ کر دوپٹے سے سر ڈھانپنے لگی۔ حبان نے مسکرا کر اسے ہاتھ ہلا کر الوداع کہا تو حرم دھڑکتے دل پر قابو پاتی ہوئی وہاں سے اوجھل ہوگئی۔ اپنے کمرے میں آکر اس نے فوراً خود کو آئینے میں دیکھا۔ چہرے کی عجیب سی شگفتگی جس میں شرم کی لالی کی آمیزش تھی، نے اسے اور حسین بنا دیا تھا۔ بولتی ہوئی بڑی بڑی آنکھوں میں پُر اشتیاق پرچھائیاں اور لبوں پر کلیوں کی سی مسکان دیکھ کر وہ چونک سی گئی اور ایک دم سے حیرت کے سمندر میں غوطہ زن ہوگئی کہ دل کی دھڑکن آج اک بستی آباد ہونے کا پیغام کیوں دینے لگی ہے۔ اس میں شیریں پانی کی موجزن لہریں اس کی رگ و پے میں سرایت کرتی ہوئی مجھے مسحور کن کیئے جارہی ہیں۔ ایسے آج سے پہلے تو کبھی نہیں ہوا تھا۔ یہ مجھے کیا ہوگیا ہے؟ دو پُر تجسس آنکھیں، اس پر جمی ہوئی جائزہ لیتی ہوئی آنکھیں، لگاوٹ و اپنائیت سے بھرپور آنکھیں گھوم گئیں۔ دل کی دھڑکن پھر بے قابو سی ہوگئی۔ بے تکلفانہ لہراتا ہوا ہاتھ اور چہرے کی ضوفشانی میں روح کی سچائی و عظمت کے روشن دیے محسوس کرتے ہوئے اس کی آنکھیں چندھیا گئیں۔ من کی فضا جھوم اٹھی تھی۔ ضد اور ہٹ دھرمی کے بادل چھٹنے لگے تھے۔

حرم نے اپنے نازک ہاتھوں کی مخروطی انگلیوں کو مروڑا اور آئینے سے پرے ہٹ کر اس نے ایک بھرپور انگڑائی لی اور اپنی تمام سوچوں کو ذہن سے کھرچنے کی ناکام کاوش پر بڑبڑائی۔

''آگ اور بھوس کی یکجائی کا انجام راکھ، اُڑتی ہوئی راکھ۔ اور انسانیت اور شیطانیت کی ہراہی ایمان کی کمزوری ہے۔ آج نامحرم کے اس انداز میں دیکھنے سے میری رگ وجان میں شیطان کا مکروفریب خوش خیالی وخوش فہمی بن کر سرایت کرگیا ہے۔ مجھے آج یقین ہو چلا ہے کہ ہرلڑکی اسی فریب کی خوبصورتی اور جمال میں گرفتار ہو کر ہمیشہ کے لئے صیاد کی قید میں چلی جاتی ہے۔ حرم! آنکھیں کھولو۔ قید بامشقت میں تم کسی کے لئے کچھ نہیں کرسکو گی۔ تھنک لیس جاب، کٹھ پتلی کا تماشہ۔ جیون بھر کچھ حاصل نہیں کرسکو گی۔ آج نصیبو پر رحم وترس کھا رہی ہو، کل تم سے خود پر ترس کھانے کا حق بھی چھین لیا جائے گا۔ پچھتاوا، قلق اور بے بسی و لاچارگی تم پر غلبہ پا چکی ہو گی۔ اور تم مرنجاں مرنج چکی کے ایک پاٹ سسرال اور دوسرا پاٹ میکہ ان کے درمیان تاحیات پستی رہو گی۔ خوب مہین ہوتی رہو گی۔ اگر بابا جیسا قابل آفرین انسان شوہر کے روپ میں جابر ہوسکتا ہے، جو اپنی ہر ناجائز بات منوانے اور ممی کی ہر جائز خواہش کو رد کرنے کا حق رکھتا ہو تو پھر کسی اور پر اعتماد و بھرسہ کیا کرنا؟ موصوف کی ماں آنٹی عارفہ جنہیں پیار سے روزی کہتے ہیں، جنھوں نے اپنے نِک نیم کی بقا کی خاطر چہرے کی لالی اتوار بازار سے تھوک کے حساب سے خریدی ہے۔ سلیولیس بلاؤز اور جسم پر لش پش کرتے ہوئے سونے اور جگمگاتے ہوئے ڈائمنڈز کی آرائش وزیبائش، ہاتھ میں برینڈڈ لاکھوں کا پرس اور پاؤں میں لاکھوں کا جوتا رزقِ حلال سے نہیں خریدے جاسکتے۔ میں انہیں پسند نہیں آسکتی۔ جیسے مجھے وہ لوگ ایک آنکھ نہیں بھائے۔ مائی گاڈ! ہمیں کیا ہوگیا ہے؟ ہم نے اپنے نبی، پیغمبر اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی راہِ حیات کو فراموش کر کے اپنی زندگی کو مشکلات وامتحانات کے سپرد کردیا ہے۔''

اُس کے ذہن میں ایسی ہی سوچیں ہمیشہ اُبھرا کرتی تھیں۔ دل بھی گواہی دینے میں پیش پیش ہوتا۔ مگر اس وقت دل نے اقرار واعتراف نہ کیا۔ سماعتوں کو بند کئے چپ سادھے ہوئے تھا۔ وہ اضطراری کیفیت میں کمرے میں چہل قدمی کرنے لگی۔ لاشعوری طور پر ڈائننگ روم کی طرف بڑھ گئی۔ دروازے سے ہلکا سا سر آگے کر کے کھڑکی سے باہر دیکھا۔ مہمان ابھی تک کھڑے باتیں کررہے تھے۔ جوانِ رعنا، خوب صورت قد وقامت والے حبان کی باچھیں کھلی ہوئی تھیں اور اس کی آنکھوں میں ستارے جگمگا رہے تھے۔ اُمید وآس کے ستارے۔ نااُمیدی ومایوسی کی ہلکی سی رمق بھی اس کے چہرے پر موجود نہ تھی۔ وہ یک دم پیچھے پلٹی ہی تھی کہ ماہم سے ٹکرا گئی۔ اس نے ایک زوردار مضحکہ خیز قہقہہ لگایا۔

''چوری پکڑی گئی۔ ہماری اپیا کس زمانے میں رہتی ہیں؟'' وہ نادم سی ہو کر اس کے ریمارک پر اسے دیکھنے لگی۔

''اپیا! آپ اجازت دیں۔ حبان بھیا سے آج کی ڈیٹ لے دوں۔ ڈنر پر جائیں، مووی دیکھیں، ایک دوسرے کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ آج کی یہی ڈیمانڈ ہے۔ کوارٹروں کے کلچر سے

باہر نکل آئیں۔ ورنہ آپ بیاہ کر کسی کوارٹر میں ہی چل پڑیں گی اور تمام عمر روتے اور سسکتے ہی گزر جائے گی۔ میری بات پر غور ضرور کیجئے گا۔ آپس کی بات ہے۔ وٹ آ ہینڈسم گائے۔ اپیا! اس کو ہاتھ سے جانے نہیں دینا۔ ہر لحاظ سے ہی اِز ٹو مچ۔'' ماہم مسرت آگین لہجے میں نان سٹاپ بولے جا رہی تھی۔ اس کی زبان میں جھوٹ اور فریب نہیں تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ دنیاوی نظریات کے مطابق ہی اِز ٹو مچ۔

حرم کے چہرے پر قدرے تنبیہی مسکراہٹ دوڑ گئی جسے ماہم نے مثبت سمجھا اور خوشی سے بھرپور نعرہ لگا کر حرم سے چمٹ کر اس کے کندھے پر پیار کرنے لگی۔

''آئی لو یُو اپیا! آپ کا بھی تو جواب نہیں۔

□.......○.......□

''حرم! تمہارے لئے آسمان سے فرشتہ تو اُترنے سے رہا۔ بیٹا! تم ماں کے دل میں اُبھرنے والے خدشات اور اندیشوں کا اندازہ نہیں لگا سکتی۔ تمہارے ان خیالات نے میری نیندیں اُڑا دی ہیں۔'' ضبط کی شدت میں اس کی آواز میں لرزش تھی۔

''ممی! آپ کو بھی میرے جذبات و احساسات کی قطعاً پروا نہیں۔ مجھے شادی نہیں کرنی یہ میرا اٹل فیصلہ ہے۔'' وہ سنجیدگی سے برجستہ بولی۔

''اس رشتے کی واپسی کی مجھے اُمید ہرگز نہیں۔ کیونکہ تم نے بھی تو حد ہی کر دی ہے۔ اس حالت میں تمہیں کون پسند کرے گا؟ ان کوارٹروں میں پیدا ہونے والی بچیاں تم سے کم حسین ہرگز نہیں۔ حُسن کے نکھار کے لئے اپنی گرومنگ کرنی پڑتی ہے۔ میک اوور کا سہارا لینا پڑتا ہے۔ ورنہ خوب صورتی اور جوانی پردے میں ہی یوں گزر جاتی ہے جیسے سورج کا ڈھلنا اور موسموں کا بدل جانا۔ تم اپنی چاند جیسی پاکیزہ اور روشن جوانی کو گرہن لگانے سے کچھ بھی حاصل نہیں کر پاؤ گی۔ یہ دن گزر گئے تو زندگی کی سہ پہر شام تک پہنچنے میں کاٹے نہیں کٹے گی۔ وہ وقت بڑا ہی جان لیوا اور کٹھور ہوتا ہے۔ اپنا شوہر، گھر اور اپنی اولاد کے سائے میں وہ وقت آسانی سے کٹ جاتا ہے۔'' وہ رنجیدہ سی ہو کر بولی۔

''میرے رب کی قربت اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی رفاقت میں تپتے صحراؤں میں بھی ٹھنڈک کا احساس جاودانی بخش دیتا ہے۔ ممی! آپ میری جگہ اور میرے مقام پر کھڑی ہو کر محسوس تو کریں۔ آپ کو یہ دنیا اور اس کے جھمیلے بالکل بے کار معلوم ہوں گے۔'' وہ عقیدت مندانہ لہجے میں بولی۔ ''ممی! موت اصل اور حقیقی زندگی کا دوسرا نام ہے۔ مجھے موت کا خوف نہیں، مجھے روزِ حشر کا ڈر ہے۔ اس دنیا میں دل لگانے اور اس کی پوجا کرنے سے قیامت کے عذاب سے بچ نہیں سکوں گی۔ جب باری تعالیٰ کے سامنے میرا اعمال نامہ کھولا جائے گا، جس میں کچھ بھی درج نہ ہو گا۔ سوائے دنیاوی کاموں اور بے مقصد زندگی کے۔ پھر مجھے اپنے مالک کو جواب دہ ہونا پڑے گا۔ مگر افسوس کہ میرے پاس کوئی معقول جواب نہیں ہو

گا۔ اس کے سامنے شرمندگی اور تاسف اور پچھتاوا مجھے اس کے قہر وغضب سے نہ بچا سکے گا۔ پھر میرے لئے فیصلہ کر دیا جائے گا۔ اور دوزخ کا عذاب ہوگا، کبھی نہ ختم ہونے والا۔" وہ خوفزدگی سے بولی۔

"بیٹا جی! اللہ تعالیٰ نے ہمیں دو راستوں کے درمیان چلنے کی تلقین کی ہے۔ وہی راستہ ہمیں جنت کے دروازے تک لے جائے گا۔ جبکہ دو راستوں کے کناروں پر دوزخ کے شعلے بھڑک رہے ہیں۔ کیا تم ان کا انتخاب کرنا چاہو گی؟ میانہ روی اور دین و دنیا کو ترازو میں انصاف سے تولنا عبادت ہے۔ بیٹا! میں تمہیں سمجھا سمجھا کر تھک گئی ہوں میری جان! میں تمہارے تمام استادوں سے زیادہ پڑھی لکھی ہوئی اس لئے ہوں کہ میں نے دینی کتب کا مطالعہ کیا ہے۔ کسی جاہل کی ذہنی اختراعات کا سہارا لے کر اسلام کو غلط طریقے سے خود پر مسلط نہیں کیا۔ تم نے بچپن میں جو بھی سیکھا اور جو بھی تمہیں پڑھایا گیا ہے، غلط نہیں تھا۔ مگر اس میں کہیں بھی میانہ روی نظر نہیں آتی۔" آسیہ نے پیار سے سمجھانے کے انداز میں کہا۔ "تم مجھے اپنی پسند بتا دو۔ ویسا ہی شتہ ڈھونڈ نکالوں گی۔"

"ممی! میری کیا پسند ہے؟ اس کے بارے میں کبھی سوچا ہی نہیں۔" وہ سوچتے ہوئے بولی مگر ذہن میں ایک دم حبان گھوم گیا جو ظاہری طور پر اس سے بالکل مختلف تھا۔ جینز، ریڈی شرٹ اور جیل لگے سیٹ بالوں میں وہ ماڈرن دور کا نمائندہ لگ رہا تھا۔ نہ داڑھی، نہ ہی ٹخنوں سے اونچی شلوار اور سر پر ٹوپی اور کندھوں پر لال چیک دار رومال، کچھ بھی تو نہ تھا۔ پھر بار بار خیال اس کی طرف کیوں چلا جاتا تھا؟ وہ خود حیران سی ہو کر ماں کو خالی نظروں سے دیکھنے لگی۔ دل اور ذہن کی مطابقت نہ ہونے نے اسے مضطرب کر ڈالا تھا۔ عالم تذبذب میں وہ اس قدر بے سکون ہو گئی تھی کہ اس نے اپنا ذہن شادی کی طرف سے ہٹا کر پُرتسکین سانس لی تھی۔

"حرم! تم ابھی بہت ناسمجھ ہو۔ میں چاہتی ہوں کہ فیصلہ ہم پر چھوڑ دو اگر ایسا نہیں کر سکتی تو خود ملنے اور سمجھنے کے بعد اپنا فیصلہ ہمیں سنا دو۔ کسی کو بغیر پرکھے اپنی ضد پر قائم رہنا عقل مندی نہیں، جہالت اور بغاوت ہے۔ ان کا ملاپ تمہیں کہیں کا نہیں چھوڑے گا۔ ڈیڈی کمی نیشن ہے۔" وہ ذرا سا سختی سے بولی۔

"تو میں کیا کروں؟ ممی! آئی ڈونٹ نو۔" وہ سر ہاتھوں میں پکڑ کر بیٹھ گئی۔

"ابھی اور کچھ بھی کرنے کی ضرورت نہیں۔ اس وقت فقط شادی کرنے کا فیصلہ کرو۔ ہر دھندلی چیز تم پر واضح ہو جائے گی۔ شادی تمہاری پسند کی ہوگی۔ جیسا چاہو گی، ویسا ہی ہوگا۔ میں اپنا فرض نبھاؤں گی۔ تم اپنے ارادے اور نیت پر ثابت قدم رہنا۔ اور جو فیصلہ تم کرو گی، ہمارے سر آنکھوں پر۔ کیونکہ نیک بچیوں کے نصیبوں کے فیصلے میں رب العزت کا بہت اہم رول ہوتا ہے۔ فیصلہ کرنے کی جرأت اور ہمت وہی دیتا ہے۔ اسی سے مدد مانگو میرے بیٹے!" وہ اسے اپنے سینے سے لگا کر بولی تو وہ خاموش رہی۔

''حبان تمہیں پہلی نظر میں کیسا لگا؟'' وہ ذرا جھجکتے ہوئے بولی۔ مگر دوسری طرف مکمل خاموشی تھی۔ وہ ماں کے سینے سے لگی ہوئی تھی اور وہ پیار و ملائمت سے اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے اسے سہلا رہی تھی۔

''لڑکے کی Repute قابل ستائش ہے۔ خاندان کی شرافت کی گارنٹی بھی للّی کی زبانی قابل قبول ہے۔ اس لئے مجھے ان کے جواب کا شدت سے انتظار ہے۔ لیکن تمہاری رضامندی کے بغیر پیش رفت نہیں ہوگی۔ آخر کار ہم بیٹی والے ہیں۔ قدم آگے بڑھانا ہمارا فرض ہے۔'' وہ پھر نرماہٹ سے بولی۔

''ممی! میرا دل کچھ اور کہہ رہا ہے۔ ذہن بھی گرین سگنل نہیں دے رہا۔ کیونکہ مجھے نفرت ہے معاشرے کے اس قانون سے جن کی اسلام کے ساتھ مطابقت ہی نہیں۔'' وہ آہستگی سے بولی۔ ''آپ بیٹی پیدا کرنے کے جرم میں خود کو ملوث سمجھیں گی تو رزلٹ بھی ویسا ہی نکلے گا۔ مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہی کہ کیا کروں؟''

''اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دو۔ پھر تمہارے دل و دماغ اور زبان سے وہی الفاظ ادا ہوں گے جو وہ چاہے گا۔ ہم خدا نہیں ہیں نعوذ باللہ۔ ہماری عقل و سمجھ بہت چھوٹی اور حقیر ہے۔ ہم بہت کمزور اور ناتواں لوگ ہیں۔ اگر ہم اپنی حیثیت پہچان جائیں تو تمام جھگڑے، فساد، نفانفسی، خودغرضی اور انتہاپسندی بے وقعت ہو کر رہ جائے گی۔ یہ زندگی سکون و امن کا گہوارہ بن جائے گی۔'' آسیہ اس کو دھیما دیکھ کر بولی تو وہ پھر خاموش رہی۔

''بس میری جان! میری ہر سانس میں تمہارے لئے دعا ہے۔ مجھے تمہارا غم نہ ہوتا اگر تمہارے خیالات میں بغاوت اور انتہا پسندی نہ ہوتی۔ کیونکہ تم میں کسی خوبی کی کمی نہیں بلکہ ہر اچھائی اور خوبی کی بہتات ہے۔ فکر تو مجھے ماہم اور ماہا کی کھا جاتی ہے۔ واجبی شکل و صورت اور عامیانہ عادات ہیں ان کی۔ اللہ تعالیٰ ان کے نصیب ہی قابل رشک بنائے۔'' وہ آہ بھر کر بولی۔

''ممی! ایسے تو نہ کہیں۔ میری بہنوں جیسا حسین و جمیل اور با اخلاق مجھے ڈھونڈ کر تو دکھائیں۔ وہ ہر لحاظ سے مجھ سے بہتر اور اعلیٰ ہیں۔'' وہ سنجیدگی سے بولی۔

''وہ کیسے؟'' آسیہ مسکرا دی۔

''وہ ایسے ممی! کہ وہ دونوں آپ کو تنگ نہیں کرتیں۔ میری طرح کے ان کے مسائل نہیں ہیں۔ جبکہ میں نافرمان اور ضدی بیٹی ہوں نا آپ کی۔ ممی! آپ بہت عظیم ہیں۔ بابا کے لئے تو عظمت، بڑائی اور معتبری سے بڑھ کر کوئی اور خطاب ہونا چاہئے۔ میرے بابا، میرے شان بھیا کی مثال نہیں ملتی۔ شان بلاناغہ مجھے فون کرتا ہے۔ چاہے اس کے پاس وقت کی کمی ہی کیوں نہ ہو۔ میں بابا کی آنکھوں کا تارا ہوں اور آپ کی راج دُلاری ہوں۔ میں اپنے فرائض ادا کرنے میں خاصی نادان واقع ہوئی ہوں۔ ممی! مجھے معاف کر دیا کریں۔'' وہ مؤدبانہ انداز

میں بولی۔

''تمہارا شان تو ایکٹنگ میں ہمیشہ سے ہی کامیاب ہے۔ پھر کوئی ناٹک کھیلے گا تمہارے ساتھ جو روزانہ فون کرتا ہے۔ سفارش کروائے گا بدتمیز۔ بچپن کے وہی سنہرے دن اچھے تھے۔ تمام بچے مرغی کے پروں تلے محفوظ اور خوش تھے۔'' وہ سرد آہ بھر کر بولی۔ ''ایک چلا گیا، دوسرے پَر تول رہے ہیں۔''

''ممی! میں اس عذاب، اذیت اور کرب سے گزرنے کی ہمت نہیں رکھتی۔ ممی! شادی سراسر گھاٹے کا سودا ہے۔'' وہ تڑپ اُٹھی تھی۔

''اس گھاٹے کے سودے میں فائدے کا پلڑا پھر بھی بھاری ہے۔ زندگی میں نشیب و فراز کے بغیر کوئی کشش نہیں رہتی۔ ہر وقت اُڑان اونچی ہے تو اونچائی کا اندازہ اور اس کی قدر و قیمت کا احساس مٹ جاتا ہے۔ میری جان! تم تو ایک دلیر ماں کی اولاد ہو۔ پھر تمہارے اندر بزدلی اور کم ہمتی کیوں ہے؟'' آسیہ نے نہایت لگاوٹ سے کہا اور سوچ میں چلی گئی کہ اس کی ماں بزدل اور ڈرپوک نہ ہوتی تو اسے کسی صورت کچرے کے ڈھیر پر چھوڑ کر فرار نہ ہو جاتی۔ تم زندگی کے ہر امتحان سے بھاگ جانا چاہتی ہو۔ تم ماں کی طرح بے ہمت ہو۔ فوراً سہم جانے والی ہستی ہو۔ ڈر نے تمہیں یہ روپ بخش ڈالا کہ تم دنیا کی نظروں میں آنا نہیں چاہتی کہ کہیں تمہیں کوئی چیلنج نہ کر دے۔ سب بہانے ہیں۔ تم ایک کنوئیں کی مینڈکی بن کر رہنے میں سکون و خوشی محسوس کرتی ہو۔ سمندر کی وسعت و گہرائی تمہارا مسلک نہیں۔ اس میں خود کو کھو جانے پر تمہیں وحشت ہوتی ہے۔

''ممی! کاش میں آپ جیسی بہادر ہوتی۔ ماہم اور ماہا کی طرح بے پروا اور بے فکر ہوتی۔ شان کی مانند دُور اندیش اور وقت شناس ہوتی۔ ممی! مجھے میں تو اپنے بھائی اور بہنوں جیسی ایک کوالٹی بھی موجود نہیں۔ ممی! مجھے تو کسی اور گھر میں پیدا ہونا چاہئے تھا۔'' وہ روہانسی ہو گئی۔

''میری بچی! ایک ہی ماں کے پیٹ سے جنم لینے والا ہر بچہ شکلاً اور فطرتاً ایک دوسرے سے مختلف ہوتا ہے۔ ایسے مت سوچو۔ میری زندگی میں تُو نہ ہوتی تو یہ رونقیں اور خوشیاں نہ ہوتیں۔ میری جان! تم جب سے پیدا ہوئی ہو، بابا سے پوچھو کہ تمہاری بابرکت روح نے انہیں زمین سے اُٹھا کر آکاش کا چمکتا دمکتا ستارہ بنا دیا ہے۔'' وہ اسے بہلانے لگی تھی۔ وہ پیدا کرنے والی نہ سہی پالنے والی ماں تو تھی نا۔ اس نے تو اس کی آنکھ کھولنے سے لے کر اب تک ہر لمحے کو دیکھا اور پرکھا تھا۔ اس کی شخصیت و کردار کے نشیب و فراز پر خوشی اور غمی کے احساس میں دن رات کا چین و سکون غارت کیا تھا۔ وہ اس کے روشن مستقبل کی خواہاں رہتی تھی۔

ماں کے لہجے کی ملائمت اور اپنائیت کو محسوس کرتے ہوئے حرم اس کے گلے لگ گئی اور ندامت آگین لہجے میں بولی۔

''آئی ایم سوری ممی! میں بہت بری ہوں نا۔ مجھے معاف کر دیا کریں۔ اس دماغ کا

کیڑا جب بے لگام ہوتا ہے تو پھر عقل ماری جاتی ہے۔''

''نہیں میری جان! ایسا کیوں سوچتی ہو؟ بحث مباحثہ اپنی ماں سے نہیں کرو گی تو کیا دوسروں کی ماں سے کرو گی؟ ہم تو ماں بیٹی ہونے کے ساتھ ایک دوسرے کی بہترین دوست بھی تو ہیں۔ دوستوں میں توں تڑاخ نہ ہو تو دوستی کا مزا کرکرا ہو جاتا ہے۔'' وہ خوش دلی سے بولی۔ ''لیکن ایک بات ذہن نشین رکھنا کہ ساسوجی سے یہ سب کچھ کرنے سے پرہیز رکھو گی تو بہت عزت پاؤ گی۔''

''ممی! مجھے سوچنے دیں کہ کیا میں اتنی بڑی ذمہ داری اٹھانے کے قابل ہوں بھی کہ نہیں۔ ایسا نہ ہو کہ دوسروں کی زندگی میں بھی اپنے خیالات کی تلخی بھر دوں۔ کیونکہ میرے باغیانہ خیالات کے ساتھ آپ کے علاوہ اور کوئی رہ نہیں سکتا۔ میں جانتی ہوں کہ میں اپنے گرد و پیش کی تمام لڑکیوں سے بہت مختلف ہوں۔ نہ جانے کیوں مجھے لگتا ہے کہ میرے ننھیال اور ددھیال میں کوئی تو میرے جیسی سرپھری کسی دور میں پیدا ہوئی ہو گی۔'' وہ ہنستے ہوئے بولی۔

'قصور تمہارا نہیں۔ تمہیں کیسے بتاؤں کہ بچپن میں تمہیں ٹائم نہ دینے اور ماہم اور ماہا کو اپنا پرائم ٹائم دینے کے نتائج سامنے ہیں۔ میں تمہاری مجرم ہوں کہ ممتا میں ہی تفریق کر ڈالی۔ میرے مالک! مجھے معاف فرما دے۔ کچھ جذبات پر انسان کا قطعاً کنٹرول نہیں ہوتا۔' وہ دل ہی دل میں خود کو لعنت ملامت کرنے لگی۔

□.......○.......□

فیضان دو ہفتے بعد گھر واپس آئے تھے۔ کچھ چہرے پر خاموشی اور گہری سوچ کی پرچھائیاں دیکھ کر آسیہ تڑپ اٹھی۔ بیڈ پر ان کے قریب بیٹھ کر فکرمندی سے بولی۔

''فیضان! آپ مجھ سے کچھ چھپا رہے ہیں۔ کیا بات ہے؟ مجھے بتائیے۔ شاید میں آپ کی پریشانی کو کم کرنے میں مدد کر سکوں۔ آپ بجھ سے گئے ہیں۔ آخر کیوں؟''

''پلیز آسیہ! لیومی الون۔ کیا یہ ضروری ہے کہ میں چھینک مارنے سے پہلے تم سے مشورہ لوں؟'' وہ چڑ کر بولے تو وہ اچنبھے سے دیکھنے لگی کہ آج تو انہوں نے اپنی کوئی پریشانی اس سے پردہ داری میں نہ رکھی تھی۔ وہ تو ان کی ایسی ہم سفر اور رازداں تھی کہ ایک دوسرے سے کچھ چھپا ہوا نہیں تھا۔ آج یکدم ایسا کیوں ہے؟ میری قربت سے دُور دو ہفتے اس بار ان پر بھاری کیوں نہیں گزرے؟ کہیں کوئی چُنی آنکھوں اور چپٹی ناک والی پستہ قد لڑکی تو ان کے دل کو نہیں بھا گئی؟ سنا ہے کہ پھر شوہر کا مزاج بدلنے میں ایک گھڑی بھی نہیں لگتی۔ یہ تو مہینے اور ہفتے کبھی چائنہ تو کبھی سنگاپور گزار کر واپس آتے ہیں۔ اللہ خیر ہی کرے۔'' وہ وسوسوں میں گھرتی چلی گئی۔

''فیضان! حرم کے رشتے کے لئے جو لوگ آئے تھے، کیسے تھے؟ مجھے پسند آئے کہ نہیں؟ آپ نے پوچھا ہی نہیں۔ نہ فون پر، نہ ہی آنے پر۔ کیا بات ہے فیضان! کوئی تجسّس اور شوق

نہیں آخر ہمارے گھر میں پہلی دفعہ بچی کی بات چلنے والی ہے۔'' وہ توقف کے بعد فیضان کی خاموشی سے گھبرا کر بولی۔

''یار! بیٹیوں کے رشتے تو آتے ہی رہتے ہیں۔ ان کے بارے میں اتنا سیریس کیا ہونا؟ اس وقت آرام کرو۔ میں بھی سخت تھکا ہوا ہوں۔ کل بات کریں گے۔'' وہ بیزار کن لہجے میں بولے۔

'عجیب ہی لہجہ ہے آج ان کا۔ پہلے بھی تو تھکن سے چُور گھر پہنچا کرتے تھے مگر کبھی ناگواری کا اظہار نہیں کیا۔ ہمیشہ ہشاش بشاش ہی نظر آئے۔ ہم میں واپس آنے کی خوشی اور تسکین ان کی ہر ادا سے جھلک رہی ہوتی تھی۔ آج میری جان پریشان کیوں ہے؟ مجھے تو دال میں کالا نظر آرہا ہے۔ پریشانی کی وجہ حرم بھی ہو سکتی ہے۔ کاروباری مسائل بھی تو ساتھ ساتھ چلتے ہیں، لیکن ایسا رویہ کبھی دیکھنے میں آیا نہیں۔ کیسے یہ معمہ حل ہو کہ حقیقت کیا ہے جس نے فیضان جیسے خوش مزاج اوور نیک طبع بندے کو اس قدر غصیلا اور چڑچڑا بنا ڈالا ہے؟ وہ سوچ رہی تھی کہ فیضان نے اے سی آف کیا۔ اس کی طرف دیکھے بغیر ہی ٹیبل لیمپ بھی آف کیا اور تکیہ درست کر کے اس کی طرف پشت کر کے لیٹ گئے۔

آسیہ کا تو جیسے دم ہی گھٹنے لگا ہو۔ اس نے بمشکل تھوک نگل کر خود کو سنبھالا اور اندھیرے میں ہی ان کے گال پر بوسہ دے کر اپنی سائیڈ کا ٹیبل لیمپ آن کیا اور نہایت لگاوٹ اور حیرت و تاسف سے ان کی پشت پر ہاتھ پھیرنے لگی۔

فیضان احتجاجاً اُٹھ کر بیٹھ گئے اور زہر خند سے بولے۔

''آئی تھنک کہ تمہیں میری تھکن کا احساس ہی نہیں۔ پرانی شادی کے یہی تو نقصانات ہیں کہ بیوی اس رشتے میں اس قدر سیٹل ہو جاتی ہے کہ پھر اسے شوہر کی پروا نہیں رہتی۔ پلیز آسیہ! مجھے سمجھنے کی کوشش کرو۔ مزید پریشان کرنے سے میرا موڈ خراب ہی ہو گا۔ پلیز لائٹ آف کرو۔ مجھے سخت نیند آرہی ہے۔ سر درد سے پھٹ رہا ہے۔''

''آپ جانتے ہیں کہ میں اے سی کے بغیر سو نہیں سکتی۔ آپ نے آج یہ بھی نہ سوچا۔ نجانے آپ اتنے اپ سیٹ کیوں ہیں؟ آپ کے بتائے بغیر تو مجھے الہام ہونے سے تو رہا۔'' وہ دکھ بھرے لہجے میں بولی۔

''میں تنگ آگیا ہوں اس آرٹیفیشل ٹھنڈک سے۔ تم دوسرے کمرے میں جا سکتی ہو۔ میرے لئے پنکھے کی ہوا ہی کافی ہے۔ تم جانتی ہو کہ مجھے کھلی ہوئی کھڑکیوں سے آنے والی تازہ ہوا بہت پسند ہے۔ یاد ہے کہ یہ بھی بھول گئی ہو؟'' وہ اس کی طرف گردن گھما کر رُکھائی سے بولے۔

''جانتی تو پہلے دن سے ہوں۔'' اس کی آواز دور کہیں گہرے کنوئیں سے اُبھری۔

''تو بس حد ہو گئی نا۔ اتنے سالوں میں صبر کا پیمانہ بھی لبریز ہو چکا ہے۔ اب آئی وانٹ

فریڈم۔ ایک مجرم قیدی بھی ایک عرصے بعد آزاد کر دیا جاتا ہے۔ میری قید با مشقت تو طویل سے طویل تر ہوتی جا رہی ہے۔ نہ جانے کون سا گناہ کر بیٹھا ہوں۔'' وہ تلخ لہجے میں بولے۔
''اب بیگم! تم میری کمفرٹ کا خیال رکھو جیسے میں تمہاری کمفرٹ کو اوّلین سمجھتا رہا، بالکل اسی طرح۔'' اور فوراً کروٹ بدل کر لیٹ گئے۔
آسیہ کی زبان گنگ ہو کر رہ گئی۔ یہ ایسا شاک تھا کہ سوچنے سمجھنے کی قوت سلب ہو گئی اور وہ حیران و پریشان اس کی پشت کو دیکھے چلی گئی کہ اس سے ایسی کون سی غلطی سرزد ہو گئی ہے کہ جس کی پاداش میں یہ سزا سنا دی گئی ہے۔ شوہر کا سرد روّیہ اور بے جا تنقید، بھلا اس سے بڑی سزا اور کیا ہو سکتی تھی؟ آسیہ نے ٹیبل لیمپ آف کیا اور لاؤنج میں نکل آئی۔ صوفے پر پاؤں رکھ کر بیٹھ گئی اور اپنی ناگفتہ بہ حالت کو درست کرنے کی کوشش کرنے لگی۔ جس شہر نے کبھی پھول نہ مارا ہو، آج پتھر سر پر دے مارا ہو تو حیرت تو فطری امر تھا۔ پریشانی اور فکرمندی بھی لازم تھی۔ پھر بھی اسے فیضان کا انتظار تھا کہ وہ اسے بلانے باہر ضرور آئیں گے۔ انہیں اپنے لب و لہجے کی تلخی کا احساس ضرور ہو گا۔ کیونکہ وہ فطرتاً اور طبعاً تو انسان ہی بہترین تھے۔ حیف کہ وہ منتظر ہی رہی مگر وہ نہ آئے۔ ان کے خراٹوں کی آواز اس کے کانوں میں زہر گھولنے لگی تھی۔
''سم تھنگ اِز گوئنگ رانگ۔'' وہ بڑبڑاتی ہوئی حرم کے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ وہ گہری نیند میں تھی۔ آسیہ اسی کے ساتھ لپٹ کر لیٹ گئی۔ مگر ذہن میں طرح طرح کے اندیشے اور خدشے جنم لیتے رہے۔ مگر کہیں سے بھی سر پیر نہ ملا۔

□.......○.......□

''فیضان! آج آپ گھر پر آرام کریں۔ اتنے ہفتوں کی غیر حاضری میں آفس چل ہی رہا تھا، ایک دن اور سہی۔'' آسیہ نے صبح انہیں تیار ہوتے دیکھ کر کہا۔ ''آپ کی طبیعت مجھے درست نہیں لگ رہی۔''
''گھر میں بیٹھ کر کیا کروں گا؟'' وہ بال درست کرتے ہوئے بولے۔
''جو پہلے کیا کرتے تھے، وہی کچھ آج بھی کیجئے گا۔'' وہ زبردستی مسکرا کر بولی۔
''مثلاً؟'' انہوں نے آئینے میں ہی نظریں گھما کر آسیہ کی طرف دیکھا جس کے چہرے پر شب بیداری کے تاثرات نمایاں تھے۔ ایک رات میں ہی وہ اپنی عمر سے بہت بڑی لگنے لگی تھی۔ آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے اور ماتھے پر باریک لائنوں کا جال سا بچھ گیا تھا۔ شوہر کے ہلکے سے جھٹکے سے عورت اتنی جلدی بوڑھی ہو سکتی ہے۔ وہ حیرت سے اسے دیکھتے ہوئے بال درست کرتے رہے۔
''میں نے آپ سے کچھ کہا ہے جان! آج آفس مت جائیں۔ آج کا دن میرے اور بچوں کے نام۔'' وہ آہ کو دباتے ہوئے ان کے قریب آ کر بولی۔ ''آج کے دن پر کسی اور کا

حق نہیں ہوگا۔"

"چوڑیاں پہن کر گھر بیٹھ جاؤں گا تو تمہاری عیاشیاں حسرتوں میں بدل جائیں گی۔ عورتوں کی منطق مجھے سمجھ نہیں آتی۔ شوہر سے ہر وقت چپکنے سے پیار بڑھ نہیں جاتا بلکہ شوہر کا دل بھر جاتا ہے۔ اکتائی آنے لگتی ہے۔" وہ ٹائی کی گرہ لگاتے ہوئے بولے۔

"فیضان! مجھے اپنا مسئلہ بتائیں۔ ورنہ میرا سر پھٹ جائے گا۔ مجھے آپ کے اس طنز سے بھرپور لب و لہجے اور تلخ روّیے کی عادت نہیں۔ پلیز فیضان! پلیز۔ اگر کوئی انجانے میں غلطی ہوگئی ہے تو معاف کر دیجئے۔" وہ ہاتھ جوڑ کر بولتے ہوئے بچوں کی مانند بلک اُٹھی۔ فیضان کو اس پر ترس و رحم آنے کے بجائے غصہ آگیا۔ خفگی سے اس کی طرف دیکھنے لگے۔

"ایکٹنگ تو ختم ہے نا تم پر۔" لہجے کی نفرت و حقارت پر وہ ایک بار پھر اچنبھے سے انہیں دیکھنے لگی۔ آنسو خشک ہوگئے۔ وہ سرعت سے لاؤنج میں چلی گئی۔

اے جی چاچا نے ناشتہ ٹیبل پر لگا دیا تھا۔ بجھی ہوئی سوگوار آسیہ کو دیکھ کر وہ بھی چونکا تھا۔ کیونکہ ایسی صبح اس نے ان کے گھر میں طلوع ہوتے پہلے کبھی نہ دیکھی تھی۔ اسی اثناء میں فیضان کمرے سے نکلے اور آسیہ کی طرف دیکھے بغیر ہی ڈائننگ روم کی طرف بڑھ گئے۔ آسیہ بھی دُکھے دل کے ساتھ اُٹھی اور بوجھل قدموں سے چلتی ہوئی ان کی دائیں طرف بیٹھ کر خاموشی سے ٹوسٹ پر بٹر پھیلانے لگی۔

طویل خاموشی کے بعد آسیہ سے پھر نہ رہا گیا۔ اپنی آشفتہ ہمت کو بحال کرتے ہوئے مدھم اور نرم لہجے میں بولی۔

"چلیں میں خود ہی آپ کو بتائے دیتی ہوں کہ حبان اور اس کی ماما مجھے بے حد پسند آئے ہیں۔ اللہ کرے ہم بھی انہیں پسند آجائیں تو جلد از جلد اس فرض سے سبکدوش ہونے کی کوشش کریں۔"

"حرم کی پسند ضروری ہے۔" وہ آہستگی سے بولے۔

"چھوٹے گھر کی بچی کی پسند بھی گھٹیا ہی ہوگی۔ حرم کو سمجھانا پڑے گا۔ اس کی مرضی اور پسند کو اہمیت دی تو محترمہ کسی جھونپڑی کا ہی انتخاب کرے گی۔" وہ قدرے چڑ کر بولے۔

"بھئی شادی اس کی ہے۔ زندگی پر اپنی پسند اور خواہش پر اس کا اختیار ہے۔ نہ کہ تمہارا۔ اسے اپنی بیٹی کی نظر سے دیکھو تو سب درست ہو جائے گا۔ تم نے بچپن میں اسے اپنی اولاد جیسا وقت دیا ہوتا تو آج حرم ان تینوں میں مکس اپ ہو چکی ہوتی۔ تم نے تفریق بہت کی جو پیار اور توجہ کی خاطر وہ کوارٹروں کی زندگی کو اہمیت دینے لگی۔ تم نے اپنے بچوں کے لئے کسی جاہل اور ان پڑھ مولوی کا انتخاب نہ کیا۔ انہوں نے اپنی دینی تعلیم مفتی صاحب سے حاصل کی۔ جس کے نتائج تمہارے سامنے ہیں۔ میں حرم کو قصوروار نہیں ٹھہراتا۔ ایک ہی گھر میں دو طرح کے قانون اور دو اصول لاگو کرنے کے یہی نقصانات ہوتے ہیں کہ غیر خون کی

ہمارے خون میں آمیزش نہ ہو سکی۔'' وہ ناشتہ کرتے ہوئے کڑواہٹ سے بولے۔

''مجھے تم پر قطعاً بھروسہ نہیں رہا کہ تم اس کی شادی چھان بین کے بعد کرو گے۔ اسے سر سے اتارنے کی جلدی کی تو سوچ لو، اوپر ہمارا رب سب کچھ دیکھ رہا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ اس ظالم کا خمیازہ تمہاری اپنی اولاد بھگت رہی ہو۔''

''اچھا تو اب سمجھی کہ آپ کو مسئلہ کیا ہے۔ فیضان! آپ خود ان لوگوں سے مل کر فیصلہ کریں۔ مجھے خوشی ہو گی کہ اتنی بڑی ذمہ داری میں آپ نے بھی تو حصہ لیا۔'' وہ تاسف بھرے لہجے میں بولی۔ ''دوسرا آپ نے تمام غلطیاں مجھ میں نکال لیں۔ کیا آپ بری الذمہ ہیں؟''

''مجھے حرم اپنے بچوں کی طرح پیاری ہے۔ مجھے پہلے حرم سے کیا ہوا وعدہ نبھانے دو۔ پھر شادی کے بارے میں سوچا جائے گا۔'' وہ سنجیدگی سے بولے۔ ''جلدی کرنے کی ضرورت نہیں۔ میں نے اس کے بارے میں اس کا سچا ہمدرد بن کر سوچا ہے۔''

''ایسا تو ہرگز نہیں ہو گا۔ باہر کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد یہ محترمہ قابو آنے سے رہی۔ یہی وقت ہے اس کی شادی کا کہ کم از کم بات تو سن رہی ہے۔ بحث بھی کرتی ہے اور پھر آمادہ بھی ہو جاتی ہے۔ اگر ہمارے ہاتھ سے یہ سنہری وقت نکل گیا تو پھر حرم بیگم تمام عمر شان کی ذمہ داری میں رہے گی۔ میں نہیں چاہتی کہ آپ کی غلطی کا خمیازہ میرا بیٹا بھگتے۔ حرم آسان لڑکی نہیں ہے۔ آج ہمیں ناک سے چنے چبوا رہی ہے۔ کل میری اولاد اس اذیت میں گرفتار ہو جائے گی۔ اللہ نہ کرے اگر حرم کی اس گھر میں تشریف آوری کی بھنک کسی کے کان میں پڑ گئی تو لڑکی آسمان سے سیدھی زمین کی گہرائیوں میں دھنس جائے گی۔ پلیز! اب تو ایسی فضول باتیں کرنا چھوڑ دیں۔ ورنہ یہ معصوم بچی زمانے کی نظروں میں آ جائے گی۔ میں اس کی دشمن نہیں ہوں فیضان! وہ میری گود میں پل کر بڑی ہوئی ہے۔ مجھے اس سے بے پناہ محبت اور ہمدردی ہے۔ اگر وہ دُکھی ہو گئی تو میری روح کو بھی سکون نصیب نہیں ہو گا۔ آخر میری بیٹی ہی تو ہے۔ آپ جو مرضی مجھے کہیں مجھے رتی بھر نہ آپ کی ایسی نامناسب باتوں کی پروا ہے، نہ ہی میرے اندر گلٹ ہے۔ میں سرخرو ہوں رب العزت کے سامنے اور اپنی نظروں میں۔ بڑے ہی افسوس کا مقام ہے کہ آپ نے میری محنت اور محبت کو بے انصافی و زیادتی کا نام دیا۔ ویری سیڈ۔ کم از کم مجھے آپ سے یہ توقع نہیں تھی۔ میں نے آپ کی خواہش کے سامنے سرِ تسلیم خم نہ کیا ہوتا تو شان کی پیدائش پر ہی اسے واپس کر دیتی۔ مگر میں نے ایسا نہیں کیا۔ کیونکہ مجھے آپ سے پیار ہے۔ اور اس بچی سے ہمارا لگاؤ گہرا ہو چکا ہے۔ میں نے حرم کے ساتھ کبھی بھی بے انصافی نہیں برتی۔'' وہ روہانسی ہو گئی۔

''وہ تو میں بھی دیکھ ہی رہا تھا۔ بچی کا مزاج ہی تم نے بدل ڈالا۔ مسکین ملازموں سے توجہ وصول کرنے لگی۔'' وہ تنک کر بولے۔

''فار گاڈ سیک فیضان!'' وہ سر پکڑ کر بیٹھ گئی اور روتے ہوئے بولی۔ ''کسی بھنگن کی اولاد

کو میں نے دل و جان سے قبول کیا تھا۔ آپ کو میرا احسان مند ہونا چاہئے۔ وہ اس گھر میں شہزادی کی طرح پلی ہے۔ اور میں نے آپ کی مصروفیت میں بچوں کو باپ جیسی توجہ بھی دی ہے۔''

فیضان نے چائے کا آخری سپ لیا اور بے پروائی سے باہر نکل گئے۔

تھوڑی ہی دیر بعد گاڑی اسٹارٹ ہوئی۔ اس نے ڈائننگ روم کی کھڑکی کا پردہ سرکا کر باہر دیکھا۔ گاڑی کو جاتا ہوا دیکھ کر وہ نہ جانے کتنی ہی دیر سکتے کے عالم میں وہیں کھڑی رہی۔ حرم کی ہمدردی میں ایسا ہتک آمیز روّیہ پہلے تو کبھی نہ تھا۔ اس کے سامنے چند ہفتے پہلے والی فیضان کی حرم کو گھورتی ہوئی نگاہیں گھوم گئیں۔

□.......○.......□

اَن نون نمبر دیکھ کر حرم نے فون بند کر دیا۔ کافی دیر تک یہ سلسلہ جاری رہا تو حرم نے غصے اور ناراضگی میں فون آن کیا۔ دوسری طرف مردانہ آواز سن کر وہ ٹھٹکی۔ ذہن میں سوچ اُبھری کہ کون ہوسکتا ہے؟ نہ جانے میرا نمبر اس انجان تک کیسے پہنچا؟ شاید غلطی سے نمبر پریس ہوگیا ہو۔ وہ سوچتے ہوئے ہیلو بولی۔ چڑ کر اور سخت ناگواری سے۔

''میں حبان بول رہا ہوں۔ آپ نے پہچانا نہیں؟'' لہجے میں اپنائیت تھی۔

'چند لمحوں کی جھلک اور ملاقات اور وہ بھی بغیر گفتگو کے۔ کیسے پہچان سکتی ہوں؟' وہ دل میں بولی مگر خاموش رہی۔

''آئی ایم شیور کہ آپ نے پہچانا نہیں۔'' وہ دوبارہ بولا۔

''ایسی بات ہرگز نہیں۔'' وہ دھیمی آواز میں بولی۔

''تھینک گاڈ۔'' وہ چہکتے ہوئے بولا تو حرم کے ذہن میں کھلبلی سی مچ گئی۔ دل نے انگڑائی سی لی۔ حبان کی دلکش شخصیت آنکھوں کے سامنے گھوم گئی۔ ہر وہ خیال جو کہ اس کے نظریات سے مختلف تھا، اس سے چشم پوشی میں اس نے اپنی کمزوری اور شرمندگی سے کنارہ کشی اختیا کرنا چاہی۔ رُکھائی سے بولی۔

''آپ کو غالباً ممی سے بات کرنی ہوگی۔ آپ ہولڈ کریں۔ میں ابھی انہیں فون دیتی ہوں۔''

''یہ خوب رہی۔ بات آپ سے کرنے کے لئے آپ کے موبائل پر فون کرنے کی گستاخی کرنا پڑی۔'' وہ ذرا سا مسکرا کر بولا۔ ''ہمیں ممی سے بات کرنے کا شوق نہیں ہے۔''

''فرمائیے۔'' وہ اندازہ تو لگا ہی چکی تھی کہ اسے فون کرنے کا مقصد کیا ہے؟

''آپ کی رضامندی معلوم کرنا چاہتا ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ اگر اس وقت میں آپ کے سامنے ہوتا تو آپ مجھے شوٹ کرنے سے باز نہ آتیں۔'' وہ رُک رُک کر بول رہا تھا۔ پل بھر میں حرم کے تن بدن میں خوشی کی ایک لہر دوڑی اور اس نے فوراً جواب دیئے بغیر فون بند کر

دیا۔

'یہ مجھے کیا ہو گیا ہے؟......حرم! تم تو شادی کرنا نہیں چاہتی تھی۔ خیالات تو ابھی بھی وہی ہیں۔ کچھ نیت میں فتور آنے لگا ہے۔ ارادوں میں کچھ تزلزل محسوس ہو رہا ہے، مگر فیصلہ تو پارینہ ہی ہے۔'

موبائل کی بیپ پر وہ پھر چونکی۔ حبان کا فون تھا۔ وہ اس سے بات کرنا نہیں چاہ رہی تھی۔ اس کے جسم میں جھرجھری سی پھیلی۔ ذہن میں بجلی کوندی اور فون کو ایک طرف رکھ دیا۔

حبان بار بار فون کرتا رہا مگر حرم دل پر جبر کیے موبائل کو گھورتی رہی۔

''اس دور میں ایسی لڑکی تو آسمان سے اُتری ہوئی حور ہی ہو سکتی ہے۔'' اس نے موبائل کو ہونٹوں سے لگاتے ہوئے خود کلامی کی۔ ''ظالم، بے درد! تمہیں بھی منالوں گا اور اپنی ماما کو بھی۔ اس ضمن میں پہل تمہاری طرف سے ہونی چاہئے۔ ماما کو منانا مشکل نہیں۔ ایک بار کافی کے لئے انہیں گلوریا جینز لے گیا تو بس کام بن جائے گا۔ تمام مائیں ایک دوسرے سے مماثلت رکھتی ہیں۔ اُنسیت و محبت، ہمدردی و بے ریائی میں، غصے اور خفگی میں ان کی شکلوں میں بھی فرق نہیں رہتا۔ ایک ہی طرح کی چھاپ ان کے چہرے اور دل و دماغ پر ثبت ہوتی ہے۔ مگر فکر اس بات کی ہے کہ ہر لڑکی دوسری لڑکی سے اخلاقیات اور خیالات میں مختلف ہوتی ہے۔ پسندیدگی کا لیول خود ساختہ ہوتا ہے اپنی مرضی اور مزاج کے مطابق۔

حرم پہلی نظر میں دل کو بھا گئی۔ اس کا سادہ پن، شرم و حیا اور دین کی طرف رجحان ہونا آج کے دور میں غیر معمولی بات ہے۔ اس کے علاوہ مجھے اور کیا چاہئے؟ ماما کو اپنے جیسی فیشن ایبل بہو چاہئے۔ میں نے جب تک حرم کو دیکھا نہیں تھا، میرے خیالات بھی یہی تھے۔ چند گھڑیوں کی جھلک نے میرے ذہن و قلب کو بدل ڈالا۔ حیرت کی بات ہے اس لڑکی میں اتنا جادو ہے، ہر ادا اور ہر حرکت میں اتنا سحر ہے جس کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔ شاید مجھے ایسے ہی جیون ساتھی کی تلاش تھی جو بیسیوں لڑکیوں کو میں نے ٹھکرا دیا۔ جن میں آج کا رنگ تھا، نیا پن اور جدت پسندی تھی۔ جبکہ ان کے برعکس حرم تو زمانۂ قدیم کی نمائندگی کرتی ہوئی بھی ہوش و حواس پر چھا گئی۔ کمرے کا دروازہ کھلنے پر اس کی سوچ کی کڑی ٹوٹ گئی۔

''حبان بیٹا! اس وِیک اینڈ تم کہیں مصروف تو نہیں ہو؟'' عارفہ نے اس کے کمرے میں داخل ہوتے ہی مسرت آگین لہجے میں پوچھا تو حبان نے معنی خیز نظروں سے اپنی ماں کی طرف غور سے دیکھا تو ماں کے لبوں پر دلنشین مسکراہٹ بکھر گئی اور وہ اس کے ساتھ ہی صوفے پر بیٹھ گئی۔

وہ آنکھوں کو ملتا ہوا انگڑائی لے کر بولا۔ ''ماما! کوئی خاص بات ہے کیا جو اس قدر خوش نظر آ رہی ہیں؟''

''ہاں بیٹے! بہت اعلیٰ رشتہ آیا ہے۔ میری خواہش اور چاہت کے مطابق۔ میرا بچہ بہت

خوش بخت ہے۔'' وہ خوش ہوتے ہوئے بولی۔
''ماما! کون سا رشتہ؟ آپ تو پہیلیاں بوجھوانے لگی ہیں۔'' وہ ذرا سا مسکرایا۔
''تمہیں دیکھنے وہ لوگ آ رہے ہیں۔'' وہ سرگوشی کے انداز میں بولی۔
''سناریو کچھ بدل سا گیا ہے۔ پہلے ہم لڑکی کے گھر اپنی رونمائی کے لئے جایا کرتے تھے۔اس بار اس کے برعکس کیوں؟'' وہ حیرت سے بولا۔
''اس لئے کہ لڑکی والے اپنا وقت ضائع نہیں کرنا چاہتے۔تمہیں دیکھنے کے بعد ان کے لئے فیصلہ کرنا آسان ہو جائے گا کہ بات آگے بڑھائی جائے یا یہاں ہی ختم کر دی جائے۔ اب لوگوں کے پاس فالتو وقت نہیں رہا کہ دس بیس چکروں کے بعد فیصلہ ہاں یا نہ میں کیا جائے۔'' وہ سنجیدگی سے بولی۔
''ماما! آپ کو میں کتنی بار اس بات کی یقین دہانی کراؤں کہ میں نے اپنے جیون ساتھی کا انتخاب کر لیا ہے۔جلد یا بدیر شادی اسی سے ہو گی۔'' وہ مستحکم لہجے میں بولا تو عارفہ بیٹے کے لہجے کی مضبوطی بھانپ کر سٹپٹا گئی۔
''تم تو بہت نادان ہو۔ وہ لڑکی تمہارے قابل ہرگز نہیں۔حلیہ دیکھا تھا جیسے کسی دہشت گرد کی اولاد ہو۔اس کے چٹے گورے رنگ پر مت جاؤ۔ بالکل ہی اجڈ لڑکی ہے۔ایسی بہو تو کسی کو ملانے سے پہلے ہی میں دس بار سوچوں گی۔اور آخر شرم سے ڈوب مرنے کو دل چاہنے لگے گا۔آج جو نشہ تم پر سوار ہوا ہے، جب گھر میں اسے اول جلول حالت میں پھرتا دیکھو گے تو ایسا ہرن ہو گا کہ پھر پچھتاوا ہی پچھتاوا باقی رہ جائے گا۔شادی کو شغل تماشا مت سمجھو۔ میں تمہاری ماں ہوں۔تمہاری زندگی کا فیصلہ غلط نہیں کر سکتی۔''
''ماما! مجھے مجبور مت کریں۔'' وہ تیز لہجے میں بولی۔''نہ تو میں کسی لڑکی کو دیکھنے اس کے گھر جاؤں گا، نہ ہی کسی کو اپنے گھر اٹینڈ کروں گا۔ میں نے حرم کو پا لیا تو یوں سمجھئے کہ اُجالوں کی آماجگاہ میں بسیرا کر لیا۔ ماما! آپ باہر کی دنیا اور اس کی باسی ماڈرن لڑکیوں کے کردار اور اخلاقیات کا اندازہ نہیں لگا سکتیں۔ پیار کسی سے اور وعدے وعید کے لئے کوئی اور۔ اور شادی ایسے لڑکے سے جو پہلے دن سے شاہانہ و امیرانہ زندگی دے سکے۔حرم جیسی پاکیزہ اور معصوم لڑکی نہ تو زندگی میں مشکلات پیدا کرے گی اور نہ ہی جھوٹ فریب سے مجھے بے وقوف بنائے گی۔ اس کے ظاہر اور باطن میں تضاد نہیں ہو گا۔ میں اس پر اندھا اعتماد کر سکتا ہوں۔ ایک شوہر کے لئے اس سے بڑھ کر اور کیا خوش قسمتی ہو سکتی ہے؟'' وہ خود اعتمادی سے بولا۔
''وکالت خوب جانتے ہو۔چھوڑو سارے کام، وکیل بن جاؤ۔خوب پیسہ کماؤ گے۔'' وہ طنزیہ لہجے میں بولی۔
''ماما! میں حرم کی رضامندی تک انتظار کروں گا۔'' وہ آہستگی سے بولا۔''آپ کو بھی انتظار کرنا پڑے گا۔ آئی ایم ایکسٹریملی سوری ماما! آئی ڈونٹ نو کہ اس میں کتنا وقت لگ

جائے۔ ماما! میں زندگی کی شام تک بھی انتظار کرنے کی ہمت و حوصلہ رکھتا ہوں۔ مجھے حرم ہی چاہیئے۔''

''بے وقوفانہ باتیں مت کرو۔ میرے سسرال نے سن لیں تو تمہیں پاگل قرار دے دیا جائے گا۔'' وہ بے ساختگی سے بولی تو وہ خاموش ہو گیا۔ مزید دلائل دے کر ماں کو منانا آج بھی خاصا مشکل لگ رہا تھا۔ وہ اپنی ہی بات پر اڑی ہوئی تھی۔ ایسے گمان ہوتا تھا جیسے آج ماں اپنی بات منوا کر ہی اس کی جان بخشی کرے گی۔

''تمہاری خاموشی کو رضامندی سمجھوں یا گستاخی و نافرمانی؟'' وہ تنک کر بولی۔

''رضامندی تو کہیں سے نہیں۔ آپ جانتی ہیں کہ میں اپنی ماں سے گستاخی کرنے کی ہمت نہیں رکھتا۔ بچوں کو تھوڑی سی، ذرا سی نافرمانی کرنے کی اجازت بھی تو ماں دے ہی دیتی ہے نا۔'' وہ ماں سے پیار بھرے لہجے میں بولا۔

''تمہاری چاپلوسی میں نہیں آؤں گی۔'' وہ خفگی اور نرمی سے بولی۔ ''کیونکہ کبھی تو ماں کے لہجے میں شعلے بھڑک اُٹھتے تھے، کبھی زبان سے چاشنی بہنے لگتی۔ جب اس کی طرف سے اقرار نہ ہوتا تو وہ چھت کو جا لگتی۔ آج بھی ایسا ہی سماں تھا۔

آخر ناکام ہو کر وہ غصے سے بل کھاتی ہوئی وہاں سے اُٹھی اور زیرِلب بڑبڑاتے ہوئے باہر نکل گئی۔

'میں نے ہمیشہ بیٹی کے مناسب رشتے کو ڈھونڈنے والی ماں کو پریشان و ہراساں دیکھا۔ میں بیٹے کی ماں ہو کر کس مشکل میں پھنس گئی ہوں کہ لڑکی مجھے قطعاً پسند نہیں۔ مگر اس کا کیا کروں؟ اس ضدی اور بدتمیز نے تو حد ہی کر دی ہے۔ مجھے قارون کے خزانے سے کھوٹا سکہ نہیں چاہیئے۔ خزانہ ہے تو ان کے اپنے لئے۔ میرا تعلق و ربط تو خزانے کے اصل سے ہے۔ اور وہ ہی خالص نہیں۔ ذہنی مریضہ معلوم ہوتی ہے۔ نہ جانے حبان کی عقل پر پردہ کیوں پڑ گیا ہے؟ اچھی خوب صورت اور اعلیٰ تعلیم کے زیور سے آراستہ لڑکیوں میں سے دس نقوس نکالتا تھا۔ اس میں ایسی کون سی اسپیشل خوبی نظر آ گئی ہے کہ اس کا عمر بھر انتظار کرے گا۔ اپنی سطح سے اوپر جاتا تو بات تھی۔ وہ تو بالکل ہی زمین بوس ہو گیا ہے۔'

بے بسی کے عالم میں عارفہ کی آنکھوں میں ہلکی سی نمی آ گئی۔ بیٹے پر غصہ تو تھا ہی، اس کی قسمت پر ترس آنے لگا کہ خاندان میں ایک مس فٹ لڑکی کی آمد سے دنیا جہنم بن کر رہ جاتی ہے۔ اس کی زندگی کے ساتھ کیا ہونے والا ہے؟ اسے نہ جانے خوش فہمی کس بات کی ہے؟ جبکہ میرا خیال ہے کہ وہ لڑکی ایک گام اس کے ساتھ چلنے کی ہمت نہیں رکھتی۔ زندگی بھر کی ہم سفر کیسے بن سکتی ہے؟ زمانہ بدل گیا ہے۔ اب ایسی دقیانوسی لڑکی مڈل کلاس میں بھی ڈھونڈے سے نہ ملے۔

□......○......□

''بیگم صاحبہ! میں نے آپ کا نمک کھایا ہے۔ اور ابھی تک کھا رہا ہوں۔ آپ کے دکھ میں شریک نہ ہوا تو خدا کی قسم نمک حرام کہلاؤں گا۔ مجھ سے آپ کی یہ حالت دیکھی نہیں جاتی۔'' اے جی چاچا نے سر جھکائے ہوئے کہا۔

''اے جی چاچا! میں ٹھیک ہوں۔ وقتی پریشانی ہے۔ کٹ جائے گی۔ باپ بیٹی مجھے پاگل کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ نہ ایک قابو میں ہے نہ دوسرا۔ تمہارے صاحب تو کیا مجال ہے کہ میری بات سن جائیں۔ سمجھ نہیں آتی کہ انہیں ہوا کیا ہے؟ جب سے حبان کا رشتہ آیا ہے، مجھ سے دشمنی کیونکر ہو گئی ہے؟ تم دیکھ تو رہے ہو۔ کچھ چھپا ہوا تو ہے نہیں۔'' آسیہ نے صوفے پر نیم دراز ہوتے ہوئے کہا۔

''ہمارے گھر کا مسئلہ یہ ہے کہ کوئی مسئلہ نہیں۔ فکر و فاقہ نہیں۔ کوئی دکھ و درد نہیں۔ یہی تو رب کی طرف سے عذاب ہے کہ اس کی ہر نعمت کے باوجود سکون و خوشی کا عرق ان تمام نعمتوں سے نکل گیا۔ اور باقی رہ گیا گودا۔ جس کی نہ حیثیت ہے نہ ہی کوئی قیمت ہے۔''

''بیگم صاحبہ! اگر آپ اجازت دیں تو ایک بات کہوں؟'' وہ جھجکتے ہوئے بولا۔

''کہہ لو۔ تم بھی جی بھر کر کہہ لو۔ مجھے تو ہر ایک کی سننی ہی ہیں۔'' وہ آہ بھر کر بولی۔

''میں اپنی بے جی سے تعویذ لا کر دیتا ہوں۔ آپ اسے اپنے ہاتھوں سے گھول کر صاحب کو پلا دیں گی، پھر دیکھئے گا کمال۔ میں یقین سے کہتا ہوں کہ آپ کی ہر بات مانی جائے گی۔'' وہ حتمی لہجے میں بولا۔ ''اور حرم بی بی بھی شادی کے لئے راضی ہو جائیں گی۔ سارا جھگڑا یہی تو ہے۔''

''ڈوبتے کو تنکے کا سہارا۔'' وہ ایک دم سے بولی۔ ''چاچا! ابھی جاؤ۔ بے جی کو اچھی طرح سے بتانا کہ صاحب ایسے کبھی نہیں تھے۔ اب تو جلاد بن چکے ہیں۔ آہستہ آہستہ کچوکے لگا کر مجھے ختم کرنا چاہتے ہیں۔ ایسا کیوں ہے؟ وہ مجھ سے چڑ سے گئے ہیں۔'' وہ سرعت سے سیدھی بیٹھ گئی۔ ''اے جی! ہمارے گھر کا مسئلہ کسی کے سامنے بیان نہ کرنا۔ تم ہمارے گھر کے فرد ہو۔''

''بیگم صاحبہ! کتنا ہی اچھا ہو اگر آپ میرے ساتھ ان کے حجرے تک چلیں۔ جو اثر آپ کی زبان میں ہو گا، وہ میری میں کہاں؟ حاجت مند آپ ہیں۔ آپ کی عرضی مانی جائے گی۔'' وہ قالین پر ہی دوزانو بیٹھ گیا۔ ''دوسرا بیگم صاحبہ! آپ میری طرف سے بے فکر رہیں۔ اگر میں اس گھر کا فرد ہوں تو اپنے گھر کی بات باہر کیوں کروں گا؟''

''اگر مجھے تم پر بھروسہ نہ ہوتا تو اپنے مسائل تم سے کیوں ڈسکس کرتی؟ تم بے جی کو یہاں ہی لے آؤ۔ میرا وہاں جانا مناسب نہیں لگتا۔'' وہ آہستہ سے بولی۔

''پیاسا کنوئیں کے پاس جاتا ہے نہ کہ کنواں چل کر پیاسے کے پاس آئے گا۔ وہ اپنے حجرے سے باہر نکلتی ہیں صرف اپنوں کی سلامی کے لئے۔ قبروں کی صفائی ستھرائی اور فاتحہ کے

لئے۔ شام گزرتی ہے قبروں پر دیے روشن کرنے میں۔ نہ ان کے سونے کا کوئی وقت ہے نہ کھانے پینے کا۔ رات بھر عبادت سے اپنے دکھ درد دھوتی ہیں۔ چلّے کاٹتی ہیں۔ چپ کا روزہ رکھتی ہیں۔ نمک کی طرح گھلتی جا رہی ہیں۔ ہمیشہ سے مزاج کی بہت اچھی ہیں۔ آج بھی ویسی ہی ہیں۔ اتنے موسم دیکھنے کے باوجود۔ مگر کسی کے گھر نہیں جاتیں۔ کسی سے ایک پیسہ نہیں لیتیں۔ دوسروں کے کام مفت میں کرتی ہیں۔ گاؤں کی عورتیں احترام میں ان کے کام کرنے میں اپنی خوش قسمتی سمجھتی ہیں۔ بات بھی درست ہے۔ اوتر نکھتر کی دعا، وہ بھی ایسی بزرگ کی۔ قسمت پلٹا تو کھائے گی۔ اب بے چاری اپنے اس نامراد بڑھاپے کے ہاتھوں مجبور ہوگئی ہیں۔'' اس کے لہجے میں بے جی کے لئے دکھ اور رحم رچ بس گیا تھا۔

''بختو ان کا کام اُجرت پر کرنے لگی ہے۔ وہ کسی کا حق رکھنے والی بزرگ نہیں۔ بڑھاپے میں آرام کی ضرورت ہوتی ہے۔ اچھی خوراک اور دوا سے بڑھاپا رُکتا تو نہیں، ذرا آسانی سے گزر جاتا ہے۔ اگر وہ بیمار پڑ گئیں تو ان کی نگہداشت کون کرے گا؟ گاؤں والے یا رشتے دار یا غیر۔ کسی کو تو ان کی ذمہ داری جلد یا بدیر اٹھانی پڑے گی۔'' وہ تذبذب میں بولی۔

''کوئی فکر کی بات نہیں۔ ان کی گاؤں میں بڑی ہی عزت ہے۔ انہیں سنبھالنے کے لئے گائں کا ہر فرد آپ کو رضامند ملے گا۔ اس وقت آپ اپنی فکر کریں جی۔'' وہ تسلی دیتے ہوئے بولا۔ ''کیا معلوم کہ آپ ہی ان کا وسیلہ بن جائیں۔ کیونکہ نیکی میں آپ پیچھے رہنے والی نہیں۔''

''ہاں چاچا! بات تو صحیح کہہ رہے ہو۔ اتنے بڑے گھر میں اور ان بیسیوں کوارٹروں میں ایک کمرہ بزرگ کے نصیب میں نہیں تو اس دولت کا کیا فائدہ؟ مگر وہ جیتے جی حجرہ نہیں چھوڑیں گی۔ اب تم جاؤ۔ بے جی سے کہنا کہ میرا مسئلہ حل ہوگیا تو انہیں بہترین اور آرام دہ حجرہ بمعہ ایک نوکر تحفے میں دے دوں گی۔'' وہ اس کی باتوں سے متاثر ہو کر بولی تو اے جی اسے عقیدت و احترام سے دیکھنے لگا۔

''ویسے اے جی! آپس کی بات ہے کہ اگر بے جی اتنی ہی پہنچی ہوئی بزرگ ہیں تو اپنی اور خاندان کی قسمت بدل ڈالتیں۔ اور تم اپنے نصیبو کے مقدر کیوں نہ بدل سکے؟ ان کوارٹروں میں رہنے والے لوگ محلات کے رہائشی ہوتے۔ یہ سب ہمارے ملازم نہ ہوتے۔ اے جی چاچا! میں کہیں نہیں جا رہی۔ میں خود اپنے رب سے التجا کروں گی۔ وہی بگڑی ہوئی تقدیر کو سنوارنے والا ہے۔'' وہ حتمی فیصلہ سنا کر اخبار اٹھا کر پڑھنے لگی اور چاچا شرمندہ سی شکل بنائے وہاں سے چلا گیا۔

□.......○.......□

فیضان آج قدرے شگفتہ موڈ میں لگ رہے تھے۔ اِدھر اُدھر کی باتوں کے بعد حرم موضوع بن گئی۔

''فیضان! میرا دل کہتا ہے کہ حرم کا رزلٹ آنے سے پہلے اس کی شادی کا فیصلہ ہو جانا چاہئے۔ آج کل میری بات بھی توجہ سے سن رہی ہے۔ لگتا ہے شادی کی طرف مائل ہو رہی ہے۔ اس کی پسند سے میں باخوبی باخبر ہوں۔ اس لئے بہتر ہے کسی مولوی کی تلاش کے بارے میں سوچا جائے۔ ویسے اوقات تو اس کی یہی ہے۔ یقین جانئے اگر میری ماہم بھی ایسی گھٹیا نکل آتی تو اسے بھی یہی کلمات بولتی۔'' وہ ناگواری اور پریشانی میں بے ساختگی سے بولی۔

''حالانکہ میں ایسے لڑکے کو اپنا داماد بنانا نہیں چاہتی۔ مگر کیا کروں؟''

''پہلے بھی تم نے ظلم کیا۔ اب پکڑ لاؤ کوئی اَن پڑھ مولوی۔ جو اپنی دال روٹی کے ہاتھوں مجبور ہے۔ آسیہ! تم اس کی شادی کی فکر کرنا چھوڑ دو۔ اللہ تعالیٰ نے نہ جانے اس کے لئے کیا پلان بنا رکھا ہے۔'' وہ غصے سے بولتے ہی ذرا سے دھیمے پڑ گئے۔

''میں یہ رشتہ ہاتھ سے جانے نہیں دوں گی۔ ماہم بھی بیس سال کی ہونے والی ہے۔ اس کے لئے بھی تو دو چار سال بعد رشتہ ڈھونڈنا ہی پڑے گا۔ کیوں نہ اسے ہی اپنے ہاتھ میں رکھوں۔'' وہ گتھیاں سلجھاتے ہوئے سرگوشی کے انداز میں بولی۔

فیضان نے بات سن کر اس کی طرف غور سے دیکھا کہ وہ سنجیدہ ہے یا سرسری بات کر رہی ہے۔

''آئی ایم سیریس فیضان! میرا تو مسئلہ حل ہو گیا۔ اب آپ جانیں اور آپ کی بیٹی جانے کہ اس نے شادی کرنی ہے یا نہیں۔ اگر کرنی بھی ہے تو اسے لڑکا کیسا چاہئے؟ اب فیصلہ آپ پر چھوڑتی ہوں۔ آج کل لڑکیاں شادی کے بعد بھی اپنی تعلیم جاری رکھتی ہیں۔ انہیں اپنے شوہر اور سسرال کی طرف سے کوئی روک ٹوک نہیں ہوتی۔ میرے جیسا حال تو کسی کا نہ ہو کہ ماسٹرز ہی ادھورا رہ گیا۔ میں بھی کہیں جاب کر رہی ہوتی تو آج آپ کی راہ تکتی نہ ہی بچوں میں اتنا انوالو ہوتی۔'' وہ ایک دم سے افسردہ ہو گئی۔

''مہارانیوں والی زندگی پر تمہیں پچھتاوا ہے تو جاؤ اب کسی سکول میں ٹیچر کی جاب پکڑ لو۔ اور بچے تو بڑے ہو گئے ہیں، انہیں تمہاری ضرورت بھی نہیں رہی۔'' وہ تلخ لہجے میں بولے۔

''پیسہ کمانے نکلو، پھر تمہیں دال روٹی کا بھاؤ معلوم ہوگا اور وقت کی قدر دانی سیکھو گی۔''

''اب ہمیں بچوں کی ضرورت ہے۔'' وہ ٹالنے کے انداز میں بولی۔ ''ہماری عمریں بڑھ رہی ہیں۔ اسی رفتار سے ایک دوسرے کی رفاقت کی چاہ بڑھ رہی ہے۔''

''میری عمر تو ایک نقطے پر منجمد ہو گئی ہے بیگم! 55 مرد کی جوانی اور 52 عورت کا بڑھاپا۔ باسی پن اور حسرت و یاس کا دور شروع ہو چکا ہے۔ ویسے شادی میں نیا پن ضروری ہو گیا ہے۔ اگر تم اجازت دو تو اس میں ہرج نہیں۔'' وہ مذاقاً بولے اور ہنستے چلے گئے۔ آسیہ کے چہرے پر شوخ لہر دوڑی۔

''مرد ساٹھہ اُلو کا پاٹھہ، ستری بہتری اِک بولکھڑ، حواس باختہ اور نادان بچہ۔ جسے انگلی پکڑ

کر چلانے کی کوشش اور بار بار ایک بات کی یاد دہانی پر سر کھپائی۔ چلے ہیں شادی کو نیا پن دینے۔'' وہ بھی تمسخرانہ انداز میں کتنے ہی مہینوں بعد بولی تھی۔ اُسے ایسے محسوس ہوا جیسے موسم بہار کی آمد آمد ہے اور کائنات کی ہر شے اس کی خوشی میں شامل ہو کر جھوم اُٹھی ہو۔ ہائے یہ شوہر بھی کیسی عجیب مخلوق ہے کہ ہنس دے تو دنیا رعنائیوں اور جلترنگ سے ہمکنار ہو جائے۔ ذرا سا مزاج بگڑے تو چار سُو سکوت، خاموشی اور بھونڈا پن چھا جائے۔

''اسی سال میں مرد دوبارہ جوانی پکڑنے لگتا ہے۔'' وہ ابھی بھی مسکرا رہے تھے۔ 55 میں تو مسئلہ ہی نہیں۔ مگر جوانی پکڑنے میں ناکام رہتا ہے۔ اس لئے اس وقت کو انجوائے کریں جس پر ہمارا قبضہ ہے۔''

''فیضان! صبح کا بھولا شام کو لوٹ آئے تو اس سے بڑھ کر خوشی کی بات اور کیا ہو سکتی ہے؟ آج میں نے آپ کے تیوروں میں اور لہجے کی گھلاوٹ اور اپنائیت میں اپنے شوہر، رازداں اور محسن فیضان کو محسوس کیا ہے جو میرا تھا۔ جس کے سائے میں محبت کی تمازت اور سکون کی ٹھنڈک تھی۔ وہ مجھ سے کیوں رُوٹھ گئی تھی؟ میرے پیار میں کمی تو نہ آئی تھی۔ پھر ایسے منحوس دن مجھ پر کیوں آئے؟'' وہ خوشی سے رو پڑی۔ فیضان نے نظریں جھکا لیں۔ بات تو سچ تھی۔ وہ اس کا مجرم تو تھا۔ ضمیر نے ہلکا سا جھنجوڑ دیا تھا۔

□.......○.......□

''للی! بات چلانی چاہی تھی حرم کی۔ وہ تو ہوئی ناکام۔ انہوں نے رابطہ ہی نہیں کیا۔ میں جانتی ہوں کہ میری حرم ان لوگوں کو پسند نہیں آئی۔ حالانکہ چاند کا ٹکڑا ہے۔'' آسیہ نے للی کے لئے چائے بناتے ہوئے کہا۔

''آسیہ! بات یہ ہے کہ اب زمانہ ہے ظاہرانے پن کا۔ ظاہر حسین اور بے مثال ہونا چاہئے۔ باطن چاہے کتنا ہی بدصورت، گھناؤنا اور ناقابل برداشت کیوں نہ ہو، نیور مائنڈ۔ حرم کو میں کتنے عرصے سے دیکھ رہی ہوں۔ وہ تمہارے خاندان کے ہر فرد سے مختلف ہے۔ شکل و صورت اور اخلاقیات میں۔ تمہیں علم ہے کہ میں ایک مسلمان مذہبی گھرانے کی پروردہ ہوں۔ محبت میں ایسی پاگل ہوئی کہ آنکھوں کی بینائی اور قوتِ سماعت ہی رخصت ہو گئی۔ اور ہر ایک کو کنونس کرنے کے لئے قوتِ گویائی بڑھ گئی کہ اہلِ کتاب سے نکاح جائز ہے۔ آسیہ! کاش میرا رب میری یہ خواہش پوری کر دے کہ کسی مسلم بچی کا نکاح اپنے بیٹے سمیول سے کر دوں۔ میری کسک اور چبھن میں کمی ضرور آئے گی۔ لیکن افسوس کہ مرد اپنا مذہب اور عقیدہ نہیں بدلتا۔ یہ عورت ہی کمزور ٹھہری کہ مرد کی چاہ و محبت میں اپنا مذہب، اپنے عقائد و اصول بدل ڈالتی ہے۔ بائی گاڈ اگر آج میرا بیٹا مذہب بدلنے کے لئے تیار ہو جائے تو حرم کو اپنی بہو بنانے میں مجھے فخر ہو گا۔'' للی نے چائے پیتے ہوئے دُکھی اور حسرت انگیز لہجے میں کہا۔ ''آسیہ! مجھے حرم بخش دو۔ ایک کرسچین کو مسلمان بنانے کی اس میں بے تحاشا قوت ہے۔''

''انہونی باتیں مت کرو۔ میری حرم مسلم لڑکے سے شادی کرنے کے لئے تیار نہیں، غیر مذہب کا تو نام سن کر جان دے بیٹھے گی۔ ویسے تم عقل سے بالکل ہی پیدل ہو۔ جانتی بھی ہو کہ اپنے عقیدے میں کتنی کٹر ہے وہ۔'' آسیہ نے سنجیدگی سے کہا۔

''تم اس کے خیالات معلوم کرنے کی کوشش تو کرو۔ ہو سکتا ہے کہ ایک نان مسلم کو مسلمانیت بخشنے میں حرم کو بھی فخر ہو۔ وہ ان کے اعلیٰ درجات کو جانتی ہو گی کہ ایک نسل کو اس نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت حاصل کرنے کے لئے تیار کر لیا ہے۔ اس سے بات کرنے میں ہرج ہی کیا ہے؟ مجھ پر تمہارا بہت بڑا احسان ہو گا آسیہ!'' للی نے آہ بھر کر کہا۔ ''آسیہ! میں نے شادی کے بعد اپنے دین اسلام کو پڑھا اور پہچانا۔ وٹ آ گریٹ ریلیجن۔ اگر اماں کی مان کر چلتی اور ابا کی سن لیتی تو حرم کی عمر میں عالمہ بن چکی ہوتی۔ کیونکہ میرے گھر میں مذہب کا پرچار صدقِ دل سے کیا جاتا تھا۔ تمہیں کیسے دکھاؤں دل کے پھپھولے۔''

''اب پچھتانے سے گیا وقت واپس تو نہیں آئے گا للی! پیچھے مڑ کر دیکھنے والے لوگ وقت سے بہت پہلے ہی مر جاتے ہیں۔ تم تو مجھے آگے قدم اٹھانے والی ہستی لگتی ہو۔ آج تم نے مجھے شاکڈ کر دیا ہے۔'' وہ تسلی دیتے ہوئے بولی۔

''آسیہ! میرے اندر اِک ضمیر نام کا احساس ابھی بھی زندہ ہے۔ میں نے ہر بچے کی پیدائش پر اپنے رب سے توبہ استغفار کی۔ کیونکہ میں عیسائیت کو فروغ دے رہی تھی۔ میں نے اپنے مذہبی ڈھانچے کی پاسداری کرنا قطعاً ضروری نہ سمجھا۔ اپنی مذہبی روایات اور رسومات کی قدر نہ کی۔ میں اب سمجھی ہوں سب کچھ گنوا کر کہ بے حیائی اور بے باکی شیطان کی خصلتوں میں سے ایک ایسی خصلت ہے جس کی شروعات میں ہی بہکاوا اور اپنے اصولوں سے فرار ہے۔ پھر ذہن میں ایسے سپنے اُبھرنے لگتے ہیں کہ جو ہمیں بتدریج زوال کی جانب نہایت دھیمے پن سے دھکیلتے چلے جاتے ہیں۔ مگر ہمیں احساس عروج کی جانب جانے کا ہوتا ہے۔ بغاوت پر کبر و پندار اور بگڑتی سرشت پر ناز گردن میں سریا ڈال دیتا ہے۔ خود پسندی کا یہ نیا پن دل کو لبھانے لگتا ہے۔ اور اپنی قیمتی، انمول متاعِ حیات نئے اور انوکھے پن پر نچھاور کرنے میں نہ تو سُبکی محسوس ہوتی ہے نہ ہی اپنا نقصان و خسارہ نظر آتا ہے۔ آسیہ! میں ایک بیمار ذہن کی نہایت جاہل اور گنوار عورت ثابت ہوئی ہوں۔ نہ میرا کردار مضبوط تھا، نہ ہی سوچ مثبت تھی، نہ اپنے مذہب کی آگہی تھی، نہ ہی اپنی روایات کا ادراک تھا۔ کیونکہ میں ایک خودسر اور نافرمان بیٹی تھی۔ والدین کی کسی بات پر کان نہیں دھرتی تھی۔ اپنے مذہب کا پرچار اور عبادتوں اور ذکرِ الٰہی کو پرانے زمانے کی کہانیوں سے منسوب کر کے اپنی شیطانی سوچ کے سنگ چلنے کو ثابت قدمی کا نام دینے میں شاداں رہتی تھی۔ کیونکہ مجھے سینٹ میری کی ایجوکیشن نے اپنی معلومات سے نوازا تھا۔ جس کا اندازہ میرے والدین کو اس وقت ہوا جب پانی سر

سے گزر چکا تھا۔ میں جوان ہو کر اپنے خیالات کی پختگی میں ان کے دوبدو کھڑی ہو گئی تھی۔ مذہب میرے لئے اہم نہ رہا۔ اپنے جابر اور ظالم لگے اور میں نے کورٹ میرج کرنے میں قباحت محسوس نہ کی۔ کیونکہ شیطان کا پہلا وار ہی انسانی قوتِ ممیّزہ کا قتال ہے۔ اگر اس کی سلامتی رہے گی تو انسان نشیب و فراز، نیکی و بدی، ظلم و رحم اور اپنے رب و اپنے رسول (ﷺ) کی پہچان میں کوتاہی و غلطی نہیں کرسکتا۔ اس لئے شیطان سب سے پہلے اُس کی اسی قوت، مضبوطی اور طاقت پر حملہ کر کے اسے کمزور کرتا ہے اپنے فریب اور دھوکے سے۔ انسان نہایت عاقبت نااندیش ہے۔ شیطان کو خدا سمجھ کر اس کے بہلاوے میں آ جاتا ہے اور اسی کا شیدائی بن جاتا ہے۔ اور وہ مردود، نامراد انسان کمزوری فطرت و سرشت کو اس کی چاہ کے مطابق ہوا دے کر اپنے ہتھکنڈوں میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ اور پھر ہر وہ نامناسب و نازیبا کام اس سے کروانے لگتا ہے جو بظاہر بہت دلنشیں اور پُرکشش دکھائی دیتے ہیں۔ میری مثال تمہارے سامنے ہے کہ مجھے آج بھی احساس بیدار ہونے کے باوجود، جوانی کی دوپہر ڈھل جانے کے باوجوداور حقیقی لگن وچاہت کے کھو جانے کے قلق کے باوجود ہر چمکتی شے سونا معلوم ہوتی ہے۔ جبکہ وہ دھات ہے۔ زنگ آلود فولاد ہے۔ جب تک میں نے پھر کلمہ شریف نہ پڑھا، اپنے رب سے مسلمان ہونے کا وعدہ نہ کیا، میری باطن کی آنکھ دُھندلی اور کُہر آلود رہے گی۔ اچھے برے کی تمیز کرنے میں ہچکچاہٹ اور باطن میں شکوک وشبہات سے دوغلا پن رہے گا۔"

اس کے لہجے میں آج نہ تو ہمیشہ والی کھنکھناہٹ تھی، نہ ہی شوخی و شرارت تھی۔ آج پہلی دفعہ احساسِ زیاں کا انکشاف آسیہ کو دل کی گہرائیوں سے ہلا کر مضطرب کرنے لگا تھا۔ اس نے موضوع بدلنا چاہا۔

"للی! تم ایک بہترین انسان ہو۔ ہمیں تو اس سے سروکار ہے۔ باقی تمام اعمال جن کا تعلق صرف تمہاری اپنی ذات سے ہے۔ ان کا معاملہ تمہارے رب اور تمہارے درمیان ہے۔ اس لئے للی میں نے آج تک تم سے مذہبی گفتگو سے اجتناب ہی رکھا۔ پریشان ہونے یا دوسروں کے پاس رونے دھونے سے مسئلے بڑھ جاتے ہیں۔ کیونکہ یہ بھی شیطانی عمل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر طرف سے شیطانی مشورے مزید باغیانہ اور شاطرانہ چالوں میں ملوث کر کے شب و روز کا سکون غارت کر دیتے ہیں۔" آسیہ نے پیار و ہمدردی سے اس کا ہاتھ پکڑ کر دبایا اور اپنائیت بھرے لہجے میں بولی۔

"میرے سوا کسی اور سے دل کا دُکھڑا بیان مت کرنا۔ شیطان فوراً تمہارے ذہن و قلب پر غالب آ جائے گا۔ کیونکہ کسی کو تم سے نہ تو ہمدردی ہو گی، نہ ہی کوئی دوسرے کی دکھ بھری داستان سننے کا خواہش مند ہوتا ہے۔ اس لئے ہمیشہ دوسری طرف سے آنے والا مشورہ اور نصیحت تار تار ہوتی ہے۔ پھٹی پرانی اور نامکمل و ادھوری۔ اس ادھورے پن کو مکمل کرنے کا کردار شیطان ادا کرتا ہے۔"

"تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔ ہم ہر مسکراتی، ہنستی اور چہکتی ہوئی دوست کو اپنا ہمدرد اور رازداں کیوں مان لیتی ہیں؟" وہ یہ کہہ کر گہری سوچ میں چلی گئی۔

ڈھونڈ اُجڑے ہوئے لوگوں میں وفا کے موتی
یہ خزانے ممکن ہے تجھے خرابوں میں ملیں

"تم بہت عظیم ہو للی! جانتی ہو کہ رب اپنی غلطی تسلیم کرنے والوں کو کس قدر پسند کرتا ہے۔" آسیہ نے اس کی پلیٹ میں کیک کا پیس رکھتے ہوئے کہا۔ "للی! چند مہینوں کی پریشانی نے میرے مقفل ذہن کو کھول دیا ہے۔ میری زندگی تو سُکھ وسکون میں ہی گزر رہی تھی۔ شان کی طرف سے بہت بڑی آزمائش آئی تھی۔ مالک نے رحم کر دیا۔ خزانہ خالی ہو گیا اس امتحان کی کامیابی میں۔ لیکن بہت جلد اسی رب نے خزانہ پھر سے لبریز کر دیا۔ لیکن میں شوہر کی رفاقت کو ترس کر رہ گئی۔ اب اس کی رحمتیں ونعمتیں بڑھتی جا رہی ہیں۔ مگر برکتوں میں کمی آتی جا رہی ہے۔ نہ وقت میں برکت، نہ ہی ہماری عمروں میں برکت رہی۔ نہ سکون واطمینان میں برکت، نہ ہی ہماری مسرتوں وشادمانیوں میں برکت رہی۔" اس نے دُکھی لہجے میں کہا۔

"جیسے شیطان نے ہمیں چھولیا ہو۔ فیضان بدل گئے سرتاپا۔ یہ باتیں تمہاری زبان پر زیب نہیں دیتیں۔ تم اور فیضان تو لَو برڈز کی مانند ہر ایک کی نظروں میں ہو۔ کھلی فضاؤں میں ہواؤں کے سنگ اُڑنے والے۔ ایک دوسرے کے ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے بلندی کی جانب پرواز کر رہے ہیں۔ مجھے تمہارے اس انکشاف پر یقین نہیں آ رہا۔ ایسا ہو نہیں سکتا۔" وہ حیرت وتاسف بھرے لہجے میں بولی۔ "تم اپنی زندگی کو میری زندگی سے کمپیئر کرو۔ سب کچھ صاف و شفاف اور چمک ودمک کے ساتھ تم پر اپنی زندگی کا لمحہ واضح ہو جائے گا۔ آسیہ! میری حسرت زدہ زندگی کو پرکھو کہ کیسے واپسی ممکن ہے۔ میں مسلمان ہونا چاہتی ہوں۔ اگر یہ بولڈ قدم اٹھاتی ہوں تو میرا نکاح مسلمان عورت ہونے کے ناطے اِک غیر مذہب مرد سے فوراً ٹوٹ جائے گا۔ میں اس سے بے پناہ محبت کرتی ہوں۔ میں اس سے دور نہیں جانا چاہتی۔ اس کے اور میرے ریلیشن میں کبھی شک وشبے کی گنجائش نہیں رہی۔ ہم دونوں کے دلوں میں صرف ایک دوسرے کی شبیہ موجود ہے۔ ہم اُسی کی پرستش کرتے ہیں۔ یک جان دو قالب ہیں۔"

"تو پھر شبیہ مٹنے کا انتظار کرو۔" وہ اسے چھیڑتے ہوئے بولی۔ "کوشش جاری رکھو۔ ایک نہ ایک دن پرانی آؤٹ لائن مٹ جائے گی۔"

"کیسی عجیب بات کی ہے تم نے۔ مٹنے کا اختیار اپنے ہاتھوں میں ہوتا تو کب کی مسلمان ہو گئی ہوتی۔ اپنے والدین کے پاس واپس چلی جاتی اور پاؤں پکڑ کر معافی مانگ لیتی۔ جب والدین کی طرف سے میری عرضداشت قبول ہو جاتی تو میرا رب، میرا پالنہار بھی مجھ سے راضی ہو جاتا۔" اس کی آنکھیں بھر گئی تھیں۔

آسیہ نے اس کی طرف ٹکٹکی باندھ دی۔ آج کس قدر سچائی اور کھرا پن تھا اس کے ہر لفظ

میں۔ وہ تو ہمیشہ بے حد لا اُبالی اور بے پروا لگا کرتی تھی۔ بات بات پر زندگی سے بھرپور قہقہہ اور ہلکی سی فرمائش پر گانا۔ ڈانس اور بے حساب لطیفوں کی آمد۔ اور اندر اس قدر اندھیروں اور خدشوں میں بھٹکتا ہوا ہمسفر قلب۔ آسیہ نے کیک کا چھوٹا سا پیس اس کی طرف بڑھایا تو اس نے مسکرا کر منہ کھول دیا۔

کیک کھاتے ہوئے اس نے اپنے آنسو پینے کی کوشش کی جنہوں نے اسے نادم اور مضطرب کر ڈالا تھا۔ مگر وہ اس میں ناکام رہی۔ اس کے چہرے پر ابھی بھی طوفانوں اور آندھیوں کے جھکڑ رواں دواں تھے۔ بے شک آنسوؤں کے تسلسل میں کمی آ گئی تھی مگر دلِ آزردہ لرز رہا تھا اور اس کا وجود اس کی اندرونی کیفیات کی غمازی کر رہا تھا۔ آسیہ کو اس پر پیار بھی آیا اور ترس بھی بے پناہ عود کر آیا تھا۔

''للی! تمہارا اپنا نام تو ہوگا جو والدین نے پیدائش پر تمہارا چہرہ دیکھ کر بے اختیاری میں بولا ہوگا۔''

''میرا نام ایمان تھا۔'' وہ سوں سوں کیے جا رہی تھی۔ ''مگر مجھے ایمان کی جگہ للّی کو قبول کرتے ہوئے بے پناہ مسرت ہوئی تھی۔ کاش کہ مجھ پر اپنے سکول کی تعلیم کی چھاپ نہ ہوتی۔''

''للّی! میں مولوی حضرات کی تعلیم پر اعتراض کرتی ہوں اور تم convent کو کوس رہی ہو۔ دونوں میں کون درست ہے؟ تم کہ میں؟'' اس کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟'' وہ متذبذب لہجے میں بولی۔

''آسیہ! نقالوں سے بچنے کے لئے ہمیں حفظ ماتقدم کے طور پر اپنی جہالت کو ختم کرنا ہوگا۔'' للی سوچتے ہوئے بولی۔ ''یعنی والدین روشن دماغ ہوں گے تو اولاد کی راہنمائی کر سکیں گے۔ ورنہ حال میرے اور حرم جیسا ہوگا۔ میں نے مذہب چھوڑنے میں عافیت جانی۔ حرم نے مذہب کو سمجھنے میں غلطی کر ڈالی۔''

''تم قرآن پاک پڑھنا بھول گئی ہو کہ نہیں؟'' آسیہ نے رازدارانہ انداز میں پوچھا۔

''آسیہ! کوئی اپنے رب اور اس کی کتابوں کو بھول سکتا ہے؟'' وہ عقیدت مندانہ لہجے میں بولی۔ ''اب تو میں نے راتوں کی تنہائی میں اسے اپنا رازداں بنا کر بہت کچھ سیکھا ہے۔''

''بہت خوب۔ تو پھر ایک کام کرو۔ خوب تلاوت کرو۔ تمہیں ذہنی وقلبی سکون ملے گا۔ میں تمہیں اپنی مثال دیتی ہوں کہ میں قرآن اور حدیث کو پڑھنے کے باوجود نمازوں میں باقاعدگی نہ رکھ سکی۔ کبھی گناہ کا احساس ہی نہ ہوا تھا۔ جب سے فیضان کے ہاتھوں جھٹکا لگا ہے، ان میں باقاعدگی آ گئی۔ اور میں سوچنے پر مجبور ہو گئی کہ میں انسانی جھٹکے کو سہہ جانے کی ہمت نہیں رکھتی۔ اتنی بڑی ذات کی ہلکی سی جنبش مجھے دوزخ میں پھینک دے گی تو میں کیا کروں گی؟ ہمارے پاس ابھی وقت ہے معافی وتلافی کرنے کا۔'' وہ سہم کر بولی۔

''آسیہ! تم کہاں اور میں کہاں؟ تم تو بے حد نیک عورت ہو۔ اپنے مذہب و دین اور عقیدے پر تمہیں مکمل یقین ہے۔ تمہارا ایمان پکا ہے۔ تم میں توازن ہے۔ میری ایک التجا سن تو سکتی ہو۔ بے شک خالی لوٹا دینا۔ ہماری دوستی میں رتی بھر فرق نہیں آئے گا۔ حرم تمہاری اولاد ہے۔ تمہیں اس کی زندگی کا فیصلہ کرنے کا پورا اختیار ہے۔ کیا تم اپنے رب اور رسولؐ کی خاطر قربانی نہیں دو گی؟'' وہ سوچتے ہوئے ٹھہر ٹھہر کر بول رہی تھی۔

''میرے گھر کو حرم کے نور سے روشن کر دو۔ میرے تینوں بچے تو مسلمان بن کر زندگی گزار سکتے ہیں نا۔ شاید اس عمل سے میرے گناہوں کا ازالہ ہو سکے۔ میرے رب میری توبہ کے اس انداز کو قبول کر لے۔'' وہ سر جھکائے بمشکل بول رہی تھی۔ آسیہ اُس کی گفتگو کا مدعا تو پہلے ہی سمجھ گئی تھی۔ اب التجا سیہ اور سنجیدہ انداز پر اچنبھے سے بول۔

''ممکنات میں سے نہیں۔ ہمارے خاندان کا ہر فرد اس رشتے کی مخالفت کرے گا۔ میں تمہاری اس خواہش کو قطعاً پورا نہیں کر سکتی۔ فیضان مجھے جان سے مار ڈالیں گے۔'' آسیہ نے بے ساختگی سے کہا۔ ''تمہارا اپنا تجربہ ہے کہ مرد کبھی مذہب نہیں بدلتا۔ میرا تجربہ ہے کہ وہ عورت بدلنے میں بھی دیر نہیں لگاتا۔ چاہے گرل فرینڈ ہو، کیپ ہو یا وائف۔ بھئی مجھ سے دوستی کی اتنی بڑی قیمت مت طلب کرو۔ حرم تو کیا، ہم خود اپنے دین کے بہت قریب ہو چکے ہیں۔ آج کے بعد ایسا تصور بھی نہ کرنا۔''

''مجھے ٹالنے کی کوشش مت کرو۔ اس کارِ خیر میں میری حصے دار بن جاؤ۔ جنت الفردوس میں تمہارا محل ہو گا۔ اور تمہیں کتنا اچھا لگے گا کہ جب باری تعالیٰ میری بخشش تمہارے ایثار کی وجہ سے کرے گا۔ یہ دنیا تو فانی ہے۔ ابدی دنیا کی فکر کرو۔ جس کے حصول کی خاطر میں تمہاری چوکھٹ پکڑے بیٹھی ہوں۔'' وہ ڈھٹائی سے بولی۔ ''پلیز آسیہ! تمہیں اس دوستی کی قسم۔ تمہیں اپنے سہاگ کا واسطہ دے کر التجا کرتی ہوں۔''

''للی! آج کے بعد سوچنے پر بھی پابندی لگا دو۔ ایسا تو کبھی نہیں ہو گا۔ میں نے تمہیں بتایا تو ہے کہ نہ جانے کیوں پہلے ہی فیضان مجھ سے چڑے رہتے ہیں۔ یہ سن کر مجھے ہمیشہ کے لئے چلتا کریں گے۔ بات تو سچ ہے کہ انہیں میری عقل و سمجھ پر شک اور پاگل پن پر یقین ہو جائے گا۔'' وہ خوف سے لرزنے لگی اور للی اپنی سوچوں کے گرداب میں اُلجھتی چلی گئی۔ آسیہ کے دل نے سرگوشی کی۔

'میرے رب! کیا اس جہاں میں تیرا کوئی بندہ خوش اور مطمئن بھی ہے یا ہر ایک اپنے ہاتھوں کی تیار کردہ آہنی زنجیروں میں جکڑا ہوا بے بس و ہراساں ہے۔'

□.......○.......□

''نہ ہیلو نہ ہائے اور پھر سے کہیں جانے کی تیاری۔'' آسیہ نے فیضان کو تیار ہوتے دیکھ کر حیرت سے کہا تو وہ ذرا سا مسکرائے اور اسے دیکھے بغیر ہی بولے۔

''آج تمہارے لئے بہت بڑے سرپرائز کا سودا کرنے جا رہا ہوں۔''

''میرے لئے؟......یعنی آسیہ کے لئے؟.....ناقابلِ یقین بات کی قیمت کوڑی سے بھی کم اور وقعت ذرّے برابر ہوتی ہے۔'' وہ پژمردگی سے بولی۔ ''سرپرائز کو ماریں گولی۔ کم از کم گھر آنے کے کچھ مینرز ہی یاد رکھ لئے ہوتے۔ کہاں گئی وہ آپ کی سیٹی جو گاڑی سے اُترتے ہی مجھے آپ کے آنے کا سندیسہ دیا کرتی تھی؟ اور کہاں گئی وہ لگاوٹ جو مجھے مین ڈور سے ہی حصار میں لے لیا کرتی تھی؟ اب تو آپ اپنے ہی گھر میں چور کی طرح چور دروازے سے داخل ہوتے ہیں۔ اور مجھے علم ہی نہیں ہو پاتا کہ جناب گھر کے کس کونے میں چھپے بیٹھے ہیں۔''

''بیوی شوہر کی گھر میں داخل ہوتے ہی دُرگت بنانے لگے تو شوہر بے چارہ کیا کرے؟ چور ہی بنے گا نا۔ ڈاکو تو بننے سے رہا۔'' وہ بے پروائی سے سٹول پر بیٹھ کر جاگرز پہننے لگے۔ وہ ان کی ڈھٹائی پر ہراساں و پریشان سی ہو کر اُنہیں دیکھنے لگی۔ ہر سیدھی بات کا اُلٹا جواب اور ہر جائز خواہش کو بے دردی سے ردّ کرنا انہوں نے اپنا شیوہ بنا لیا تھا۔ وہ تڑپ کر رہ گئی۔ مزید بات کو طول دینے کے بجائے وہ کمرے سے باہر چلی گئی اور لاؤنج میں حرم کو دیکھ کر اس کے قریب صوفے پر بیٹھ گئی۔ حرم کی لمبی زلفوں سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے اور شیمپو کی مسحورکن خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔

''بیٹا! ہیئر ڈرائیر، استعمال کرنے کے لئے بنایا گیا ہے۔'' آسیہ نے اس کے گیلے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے ملائمت سے کہا۔ ''ٹھنڈ لگ جائے گی۔ اور شال میں خود کو لپیٹو۔ تم نے تو گرمی کا سماں بنا رکھا ہے۔'' جبکہ وہ سویٹر اور شال کے بغیر بھی کمفرٹیبل لگ رہی تھی۔ آخر بدن میں جوان تر و تازہ خون گردش کر رہا تھا۔

''ممی! ایسی بھی سردی نہیں۔ بھاری کپڑوں میں دل گھبرانے لگتا ہے۔''

آسیہ سرعت سے اس کے کمرے سے تولیہ لے کر آگئی۔ ''بال لپیٹ لو بیٹا! بیک سائیڈ بھیگ رہی ہے۔''

وہ صوفے سے کھڑی ہو کر تولیے سے بالوں کو رگڑ رگڑ کر خشک کرنے لگی تو فیضان اپنے کمرے سے باہر نکلے اور حرم کو دیکھ کر وہیں رک گئے۔ نکھرا نکھرا حُسن اور ڈھلی ہوئی شفاف جوانی کا اپنا ہی فسوں تھا کہ وہ بھول گئے کہ حرم ان کی گود میں اپنی بیٹی کی طرح کھیلی ہے۔ اس کے جسم کے ہر اُبھار اور اُتار کا جائزہ لیتے ہوئے حرم کی آواز پر چونکے۔

''بابا! ممی کے بغیر کہاں جا رہے ہیں؟ آپ نے انہیں ساتھ لے جانا کیوں چھوڑ دیا ہے؟ بابا! آپ نے میری ممی کو اُداس اور غمزدہ کر دیا ہے۔ کیا آپ کی اس مصروفیت میں ممی شامل نہیں ہو سکتیں؟'' وہ فیضان سے بات کرتے ہوئے ان کے سینے سے لگ گئی اور اپنے ہاتھوں کے پیالے میں ان کا چہرہ پکڑ کر مسکرانے لگی۔

فیضان نے اس کے پاکیزہ معصوم چہرے کی جانب دیکھا اور جیسے شاک لگ گیا ہو۔ اسے تیزی سے خود سے الگ کر کے نخوت سے بولے۔

''اب تم بڑی ہوگئی ہو۔ میرے ساتھ ایسے مت لپٹا کرو چھوٹے بچوں کی طرح۔ آسیہ! یہ ہے تمہاری تربیت؟''

''کیوں بابا؟'' وہ حیرت سے بولی۔

فیضان نے جواب دیئے بغیر ہی گاڑی کی چابی اٹھائی اور مین روڈ کی طرف چل پڑے۔ آسیہ بھی وہیں حیرت کے سمندر میں غوطہ زن اُنہیں جاتا ہوا دیکھنے لگی۔ انہوں نے آج اس لہجے میں بیٹی کو تنبیہ کیوں کی ہے؟...... بیٹی چاہے جوان ہی کیوں نہ ہو، وہ تو والدین کے لئے مُنیہ ہی رہتی ہے۔ آج فیضان اسے دیکھ کر اپ سیٹ کیوں ہو گئے؟ شاید ان کا ذہن یہ حقیقت قبول کرنے سے انکار کر رہا ہے کہ ان کی بیٹی جوان ہو گئی ہے۔ ہمیں چھوڑ کر کسی وقت بھی پرائی ہو جائے گی۔ وہ خود کو کیا سمجھانا چاہتے ہیں؟ یہ کرب میں نے فیضان کے روّیے اور سلوک میں محسوس کیا ہے۔ سچ ہے کہ بیٹی کو خود سے جدا کرنا آسان کام نہیں۔ حرم ہماری بیٹی ہی تو ہے۔ جنم کسی نے دیا اور میری گود اس کے نصیب میں لکھی تھی۔ فیضان کے رزق کی حصے دار ٹھہرانے والے! تیری شان ہی بہت عظیم ہے۔ تیری چال ہی نرالی اور ہماری سمجھ سے بالاتر ہے۔''

''ممی! بابا کو کیا ہوا ہے؟'' وہ حیرت وتجسّس سے باہر نکلتے ہوئے بولی۔ ''میں نے کچھ بھی غلط نہیں کیا۔ ممی! وہ میرے محرم ہیں۔ باپ کے بہت اعلیٰ رُتبے پر فائز ہیں۔ ان کے سامنے میں ننگے سر پھر سکتی ہوں۔ ان کی آغوش میں چھپ کر زندگی گزار سکتی ہوں۔ ممی! انہوں نے مجھے خود سے جدا کر کے ڈانٹا ہے۔ میں ان سے کبھی بھی نہیں بولوں گی۔ انہیں میرا پیغام پہنچا دیجئے گا کہ میں بڑی ہوگئی ہوں۔ کیا اب میرا آپ سے بھی حجاب لازم ہو گیا ہے؟ قرآن مجید میں کہاں لکھا ہے؟ میرے پڑھنے میں تو نہیں آیا۔'' وہ ماں کے سینے سے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

''بیٹا! رونے کی بات نہیں۔ میں ماں ہوں۔ ایک ماں کے جذبات و احساسات کا اندازہ لگا سکتی ہوں۔ مگر افسوس کہ باپ جوان بیٹی کے بارے میں کیسے جذبات وخیالات رکھتا ہے، عورت اور ماں ہونے کے ناطے میں بالکل نابلد ہوں۔ یہ فیلنگز ان کا ہم جنس ہی سمجھ سکتا ہے۔ بیٹی! آئندہ ان کے سامنے بغیر دوپٹے کے آنے سے پرہیز ہی کرنا۔ جب میں بھی بڑی ہو رہی تھی تو ماما نے مجھے یہی بات سمجھائی تھی۔ یقین جانو کہ آج تک مجھے اس کا مطلب سمجھ نہ آیا تھا۔ آج اتنے سالوں بعد پل بھر میں اس ویژن کے معنی سمجھ گئی ہوں۔'' وہ اسے پیار سے سمجھاتے ہوئے بولی۔

''یعنی مطلب یہ ہوا کہ ہم محرم رشتوں میں بھی محفوظ نہیں ہیں۔ کتنے افسوس کا مقام

ہے۔'' وہ اضطراری کیفیت میں بولی۔

''ایسی بات ہرگز نہیں۔ بس یوں سمجھو کہ اس منطق میں جان ضرور ہے۔ بابا سے خفا مت ہونا۔ نہ جانے وہ کس موڈ میں تھے کہ ڈانٹ دیا۔ اب دیکھنا، ماہم اور ماہا کی بھی شامت آئے گی۔ وہ بھی تو تمہاری طرح ہر وقت ان سے چپکی رہتی ہیں۔ ماہا تو ان کے اوپر لیٹ جاتی ہے۔ اسے کئی بار منع کر چکی ہوں کہ یہ بچگانہ حرکتیں چھوڑ دے۔ ہر بار فیضان مجھے ہی ڈانٹ کر چپ کرا دیتے ہیں۔ آخر آج غیرت نے جوش مار ہی دیا۔'' وہ ہنستے ہوئے اس کا موڈ ٹھیک کرنے لگی۔

مگر حرم مسلسل سوچے جا رہی تھی کہ بابا نے غصے سے ڈانٹ کیوں دیا؟ پیار سے بھی وہی بات کہہ سکتے تھے ممی کی طرح۔ کیا اپنے گھر میں اپنوں میں بھی حجاب میں رہنا پڑے گا؟ کیا بابا بھی اے جی چاچا کی طرح پرائے ہو گئے؟ تو اپنا کون رہا؟..... صرف ایک ہی رشتے میں اپنائیت اور تحفظ نظر آیا ہے۔ میری بند آنکھیں ممی کے ہزار دلائل بھی نہ کھول سکے۔ بابا کا ایک جملہ بینائی دے گیا۔

□.......○.......□

موبائل کی بیپ پر حرم چونکی۔ نمبر تو اَن نون ہی تھا کیونکہ موبائل میں فیڈ نہیں کیا گیا تھا مگر جانا پہچانا تھا۔

حبان بار بار فون کئے جا رہا تھا۔ کافی سوچ بچار کے بعد اس نے فون آن کیا۔

''جی فرمائیے؟'' وہ آہستگی سے بولی۔

''میں حبان بول رہا ہوں۔ آپ کیسی ہیں؟ آج کل کیا شغل ہیں؟'' وہ نرم لہجے میں پوچھ رہا تھا۔ وہ اس قدر شیریں آواز سن کر سیدھی ہو کر بیٹھ گئی اور اندر تک ڈر گئی کہ وہ پھر بے تکا سوال کرے گا کہ رضامندی پوچھنا چاہتا ہوں۔

''رزلٹ کب آؤٹ ہو رہا ہے؟'' وہ اس کی طرف سے خاموشی کے بعد ملائمت بھرے لہجے میں بولا۔

''آج کل میں۔'' وہ بمشکل بولی۔

''آگے کیا کرنے کا ارادہ ہے؟'' وہ اپنائیت سے بولا۔

''بابا نے مجھے لندن بھیجنے کا وعدہ کیا تھا۔'' وہ اُمید و بیم لہجے میں بولی۔

''کس لئے؟..... سیر و سیاحت کے لئے یا پڑھنے کے لئے؟'' وہ حیرت سے بولا۔

''پڑھنے کے لئے۔ ایم ایس کے لئے۔ یہ میری وِش ہے۔'' وہ سنجیدگی سے بولی۔

''واؤ۔ مگر لندن اکیلے سروائیو کرنا آپ کے لئے ذرا مشکل ہو جائے گا۔'' وہ بھی سنجیدہ ہو گیا تھا۔

''وہ کیسے؟'' وہ حیرت افزا لہجے میں بولی۔

”وہاں کے آزاد ماحول میں آپ کی ایڈجسٹ منٹ۔ ذرا سوچنے کا مقام ہے۔“
وہ حیان کی مبہم سی بات پر خاموش رہی۔
”شادی کے بعد اپنے شوہر کے ہمراہ جانا بہتر رہے گا۔ ہنی مون اور وہ بھی طویل ہنی مون۔ آئیڈیا کیسا لگا؟“ وہ ذرا سا مسکرا کر بولا تو حرم کے چہرے پر کئی رنگ آئے اور گزر گئے۔ آہستہ سے بولی۔
”آئیڈیا فلاپ ہے۔
”تفصیلاً بتائیے۔“ وہ بات بڑھانے کے لئے بہانے بولا۔
”پہلے آپ کے آئیڈیا کے مطابق شوہر نام کی شے کی تلاش شروع کی جائے۔ نہ جانے یہ دوپایہ کب ملے؟ اگر مل بھی گیا تو ضروری نہیں کہ وہ میرے ساتھ لندن چل پڑے گا۔“ وہ مضحکہ خیز لہجے میں بے اختیاری میں بولی اور اگلے لمحے پسینے میں نہا گئی۔
”جناب! بندۂ خاکی حاضر ہے۔ اسے تو آپ لفٹ نہیں کراتیں۔ رزلٹ آؤٹ ہونے تک تمام تیاری مکمل کر لی جائے تو ولیمے کے اگلے دن لندن روانگی ہو سکتی ہے۔ نیت اور ارادے کا اظہار میں نے کر دیا ہے۔ آپ فیصلہ کیجئے۔ اس کے اختیارات آپ کے ہاتھ میں ہیں۔“ وہ خوشگوار لہجے میں بے باکی سے بولا تو وہ شرم سے انار کی کلی بن گئی۔
’نامحرم کو محرم بنانے کے لئے جتنے پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں، میرے ناتواں بازوؤں میں ایسی ہمت کہاں؟‘ حرم نے دکھ سے سوچا۔ ’مجھے ایسا کرنا چھچھورا پن لگتا ہے۔‘
”کچھ تو بولیے۔“ وہ بے قراری سے بولا۔ ”آپ تو خاموش ہی ہو گئیں۔“
”آپ نے میرے بولنے کی گنجائش ہی نہیں چھوڑی۔ کیا بولوں؟ کیا کہوں؟“ وہ متذبذب لہجے میں بولی۔
”یس..... صرف یس۔ اس کے علاوہ دوسرا لفظ ہرگز نہیں۔ آپ کے منہ سے نکل بھی گیا تو اس کا بھاری کفارہ ادا کرنا پڑے گا۔“ وہ ہٹ دھرمی سے بولا تو حرم پریشان سی ہو کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔ ذہن میں آیا کہ فوراً فون بند کر دے۔ مگر آج دل ہی نہ مانا۔ والد محترم کی طرف سے جھٹکا نہ لگا ہوتا تو شاید سچویشن مختلف ہوتی۔ اسے دس کڑک دار باتیں ایک ہی سانس میں بولتی اور فون بند کر دیتی۔ مگر آج اس کی باتیں سننا اسے بہت اچھا لگ رہا تھا۔
”حرم! میں تمہاری فطرت کو ایک نظر میں پہچان گیا تھا۔ آئی لائیک یو سوچ کہ بیان کرنا چاہوں بھی تو زبان ساتھ دینے سے انکار کر دے۔ تحریر کرنا چاہوں تو قلم ساتھ چھوڑ جائے۔ کیونکہ تمہاری شخصیت ہی ایسی پاکیزہ، سچی اور کھری ہے کہ منہ کھولتے ہوئے زبان لڑکھڑا جائے۔“ وہ رُک رُک کر بول رہا تھا۔ حرم کو اس کے ہر لفظ میں سچائی چھپی ہوئی لگ رہی تھی۔ حرم کی آنکھوں میں نمی سی آ گئی کہ شکر ہے اسے کسی نے تو پہچانا۔
”تمہاری خاموشی کو کیا نام دوں؟“ وہ مسلسل بے تکلفی سے بولے جا رہا تھا۔

''کیا نام دینا چاہتے ہیں؟'' وہ دھیمے پن میں بولی۔

''صرف یس، ہاں، اقرار، اعتراف۔ بس صرف ایک لفظ سننے کا خواہش مند ہوں۔'' وہ التجائیہ لہجے میں بولا۔

'نامحرم کو محرم بنانے کے لئے قربانی تو دینی ہی پڑتی ہے۔' وہ دل ہی دل میں بڑبڑائی۔
'ایثار.....یعنی خود کو مٹا دو۔ زیر کردو'

''حرم! کچھ تو جواب دو۔'' وہ بے تابی سے تڑپا۔

''جواب تو آپ کو سمجھ آجانا چاہئے تھا۔'' وہ خود پر قابو پاتے ہوئے بولی۔

''مجھ میں اتنا شعور کہاں؟'' وہ مسکرا کر بولا۔

''جس لفظ کو سننے کے لئے آپ بے قرار ہیں، اگر وہ جواب نہ ہوتا تو میں پچھلے آدھے گھنٹے سے آپ سے بات کیوں کر رہی ہوتی؟ آپ کی آواز سنتے ہی موبائل آف کر دیتی۔ کیونکہ میرے لئے ایسا کرنا ہی جائز ہے۔'' وہ سنجیدگی سے بولی اور وہ دل ہی دل میں مسکرا دی تھی۔

''یعنی صرف اور صرف یس۔ تم یہی کہنا چاہ رہی ہو نا؟'' وہ ایک دم سے چہک کر بولا۔

''آئی لو یُو حرم! جسٹ بی لیو می۔ آئی لو یُو۔'' آج یہ الفاظ اس کے کانوں میں میٹھا رس گھولنے لگے تھے۔ وہ دل کی تیز دھڑکن پر قابو پانے کی کوشش کرنے لگی۔ مگر ناکامی کی صورت میں اس نے اپنا موبائل آف کر دیا اور دیر تک موبائل کو ٹکٹکی باندھے دیکھتی رہی۔ حیران و پریشان کہ جب رب العزت دلوں کے رُخ بدلنا چاہے تو پہلے وہ ماحول، حالات اور واقعات تخلیق کرتا ہے۔ اور کٹھور دل نرم پڑ جاتا ہے یا نرم دل سخت ہو جاتا ہے۔ اچھے کا گماں بدل جاتا ہے۔ برے کو فوقیت دینے میں مسرت عود کر آتی ہے۔ تمام ارادے ڈھے جاتے ہیں۔ فیصلے بدل جاتے ہیں اور زندگی اِک نئے رستے پر گامزن ہو جاتی ہے۔ کچھ ایسا ہی کھیل میرے ساتھ کھیلا گیا ہے۔

اس نے موبائل کو آن کر کے وقت دیکھا اور طمانیت سے بھرپور مسکراہٹ کے ہمراہ واش روم میں چلی گئی۔ وضو کرتے ہوئے بھی اس کے کانوں میں شیرینی گھلی ہوئی تھی۔ حبان کی باتوں کی اور اس کے اظہارِ محبت کی۔

واش روم سے نکل کر وہ جاء نماز پر کھڑی ہوگئی۔ آج نماز پڑھتے ہوئے خیالات میں مالک کے ساتھ حبان کی شراکت نے عبادت کا مزا کرکرا کر دیا تھا۔ دعا مانگتے ہوئے اس نے اپنے رب سے سوال کیا۔ 'کیا حبان شرک ہے؟ کیا اس کی باتیں مجھے شرک کے قریب لے گئی ہیں؟ یا یہ میری سوچ کی اختراع ہے؟ اس میں، میں قصور وار ہوں کہ ذہن سنبھل نہیں رہا، دل مان نہیں رہا۔ یہ سب کیا ہے؟ میں کس کیفیت میں مبتلا ہو چکی ہوں؟ مجھے صراطِ مستقیم دکھا دے۔

کچھ احساسِ جرم کی اذیت تھی، کچھ دل کے یکسر بدل جانے کی حیرت تھی کہ متذبذب سی

ہو کر اپنے بستر پر لیٹ گئی۔

آج کی شب کروٹیں بدلتے ہی گزر گئی تھی۔ پہلی دفعہ سماعتیں اِک مخالف جنس کی محبت بھری آواز سے روشناس ہوئی تھیں۔

''آئی لو یُو۔ آئی لائیک یُو سو مچ۔''

کانوں میں گونجتے ہوئے یہ دو جملے زندگی کا دھارا بدل دیں گے، اس نے کبھی تصور نہ کیا تھا۔

صبح فجر کی نماز کے بعد اس نے آئینے میں اپنا جائزہ لیا۔ لمبے بالوں کو کیچر میں مقید کرنے کے بعد اس نے بالوں کو سینے پر ڈال کر چمکتے ہوئے سیاہ بالوں کو پُرستائش نظروں سے دیکھا۔ ان پر ملائمت سے ہاتھ پھیرتے ہوئے اس نے اپنی کاجل سے عاری صاف شفاف بادامی آنکھوں کو گھما کر حیرت سے دیکھا۔ آج سے پہلے یہ اتنی حسین نہیں لگی تھیں۔ سیب کی مانند دمکتے ہوئے گلابی گال جن کے دونوں اطراف چھوٹا سا ڈمپل اس کی مسکراہٹ کی وجہ سے نمایاں ہو جایا کرتا تھا، عام سے معلوم ہوتے تھے۔ بھرے ہوئے ہونٹ تو کبھی اس کی توجہ کا مرکز نہ بنے تھے۔ آج چہرے کے خدوخال میں جاذبیت اور جسم کے ہر حصے میں کشش محسوس کرتے ہوئے وہ پھر چونک سی گئی تھی۔

''لگتا ہے مجھے شیطان نے چھو کر دیوانہ کر دیا ہے۔ خوش فہمیوں نے حواس باختہ کر دیا ہے۔ یہ مجھے کیا ہو گیا ہے؟ کیا پسندیدگی اسے کہتے ہیں؟ محبت کا نام دوں اس دل کی دھڑکن کو۔ کچھ سمجھ نہیں آ رہا۔'' وہ خود کلامی کرتی ہوئی آئینے کی طرف پشت کر کے کھڑی ہو گئی۔

□.......○.......□

حرم نے بی اے میں تھرڈ پوزیشن حاصل کی تھی۔ آسیہ نے رزلٹ سنا تو سر گھوم سا گیا۔ ماہم اور ماہا نے خوب مذاق اُڑایا۔ فیضان نے خاموشی میں ہی مصلحت جانی۔ شان نے مبارکباد کے ساتھ اسے تحفہ بھجوا دیا اور اپنی خوشی کے اظہار میں فراخ دلی سے کام لیا۔ حرم کو آج پہلی بار سبکی محسوس ہوئی تھی۔ وہ حبان کو اپنا رزلٹ کیسے بتائے گی؟ وہ گولڈ میڈلسٹ اور یہ ہر کلاس میں 33 نمبروں پر پاس ہونے والی سٹوڈنٹ۔ کوئی جوڑ نہیں تھا۔ وہ اپنے کمرے میں اُداسی و مایوسی کے عالم میں بیٹھی تھی۔ سوچوں کے تانے بانے میں اُلجھی ہوئی کہ موبائل کی رِنگ ٹون پر اُس نے نمبر دیکھا۔ حسبِ توقع حبان ہی تھا۔ وہ اس وقت اس کے کسی سوال کا جواب دینے کے لئے تیار نہیں تھی۔ پرسوں کے بعد آج دوسری بار تو اس کا فون آیا تھا۔ ہر بار کال ریجیکٹ کرنے کے بعد اسے ضمیر نے جھٹکا دے کر بیدار کیا کہ اس سے بڑھ کر اخلاقیات سے گری ہوئی حرکت اور کون سی ہو گی جو میں کر سکتی ہوں؟ اس وقت یہ نازیبا اور شرم ناک حرکت میرے کردار کی پہچان ہے۔ کیا یہ ہے میری اصلیت اور حقیقی رنگ روپ جس پر مجھے بہت مان ہے؟

ذہن میں یہ خیال آتے ہی اسے ایسے لگا جیسے اس کے دو مختلف چہرے ہیں۔ قابل ستائش اور قابل حقارت۔ 'ایسے نہیں ہوسکتا' وہ تڑپ کر بڑبڑائی اور فون آن کر دیا۔

''ہیلو حرم! کونگریچولیشنز۔ آنٹی سے مجھے آپ کا رزلٹ سن کر بے حد خوشی ہوئی۔ ماشاء اللہ فرسٹ ڈویژن کی ایک بار پھر مبارکباد۔'' حبان کے لہجے میں خوشی تھی۔ ''میں نے تمہیں تقریباً بیس بار فون کیا۔ مگر ہر بار نو ریپلائی ملا۔ اپنی خوشیوں میں اس ناچیز کو بھی شامل کر لیجئے جنابِ والا! موصوف کافی صابر اور شاکر واقع ہوئے ہیں۔ آپ بھی سوچتی تو ہوں گی کہ ڈھیٹ انسان سے پالا پڑنے والا ہے۔ گزارہ کیسے ہوگا۔'' وہ چھیڑنے لگا تھا۔

''تھینک یو۔ لیکن میں ایک غلط فہمی کی تصحیح کرنا چاہتی ہوں۔'' وہ سوچتے ہوئے تھوڑے توقف کے بعد بولی۔ ''میں تھرڈ ڈویژن میں مارجن پر پاس ہوئی ہوں۔ ممی نے سننے میں غلطی کی ہوگی جو آپ تک رپورٹ بھی غلط ہی پہنچ گئی۔''

''پھر بھی مبارکباد کی تم حق دار ہو۔'' وہ اچنبھے سے بولا۔ وہ اس کی سچائی پر حیرت میں ڈوب کر رہ گیا۔

''دراصل اسی شرمندگی کی وجہ سے میں آپ کا فون نہیں اُٹھانا چاہتی تھی۔ حالانکہ میں فون ہاتھ میں لئے بیٹھی تھی۔ آئی ایم ایکسٹریملی سوری حبان! انسان کس قدر کمزور ہے۔ اپنی اصلیت اور اپنی حقیقت کا دوسروں کے سامنے انکشاف کرتے ہوئے ندامت اور احساسِ کم مائیگی سے بے دم ہو جاتا ہے اور اس پر لبادہ چڑھانے کے لئے سینکڑوں حیلے بہانوں اور جھوٹ اور چالبازی سے کام لیتا ہے۔ دوسروں کو بے وقوف بنانے میں وہ وقتی طور پر کامیاب تو ہو جاتا ہے مگر اپنی عزتِ نفس، تحریم و وقار اور کروفر کو ہمیشہ کے لئے خیر باد کہہ کر اپنی ریپوٹ کو داغ دار کر لیتا ہے۔'' وہ سنجیدگی سے بولی تو حبان پھر چونک سا گیا۔ ایسی کھری اور سچی لڑکی اس نے آج تک دیکھی ہی نہیں تھی۔ ہزاروں لڑکیوں سے زندگی کے ہر موڑ اور ہر گھڑی میں واسطہ بھی پڑا۔ مگر ایسا بے داغ نگینہ کہیں دیکھنے اور سننے میں نہ آیا تھا۔ اس لڑکی کا تعلق کس مخلوق سے ہے؟ کس جہاں کی یہ باسی ہے؟ وہ مسلسل سوچے جا رہا تھا۔ حرم کی آواز پر وہ واپس پلٹ آیا۔

''حبان! میں جانتی ہوں کہ میری اصلیت معلوم ہونے کے بعد آپ کو اِک دھچکا لگا ہوگا کہ کہاں آپ اور کہاں میں۔ حبان! میں ایسی ہی ہوں۔ مجھے آپ جو بھی نام دیں، وہی مجھ سے میچ کر جائے گا۔'' لہجے میں حد درجے کی طمانیت اور سکون تھا۔ سبکی، بے چینی اور پریشانی کی ہلکی سی جھلک بھی نہ تھی۔

حبان یہ سن کر مزید متذبذب سا ہوگیا۔ بمشکل گویا ہوا۔

''جانِ حرم! تم نے میرے بارے میں تجزیہ کرنے میں تھوڑی زیادتی کر دی ہے۔ میں نے تمہارا ظاہرانہ پن تو دیکھا ہی تھا جس کا گرویدہ ہونے میں مجھے ایک لمحے کے لئے سوچنے

کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی تھی۔ لیکن اس قدر پُرشفاف اور پاکیزہ باطن مجھے پاگل کر دے گا۔ حرم! بعض اوقات خالص خوراک کو ہضم کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اسے didute نہ کیا جائے تو موت بھی واقع ہو سکتی ہے۔ یہی حال میرا ہے جان حرم! مجھے تمہارے باطن میں چھپی ہوئی ان صفات کو قبول کرنے میں اِک وقت لگے گا۔'' اس کے لہجے کی نرمی اور چاہ کی گرمی کی شدت کو محسوس کرتے ہوئے وہ کھو سی گئی۔ سماعتوں میں چاشنی گھولنے والا جانِ حرم بہت بھلا لگا تھا۔ اس کے دل نے سرگوشی کی۔

'گھر کے کسی فرد نے مجھے سمجھنے کی کوشش ہی نہ کی تھی، سوائے بابا کے۔ مگر ان کا ہونا یا نہ ہونا برابر ہی تھا۔ وہ زیادہ تر کاروباری دورے نبھاتے رہتے تھے۔ انہوں نے بچوں کی تمام تر ذمہ داری ممی کے شانوں پر ڈال رکھی تھی۔ ہم بڑے ہوتے گئے، بوجھ بڑھتا گیا اور ممی کے کندھوں میں لچک آنے لگی۔ ذمہ داریوں کے بارے جان چھڑانے کی کاوش میں انہوں نے ہمیں ملازموں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا۔ اس لئے وہ بھی ماں ہونے کے ناطے سمجھنے سے قاصر رہیں۔ ہر وقت کی نصیحتوں میں طاقت نہیں رہی۔ وہ فضیحتوں میں بدل جاتی ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ مجھے دوسروں کا مرہونِ منت ہونا پڑا۔ میرے من میں اچھائیوں، برائیوں، خوبیوں، نیکیوں اور بدی کی ورائٹی پوشیدہ ہے۔ جو موقع و دستور کے مطابق سب کو اپنا دیدار کراتی رہتی ہے۔ اس پر میرا اختیار نہیں۔ میں تو وہ پنچھی ہوں جس نے کشادہ فضاؤں میں پرواز کی اور اکیلے ہی ڈالی ڈالی سے دانہ چُن کر خود کو سیراب کیا۔ ممی میری اس جبلت سے ہی تو اُکتا گئی ہیں کہ مجھ میں دنیا داری، لحاظ داری اور پاس داری کا فقدان ہے۔ حیرت کی بات ہے کہ حبان مجھ سے امپریس ہو رہے ہیں۔ یہ معجزہ کیسے رونما ہوا ہے؟ کچھ سمجھ نہیں آ رہی۔'' وہ گہری سوچ میں چلی گئی۔

''جانِ حرم! کہاں چلی گئی ہو؟ میں نے جو بھی کہا ہے، سچ کہا ہے۔ یقین جانو، تمہیں عارضی خوشی و تسلی دینے کی خاطر ہرگز نہیں کہا۔'' حبان نے سنجیدگی سے کہا تو اس کی آواز پر وہ چونکی۔ کچھ سوچنے لگی تھی۔

''حبان! مجھے احساس ہونے لگا ہے کہ میں آپ کی معمولی سی مختصراً بات پر کھو کیوں جاتی ہوں؟ سوچ میں پڑ جانا، بات کو مروڑ تروڑ کر کسی اور طرف لے جانا اور مثبت سوچ پر نیگیٹوسپٹی کی مہر ثبت کر کے حالات کا دھارا بدلنے کی کوشش کرنا۔ حبان! ان کا شمار خوبیوں کی فہرست میں نہیں آتا۔ میں خطاؤں اور گناہوں کی پُتلی ہوں۔ آپ مجھے اِک مخالف جنس سمجھتے ہوئے انسانی فطرت کے مطابق پرکھ کر فیصلہ کیجئے گا۔ اس وقت حصول کی چاہ میں برائی بھی بھلائی اور خوبی بن کر سامنے آئے گی۔ اور آپ کے ذہن کی وہ نگاہ جو سچائی اور حقیقت کی پہچان رکھتی ہے، بند ہو جائے گی۔'' اس کے لہجے کی صداقت میں پرلے درجے کی مضبوطی تھی۔

حبان سوچ میں پڑ گیا کہ اس کا واسطہ کس سے پڑ گیا ہے؟

'یہ لڑکی یا تو بہت شاطر اور چالباز ہے یا بہت معصوم، نیک طینت اور شریف النفس ہے۔ خود اعتمادی کا تو جواب نہیں اس لڑکی میں'۔ وہ دل ہی دل میں بولا۔

''میرے رزلٹ سے میری لیاقت اور میرے پہناوے سے میرا سلیقہ وطریقہ سمجھنے میں آپ کو مشکل درپیش نہیں آئے گی۔ کیا میں غلط کہہ رہی ہوں؟'' وہ اس کی طرف سے خاموشی کو محسوس کرتے ہوئے بولی۔

''حرم! فی الحال ان باتوں کا موقع نہیں۔ خوشی کے وقت دل افروز باتیں کرتے ہیں۔ کیوں نہ کہیں لنچ کے لئے باہر چلیں۔ لگتا ہے فون ہمارے لئے کافی نہیں رہا۔ آمنے سامنے بیٹھ کر ایک دوسرے کی کچھ سنتے ہیں اور کچھ سناتے ہیں۔ اس بارے میں کیا خیال ہے؟'' وہ سوچتے ہوئے بولا۔ ''اب یہ مت کہئے گا کہ یہ جائز خواہش نہیں۔''

''سوچ کر بتاؤں گی۔'' وہ ذرا سا مسکرادی اور خدا حافظ کہہ کر فون بند کر دیا۔

'یہ چڑیا دانہ چگنے پنجرے میں جانے سے تو رہی۔ ورنہ تم پنجرہ بند کر دو گے اور پھر پَر کاٹ کر پنجرے کا دروازہ کھول دو گے۔ میں شادی کرنے کے لئے تیار ہوں مگر بے مشروط ہو گا ہمارا ملن'۔ وہ مسکراتے ہوئے میز پر رکھی ہوئی ڈرائی فروٹ کی ڈش سے مونگ پھلی اٹھا کر کھانے لگی اور قرآن کریم کھول کر سورۃ النساء اور سورۃ نور کا ترجمہ اور تفسیر پڑھنے لگی۔

□.......○.......□

آسیہ لاؤنج میں خاموش بیٹھی ہوئی تھی۔ شام کی چائے کا وقت تھا۔ اے جی چاچا ابھی تک کچن کی طرف نہیں آیا تھا۔ ہاؤس کیپر بھی غائب تھی۔ وہ الکس سے اُٹھی اور الیکٹرک کیٹل کو آن کر کے مگ میں ٹی بیگ ڈالا۔ جونہی پانی کو اُبال آیا، اُس نے مگ میں پانی انڈیل کر جار سے دو بسکٹ نکال کر پلیٹ میں رکھے اور ایک ٹی سپون پاؤڈر مِلک ڈال کر مگ اور بسکٹ کی پلیٹ اٹھائی اور صوفے پر بیٹھ گئی۔

'اپنے ہاتھ کی چائے میں بھی مزہ نہیں رہا تو اس ڈھلتی ہوئی عمر میں نشہ اور سرور کہاں سے آ سکتا ہے؟ فیضان بھی تو سچے ہیں۔ ان کی عمر بھی تو بڑھتی جارہی ہے۔ بے چارے اب چاؤ چونچلے نہیں کر پاتے تو میں خفا ہو جاتی ہوں۔ وہموں اور خدشوں میں گھر جاتی ہوں۔ ہم جوان بچوں کے والدین ہیں۔ اب ان کا وقت ہے۔ ہمارا وقت بیت گیا۔ بے حد حسین اور دلنشیں تھا۔ پھر میں پیاسی کیوں ہوں؟ یہ جو پیار ہوتا ہے نا، اس کی قسمیں بے حساب ہوتی ہیں۔ جوانی میں تمام قسموں پر ہمارا غلبہ ہوتا ہے۔ مڈل ایج میں تمام قسمیں ہم پر غلبہ پا جاتی ہیں اور ہم بے بس و لاچار دیکھتے رہ جاتے ہیں۔ اور اولڈ ایج تو حسرت و یاس کے سوا اور کیا دے سکتی ہے؟ پچھلے تیس سال گزرنے کا اندازہ ہی نہیں ہوا۔ لیکن جب آئینہ دیکھا تو ہر سال کی چھوٹی بڑی لائنیں چہرے پر مرتسم تھیں تو احساس ہوا کہ جوانی تو اِک پکھیرو کی طرح پرواز کرتی، تھکاوٹ و نقاہت سے چُور ہو کر کہیں کھائیوں کی نذر ہونے والی ہے۔ جہاں سکوت،

خاموشی، تنہائی اور کبھی نہ ختم ہونے والی تاریکی ہے۔'

اے جی کی آواز پر وہ چونکی اور اپنی سوچوں سے باہر نکلتے ہوئے اسے کچھ وقت لگا۔

"بیگم صاحبہ! دیر ہی ہوگئی۔ بے جی مراقبے میں تھیں۔ بھائی کی قبر پر ہوتی ہیں تو پھر کوئی بندہ بشراں کے پاس جانے کی جرأت نہیں کرسکتا۔" وہ جیب سے تعویذ نکالتے ہوئے بولا۔

"انہوں نے حساب کر کے تسلی دی ہے کہ آپ کا کام ہو جائے گا۔ مہمان واپس ضرور آئیں گے۔ اور بیٹی کو انہوں نے دلہن کے روپ میں دیکھا ہے جی۔ بس اب آپ خوش ہو جائیں۔ اس گھر میں شان بھیا کی شہنائیاں بجنے والی ہیں اور حرم بی بی کی ڈولی اُٹھنے والی ہے۔" اس کے لہجے میں امید و آس تھی۔

"حرم کی ڈولی اُٹھے نہ اُٹھے، مجھے اس کی فکر نہیں رہی۔ اگر وہ ذہنی طور پر شادی کے لئے تیار ہی نہیں تو پریشرائز کرنے کا کیا فائدہ؟ کل واپس آنے میں دیر نہیں لگائے گی۔ تم تو اس کی ضد، ہٹ دھرمی اور نافرمانی سے واقف ہی ہو۔ اب میرا رجحان ماہم کی طرف ہو گیا ہے۔ رشتہ پکا ہو جائے۔ شادی دو سال بعد سہی۔" وہ چائے پیتے ہوئے بولی اور تعویذ پکڑ کر مٹھی میں بھینچ لئے کہ کہیں کوئی دیکھ نہ لے۔

"بیگم صاحبہ! اس کا طریقہ میں سمجھائے دیتا ہوں۔" وہ آہستگی سے بولا ہی تھا کہ ماہم کمرے سے باہر نکل آئی۔ آسیہ نے فوراً موضوع بدلا۔

"اے جی چاچا! ماہم باجی کے لئے دودھ لے آؤ۔ چائے پینی چھوڑ دو میری جان! تم نے اپنا اندر تو کوئلہ کر ہی لیا ہے۔ رنگ روپ بھی چائے پر قربان کر دیا ہے۔"

"ممی! اب نمکین complexion کا رواج ہے۔ گورے چٹے سرخ رنگ out dated ہو گئے ہیں۔ میرے complexion پر لڑکیاں رشک کرتی ہیں۔ اب گوری لڑکیاں یعنی میری کلاس فیلوز براؤن میک اپ کرنے لگی ہیں۔ آپ میری طرف سے بے فکر رہیں۔" وہ فخریہ انداز میں بولی۔

"ہاں بھئی۔ زمانہ بدل گیا ہے۔ لوگ بدلے تو پسند بھی بدل گئی۔ دولت کی فراوانی ہوئی تو ذہنی سوچ بدلی اور اصول و قانون بدل گئے۔ مگر بیٹے! ہم نہیں بدلے۔ اگر ہم میں تبدیلی آئی ہے تو وہ قابل فخر ہے۔ قابل مذمت نہیں۔" آسیہ نے پیار بھرے لہجے میں کہا۔ اے جی چاچا، مالکن کے حکم کی تعمیل کرنے کچن کی طرف بڑھ گیا تھا۔

"ماہم! تم سے ایک اشد ضروری بات کرنا چاہتی ہوں۔ پہلے خاموشی سے سننا، پھر اس پر غور و خوض کرنا۔ اس کے بعد اپنا فیصلہ سنانا۔ آج کل کی لڑکیوں میں صبر نام کی کوئی چیز نظر نہیں آتی۔ منہ سے بات نکلی نہیں، اولاد نے فیصلہ پہلے سنا دیا۔ حرم کی مثال ایک نہیں ہزاروں تمہارے سامنے موجود ہیں۔ خود کو ہم سے زیادہ عقلمند تصور کرنے لگی ہیں۔ حالانکہ ہم ان کی عمر میں خاصی سمجھ دار اور تابعدار بچیاں تھیں۔ دھیمے مزاج کی بچیوں کے مقدر بہت تابناک ہوتے

ہیں۔ مجھے تو حرم کے مستقبل کی فکر لاحق ہوگئی ہے۔ اس کے دماغ میں آگ اور شعلوں کا بسیرا ہے۔ اور زبان پر ناتجربہ کار باتوں کے انگارے۔" آسیہ نے چائے پیتے ہوئے کہا تو ماہم نے حیرت سے ماں کی طرف دیکھا۔ آج ان کی باتوں سے ماں نہیں، دادی اور نانی کا گمان ہونے لگا تھا۔

'کیا ہر ماں جوان بیٹیوں کے غم میں وقت سے پہلے دادی بن جاتی ہے؟' وہ سوچ میں پڑ گئی۔

"بات یہ ہے کہ مجھے حبان اور اس کی فیملی بے حد پسند آئی ہے۔ میں اپنا رشتہ و ناطہ ان سے جوڑنا چاہتی ہوں۔ تمہارا اس کے بارے میں کیا خیال ہے؟ لڑکا تو تم نے دیکھ ہی لیا تھا۔" وہ سنجیدگی سے بولی۔

"وہ رشتہ اپیا کے لئے آیا تھا ممی! اپیا کے Rejected رشتے کے بارے میں سوچئے گا بھی نہیں۔" وہ اچنبھے سے بولی۔

"اپیا نے رشتہ رد تو ہرگز نہیں کیا۔ بدقسمتی سے اُنہیں میری اول جلول بچی پسند ہی نہیں آئی۔ اب مکمل طور پر خاموشی ہے اُس طرف سے۔ میرا خیال ہے کہ للی آنٹی سے تمہارا رشتہ ڈالنے کا کہتی ہوں۔ آج کل شادی تعلیم میں رکاوٹ نہیں بنتی۔ میری بے شمار فرینڈز کی بیٹیاں شادی کے بعد بھی اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے، ہاورڈ اور آکسفورڈ سے ڈگری حاصل کرنے جا چکی ہیں بمعہ اپنی فیملی کے۔" وہ ملائمت سے بولی تو ماہم سوچ میں پڑ گئی۔

"اس لئے کہا ہے کہ خوب سوچ سمجھ کر جو بھی فیصلہ کرو گی، ہمیں منظور ہوگا۔ زبردستی اور زور آوری کرنے کے میں سخت خلاف ہوں۔" وہ اس کے ماتھے پر بوسہ دے کر بولی۔

"ممی! کیا شادی کرنا بہت اہم ہے؟" وہ متذبذب سی ہو کر بولی۔

"لگتا ہے اپیا کی باتوں کا تم پر بھی اثر ہو گیا ہے۔ اس نے تو اپنے سیدھے مذہب کو نہ جانے کیسا رنگ دے ڈالا ہے کہ مجھے تو سمجھ نہیں آ رہی کہ اس رنگ میں تبدیلی کیسے لاؤں؟ میں نے تو اس کا معاملہ اللہ پر ہی چھوڑ دیا ہے۔ سخت قسم کی سرپھری اور کم عقل لڑکی ہے۔ شادی ایک اہم فریضہ ہے۔ والدین اس سے جلد از جلد سبکدوش ہونا چاہتے ہیں، یہ لڑکی سن کے نہیں دے رہی۔ تو کیا میں اس کی آمادگی کے انتظار میں تم دونوں کو بھی بوڑھی کر دوں؟" وہ زچ ہو کر بولی۔

"آپ بہت دور چلی گئی ہیں۔ مطمئن رہیں، سب درست ہو جائے گا۔ ذرا سوچئے ممی! کہ جنہوں نے میری بڑی بہن کو ٹھکرا دیا ہے، میں وہاں شادی کرنے کی غلطی تو نہیں کروں گی۔ ہم ایک ہی ماں باپ کی اولاد ہیں۔ یہ تفریق ہمیں ایک دوسرے سے دور کر دے گی ممی! آئی لو ہر۔ وہ جیسی بھی ہیں ممی! وہ جیول ہیں۔ ہیرا ہیں۔ آپ کی باقی دونوں بیٹیوں سے بہت اعلیٰ و ارفع۔ دنیاوی نقطہ نظر سے ان جیسی ناکام لڑکی آپ نے نہیں دیکھی ہوگی۔ مگر ممی! اپیا

بہت پیاری ہیں اپنے رب کی۔ چھوٹی سی عمر میں وہ ذہنی طور پر بہت بڑی ہیں۔ ہائی آئی کیو لیول والے لوگ بالکل اپیا جیسے ہوتے ہیں۔ نڈر، بے خطر اور ناک کی سیدھ میں چلنے والے۔ یا اس کے بالکل برعکس۔ آپ نے انہیں جس طریقے سے ہینڈل کیا ہے، یہ تمام کریڈٹ آپ کو جاتا ہے۔ ممی! آپ میں بہت صبر و تحمل ہے۔ ورنہ وہ دوسرا راستہ بھی اختیار کر سکتی تھیں جو گناہوں کی دلدل کی طرف جاتا۔'' وہ مؤدبانہ انداز میں بولی تو آسیہ نے ایک طویل سرد آہ بھر کر اسے غور سے دیکھا۔ وہ سچ کہہ رہی تھی۔ مگر سچ میں اسے کڑواہٹ محسوس ہوئی تھی۔ کیونکہ حبان نظر انداز کرنے والا لڑکا نہ تھا۔

□......○......□

''فیضان! آپ کی بیٹی اتنے ہفتوں سے آپ سے خفا ہے۔ آپ نے پروا ہی نہیں کی۔ اس نے ڈانٹ کے بعد آپ کے سامنے آنا چھوڑ دیا ہے۔ آپ کو جو رتی بھر احساس ہوا ہو۔ ماہم اور ماہا آپ سے ہر وقت مکھی کی طرح چپکی رہتی ہیں۔ کبھی انہیں ٹوکا نہیں، ڈانٹا نہیں۔ یہ سب نارمل ہے کیا؟ باپ کی پیتا اسی کو تو کہتے ہیں۔ حرم کے لئے اتنا رُوکھا اور ٹھنڈا پن کیوں؟ یہ جانتے اور سمجھتے ہوئے کہ ہماری حرم بہت حساس ہے اور آپ کو بہت چاہتی بھی ہے۔'' آسیہ نے شکایتی انداز میں کہا تو فیضان نادم سے ہو کر اسے دیکھنے لگے۔ کوئی جواب نہ بن پایا تو کاٹ دار لہجے میں بولے۔

''کیا اس نے میرے قریب آنے کی تکلیف گوارا کی ہے جو میں پروا کرتا؟ یہ بچی ہمیشہ سے ہی پرابلم چائلڈ ہے۔ اس کی خُو ہی نرالی ہے۔ I dont like her۔''

''آپ کو کوئی غلط فہمی ہو گئی ہے۔ She is a nice girl۔ اگر کوئی غلطی سرزد ہوئی بھی ہے تو ہم والدین ہیں۔ معاف کرنا ہمارا شیوہ ہے فیضان! آج میری بیٹی کو جا کر منائیں۔ ورنہ میں بھی ناراض ہو جاؤں گی۔'' وہ سنجیدگی سے بولی اور حرم کو بلند آواز سے پکارا۔ وہ پل بھر میں اپنے کمرے سے باہر نکل آئی۔

''پاؤں میں جوتی نہیں، سر پر دوپٹہ نہیں۔ کہاں گیا تمہارا حجاب؟'' فیضان نے نفرت آگین لہجے میں کہا۔

''بابا! شاید آپ بھول گئے ہیں کہ میں گھر میں صرف نوکروں کی موجودگی میں حجاب کرتی ہوں۔ بقیہ وقت میرا ہے۔ آزاد اور بے پروا۔ اپنے پیارے بابا کے سامنے حجاب کیونکر کروں گی؟ جبکہ ماہم اور ماہا تو ہر وقت سلیولیس کپڑوں میں پھرتی نظر آتی ہیں، ان پر قطعاً اعتراض نہیں۔ مجھے لگتا ہے کہ آپ کو مجھے حجاب میں دیکھنے کی عادت ہو گئی ہے۔ کیا سوتے میں بھی حجاب شروع کر دوں؟ بابا! آپ تو ظالم و جابر ہوتے جا رہے ہیں۔'' وہ تڑاخ سے بولی اور دھپ سے ان کی گود میں بیٹھ گئی۔ دونوں بازو ان کے اردگرد حائل کر کے گال پر بوسہ دیا تو فیضان نے تڑپ کر اسے گود سے اٹھانا چاہا۔

''ممی! انہیں سمجھا دیجئے کہ آئندہ مجھے فضول باتوں پر روک ٹوک کی تو پنکھے سے لٹک کر جان دے دوں گی۔ یک دم نہ جانے انہیں کیا ہو گیا ہے کہ مجھے دیکھتے ہی پارہ چڑھ جاتا ہے۔'' وہ ہلکی سی مسکان سے بولے جا رہی تھی۔ اور فیضان کے جسم میں بجلی سی کوند گئی تھی۔ ایک دم سے اُٹھنے کی کوشش کرنے لگے۔ مگر جوان بازوؤں کی گرفت خاصی تنگ اور مضبوط تھی۔ آسیہ باپ بیٹی کی حرکتوں سے محظوظ ہوتے ہوئے وہاں سے اُٹھی اور فیضان کے لئے کافی بنانے لگی۔

''بابا! آپ کو مجھ سے شکوہ کیا ہے؟ آپ جانتے ہیں کہ میں نے پچھلے چار سالوں سے ممی کی ریکویسٹ پر گھر میں حجاب لپیٹ کر پھرنا چھوڑ دیا ہے۔ یہاں سب میرے اپنے ہیں۔ کیا آپ نے میرے کردار میں ٹیڑھا پن دیکھا ہے؟ میری نظر میں کہیں تبدیلی دیکھی ہے؟ بابا! مجھے اپنی عزت و تکریم سے بڑھ کر آپ کی شان اور نام مقدم ہے۔ پھر آپ کو مجھ پر شک کیوں ہونے لگا ہے؟'' وہ گود میں بیٹھی رونے لگی۔

''حرم! ایسی بات ہرگز نہیں۔'' فیضان نے اس کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں لے کر اس کے ماتھے پر بوسہ دیا اور اسے سینے سے بھینچ کر بولے۔ ''حرم! آئندہ اعتراض نہیں کروں گا۔ اپنے گھر میں تم ہمیشہ کی طرح آزاد ہو۔ جس حالت میں رہو، تمہارا حق ہے۔ میں ہی غلطی پر تھا۔ تمہاری زیادہ ہی کیئر کرنے لگا تھا۔ جبکہ تم خود بہت سمجھ دار ہو، دین و دنیا کے اصولوں اور ضابطوں سے باخبر ہو۔ حرم! تم بہت معصوم ہو۔ بہت بھولی بھالی لڑکی ہو۔ اور اپنے بابا کی تو جان ہو نا۔''

''بابا! آپ مجھے نہیں جانتے۔ پاگل ہوں پاگل۔ باؤلی اور سر پھری۔ کتے کاٹے کا علاج ڈاکٹر کے پاس موجود ہے مگر اس باؤلی کے چھونے کا علاج حکیم لقمان کے پاس بھی نہیں ہوگا، کاٹنا تو دور کی بات ہے۔'' وہ کھلکھلا کر ہنسے جا رہی تھی۔ فیضان نے اسے ابھی تک بھینچ رکھا تھا اور وہ خوشی سے پھُولی جا رہی تھی۔

''بابا! آپ کو منانے کا بہت اہم اور سستا سا اصول تو یاد ہوگا۔'' وہ مسرت آگین لہجے میں بولی۔

''اس وقت مجھے سوائے تمہارے کچھ بھی یاد نہیں آ رہا۔'' فیضان نے اس کے لمبے کھلے بالوں میں چہرہ چھپا کر کہا۔

''تو میں یاد دلاتی ہوں۔ بابا! آج مجھے آپ میریٹ ڈنر کے لئے لے کر چلیں گے۔ ورنہ حرم راضی نہیں ہوگی۔ آپ اور میں دونوں اکیلے۔ کیوں بابا جانی! ہم اسی شرط پر راضی ہوا کرتی ہیں۔ ذرا ذہن پر زور تو دیں۔'' وہ اپنے بال سمیٹ کر گود سے اُٹھ گئی۔ فیضان کی آنکھوں میں لالی اُتر آئی تھی اور عجیب سا نشیلا پن ان کے ہوش و حواس پر چھا چکا تھا۔ وہ آنکھیں پھاڑے حرم کو دیکھے جا رہے تھے۔ جنت میں حوریں حرم جیسی ہی ہوں گی۔ میرے گھر

میں میرے سامنے ایک حور موجود ہے جو مجھ پر حلال کر دی گئی ہے۔
''تھینک گاڈ کہ باپ بیٹی کی صُلح تو ہوئی۔ اس بار مقابلہ خاصا سنگین اور جان لیوا تھا کیونکہ دونوں طرف کی تلواریں میان سے باہر تھیں۔'' آسیہ نے کافی کا مگ فیضان کی طرف بڑھاتے ہوئے پُرسکون لہجے میں کہا۔ ''تین دن کے بعد بھی غصہ اور ناراضگی قائم رہے تو وہ مومن نہیں رہتا۔ حرم! تم کیسی مومنہ ہو کہ بابا سے ہفتوں کے لئے ناراض ہو کر بیٹھ گئیں۔ اور فیضان! آپ کو کیا نام دوں؟ بچی کے ساتھ بچہ بن گئے۔''
فیضان نے کافی کا مگ پکڑنے سے انکار کر دیا۔
''آسیہ! مجھے ٹھنڈا پانی چاہیئے۔'' وہ مردنی آواز میں بولے۔
''فیضان! آپ ٹھیک تو ہیں؟'' وہ فکرمندی سے ان کے ماتھے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولی۔ ''کہیں بلڈ پریشر تو ہائی نہیں ہو گیا آپ کا؟ تمام چیک اپ کرائیں۔''
''ایک تو تم فوراً میری ماں بن جاتی ہو۔ خدا کے لئے جان بخشی کرو اور پانی لے کر آؤ۔'' وہ تلخی سے بولے اور بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگے۔
''اپنے بابا کے لئے میں پانی لے کر آتی ہوں۔ ممی! آپ ان کے پاس ہی بیٹھیں۔ بابا سے راضی ہونے کی خوشی ہضم نہیں ہو رہی۔ ہے نا یہ بات؟'' وہ مسکراتے ہوئے ان کے گرے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے بولی۔ ''بابا! اب ہم کبھی بھی ایک دوسرے کی بات پر خفا نہیں ہوں گے۔ اگر معمولی سی غلط فہمی کو فوراً ڈسکس نہ کیا جائے تو وہ ملٹی پلائی ہونے لگتی ہے، کینسر کے کیڑے کی طرح۔ یعنی دو سے چار اور چار سے آٹھ۔''
فیضان نے اس کا ہاتھ پکڑ کر پھر اسے غور سے دیکھا۔ گرمی کے ڈھیلے ڈھالے کپڑوں میں بھی اس کا بدن جوانی کا حُسن بکھیر رہا تھا۔ فیضان نے نظریں جھکا کر خود کو لعنت ملامت کی اور نارمل ہونے کی غرض سے ماہم اور ماہا کو پکارا۔ دونوں کافی دیر بعد اپنے اپنے کمروں سے باہر نکلیں اور بابا کے دائیں بائیں بیٹھ گئیں۔ اور حرم نے مسکراتے ہوئے پانی کا گلاس بابا کے ہاتھ میں تھما دیا۔ فیضان نے ماہم کو بوسہ دیا اور اسے گود میں بیٹھنے کا اشارہ کیا تو ماہا سرعت سے بابا کی گود میں بیٹھ گئی۔ ان کے گلے میں بازوؤں کا دائرہ بنا کر اس نے انہیں چھوٹے بچوں کی طرح پیار کیا۔
''بابا! ماہم کیوں؟..... میں کیوں نہیں؟..... جو سب سے چھوٹا بچہ ہوتا ہے نا، وہ ہمیشہ بے بی ہی رہتا ہے۔ کیوں ممی! جیسے میں آپ کی ابھی بھی گڑیا ہوں۔'' ماہا خوشگوار لہجے میں بولی۔
''تم نے اپنی قد و قامت دیکھی ہے موٹو۔ جنک فوڈ کھانا چھوڑ دو۔ قسم سے تم اپنی عمر سے بہت بڑی لگنے لگی ہو۔ ماہم! تم بھی ابھی سے محتاط ہو جاؤ۔ حرم اپیا کو دیکھو، دُبلی پتلی سادہ اور کھلے لباس میں بھی ماڈل معلوم ہوتی ہے۔ اگر اس نے خود کو حجاب میں نہ چھپا لیا ہوتا تو

رشتوں کی بھرمار ہوتی۔ تم دونوں اپیا سے ہی سبق سیکھ لو۔'' آسیہ نے چھیڑنے کے انداز میں کہا۔

''اپیا انڈر ویٹ ہیں ممی! انہیں سمجھائیں کہ دال چاول اور باجرے کی روٹی میں کیا رکھا ہے؟ بہت جلد جوانی سے ہاتھ دھو بیٹھیں گی۔'' ماہم نے حرم کی طرف دیکھ کر فکرمندی سے کہا۔

فیضان کی نگاہیں پھر سے بے اختیاری میں اس کی جانب اُٹھ گئیں۔

'تم میرے لئے کیوں آزمائش بننے چلی ہو؟ میری آنکھوں سے دُور ہو جاؤ' فیضان نے دل میں تڑپ کر سوچا اور ماہا کو گود سے اٹھا دیا۔ ماہا اور حرم کے گود میں بیٹھنے کے زمین و آسمان کے فرق نے انہیں مزید مضطرب کر دیا تھا۔ جبکہ ماہم اور ماہا گھر میں ہمیشہ جینز اور سلیولیس ٹی شرٹ میں نظر آیا کرتی تھیں۔ کبھی نظریں بے قابو نہ ہوئی تھیں۔ حرم عبایا جیسے کھلے لباس میں بھی ذہن و قلب اور نظروں میں چڑھ گئی تھی۔ انسانیت سے شیطانیت تک کا سفر انہوں نے پلک جھپکتے ہی طے کر لیا تھا۔ انہیں اس سرعت اور تیزی پر یقین نہیں آ رہا تھا کہ وہ اس قدر کمزور، لاچار اور بے دم ثابت ہوں گے کہ جس بچی کو انہوں نے گھٹی دی، اس کے کانوں میں اذان دی اور باپ کے شفقت بھرے ہاتھوں سے اٹھا کر اسے سینے سے لگایا تھا، اس معصوم کی بے بسی اور لاوارثی دیکھ کر ان کی آنکھیں برس اُٹھی تھیں اور اس کی رحم دلی و ترس میں وہ ہمیشہ ان کی آنکھ کا تارا بن کر پروان چڑھتی رہی۔ انہوں نے پھر نظریں اٹھا کر حرم کی طرف دیکھا کہ شاید اس بار دل میں میل نہ آئے۔ مگر ایسا نہ ہوا تھا۔ تڑپ کر سوچنے لگے۔

'اس کے لئے راتوں میں آسیہ کے ساتھ مل کر بانہوں کے جھولے بنائے تھے میں نے۔ کیا گزرا ہوا حسین اور مقدس وقت بھول گئے ہو؟...... تم نے اسے اپنے اور آسیہ کے درمیان سلایا تھا۔ جبکہ اپنے بچے دوسرے کمرے میں کاٹ میں آیا کی نگہداشت میں سویا کرتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ میرے لاڈ پیار اور چاؤ چونچلوں نے اسے خودسر اور ضدی بنانے میں خوب مہارت دکھائی تھی۔ ایسا پیار چاروں میں سے صرف اسے ہی نصیب تھا۔ میری مصروفیت کے باوجود۔ تھکن اور اُکتاہٹ کے باوجود۔ کیا میں نے وہ چاہت، لگاوٹ اور اُلفت آج کے لئے کی تھی؟'

وہ خاموش بیٹھے خود سے سوال کئے جا رہے تھے۔ آسیہ بیٹیوں کے ساتھ چھیڑ خانیاں کرنے میں مگن تھی۔ آج فیضان کا ساتھ نہ تھا مگر ان کی گھورتی ہوئی آنکھیں ان کا تعاقب کر رہی تھیں۔

''بابا! ہنس کر دکھائیں۔'' حرم نے محسوس کرتے ہی ان کے قریب کھڑے ہو کر کہا۔ ''بابا! آپ خوش نہیں لگ رہے۔ کیا بات ہے؟''

''لیومی الون۔ کچھ مسائل ایسے ہوتے ہیں کہ کسی سے شیئر کرنے سے بڑھ جاتے ہیں۔ آئندہ پوچھنے کی غلطی مت کرنا۔'' انہوں نے اس سے نظریں چراتے ہوئے سرد مہری سے کہا

اور نقاہت سے صوفے سے اٹھے اور بوجھل قدموں سے اپنے کمرے کی طرف چل دیئے۔
ماں بیٹیاں انہیں حیرت وتجسس سے دیکھنے لگیں۔

''ممی! پاپا کے دماغ میں کچھ چل رہا ہے۔'' حرم نے اضطراری کیفیت میں کہا۔ ''ذرا سا بہتر ہو جائیں، پھر میں ان سے معلوم کرنے کی کوشش کروں گی۔'' وہ خوداعتمادی سے بولی۔

''فی الحال مجھے کوئی شوق نہیں ان کا بگڑا ہوا موڈ دیکھنے کا اور فضولیات سننے کا۔ تم تینوں ہی جاننے کی کوشش کرو۔ پچھلے کئی مہینوں سے یہی حال ہے۔ مجھے تو تمہارے باپ کی تُند مزاجی اور زبان درازی کی قطعاً عادت نہیں۔ سب غور سے سن لیں کہ مجھے چند ہفتوں بعد ہی کسی سائیکاٹرسٹ کے مشورے کی ضرورت پڑنے والی ہے۔ کیونکہ میرے صبر کا پیمانہ لبریز ہوتا جا رہا ہے۔'' آسیہ زِچ ہو کر بولی تو تینوں بیٹیاں اس کے اردگرد بیٹھ کر اسے تسلی وتشفی دینے لگیں۔

□.......○.......□

''لتی! میں تم سے کتنی بار التجا کر چکی ہوں کہ اگر حرم پسند نہیں آئی تو ماہم کی بات کرو۔ ہر بار سینکڑوں بہانے اور بیسیوں نخرے۔ مسئلہ کیا ہے؟ کچھ تو منہ سے پھوٹو۔ تم بھی دغا دینے کے لئے پَر تولنے لگی ہو۔'' آسیہ نے خفگی سے کہا۔

''آتے ہی میری کلاس لینے پر تُل گئی ہو۔ بیٹھو تو۔ ٹھنڈا پیو اور مزاج کو دھیما کرو۔ پھر تفصیلاً اس موضوع پر گفتگو ہو سکے گی۔ اس وقت تو ہر موزوں اور مناسب مشورہ بھی تمہیں فضول اور بے ہودہ لگے گا۔'' لتی نے اسے کندھوں سے دبا کر بیٹھنے کو کہا تو وہ صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولی۔

''مجھے کچھ نہیں پینا۔ اِدھر بیٹھو اور مجھے بتاؤ کہ کیا انہوں نے ماہم کو بھی ریجیکٹ کر دیا ہے؟ اگر ایسا ہے تو نیور مائنڈ۔ کم از کم میرے سامنے ایک کلیئر تصویر تو آ جائے گی۔ آس و امید کا دوسرا نام ہے نادانی اور خود کو بے وقوف بنانا۔''

''ایسی بات ہرگز نہیں۔ عارفہ کو میرا مشورہ بہت پسند آیا ہے۔ مسئلہ حبان کا ہے۔ وہ حرم کو پسند کر چکا ہے۔ مگر عارفہ اپنی ضد پر قائم ہے۔ مجھے ایک راستہ سجھائی دیا ہے۔ اگر تم آمادہ ہو جاؤ تو......'' وہ رازداری کے انداز میں بولی۔

''ایک تم پہیلیاں بوجھوانے سے باز نہیں آتی۔'' آسیہ نے زِچ ہو کر کہا۔ ''اگر حرم کی قسمت کا فیصلہ میرے حق میں کر دو تو حبان، ماہم کے لئے مان جائے گا۔ نہ رہے گا بانس نہ بجے گی بانسری۔ اور تم دو بیٹیوں کی ذمہ داریوں سے پل بھر میں فارغ ہو جاؤ گی۔ یہ بیٹیاں پاؤں کی بیڑیاں ہی تو ہوتی ہیں۔ مگر حرم اور فیضان اور پھر سب سے بڑا شان میری جان عذاب میں ڈال دیں گے۔ ناممکن کو ممکن بنانا، اِٹ اِز امپاسیبل لتی! اب سمجھی کہ تم اپنے من میں جو پلان بنائے بیٹھی ہو، سراسر بے وقوفانہ ہونے کی وجہ سے تم نے چپ سادھ رکھی ہے۔

اگر حبان کو میری حرم پسند آ گئی ہے تو اکلوتا بیٹا ہونے کی وجہ سے ایک دن ماں کو منا لے گا۔"
وہ غصے پر قابو پاتے ہوئے بولی۔ "ہمیں انتظار کرنا چاہئے۔ ماہم نہیں تو حرم ہی سہی۔ دونوں صورتیں مجھے قبول ہیں۔" وہ مستحکم لہجے میں بولی۔

"آسیہ پلیز میری التجا پر غور وخوض کرو۔ سودا گھاٹے کا نہیں۔ میرا تم سے وعدہ ہے، بیٹے کو کلمہ پڑھانا، قرآن پاک کی تعلیم دینا میرا کام ہے۔ بلکہ اہم فرض سمجھتی ہوں۔ میرے دوسرے بیٹے اور بیٹی کے لئے بھی مسلم ساتھی ہی چاہئیں۔ جب میں تین مسلمان خاندانوں میں رشتے جوڑ لوں گی تو ان کا باپ تو کیا، ان کا دادا پڑدادا بھی مسلمان ہونے میں چیں بچیں نہیں کریں گے، شرطیہ۔" للی نے پُرامید لہجے میں کہا۔ "آسیہ! اس نیک کام میں تمہارا ساتھ ہوا تو کامیابی ہی کامیابی ہے۔"

"پہلے خود تو کلمہ پڑھ لو اور واپس اسلامی عقائد اور قانون و اصولوں کو اپنا کر مسلمان ہونے کا دعویٰ کرو۔ اور اپنے پیدائشی نام ایمان سے تم ہر جگہ پہچانی جاؤ۔ ورنہ مسلم گھرانے میں قدم رکھنے کی جرأت نہ کرنا۔ مسلمان چاہے کتنا ہی عیاش کیوں نہ ہو، بے دین نہیں ہوتا۔ اپنی نسل کو غیر مذہب کے نام سے چلانے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔" وہ سختی سے بولی۔

"آسیہ! میرے مسلمان ہونے کا اعلان ضرور ہوگا۔ مگر ابھی نہیں۔ بچوں کی شادیوں کے بعد کی امید رکھو۔ ایسا ہو کر رہے گا۔ ورنہ اپنے بچوں کے رشتے انہی کی کمیونٹی میں کرتی۔" وہ نہایت احتراماً بولی۔ "میرا مذہب بہت اعلیٰ، پُرامن اور حسین ہے۔ آسیہ! جب آنکھوں پر محبت کی پٹی بندھ جاتی ہے تو اندھے پن میں کچھ نظر نہیں آتا۔ اور کان وہی سننے لگتے ہیں جو دل چاہتا ہو۔ مگر میں اس وقت بھی اسی پیار کے ہاتھوں مجبور اور بے بس ہوں کہ اپنی محبت سے دغا نہیں کر سکتی۔ میں روزِ حشر اپنی فیملی کو اپنے پیارے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے گروپ میں دیکھنے کی خواہش مند ہوں۔ شاید میرے اس عمل سے مجھے میرا رب معاف فرما دے اور میرے رسولؐ جن کی فراخ دلی اور عفو و درگزر کی داستانیں مشہور ہیں، میری شفاعت فرما دیں۔"

یہ سن کر آسیہ کا دل پسیج گیا۔ دل ہی دل میں جوڑ توڑ کرنے لگی۔ حرم کسی غلیظ خون کی پیداوار لگنے لگی۔

"للی! تمہارا راسخ عقیدہ اور ایمان ابھی تک زندہ ہے۔ میں تو بہت امپریس ہو گئی ہوں۔ مجھے کوئی رستہ نکالنا پڑے گا، اسلامی نقطہ نظر کے مطابق۔ کیونکہ میری بیٹی کی دینی معلومات کے سامنے ہم سب ہار جاتے ہیں۔ بے شک اس کا بچپن حصولِ رزق کی خاطر کوشاں مولوی حضرات کی تدریس میں گزرا ہے۔ لیکن اسے کھوج لگانے، مزید کریدنے کی حِس کو بڑھانے اور راہِ راست دکھانے والے بھی یہی حضرات ہیں۔ اس لئے میں کسی دن موقع محل دیکھ کر اس سے بات ضرور کروں گی۔ اسے سوچنے سمجھنے اور اقرار کرنے کے لئے

طویل وقت چاہئے ہوگا۔ یہ اس کی بچپن کی عادت ہے۔تم جانتی ہو کہ اس سے بات منوانا اتنا آسان نہیں۔'' وہ اسے سمجھاتے ہوئے بولی۔ اتنی دیر میں ملازم چائے کی ٹرالی لے کر پہنچ گیا۔آسیہ نے پانی کا گلاس ایک ہی سانس میں پی لیا۔

''للی! اس بات کا ذکر کسی اور دوست سے مت کرنا۔ ایسا نہ ہو دس مشوروں اور نصیحتوں میں آ کر ہم فیصلہ غلط کر بیٹھیں۔'' وہ اضطراری کیفیت میں بولی۔

''مجھے تو کچھ بھی فرق پڑنے والا نہیں۔تم پکی رہنا۔ ہمیں اپنے مفاد کو مدِنظر رکھنا چاہئے۔ ہم دونوں کا مفاد اسی میں ہے۔للی نے ذو معنی بات کی تو آسیہ قدرے چونکی۔

''للی! میری حرم کے لئے رشتوں کی کمی نہیں۔ مجھے حبان بہت پسند آیا ہے۔ میں اسے کھونا نہیں چاہتی اور تمہارے ایمان کی استقامت میں تمہارا ساتھ دینا چاہتی ہوں۔ ورنہ حرم کا مسئلہ نہیں۔کوئی دیندار لڑکا اسے کیوں نہیں ملے گا۔ایسی بھی بات نہیں۔'' وہ قدرے اُلجھ سی گئی۔

''یار! جانتی ہوں تمہاری کنسرن کو۔ میری جان! اگلے دو رشتوں کی تلاش کی ذمہ داری بھی تم پر ہی ہے۔ دوست ہونے کے علاوہ میرا ہر رشتہ تم سے ہی وابستہ ہے۔ میں تم پر بہت ڈی پینڈ کرتی ہوں۔'' وہ بھرّائی ہوئی آواز میں بولی۔

''پریشان کیوں ہوتی ہو؟ تم جانتی ہو کہ اس بھری دنیا میں جسے میں نے بیسٹ فرینڈ مانا ہے، وہ صرف تم ہی تو ہو۔ ورنہ اپنی بچی کا رشتہ غیر مذہب میں کرنے کا تصور بھی نہ کرتی۔ یہ اتنا بڑا قدم تمہارے پیار اور لگاوٹ کی وجہ سے اُٹھانے جا رہی ہوں۔'' وہ اسے تسلی دیتے ہوئے بولی تو وہ ایک دم سے خوش نظر آنے لگی۔اور آسیہ ٹھنڈا پیتے ہوئے گہری سوچ میں بھٹکتے ہوئے راستہ ڈھونڈنے لگی۔

□.......○.......□

''ہیلو حرم! تم کہاں ہو؟ اتنے دنوں سے فون بھی اٹینڈ نہیں کر رہی۔تم ٹھیک تو ہو؟'' حبان نے حرم کے ہیلو کہتے ہی سوالات کی بھرمار کر دی۔

''میں گھر پر ہی ہوں۔طبیعت کچھ درست نہیں تھی۔'' وہ سنجیدگی سے بولی۔

''طبیعت خراب تھی یا مزاج؟'' وہ ہنستے ہوئے بولا۔ ''کیونکہ مزاج کی خرابی میں کسی سے بات کرنے کو دل نہیں چاہتا۔ جبکہ طبیعت ناساز ہو تو من چاہتا ہے کہ تیمارداری کرنے والوں کی قطار لگ جائے۔جس میں حبان سرفہرست ہو۔''

''بہت خوش فہمی ہے آپ کو۔'' وہ بھی ذرا سا مسکرائی۔

''بھئی جب دوسری طرف سے حوصلہ افزائی اور پذیرائی کی خوش کُن لہریں میرے قلب و ذہن سے ٹکرائیں گی تو آٹو میٹکلی خوش فہمی اور خوش خیالی کی فضا جنم لے گی۔اور زندگی امید و آس کی بیساکھی تھامے گزرتے ہوئی کس قدر جانفزا معلوم ہونے لگتی ہے۔حرم! مجھے تمہیں پا

لینے کی چاہ نے بہت مسرت بخشی ہے۔ جب تمہیں اپنی زندگی کا اوّلین حصہ بنانے میں کامیاب ہو گیا تو سوچتا ہوں کہ کہیں خوشی میں مر ہی نہ جاؤں۔'' وہ مسرت آگین لہجے میں بولا۔

''پلیز مجھ سے ایسی بے وقعت باتیں مت کریں۔''

''خوشامد اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں۔ اس لئے وہی بولیے جو آپ نے مجھ میں دیکھا اور پایا۔ میں اس ضمن میں آپ کو کسی خوش فہمی میں مبتلا نہیں کرنا چاہتی۔ ہم دونوں ایک دوسرے کو قطعاً نہیں جانتے۔ اس لئے میرے بارے میں قیاس آرائیوں سے پرہیز کیجئے۔'' وہ سرد مہری سے بولی۔

''بے جا تعریف، کسی غرض کی خاطر زمین و آسمان کے قلابے ملانے کو خوشامد کہتے ہیں۔ اصلیت کو پُرستائش لفظوں میں بیان کرنے کو صداقت اور حقیقت کا نام دینا بے جا نہیں ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ ایک دوسرے کو جاننے کے لئے میں فون کا سہارا لیتا ہوں۔ ملنے اور بات چیت کرنے میں بھی کوئی ہرج نہیں سمجھتا۔ میں ان ملاقاتوں کو ڈیٹ کا نام ہرگز نہیں دوں گا۔ کیونکہ میں فلرٹ کرنے کو اپنی غیرت اور مردانگی کا بہت گہرا داغ سمجھتا ہوں جو آبِ زم زم سے بھی نہ اُترے۔ اور پھر تم جیسی مقدس و پاکیزہ لڑکی کے ساتھ ایسی ستم ظریفی اور بے انصافی مجھے عمر بھر کے لئے ذہنی طور پر مفلوج کر دے گی۔ میرا مقصد سمجھنے کی کوشش کرو۔ تم مجھے پرکھو اور میں تمہیں جانوں۔ تاکہ ہماری زندگی کا نیا سفر خوشگوار اور دلنشین ہو۔''

''آپ نے درست فرمایا۔ منگنی کا مقصد یہی ہوتا ہے۔'' وہ رُک رُک کر بولی۔ ''میں اسے ضروری سمجھتی ہوں۔ کیونکہ منگنی ایسا عارضی سا کمزور بندھن ہے کہ انڈر اسٹینڈنگ نہ ہونے کی صورت میں کنارہ کشی اختیار کرنا محال نہیں ہوتا۔ اور پھر میل جول میں کسی چوری چکاری کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ سرعام ملنے میں دوسروں کے سامنے سبکی محسوس ہوگی۔ نہ ہی میں خود کو گناہگار تصور کرتے ہوئے چھوٹا سمجھوں گی۔ کیونکہ میرا خیال ہے ہمارے ملنے جُلنے کو ہمارا معاشرہ، تہذیب اور دین مثبت رنگ دے گا۔'' وہ سنجیدگی سے بولی تو وہ خاموش ہو گیا۔ وہ اسے کیا بتاتا کہ وہ خود بھی ایسا ہی چاہتا ہے۔ مگر اپنی اماں کو رضامند کیسے کرے جو حرم تو کیا اس کے خاندان کا نام میری زبان سے سننے کی روادار نہیں ہیں۔

''کیا میں نے کچھ غلط کہہ دیا ہے؟'' وہ حیرت سے بولی۔

''ہرگز نہیں۔'' وہ بے ساختہ بولا۔ ''آج آفس کے بعد تمہارے گھر آنٹی سے ملنے آ رہا ہوں۔ مجھے منع کرنے کی قطعاً ضرورت نہیں۔ میں تمہیں ملنے نہیں آ رہا۔ ہاں چائے کے لئے ڈرائنگ روم تک آنا تو تمہارا فرض ہے۔ کیونکہ تمہارا شمار بھی تو میزبان کے زمرے میں آتا ہے۔'' وہ شگفتہ لہجے میں بولا۔

''ویسے آپ بہانے ڈھونڈنے میں بے مثال ہیں۔ جہاں تک انڈر اسٹینڈنگ کا تعلق

ہے، اتنا سا تو میں آپ کو سمجھ چکی ہوں۔'' وہ بھی ہنستے ہوئے بولی۔

''تو پھر شام ساڑھے پانچ بجے بندۂ خاکی حاضر ہو جائے گا۔ آنٹی کو انفارم کرنے کی ضرورت اس لئے نہیں کہ بعض اوقات کسی ناگہانی آفت کے وارد ہونے کی وجہ سے پروگرام کا ستیاناس ہو جاتا ہے۔ اور میزبان انتظار کی اذیتوں سے گزرتے ہوئے دس گالیاں دے ڈالتا ہے۔'' وہ شوخی سے بولے جا رہا تھا تو حرم اپنی قست پر نازاں سی ہو کر رہ گئی اور دھیمی سی آواز میں کہہ کر کپڑوں کی الماری کھول کر کھڑی ہو گئی۔ کپڑوں کے ہینگرز آگے پیچھے کرتے ہوئے اسے پہلی بار احساس ہوا کہ چند سال پہلے اس نے والدین کے کہنے پر ملازموں کی بیٹیوں کے کپڑے پہننے تو چھوڑ دیئے تھے مگر اپنے لباس کو پھر بھی اہم نہ سمجھا۔ کھلتے اور شوخ رنگوں کو پہننے سے پرہیز کیا۔ آج دل نے ایسی کافرانہ انگڑائی لی تھی کہ موسم بہار میں کھلنے والے تمام پھولوں کو سر سے لے کر پاؤں تک لباس کی صورت میں زیب تن کرنے کو دل چاہ رہا تھا۔ ہونٹوں پر دلنشین مسکان کے ساتھ گلاب کی پنکھڑیاں سجانے اور آنکھوں میں کالے بادل اُتارنے کی آرزو جاگی تھی۔ سیاہ ناگن کی طرح بل کھاتی ہوئی چٹیا کو اس نے کھول کر برش کیا اور سرعت سے ماہم کے کمرے کی طرف چلی گئی اور وارڈ روب کھول کر کھڑی ہو گئی۔ حیا ن دل میں سمایا تو دیکھنے کا انداز اور پرکھنے اور پسند کا طریقہ ہی بدل گیا۔ گنگناتے ہوئے اس نے ماہم کا برینڈ نیو لانگ فراک اور چوڑی دار پاجامہ نکالا۔ آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر اس نے ڈریس اپنے ساتھ لگایا۔ پہلی بار پنک رنگ کو اپنے چہرے کے ساتھ میچ ہوتے دیکھ کر وہ چونک گئی۔ وہ کب جوان ہوئی اور اس کا رنگ روپ کب نکھرا تھا؟ وہ سوچتے ہوئے بڑبڑائی۔

'آج ممی کو اتنا بڑا سرپرائز دوں گی کہ وہ تھوڑی دیر کے لئے حواس باختہ ہو کر رہ جائیں گی ان کی دلی خواہش جو میں آٹھ نو سال کی عمر سے سن رہی ہوں کہ یہ جو تم کالے، براؤن اور گرے رنگ کے کپڑے پہنتی ہو تمہیں سوٹ نہیں کرتے۔ ایسے رنگ پہننے کی تو میری عمر ہے۔ تم میں تو بوڑھی روح سما گئی ہے۔ یہ عمر تو حسین رنگوں سے محظوظ ہونے کی ہے۔' وہ جھومتی ہوئی ڈریسنگ ٹیبل سے لپ اسٹک اور کاجل اٹھا کر اپنے کمرے میں آ گئی۔

تیار ہو کر اس نے آئینے میں اپنا جائزہ لیا۔ اسے خود کو پہچاننے میں بھی حیرت ہوئی اور ندامت بھی بے تحاشا ہوئی۔ اپنا پاکیزہ اور کنوارہ حُسن اسے حیران کرنے اور نوک پلک سنوارنا، وہ بھی ایک نامحرم کے لئے، شرم سے پانی پانی ہی تو ہو گئی۔

وہ نگاہیں نیچی کئے اپنے لمبے بالوں میں غیر ارادی طور پر مسلسل برش کرتے ہوئے سوچنے لگی کہ اس کی یہ حالت اس کے گھر والوں سے ہضم ہو سکے گی یا نہیں۔

گھر میں سوائے آسیہ کے اور کوئی موجود نہ تھا۔ فیضان حسب معمول آفس میں اور ماہم اور ماہا کالج سے ابھی تک واپس نہ آئی تھی۔

پانچ بجے حرم نے شفون کے دوپٹے کو سر پر ڈال کر ایک بار پھر خود پر تنقید سے بھرپور نظر

ڈالی کہ اس نے حبان کے لئے خود کو کیوں سنوارا ہے۔ قدِ آدم آئینے نے اس کے حُسن کی پذیرائی میں فراخ دلی دکھائی تو وہ اگلے لمحے خود کو پُر ستائش نظروں سے دیکھتے ہوئے ایڑی پر گھوم گئی اور دوپٹے کو اپنے اردگرد پھیلا کر ماہ کی تین انچ ہیل کی جوتی پہن کر کمرے سے باہر نکل گئی۔ اپنے شوق و جذبے کی اس تبدیلی کو وہ قبول کر چکی تھی اس لئے چال میں خود اعتمادی کی جھلک نمایاں تھی۔ اس نے ماں کے کمرے کے بند دروازے پر ہلکی سی دستک دی۔

''یس پلیز۔'' کی آواز پر وہ حیران سی ہوتی دروازہ کھولنے لگی۔ سامنے ہی فیضان کھڑے تھے۔

''بابا! آج آپ اس وقت گھر کیسے؟......سورج مغرب کے بجائے مشرق میں ڈوبنے جا رہا ہے۔'' وہ پیار سے مغلوب ہو کر بولی۔ ''بابا! آپ کی بیٹی کیسی لگ رہی ہے؟......عجیب اور انوکھی سی۔ ہے نا یہ بات؟'' اس نے خود ہی سوال کیا اور انہیں خاموش دیکھ کر خود ہی جواب دیا۔ وہ اسے حیرت سے سر سے پاؤں تک گھورے جا رہے تھے۔ اپنی مردانہ بے لگام حِس پر قابو پا کر سر جھکا سا لیا۔

''بابا! ماہم کے کپڑے چوری کئے ہیں۔'' وہ انہیں کھویا ہوا دیکھ کر بولی۔ ''آپ کو مجھے اس حالت میں دیکھنے کی عادت ڈالنا ہو گی۔ آخر بابا! میں بڑی ہو گئی ہوں۔ میری ممی کہاں ہیں؟ آج انہیں ہی تو سرپرائز دینا چاہ رہی تھی اور سرپرائز دے ڈالا آپ کو۔ اب حیرت کے سمندر سے نکل آیئے بابا جانی!''

آسیہ ماہم اور ماہا کے ساتھ شاپنگ کے لئے نکل گئی ہے۔'' انہوں نے منہ دوسری طرف پھیر کر مردنی آواز میں کہا۔ ''تم اپنے کمرے میں جاؤ۔ وہ آتی ہی ہوں گی۔ جاؤ یہاں سے۔''

''بابا! آپ کی طبیعت مجھے درست نہیں لگ رہی۔'' وہ قریب جا کر فکرمندانہ لہجے میں بولی اور ان کی پیشانی پر ہاتھ رکھ کر اپنا سر ان کے کندھے سے ٹکا دیا۔

''بابا! آپ آرام کریں۔ میں آپ کے لئے ٹھنڈی لسی لے کر آتی ہوں۔ آج کل گرمی بھی تو زوروں پر ہے۔ دوسرا آپ دن رات کی مصروفیت میں ڈل سے پڑ گئے ہیں۔ تو مجھے دیکھ کر ہی خوش اور تروتازہ ہونا چاہئے۔ بابا! آپ کی شوخی و شرارت اور چھیڑ خانیوں کو کسی دشمن حاسد کی نظر لگ گئی ہے۔ ممی بھی بہت اُداس اور رنجیدہ نظر آنے لگی ہیں۔ آپ کی حرم کا فکرمند رہنا تو فطری جذبہ ہے نا بابا!'' وہ انہیں بوسہ دے کر بولی۔

''بیٹا! زندگی کی گھڑی کی سُوئیاں ہر پل اپنی جگہ بدلتی رہتی ہیں۔ ہر سانس کے ساتھ تبدیلی لازم ہے۔ کچھ ایسا ہی حال ہے تمہارے بابا کا۔'' وہ اس کی طرف دیکھے بغیر ہی بولے۔ ''ٹھیک ہو جاؤں گا۔ اللہ کرے کسی توڑ پھوڑ اور تباہی و بربادی سے پہلے ہی مزاج ٹھکانے پر آ جائے۔ جب اپنی جبلت کے برعکس چلنے کی کوشش کریں اور نیچر کے خلاف فیصلے کریں تو مشکلات کا سامنا تو کرنا ہی پڑتا ہے۔ کچھ ایسے ہی مسائل میں گھر سا گیا ہوں جو

اپنے معاشرے کے اصول و قانون کے مطابق درست نہیں ہیں۔ سراسر ندامت و رسوائی ہے۔''

''بابا! میں سمجھی نہیں۔'' وہ حیرت سے بولی۔ ''مسئلہ کیا ہے؟ مجھے بتایئے نا۔ کیا آپ اپنی حرم کو اس قابل نہیں سمجھتے؟ بابا! آپ مجھ سے دور ہوتے جا رہے ہیں۔ آپ کی نگاہوں میں خفگی ہے۔ آپ کے چہرے پر ملامت کی پرچھائیاں ہیں۔ آپ نے مجھ سے دین کے بارے میں گفتگو کرنا چھوڑ دی ہے۔ گھر کی فضا میں پراسراریت اور شیطانیت رچی بسی ہوئی ہے جو سب کے مزاج پر حاوی ہو چکی ہے۔ بابا! ایسا کیوں ہے؟...... مجھے اپنی پریشانی بتایئے۔ باپ بیٹی حل نکالنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ آج ہمارے درمیان ہمیں کوئی دوسرا ڈسٹرب کرنے والا بھی موجود نہیں۔''

وہ ان کے کندھے پر دونوں بازو رکھ کر محبت آگین لہجے میں بولی تو فیضان ایک جھٹکے سے اس سے دور ہو گئے۔

''میں نے کتنی بار کہا ہے کہ تم اب بڑی ہو گئی ہو۔ تمہارا اسلام اس کے بارے میں کیا کہتا ہے؟'' وہ درشتی و سختی سے بولے اور ٹائی درست کیے بغیر بلیزر کندھوں پر ڈالا اور سرعت سے باہر نکل گئے۔ وہ بھی حیران و پریشان پیچھے لپکی۔ مگر وہ جا چکے تھے۔

ڈور بیل کی آواز پر وہ چونکی۔

'گھر میں کوئی نہیں۔ اب یہ جناب بھی پہنچ گئے ہیں۔ میں کیا کروں گی ان کا؟' وہ بڑبڑاتی ہوئی دروازہ کھول کر باہر نکل گئی۔ حبان پورچ میں گلاب کی آدھ کھلی کلیوں کا گلدستہ لئے کھڑا تھا۔

اپنے سامنے جاندار، تروتازہ کلی کو دیکھ کر مسکرا دیا۔

'It is concidence۔ کیسی میچنگ ہے اس گلدستے سے۔ میرا مالک یہاں سے مجھے کبھی خالی نہیں لوٹائے گا۔ یہ لڑکی میرے نصیب میں لکھ دی گئی ہے۔ اور آج اس قدر جاذب نظر لگ رہی ہے۔ کیا میری آمد کی خوشی میں یہ تبدیلی رونما ہوئی ہے یا عام زندگی میں حرم اس روپ میں بھی ہوتی ہے؟ ابھی تو میں اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتا' وہ سوچتے ہوئے اس کے قریب چلا گیا۔

''Looking very nice'' وہ گلدستہ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا تو اسی سکتے کے عالم میں حرم نے گلدستہ اس کے ہاتھ سے لے لیا اور اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔ وہ اس کی حواس باختگی کو محسوس کرتے ہوئے ہنس دیا۔

''اندر چلنے کو نہیں کہو گی؟''

وہ یہ سن کر حیرت سے بت بنی استعادہ کھڑی تھی۔

''جانِ حرم! کیا بات ہے؟'' وہ اور قریب ہو کر حیرت سے بولا۔

''حبان! گھر پر کوئی موجود نہیں۔'' وہ منمنائی۔ ''آپ واپس چلے جایئے۔''

''تو کیا ہوا؟ اچھا ہے، خوب رہے گی جب مل بیٹھیں گے دیوانے دو۔'' وہ ہنستے ہوئے بولا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر مین ڈور کی طرف بڑھ گیا۔ حرم بے بسی کے عالم میں اس کے ساتھ چلتی ہوئی لاؤنج تک پہنچی ہی تھی کہ اے جی، کچن سے باہر نکل آیا۔ حبان کو بنی سنوری حرم کے ساتھ دیکھ کر ٹھٹکا اور کانوں میں بے جی کی پیشین گوئی گونجی۔ اُس کا ان پر ایمان اور پختہ ہو گیا۔ حرم کی طرف جو نگاہ اُٹھی تو اس کے چہرے پر جم کر رہ گئی۔ حرم جھینپ سی گئی کہ چاچا کو کیا ہو گیا ہے۔ شاید سب کو شاک لگا ہے۔ بابا سے لے کر چاچا تک۔

''آپ تشریف رکھیں۔'' اے جی چاچا نے حرم کے لباس کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔ ''ٹھنڈے میں کیا لینا پسند فرمائیں گے؟''

''صرف ٹھنڈا پانی۔'' وہ صوفے پر بیٹھ گیا۔ ''اور اپنی بی بی کی پسند تو تم جانتے ہی ہو۔''

''ہماری بی بی تو درویش بندی ہیں جی۔ اُنہیں نہ زبان کے چسکے کا لالچ ہے نہ کپڑوں کی چاہ ہے۔ کبھی کسی شے میں نقص نہیں نکالا۔ جو مل گیا اسے دوسروں میں بانٹ دیا۔ اور جو شے ان کے شایانِ شان نہیں ہوتی، اسے پسند کر لیتی ہیں اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے۔'' وہ عقیدت مندانہ انداز میں بولا۔ ''صاحب جی! اس گھر پر جو رحمتیں برستی ہیں، انہی کے دم سے ہیں۔ میں نے اپنی ساٹھ سالہ زندگی میں ایسی بچی نہیں دیکھی۔''

''اے جی چاچا! میں ایسی بھی اچھی نہیں ہوں۔'' اس کے چہرے پر ہلکی سی مسکان پھیل گئی اور اپنی تعریف سن کر شرم سے لال ہو گئی۔

اے جی چاچا بھی مسکرا کر کچن کی طرف بڑھ گیا۔

''بڑے نمبر بنا رکھے ہیں محترمہ نے۔ جس گھر کا ملازم اتنی تعریف کر رہا ہو تو ہم کون ہوتے ہیں نقطہ چینی اور تنقید کرنے والے۔'' وہ جھومتے ہوئے بولا۔

''دراصل اے جی چاچا ہے بہت مہذب انسان۔ شستہ زبان اور اخلاقیات بھی اعلیٰ۔ فوج نے اس کی خوب گرومنگ کی ہے۔ ورنہ جس بیک گراؤنڈ سے اس کا تعلق ہے وہاں گالی گلوچ کے بغیر بات کرنا ناممکن ہے۔ اسی کی وجہ سے اس کے بیوی بچوں میں بھی خاصا رکھ رکھاؤ ہے۔ اس کی بیٹی نصیبو ہمیشہ سے میری بیسٹ فرینڈ ہے۔ مگر افسوس کہ اس کا واسطہ جاہل اور گنوار لوگوں سے پڑ گیا ہے۔ ہر سال کا نمونہ پیش نہ کرتی تو کب کی فارغ کر دی گئی ہوتی۔'' وہ دُکھی سی ہو گئی۔

''وہ اپنی زندگی میں بچے پر بچہ پیدا کر کے خوش ہے۔ تم دُکھی کیوں ہو رہی ہو؟'' وہ ہنستے ہوئے بولا۔ ''چودھویں بچے پر اللہ کو پیاری ہو کر شوہر کی محبت کی داستان ہمیشہ کے لئے اپنے پیچھے چھوڑ جائے گی۔ اسے اور کیا چاہئے؟''

اس کی بے تکلفی پر وہ ذرا سا جھینپ گئی۔ تھوڑے توقف کے بعد بولی۔

’’کفن دفن کے لئے مشکل آن کھڑی ہو گی بے چاروں کے لئے۔ ناز نخرے، چاؤ چونچلوں میں نصیبو جان! محل غریبوں کے لئے نہیں، امیروں کے نام پر بنتے ہیں۔‘ وہ دل ہی دل میں بڑبڑائی۔

اور وہ اس کی خاموشی پر قہقہہ لگا اُٹھا۔

’’نصیبو کو گڈ بائے کہتے ہیں۔ اپنی بات کرتے ہیں۔ آج کی پہلی ملاقات میں نصیبو کی دخل اندازی پسند نہیں آئی جانِ حرم! آج تم حسینۂ عالم لگ رہی ہو۔ اُس دن مسئلہ کیا تھا؟‘‘ وہ اس کی طرف پُرستائش انداز میں دیکھ کر بولا۔ یہ سن کر اس نے غور سے حبان کی مسکراتی آنکھوں میں جھانکا۔ خود اعتمادی کو بحال کرتے ہوئے بولی۔

’’اُس وقت کا مسئلہ خاصا گمبھیر تھا۔ ممی کی سمجھ سے بالاتر۔ آپ بھی نہیں سمجھیں گے۔‘‘

’’مثلاً...... میں بھی تو سنوں۔‘‘ اس نے سامنے بیٹھتے ہوئے کان اس کی طرف کیا۔

’’سچ کہوں گی۔ یقین کیجئے گا۔ میں شادی کرنے کے سخت خلاف تھی۔ اس لئے مجھے آپ لوگوں میں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔‘‘ وہ شگفتہ لہجے میں بولی۔

’’تو پھر اتنا بڑا انقلاب کیسے رونما ہوا؟‘‘ وہ حیرت سے بولا۔

’’ہر بات بتانا ضروری نہیں ہوتی۔ دل کی باتیں وہیں تک رہیں تو بہتر ہوتا ہے۔‘‘ وہ پھر کلیوں کی سی مسکان بکھیرتے ہوئے بولی۔

’’یعنی تم کھری ہونے کے ساتھ خفیہ بھی ہو۔ انٹرسٹنگ۔‘‘ وہ سر ہلاتے ہوئے خوشگوار لہجے میں بولا۔

’’بہت جلد میری ایک دوسرے سے مختلف دو خصلتوں کو تو آپ جان ہی گئے ہیں۔ کھری اور خفیہ۔‘‘ وہ ہنستے ہوئے بولی تو حبان نے اعتراف میں سر ہلایا اور نہایت ملائمت اور اپنائیت سے بولا۔

’’ان دو میں ایک اور کا بھی اضافہ کر لو۔‘‘

’’میں جانتی ہوں کہ آپ کی ملاقات کا مدعا کیا ہے۔ سمجھنے میں مشکل درپیش نہیں آ رہی۔ ہماری ایک گھنٹے کی ملاقات آنے والی زندگی کے بیسیوں سالوں پر بھاری ثابت ہو سکتی ہے۔‘‘ وہ اس سے نظریں ملائے بغیر ہی بولی۔

’’کھلی کتاب پر بکھرے ہوئے موتی چننے میں پڑھنے والے کا کمال نہیں ہوتا بلکہ لکھاری کو کریڈٹ جاتا ہے۔‘‘ وہ اس کی دور اندیشی سے متاثر ہوتے ہوئے بولا۔ ’’تین کے بعد چوتھی کا بھی فہرست میں لکھنا ضروری ہے۔ یعنی سمجھ داری اور دور اندیشی۔‘‘

’’میری ہر بات کے بعد ایک خوبی یا خامی کا اضافہ ہونا تھوڑی زیادتی لگ رہی ہے۔‘‘ وہ اپنا دوپٹہ درست کرتے ہوئے بولی۔

’’مجھے سمجھنے میں جلد بازی مت کیجئے گا۔ ذرا سوچ سمجھ کر دونوں پہلو پرکھنے کی کوشش

کیجئے گا۔ ہمارے ملنے کا مقصد یہی ہے۔ کیونکہ اسلام نے ہمیں یہ حق سونپا ہے۔''

'او مائی گاڈ۔ خوب مین میخ نکالنے والی شخصیت ہے۔' دل نے سرگوشی کی۔

اے جی چاچا ٹرے میں ٹھنڈے مشروب کے دو گلاس لے کر آ گیا۔

حبان صوفے سے اٹھا اور ایک گلاس حرم کی طرف بڑھایا۔

''پلیز آپ لیجئے۔'' وہ بھی ایک دم سے کھڑی ہوگئی اور اے جی کی طرف سر گھما کر بولی۔''اے جی چاچا! اب مزے دار سی چائے چاہئے۔''

اے جی نے سر ہلایا اور مسکرا کر وہاں سے چلا گیا۔

''آئی تھنک کہ ممی کو انفارم کر دوں۔ اگر انہیں بتا دیا ہوتا تو وہ گھر پر موجود ہوتیں۔ میں بھی دراصل سرپرائز دینے کے چکر میں آ گئی۔ بابا کو بتانا چاہا تو وہ اتنی جلدی میں تھے کہ انہوں نے ایک نہ سنی۔ ماہم اور ماہا تو اس وقت تک کالج سے آ چکی ہوتی ہیں۔ ممی نے انہیں کالج سے پک کیا اور شاپنگ کے لئے چلی گئیں۔ اور میں رہ گئی گھر میں اکیلی۔'' وہ مسکرا کر بولی۔

''یعنی نہ چاہتے ہوئے ہم پر عنایت ہوگئی۔ آج کی ملاقات کا یہی تو حُسن ہے کہ تم اور میں، میں اور تم۔ ہمارے درمیان تیسرا کوئی نہیں۔ آج تو سرپرائز مجھے کر دیا ہے تم نے۔ تھینک یو حرم!'' وہ خوش دلی سے بولا۔''کیا یہ ہو سکتا ہے کہ ہم بھی ڈنر کے لئے کہیں باہر نکل چلتے ہیں۔ پیر سوہاوہ، مونال۔ خوب مزہ رہے گا۔''

''کیوں نہیں؟ مگر تھوڑا انتظار کیجئے۔ ہمارے سامنے اِک لمبی عمر ہمیں ہر قدم پر خوش آمدید کہنے کے لئے تیار کھڑی ہے۔ اتنی بے صبری کس بات کی؟ گھر سے بہتر مونال نہیں ہو سکتا۔ دونوں جگہوں کا مزاج ہی ایک دوسرے سے مختلف ہے۔ ماحول کی قربت ہمیں اپنے جیسا بنانے میں بہترین کام کرتی ہے۔'' وہ خوشگوار لہجے میں بولی۔''ہمیں ظاہری بناوٹ اور تکلف سے دُور رہ کر ایک دوسرے سے اپنے خیالات کا اظہار کرنا چاہئے۔ لوگوں کے ہجوم میں جہاں ہر ایک نے اپنے اصل چہرے پر پُرتکلف ماسک چڑھا رکھا ہے، وہاں ہمارا کیا کام؟''

'لڑکی صرف حجابی ہی نہیں، دقیانوسی بھی ہے۔ نئے زمانے کے تمام رنگوں سے عاری۔ کیا یہ آزادانہ اور بے باکانہ وقت اسے قبول کر لے گا؟..... ہرگز نہیں۔ اس کی ایک مثال تو میری ماما ہیں کہ میری ہزار منتوں نے بھی انہیں اپنی جگہ سے ایک انچ سرکنے نہیں دیا۔ سٹرانگ ہیڈڈ ماں اور بیوی بھی اسی قماش کی۔ کیا میں چکی کے ان دو پاٹوں میں پسنے کی ہمت رکھتا بھی ہوں کہ نہیں؟'

اس کے چہرے پر گہری سوچ کی پرچھائیاں دیکھ کر وہ ذرا سا مسکرائی۔ کیونکہ وہ آج کے دور کی ریکوائرمنٹ سے بخوبی واقف تو تھی۔ حبان بھی تو اسی وقت کا پجاری تھا۔ بھلا اس کے ذہن میں پرانی قدریں، قانون اور اصول کیسے سما سکتے تھے؟ وہ اسے دیکھنے کے بعد حیرت و اشتیاق میں ایسا ڈوبا کہ حرم کسی اور سیارے کی رہائشی لگی۔ اس کی کلاس کی لڑکیوں سے بالکل

متضاد شخصیت کی مالک۔ دل کو بھا گئی۔ اور جس مشکل سے اس نے اسے اپنی جانب متوجہ کیا تھا، یہ وہی جانتا تھا۔ آج اس سے گفتگو کرتے ہوئے اس کی شخصیت کے وہ پرت کھلتے جا رہے تھے جن سے وہ نابلد تھا۔ حرم بھی خاموش تھی۔

اتنی دیر میں اے جی چاچا پُرتکلف چائے کی ٹرالی گھسیٹتا ہوا پہنچا تو دونوں اپنی سوچوں سے باہر نکل آئے۔ خوشبو اور لوازمات کی مہک نے دونوں کو اپنی طرف متوجہ کرلیا تھا۔ حرم نے اے جی چاچا کی طرف دیکھا۔ اس کے چہرے کی مسرت وطمانیت کو محسوس کرتے ہوئے وہ مسکرادی۔

''ہمارے چاچا کا جواب نہیں۔ ہاتھ میں ایسا ذائقہ ہے کہ کھانا کھاتے ہوئے ستر ماؤں کے ذائقے یکجا ہونے کا احساس ہونے لگتا ہے۔''

''تکلف کی ضرورت نہیں تھی چاچا!'' وہ ٹرالی کا جائزہ لیتے ہوئے بولا۔ ''ویسے چاچا! آپ کو الہام ہوگیا ہے کہ میں نے لنچ نہیں کیا۔ کچھ مصروفیت اور کچھ......'' وہ خاموش ہوگیا۔ بات تو سچ تھی کہ حرم سے ملاقات کی خوشی اس کے حلق میں اٹک کر رہ گئی تھی۔ وقت ٹھہر گیا تھا۔ اس نے بھی دوپہر کا کھانا گول کردیا تھا۔

حرم نے پلیٹ حبان کی طرف بڑھائی اور ٹرالی اس کے اور قریب کردی۔ دونوں نے چائے پیتے ہوئے حالاتِ حاضرہ، سیاست اور اپنے دین اسلام کے قواعد وضوابط پر گرما گرم گفتگو کی۔ دونوں کے چہروں پر شناسائی کی لہریں دوڑنے لگی تھیں۔ ایک دوسرے کو جاننے اور پہچاننے کے لئے تو اک طویل مدت چاہئے ہوتی ہے۔ انسان کی شخصیت ریشم کے ان دھاگوں کی طرح اُلجھی ہوتی ہے کہ کوشش کے باوجود سلجھ نہ سکے بلکہ اُلجھتی ہی چلی جائے۔

□.......○.......□

''ماشاء اللہ! آج میری حرم کسی پرستان کی شہزادی لگ رہی ہے۔'' آسیہ نے گھر میں داخل ہوتے ہی حرم کو لاؤنج میں دیکھ کر حیرت وتجسس سے کہا اور اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

''کیا بات ہے اپیا! میرا ڈریس اور آنکھوں میں کاجل.....کوئی چکر ہے۔'' ماہم نے پیار سے قریب آکر آہستگی سے کہا۔

''کوئی خاص نہیں۔'' وہ ذرا سا شرمائی۔ ''بس آج تمہاری طرح سنورنے کو دل چاہا۔ تمہارے کپڑے چوری کرنے میں مجھے بے انتہا مزا بھی آیا۔''

''اپیا! میرا یہ ڈریس آپ ہی رکھ لیں۔ مجھے اتنا ٹائٹ ہے کہ گردن سے نیچے اترنے سے انکار کردیتا ہے۔ آپ میری الماری سے اور ڈریسز پر بھی ڈاکہ ڈال سکتی ہیں۔ زیادہ کھلے ڈریس میں، میں اور موٹی لگنے لگتی ہوں۔ آپ کے لئے وہ بھی درست ہیں۔'' وہ خوشی سے مغلوب ہوکر بولی۔

''پگلی! میں اس قدر قیمتی، بے حساب کپڑوں کا جواب دہ نہیں ہونا چاہتی۔ اللہ تعالیٰ میانہ روی کو پسند فرماتے ہیں۔'' وہ دوپٹہ اتار کر صوفے پر رکھتے ہوئے بولی۔

''اپیا! آپ کس قدر حسین ہیں۔ سلم، سمارٹ۔ مجھے جیلسی ہونے لگتی ہے۔'' ماہا نے اس کے گلے میں بازو حائل کرتے ہوئے کہا تو حرم نے اسے اپنے سینے سے لگا لیا۔

''اپیا! کوئی راز ہے جو ہم سے چھپایا جا رہا ہے۔'' ماہم نے سرگوشی کے انداز میں کہا۔ ''مجھے تو بتا سکتی ہیں نا۔''

''وہ تو ہے۔ شیئر ضرور کروں گی۔ لیکن ایک شرط ہے۔ اگر منظور ہوئی تو خوب۔ ورنہ راز دل ہی دل میں پھلتا پھولتا ایک تناور درخت بن جائے گا جو چھپانے سے چھپ نہ پائے گا۔ اگر اس وقت کا انتظار کرنے کی تم میں ہمت اور صبر ہے تو پھر انتظار فرمائیے۔'' وہ سرگوشی کرتے ہوئے بولی۔

''اپیا! کھسر پھسر نہیں چلے گی۔'' ماہا نے ان کے درمیان آتے ہوئے ہلکی سی خفگی سے کہا۔ ''مجھے اپنا رازداں بنا کر دیکھئے اور آزمائیے۔ سو فیصدی کامیابی حاصل ہو گی۔ اپیا! ویسے آپ بہت خفیہ ہیں۔''

''دھت تیرے کی۔ کون ہے خفیہ؟ میری حرم؟...... سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یہ تو کوئی غصہ، ناراضگی، پیار اور اعتراض دل میں نہیں رکھتی۔ اس کے من میں ایسی فضولیات کی کوئی جگہ نہیں۔'' آسیہ اپنے کمرے سے باہر نکل ہی رہی تھی، جب ماہا کے ری مارکس اس کی سماعتوں سے ٹکرائے تو وہ فخریہ انداز میں بولی۔

''اپیا کے دل میں کون رہتا ہے جو کسی اور کی جگہ نہیں رہی؟'' ماہم نے چھیڑتے ہوئے کہا تو حرم کے چہرے کا رنگ کانوں تک سرخ ہو گیا اور پلکیں پھڑپھڑاتی ہوئی جھک سی گئیں۔ جواب بن نہ پایا تو وہ سب کھلکھلا کر ہنسنے لگیں۔

ماہم نے حرم کو کلائی سے پکڑا اور اپنے کمرے میں لے گئی اور دروازہ لاک کر کے رازداری کے انداز میں بولی۔ ''اپیا! کس مولانا کو پسند کر لیا ہے تم نے؟''

''ایسا مولانا جس کی داڑھی نہیں، ٹخنوں سے اونچی شلوار نہیں، سر پر لال چیک دار رومال نہیں، ہاتھ میں تسبیح نہیں، زبان پر ہر وقت استغفار کا وِرد نہیں۔ تہجد گزار ہے نہ ہی کسی مسجد کی نوکری پکڑے ہوئے ہے۔'' وہ اپنے ہی فسوں میں بولے چلی گئی۔

''تو اپیا! کون ہے اس معاشرے میں ایسا مولانا؟'' ماہم اچنبھے سے بولی۔ ''جو آپ کے دل کو بھا گیا۔ جس نے آپ کے دل میں جگہ بنا لی۔ حیرت کی بات ہے اپیا!''

''بتاؤں گی۔ لیکن فی الحال ممی سے پردہ داری ضروری ہے۔ تم جانتی تو ہو کہ انہیں حبان بہت پسند ہے۔ ایک دم سے ہائپر ہو جائیں گی اور صبح تک وہ میرا ولیمہ بھی اٹینڈ کرنے کا پروگرام سب کے گوش گزار کر کے تیاریوں میں مصروف ہو جائیں گی۔ ایک ملاقات میں

انڈرسٹینڈنگ ہونا ناممکن ہے۔ ہمیں وقت چاہئے۔ میں کسی پر زبردستی مسلط نہیں ہونا چاہتی اور نہ ہی کسی کو اپنی مجبوری اور ضرورت کے تحت اپنانے کی تمنا رکھتی ہوں۔'' وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر سنجیدگی سے بولی۔

''اچھا تو حبان صاحب ہیں۔ اپیا! آج کی ملاقات کیسی رہی؟ کسی کو کچھ نہیں بتاؤں گی۔'' وہ ایک دم سے ایکسائیٹڈ ہو کر اس کے گلے لگ گئی۔

''بہت سے موضوعات پر گفتگو چلتی رہی۔'' وہ کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولی۔

''اصل موضوع سے ہٹ کر؟.....اپیا! مجھے آپ سے یہی توقع تھی۔'' وہ چڑ کر بولی۔

''تم بہت معصوم ہو میری جان! پسندیدگی اور محبت و عشق کی زبان بہت سادہ ہوتی ہے۔ بے لوث و بے ریا۔ اس کی ادائیگی ضروری نہیں ہوتی۔ ہر حرکت اور ہر ادا میں اس کی جھلک بتدریج نمایاں ہوتی رہتی ہے۔ اس لئے یہ کہنا کہ آئی لو یُو۔ بہت گھٹیا اور بے وقعت سا لگتا ہے۔'' وہ سوچتے ہوئے بولی۔

''اپیا! آپ کو محبت کے حقیقی معنی معلوم ہیں۔ مجھے یقین نہیں آ رہا۔'' وہ حیران و پریشان سی ہو کر اسے دیکھتے ہوئے بولی۔

''محبت میں نے اپنے بابا، ممی اور اپنے بھائیوں اور بہنوں سے کی ہے۔ اور بے تحاشا عقیدت و اُلفت پیدا کرنے والے سے کی ہے۔ غرباء سے میرا لگاؤ ہمدردی اور رحم و ترس کا جذبہ بھی محبت کی عکاسی کرتا ہے۔ پھر ماہم! یقین جانو میں نے اپنی ذات سے ٹوٹ کر محبت کی ہے۔'' وہ سنجیدگی سے بولی۔

''اپیا! باقی تو میں مانتی ہوں مگر آپ نے خود سے محبت نہیں کی، ہر قدم پر خود کو اگنور کیا ہے۔ خود کو سزا دی۔ خود کو حقیر جانتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں سے منہ موڑے رکھا۔ یہ تو معجزہ رونما ہوا ہے کہ آج کل کے دور کا پروردہ لڑکا جس کی ڈگریوں اور اعزازات کا ہی حساب نہیں، اس نے آپ کو پسند کر لیا۔ آج مجھے یقین ہو چلا ہے کہ تقدیر کے سامنے تدبیر ناکام ہے۔'' ماہم نے بھی سنجیدگی سے کہا۔

''اُس کی مخلوق پر بھروسہ، ایمان اور یقین رکھنے کے بجائے اُس پیدا کرنے والی مقدس اور عظیم ذات سے دل لگا لیں تو اس زندگی کی تمام کدورتیں اور اُلجھنیں یکسر ختم ہو جائیں۔'' وہ اسے پیار کرتے ہوئے بولی۔ ''ابھی شروعات ہوئی ہے۔ انجام کیا ہو گا؟ آئی ڈونٹ نو ماہم! غیب کا علم تو وہ ہی جانتا ہے۔ تقدیر کی لکھت سے بھی وہ ہی واقف ہے۔''

''اپیا! آپ بہت بڑی بڑی باتیں ہمیشہ سے ہی کرتی آئی ہیں۔ اس لئے مجھے قطعاً حیرت نہیں ہوئی۔ یہ بتائیں نا، ہمارے ہونے والے جیجا جی نے اپنے پیار کا اقرار و اعتراف بھی کیا ہے یا نہیں؟'' وہ چہک کر بولی۔

''ماہم! اس انکشاف پر مجھے یقین نہیں آئے گا۔ کیونکہ اس وقت ہم دونوں کے سینوں

میں جوان دل دھڑکتا ہے۔ شکل وصورت کے بجائے اعلیٰ اخلاقیات اور بلند کرداری کو اہمیت دینے کی ہماری عمر نہیں۔ اس وقت ہر جانب گرین سگنل ملیں گے اور ہم بغیر رُکے تیزی سے بڑھتے چلے جائیں گے۔''

وہ اپنے دل و دماغ میں موجزن جذبات کے بیان میں سچائی سے کام لے رہی تھی۔ ماہم خاموشی سے اس کی طرف دیکھنے لگی کہ کیا اپیا کے سینے میں بھی دل دھڑکتا ہے جس کا اندازہ پہلے کبھی ہوا جو نہ تھا۔

''اپیا! کیا میں آپ کو ریڈ سگنل دے کر روک سکتی ہوں؟ آپ کی رفتار کی شدت پر قابو پا سکتی ہوں؟'' ماہم نے سوچتے ہوئے کہا۔ ''مجھے اجازت چاہئے۔''

''تم ابھی بہت چھوٹی ہو۔ نہیں سمجھو گی۔'' وہ مسکرا کر بولی۔

''اپیا! آپ سے دو تین سال چھوٹی ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ عقل، سمجھ اور بڑا پن تو بارہ تیرہ سال کی عمر میں ہی لڑکی کی ہمراہی میں چل پڑتا ہے۔'' وہ سنجیدگی سے بولی۔ ''اور پھر اپیا کی بہنیں ناسمجھ کیسے ہو سکتی ہیں؟''

دروازے کی دستک پر دونوں چونک اُٹھیں۔ ماہم نے دروازہ کھولنے سے پہلے حرم کے ہونٹوں پر اپنی انگشت رکھ کر راز کو رازداری میں ہی رکھنے کا اشارہ کیا تو دونوں ہنستے ہوئے دروازے کی طرف چل پڑیں۔

□.......○.......□

موبائل کی بیپ نے حبان کو اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ اس نے فائل کو ایک طرف رکھا اور موبائل آن کرتے ہوئے کرسی کی بیک سے ٹیک لگاتے ہوئے خوشگوار لہجے میں بولا۔

''ہیلو حرم! آج کیسے یاد کر لیا ناچیز کو؟''

''ناچیز ہوں گے اپیا کے لئے۔ میرے لئے تو آپ کارآمد چیز ہیں۔'' ماہم قہقہہ لگا کر بولی۔ ''سالی کے رشتے کو پہچاننے میں جتنی تیزی اور پھرتی سے کام لیں گے، فوائد زیادہ اور نقصان نہ ہونے کے باب ہوگا۔''

''سالی صاحبہ! اپنا نام تو بتا دیجئے۔ ماہم.... ماہا..... یا نصیبو؟'' وہ چھیڑنے کے انداز میں تمسخرانہ لہجے میں بولی۔

'او مائی گاڈ۔ نصیبو یہاں بھی پہنچ گئی۔' اس نے دل میں ہی کہا۔

''آپ اپنی سنائیں کہ کس سالی سے بات کرنے کی آرزو رکھتے ہیں؟'' ماہم چہک کر بولی۔

''جو سالی اس وقت بات کرنا چاہ رہی ہے۔'' وہ بھی شوخی سے بولا۔

''ماہم آپ کو مطلع کرنا چاہتی ہے کہ اپیا سے ملاقات کے لئے ماہم سے رابطہ کرنا ضروری ہے بمعہ رشوت کے۔'' وہ اکڑ کر بولی۔

''رشوت خوری حرام ہے۔ آپ کی دینی اپیا نے آپ کو یہ نہیں بتایا۔ بڑے افسوس اور حیرت کی بات ہے۔'' وہ اس کے اس انداز سے محظوظ ہوتے ہوئے بولا۔

''محبت اور نفرت میں سب لال ہے۔ ہر دین، ہر مذہب اور ہر فرقے میں۔'' وہ ہنسی پر قابو پاتے ہوئے بولی۔

''یہ خوب رہی۔ مذہب کو گھر کی کھیتی سمجھ رکھا ہے۔ جیسا چاہو بیج ڈالو اور جب چاہو کاشت کرلو۔ یہ تو بات نہ ہوئی۔'' وہ ہنستے ہوئے بولا۔

''ہر فصل اُگانے اور اُٹھانے کے گرمی اور سردی کے موسم اور خاص الخاص وقت مقرر ہیں۔ اس لئے انسانی خواہش کے مطابق فصل کاشت نہیں ہوسکتی۔ اگر مذہب گھر کی کھیتی ہے بھی تو اس میں اُسی کی رضا شامل حال ہے۔ اس میں بھی نہ اپنی مرضی سے بویا جا سکتا ہے نہ کاٹا جا سکتا ہے۔ اس لئے رشوت سے آپ بھاگ نہیں سکتے۔'' وہ برجستہ بولی تو وہ ہنسنے لگا۔

''شرط قابلِ قبول ہونی چاہئے۔ پھر ہم ماہم کو راشی بنا کر ہی چھوڑیں گے۔ فرمائیے کہ ہماری سالی صاحبہ کو ہم سے کیا چاہئے؟''

''ہمیں کباب میں ہڈی بننا پسند ہے۔'' وہ خوشگوار لہجے میں بولی۔

''یہ پسند تو آپ کی اپیا کی معلوم ہوتی ہے۔ مابدولت کو منظور ہے۔'' وہ خوش دلی سے بولی۔

''تو پھر بہت جلد آپ کو جگہ، اتہ پتہ اور حدود اربعہ بتا دیا جائے گا۔ اور بمعہ رشوت کے پہنچ جائیے گا۔'' وہ کیف آگین لہجے میں بولی۔ ''یعنی سالی آدھے گھر والی کا خیر مقدم کرنے میں کمی بیشی کی تو آپ گھاٹے میں رہ جائیں گے۔ اس لئے سالی صاحبہ کی مٹھی چاپی کے بارے میں سوچئے گا۔''

''مان گئے بھئی مان گئے۔'' اس نے خوشگوار قہقہہ لگایا تو ماہم سوچنے لگی کہ سنا تھا کہ حبان بھیا بہت کم گو ہیں۔ شاید محبت کی اپنی ہی زبان ہوتی ہے جس کی قوت پر اختیار نہیں رہتا۔

''جگہ کا تعین تو مابدولت کریں گے۔'' وہ سرپرستانہ انداز میں بولا۔

''یہ دن اپیا کے حصے میں آتے ہیں محترم! پھر تو آپ ہوں گے اور آپ کے بے شمار جائز اور ناجائز احکامات۔ اپیا بے چاری سر تسلیم خم کرنے میں ہی عافیت جانے گی۔ واٹ آ سیڈ اینڈ۔ میں نے غلط تو نہیں کہا۔ شادی سے پہلے محبت اور فطرت کے اس طے شدہ امر سے آپ انکار نہیں کر سکتے۔'' ماہم نے بے ساختگی سے نادانستگی میں کہا تو حبان نے چھیڑتے ہوئے کہا۔

''سالی صاحبہ! موضوع بورنگ ہونے لگا ہے۔ شوہر فرعونِ وقت نہ ہو تو مزا ہی نہیں مرد ہوئے کا۔''

''ذرا محتاط رہنا ابھی سے سیکھ جائیے۔ چھیڑ چھاڑ، ہنسی مذاق اور طنز و مزاح اپیا سے نہیں

چلے گا۔'' وہ بھی چھیڑنے کے انداز میں بولی۔ ''نہ جانے اپیا کو آپ کی کون سی ادا بھا گئی ہے۔ میں تو ابھی تک حیرت میں ہوں۔ کاش کہ مجھے علم ہوتا تو وہی ادا آپ کے گوش گزار کر دیتی۔ جو تکیۂ کلام کی طرح آپ سے بار بار سرزد ہوتی ہے۔ ان کے ساتھ جلد بازی، زور آوری اور ہٹ دھرمی سے پرہیز کیجئے گا۔ صبر و تحمل، سچائی اور سادگی اپنا لیجئے اگر اپیا کی رفاقت صدقِ دل سے چاہیئے۔ ورنہ انکار کی صورت میں انہیں کوئی آمادہ نہیں کر سکے گا۔ وہ ابھی بھی کھلکھلا کر ہنس رہی تھی۔

''تھینک یو سالی صاحبہ! میری معلومات میں مزید اضافہ کر دیجئے۔ کیونکہ ہم آپ کی اپیا کو حاصل کرنے کا تہیہ کر چکے ہیں۔'' وہ صلح جویانہ لہجے میں بولا۔

''او کے..... حبان بھیا! آپ جو بھی ہیں، جیسے بھی ہیں، اسی روپ میں ان کے سامنے آیئے گا۔ آپ جو نہیں ہیں، ویسا بننے کا تصور بھی کیا تو بس مارے گئے۔'' وہ دھمکی دینے کے انداز میں بولی۔ ''اپیا اس عمر میں ہی خاصی مردم شناس ہیں۔ آپ کی چیٹنگ پل بھر میں بھانپ کر ہمیشہ کے لئے الوداع کہہ ڈالیں گی۔''

''مجھے اندازہ ہو چکا ہے ماہم!'' وہ سنجیدگی سے بولا۔ ''ڈونٹ وری۔''

''حبان بھیا! آپ خوش ہیں نا؟ اپنے اس فیصلے پر مطمئن ہیں؟ یا کہ فقط شغل کا ارادہ ہے؟'' وہ چھیڑتے ہوئے بولی۔

''ایک تو سالی کا رشتہ ہی چھیڑ خانیوں سے شروع ہوتا ہے۔ فار گاڈ سیک سالی صاحبہ! مجھے گلیوں کا آوارہ، کھلنڈرا اور اوباش سمجھ رکھا ہے تم نے۔ شغل لگانے کے لئے آج کے دور میں لڑکیوں کی کمی نہیں۔ مجھے حرم جیسا جیون ساتھی چاہئے جو اس دنیا میں واحد ہو اور اس کا کوئی بدل نہ ہو۔'' وہ بے ساختگی سے بولا۔

''اس خوشی میں کل کے ڈنر کا پروگرام رکھتے ہیں۔'' وہ خوش دلی سے بولی۔

''وہ نہیں مانے گی۔'' وہ بجھے ہوئے لہجے میں بولا۔ ''میں اُس کو اتنا سا تو جان ہی گیا ہوں۔''

''جنابِ والا جیجا جی! ماہم نے رشوت کا انتخاب سوچ بچار کے بعد کیا ہے۔ دیکھتی ہوں کہ اپیا کیسے نہیں مانتیں۔'' وہ خود اعتمادی سے بولی۔ ''انہیں ایک باڈی گارڈ ہی مطمئن کر سکتا ہے۔ انہیں ابھی آپ نہیں سمجھ سکتے۔ وہ تھوڑی ڈرپوک ہونے کی وجہ سے ہمیشہ بہت پیچھے رہتی ہیں۔ مجھے امید ہے کہ آپ کے زیرِ سایہ اُنہیں احساسِ تحفظ بدل دے گا۔ وہ غیر ارادی طور پر ایک نارمل زندگی کی طرف بڑھتی چلی جائیں گی۔ آپ کی ایک ملاقات سے ہی وہ کچھ بدلی بدلی لگنے لگی ہیں۔ کل ممی کے ساتھ شاپنگ کے لئے گئی ہوئی تھیں۔ ابھی تک گھر میں اِک سکوت ہے کہ اسے ایک دم سے ہوا کیا ہے؟ کیونکہ ابھی کسی کو خبر ہی نہیں کہ اس معجزاتی عمل میں آپ کا کیا رول ہے؟''

''دراصل رول تو دو دلوں کا ہے جنہوں نے بے دم و بے بس کر دیا ہے نئے فنکاروں کو۔'' حبان ہنستے ہوئے ایک دم سے سنجیدہ ہو گیا۔

''تھینک گاڈ کہ میں اُسے اسی حالت میں پسند آ گیا جیسے وہ مجھے اپنے منفرد اسٹائل میں بہت اعلیٰ لگی۔ مجھے اس کے ظاہرانہ روپ سے بھی پیار ہو گیا ہے۔ آئی ایم شیور کہ اس کے باطن میں بھی بناوٹ اور کھوٹ نہیں ہو گا۔ ماہم! تم ابھی چھوٹی ہو۔ یہ نہیں سمجھو گی کہ ایسی عورتیں کبھی غیر محفوظ نہیں رہتیں۔ ان کی طرف کسی کو آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی جرأت نہیں ہوتی۔ وہ ہر طرح کے ماحول میں بہت جلد اپنا مقام اپنی فطرت اور خصلت کے مطابق بنا لیتی ہیں۔'' وہ سنجیدگی سے سمجھانے کے انداز میں بولا۔ ''عورت خود کو منوانے کے تمام گُر جانتی ہے۔ اب یہ اس کی اپنی چوائس ہے۔''

''حبان بھیا! لیکچر دینا آپ کو آتا ہے۔ مان گئی۔ مگر اپیا سے آگے نکلنے کے لئے بہت محنت کرنی پڑے گی۔ شی اِز آ گڈ سپیکر۔ اس فیلڈ میں گولڈ میڈلسٹ ہیں۔ حالانکہ ان کا قلم ہمیشہ سے زنگ آلود اور کمزور ثابت ہوا ہے جس کی وجہ سے بمشکل پاس ہوتی آئی ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ اگر ہمارے سسٹم میں ایسے لوگوں کو بھی اپری شی ایٹ کیا جائے تو جہالت کا نام و نشان تک مٹ جائے۔ کچھ تقریر کے بہترین لکھاری ثابت ہوتے ہیں تو کچھ تقریر میں جان ڈالنے کے ماہر۔ اپیا انہی میں سے ہیں۔'' وہ بھی سنجیدگی سے بولی۔

''ماہم! ہم اس وقت سیریس ٹاپکس پر بات نہیں کریں گے۔ کل کا پروگرام بنایئے اور مجھ انفارم کرنا مت بھولیے گا۔ پلیز ذرا جلدی۔'' وہ ملتجیانہ لہجے میں بولا۔

''یاد رکھنے کی بھی رشوت چاہئے ہو گی۔'' وہ ہنستے ہوئے بولی۔

''ٹھیک ہے جی۔ آپ فائدہ اٹھاتی جائیں ہماری مجبوریوں کا۔ آخر پکی پاکستانی ہیں۔ چانس مِس کر دیا تو پاکستانی نیشنلٹی کھو دیں گی۔'' وہ چھیڑتے ہوئے بولا تو وہ کھلکھلا کر ہنستے ہوئے خدا حافظ بولی اور فون بند کر دیا۔ اور بڑبڑاتی ہوئی حرم کے کمرے کی طرف چل پڑی۔

'ممی بھی عجیب اور بھیانک سپنے دیکھنے سے باز نہیں آتیں۔ حبان بھیا کو اپیا جیسی اول جلول بیوی چاہئے۔ میں فیشن ایبل لڑکی ہوں۔ میں حبان کو پسند نہیں ہو سکتی۔ نہ ہی حبان جیسا لڑکا میرا آئیڈیل ہے۔ اس رشتے کا آغاز انجام خیر تک پہنچنا بہت ضروری ہے۔ ورنہ میری ممی مجھے زبردستی حبان کے سر تھوپنے کے تمام ہتھکنڈے استعمال کرنے سے گریز نہیں کریں گی۔' وہ سوچتی ہوئی حرم کے کمرے کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گئی۔

□......○......□

''میں ایک گھنٹے سے تمہیں دیکھ رہا ہوں۔ تانے بانے سلجھانے کی کوشش میں ہو۔ خاموش، اُداس اور ہر شے سے لاتعلق اور بے ربط۔ کیا بات ہے؟'' فیضان نے کمپیوٹر کو بند کرتے ہوئے کہا۔

''بات پریشانی سے بڑھ کر حیران کن ہے۔ لیکن آپ نہیں سنیں گے۔ کیونکہ آپ میری کسی بات کو اہمیت ہی نہیں دیتے۔ نہ جانے کس نے آپ پر کالا جادو کر دیا ہے۔'' وہ بے قراری سے بلی۔

''یعنی تم بھی جادو، بھوت پریت پر اعتقاد کرنے لگی ہو۔ یہ تمام شعبدہ باز تم لوگوں کی کمزوریوں کی وجہ سے عیش و عشرت کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ حرم کا طریقہ اپنا لو۔ شعبدہ بازوں پر لٹانے کے بجائے غریبوں میں تقسیم کر کے حقیقی سکون اور مسرت حاصل کرو۔ تم نے حرم کی زندگی پر غور کیا ہے کبھی؟ ہر وقت کس قدر پُر تسکین اور پُر اطمینان نظر آتی ہے۔ تم اور تمہاری بیٹیوں کا زیادہ تر وقت شاپنگ کرنے اور درزیوں سے سر کھپانے میں گزر جاتا ہے۔ الماریوں میں ڈیزائنر کپڑوں، جوتوں اور ہینڈ بیگز کے انبار لگ چکے ہیں۔ جاؤ چھانٹی کرو۔ اور تمام وہ سامان جو پچھلے ایک سال سے استعمال نہیں ہوا، کوارٹروں میں بانٹ آؤ۔ تمہاری زندگی میں اس نیکی کے بدلے شادمانیاں اور کامرانیاں لکھ دی جائیں گی۔'' فیضان نے تلخ لہجے میں لیکچر گوش گزار کر دیا تو وہ تلملا کر انہیں دیکھتے ہوئے کڑک دار لہجے میں بولی۔

''اب حرم پر فخر کرنا چھوڑ دیجئے۔ وہ بھی بھیڑ کی چال میں شامل ہو چکی ہے۔ آپ نے غور تو خوب کیا ہو گا کہ کیسے بن ٹھن کر رہنے لگی ہے۔ مجھے تو کوئی چکر لگتا ہے۔ ورنہ یہ سر پھری تو ہماری ایک نہیں سنتی تھی۔ کسی مولانا کو پسند کر لیا ہو گا۔''

''بکواس بند کرو۔ اگر تمہاری دو بیٹیاں ہر طرح کے اُلٹے سیدھے فیشن کر سکتی ہیں تو تمہیں حرم کے باپردہ لباس پہننے پر اعتراض کیونکر ہو؟'' وہ چیخ کر بولے۔

''حرم کا نام سنتے ہی کیسے آگ بگولہ ہو گئے ہیں آپ۔ اور دو بیٹیاں میں پیچھے سے لے کر نہیں آئی کہ آپ نے انہیں خود سے الگ کر دیا ہے۔'' وہ بدتمیزی سے بولی۔ ''یہ کلموہی، منحوس آپ کی فیورٹ ہے ہمیشہ سے۔ فیضان! مجھے اس کا بن سنور کر آپ کے سامنے پھرنا اچھا نہیں لگتا۔ آخر ہے تو غیر کی اولاد اور آپ پر واجب بھی ہے۔ میرا دل اور دماغ اسے اس حالت میں دیکھ کر وسوسوں میں گھر گیا ہے۔ بے شک وہ اس راز کو نہیں جانتی۔ آپ تو باخبر ہیں نا۔''

''تم زبان کو لگام دو ورنہ......'' وہ آنکھیں نکالتے ہوئے بولے۔

''ورنہ کیا؟......طلاق کی دھمکی کے علاوہ اور آپ کے پاس مجھے ڈرانے کے لئے کون سا ہتھیار ہے؟ ذرا بتائیے تو۔'' وہ بے لحاظی سے بولی۔ ''آپ کے اس روّیے نے مجھے ایک سال میں بڑھاپے کا جان لیوا تحفہ بخش دیا ہے۔ خوش ہو جائیے۔ شاید آپ کے دل کی مراد بر آئے۔ سمجھ نہیں آتی کہ جب سے حبان کا رشتہ آیا ہے، آپ کا دل اپنی جگہ سے کھسک گیا ہے۔ معمہ حل نہیں کر سکی۔ کیا اُس کم بخت کو اسی گھر کی زینت بنانا چاہتی ہیں یا کچھ اور ارادے ہیں؟ مجھے سچ سچ بتا دیں۔ کیونکہ مجھے اور کوئی وجہ نظر نہیں آ رہی آپ کے بگڑنے کی

اور اُس کے ستور نے کی۔ محترمہ شادی کے لئے بھی رضامند ہو چکی ہے۔ نہ جانے وہ کسے پسند کر بیٹھی ہے۔ لگتا ہے کوئی اپنے ہی جیسا فضول اور انقلابی لڑکا ہوگا۔ مجھے یہ بتائیے کہ آپ کا سر کس خوشی میں گھوم گیا ہے؟ نظریں پتھرا گئی ہیں کہ میں نظر ہی نہیں آتی۔'' وہ تلخی سے بولی۔

''شکریہ راہ دکھانے کا۔ شکر ہے کہ وہ تو نظر آئی۔'' وہ طنزیہ لہجے میں بولے۔

''آپ کے لئے شرم کا مقام ہے۔ وہ آپ کی گود میں بیٹی کی طرح پل کر بڑی ہوئی ہے۔ آپ اخلاقی لحاظ سے اس قدر گر سکتے ہیں، میں نے کبھی سوچا بھی نہ تھا۔ میں نے تو اندازاً ہی آپ کو کریدا تھا۔ مجھے اس کا یقین تو ہرگز نہ تھا۔ اور آپ نے اپنی غلیظ سوچ کا اعتراف کرلیا۔'' وہ لرزتے ہوئے بولی۔

''بھئی تم نے خود ہی تو مجھے سوچنے پر مجبور کیا ہے۔ ویسے بھی تمہاری جوانی ڈھل چکی ہے۔ تمہیں مجھ میں دلچسپی نہیں رہی۔ میری ہر بات میں نقص نکالنا اور میری ہر حرکت پر اعتراض کرنا تمہارا شیوہ بن چکا ہے۔ یہ قدرتی امر ہے آسیہ! جب عورت کی جوانی ڈھل جاتی ہے تو اس کے روّیے میں تمہارے جیسی ہی تبدیلی رونما ہونے لگتی ہے۔'' وہ ہتک آمیز لہجے میں بولے۔

''مجھ میں دلچسپی، لگاؤ اور توجہ سے آپ آزاد ہو چکے ہیں۔ ایک سال سے یہی تو میرا رونا ہے۔ اُلٹا چور کوتوال کو ڈانٹے۔ یہ خوب رہی کہ میری جوانی رخصت ہوگئی۔ آپ مجھ سے تین چار سال بڑے ہیں۔ کیا آپ جوان ہیں ابھی تک جو مجھے کوس رہے ہیں؟ یہ سچ ہی ہے کہ بڈھا شوہر تو بیوی کے لئے رِستا ہوا پھوڑا بن جاتا ہے کہ بیٹھے سکون نہ لیٹے چین مل سکتا ہے۔'' وہ تنک کر بولی۔

''یہ مت بھولو کہ مرد اسّی سال کی عمر میں بھی خود کو جوان محسوس کرتا ہے بشرطیکہ اس کا ساتھ جوان رہے۔ عمر رسیدہ بیوی تو مرد کی جوانی کے لئے زہریلی ناگن ہے۔ عذاب اور سزا ہے اس کے ناکردہ گناہوں کی۔'' وہ پھر شگفتہ لہجے میں بولے تو آسیہ نے اپنی آشفتہ ہمت کو یکجا کیا اور غصے کو پیتے ہوئے خود کو سنبھالنے لگی۔ پھر التجائیہ لہجے میں بولی۔

''فیضان! آپ صرف ایک بار اتنا سا کہہ دیں کہ آپ نے جو بھی کہا، مذاقاً کہا۔ مجھے چھیڑنے اور تنگ کرنے کے لئے کہا۔ اس کے علاوہ آپ کا اور کوئی مقصد نہ تھا۔ میں آپ کے اس سلوک کو برداشت نہیں کرسکوں گی۔ پلیز فیضان! میری غلطیوں کو معاف کردیں۔ میرا گھر جہنم بن چکا ہے۔''

''بات کا بتنگڑ بنانا تمہیں آتا ہے، مجھے نہیں۔ میری باتوں کو توڑ موڑ کر اپنی سوچ کے مطابق ڈھال لینا مجھے ہرٹ نہیں کرے گا تو کیا خوشی دے گا؟ ایک سال میں تم بھی تو بہت بدل گئی ہو۔'' وہ خفگی سے بولے۔

"فیضان! اپنے دل سے پوچھیے کہ ایسا کیونکر ہوا۔ میں [illegible] رہی تھی کہ عورت گھر کو اپنے کردار و اخلاص سے جنت بنا سکتی ہے۔ اور جہنم بنانے میں بھی اس کی کم فہمی اور بے صبری کو دخل ہوتا ہے۔ یہ سب کہاوتیں جھوٹی ہیں۔ مرد کا سلوک اور روّیہ ہی گھر کا ماحول خوشگوار اور پُرسکون بنانے میں اہم ہے۔ چاہے وہ کتنا ہی بدکردار کیوں نہ ہو۔ اگر اس کے کردار کی جھلک اس کے اعمال میں نظر نہیں آتی تو سب کچھ ٹھیک ٹھاک چلتا رہے گا۔ مگر مرد تو بہت بے انصاف اور کمزور ہے۔ دوسری طرف جو جھکتا ہے تو خود سے وابستہ ہر رشتے کی خوشی اور سکون کا قلع قمع کر دیتا ہے۔ فیضان! میں نے تو آپ کو دیوتا سمجھ کر پوجا۔ آپ کے لئے میں گھٹیا سوچ نہیں رکھتی۔ آپ کو بہت مہان گردانتی ہوں۔ آپ ہر رشتے کو نبھانے میں بے مثال ہیں۔ میں تو آپ کے اچھے برے دنوں کا ساتھی ہوں۔ ہم ایک دوسرے کے لباس ہیں۔ اس رشتے کے علاوہ کہیں بھی اس لگاوٹ و اپنائیت وعقیدت کا ذکر نہیں کیا گیا۔ ہم اس رشتے کی خوب صورتی اور عظمت کو کیوں بھولتے جا رہے ہیں؟ فیضان! واپس لوٹ آیئے۔ گھر میں عجیب سی نحوست اور غلاظت کے ہونے کا احساس ہونے لگا ہے۔ اس وقت گھر میں واحد حرم خوش وخرم ہے۔ آئی ڈونٹ نو وائے۔ بالکل کیئر فری اور خود مرکزیت کا شکار نظر آتی ہے۔" وہ پھر مشکوک نظروں سے فیضان کو دیکھ کر بولی۔

"حجاب اُتر چکا ہے۔ اس کی جگہ شفون کے دوپٹے نے لے لی ہے۔ ہر وقت آنکھوں میں کاجل اور ہونٹوں پر لپ اسٹک تھوپی ہوتی ہے۔ ہر قت کے اُلجھے ہوئے بال سلجھ گئے ہیں۔ لباس میں صرف سلیولیس اور سکنی جینز کی کمی رہ گئی ہے۔ بات مذاق میں ٹالنے کی نہیں، فکرمندی کی ہے اور کھوج لگانے کی ہے کہ حرم کس میں انوالو ہے۔ یہ بننا سنوارنا کس کے لئے ہونے لگا ہے۔"

"آسیہ! مجھے تو اس کا یہ چینج بہت اچھا لگا۔ گو کہ میری اس سے مصروفیت کی وجہ سے نہ تو بات چیت ہوتی ہے، آمنا سامنا بھی بہت کم ہوتا ہے۔ لڑکیاں جب جوان ہوتی ہیں تو خوامخواہ ان کا دل چاہتا ہے بننے سنورنے کو۔ دراصل تمہارا قصور نہیں۔ ایک تو وہ تمہاری لے پالک بیٹی ہے، دوسرا وہ ہمیشہ سے ہی ماہم اور ماہا سے مختلف رہی۔ حرم کو اپنی بیٹیوں جیسا دیکھنے کی تمہیں عادت ہی نہیں۔ اب اس کی یہ حرکت تم سے ہضم نہیں ہو رہی۔ اپنا دل بڑا کرو۔ اور خبردار جو مجھ پر تہمت لگانے کی غلطی کی۔ تمہیں سچ کر کے دکھا دوں گا۔ کیونکہ مجھے یہ حق اللہ تعالیٰ نے بخش رکھا ہے۔ ہمارے رسول اکرم ﷺ نے منہ بولے بیٹے کی طلاق یافتہ بیوی سے نکاح کر کے یہ مثال ہم جیسے نادان لوگوں کے لئے قائم کی ہے۔" وہ سنجیدہ اور مستحکم لہجے میں بولے۔

"آئی ایم ایکسٹریملی سوری۔ میرا تو ذہن ہر وقت کے اندیشوں اور وسوسوں میں مقید اور یہ ناتواں دل سخت مضطرب اور مایوس رہنے کی وجہ سے بیمار ہی رہنے لگا ہے۔ میں اپنی پوری کوشش کروں گی کہ آپ تک اپنی فکرمندی اور پریشانی پہنچانے سے اجتناب کروں۔" وہ

صلح جوئی کے انداز میں بولی۔

''تھینک یُو۔ دن بھر کی محنت کے بعد جب گھر آؤ تو بیوی کا بیزار مزاج اور طنزیہ باتیں سننے کی ہمت نہیں ہوتی۔ تھکن کی وجہ سے ویسے بھی طبیعت پر چڑچڑاپن اور ناگواری چھا چکی ہوتی ہے۔ معمولی سی بات سر پر ہتھوڑے کی طرح برستی ہے اور جنگ کا میدان گرم ہو جاتا ہے۔ ان حالات میں گھر آنے کو دل ہی نہیں چاہتا۔'' وہ ناگواری سے بولے تو آسیہ کو اپنی غلطی کے احساس نے ان کے سامنے مزید نادم کر ڈالا تو انہوں نے مسکرا کر اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیا۔

□......○......□

''حرم بی بی! آپ بہت سمجھ دار ہیں۔ بے جی کی کہانی سن کر آپ کو کیسا لگا؟'' اے جی چاچا اُس کے سامنے بیٹھا چائے پیتے ہوئے خوب چسکے لے کر حرم کو بے جی کی زندگی کی داستان سناتے ہوئے کئی بار رو دیا تھا، ہنسا تھا اور اب عقیدت مندانہ انداز میں سر جھکائے بیٹھا تھا۔ حرم بھی کسی موڑ پر اضطراری کیفیت میں صوفے پر بیٹھی کبھی پاؤں اوپر کر کے بیٹھ جاتی تو کبھی اٹھ کر لاؤنج میں آہستہ آہستہ چلنے لگتی۔ وہ اب تک بے جی کے کردار اور شخصیت کا خاکہ تو کھینچ چکی تھی مگر اس کو حصوں میں تقسیم کرنا اور رنگ بھرنے کے لئے برش ہاتھ میں اٹھائے سوچے جا رہی تھی۔ کس حصے میں خودغرضی، خودپسندی کا رنگ بھرے اور کس حصے میں خدمت خلق، حقیقی محبتوں اور ایثار و قربانی کے شوخ و شنگ اور دلربا رنگوں کا فیصلہ کرے۔ یا ان کے دکھوں اور اذیتوں پر آنسو بہائے۔ یہ کام اتنا آسان نہیں تھا کہ ایک ضعیف الاعتقاد کی ہر بات پر بھروسہ اور یقین کر لیا جائے۔ لیکن بے جی کی سرگزشت خاصی معلوم ہوئی تھی۔

''اے جی چاچا! ان کی کہانی بہت دردناک ہے۔ ان سے تمہارا بہت پرانا واسطہ ہے۔ بلکہ اس علاقے کے لئے وہ رحمتوں اور برکتوں کا سرچشمہ ہیں۔ سب ان کی تعلیم سے فیض یاب ہو رہے ہیں۔ آخر ان میں کچھ تو ہے۔ پھر بھی میں انہیں اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرانے کا گناہِ کبیرہ نہیں کر سکتی۔ ہاں اگر قرآن کی تعلیم سے نابلد ہوتی، عربی پڑھنے، چومنے اور طاق پر سجا کر رکھنے کو عبادت تصور کرتی تو آج شرک کا شکار ہو کر تمہارے ساتھ چل پڑتی۔ مگر میں نے اپنے رب سے پیار کیا ہے۔ اس کی زبان کو سمجھنے کی کوشش کی ہے۔ یہی میری عبادت ہے۔ اس سے سچا لگاؤ اور اُنسیت ہے۔'' وہ نہایت نرمی سے بولی تو اے جی کچھ نہ سمجھتے ہوئے سر ہلاتا ہوا وہاں سے اُٹھ گیا۔

''ایک بار ان سے مل تو لیں حرم بی بی! یہ وہ بزرگ ہیں کہ ہندوستان کے ہر مزار پر ننگے پاؤں چل کر جایا کرتی تھیں اور تمام گدی نشین ان کے سامنے سجدے میں گر جایا کرتے تھے۔ اب ان میں اتنی ہمت نہیں رہی۔ بڑھاپے اور دُکھوں نے ان کو کمزور کر دیا ہے۔ مگر ان کے ایمان واعتقاد میں کمی نہیں آئی۔'' وہ پھر عقیدت بھرے لہجے میں بولا۔

''نعوذ باللہ۔ اے جی چاچا! انسان کو اپنی مشکلات کو ختم کرنے اور مسائل سے نکلنے کے لئے بعض اوقات فقط ایک تنکے کا سہارا چاہئے ہوتا ہے۔ اور انسان کی حیثیت بھی ایک تنکے سے بڑھ کر نہیں۔ ہم اتنی بڑی، عظیم اور معتبر ذات کو پس پشت ڈال کر تنکے کو پتوار بنا کر دنیا کے اس آزمائشوں کے وسیع وعریض سمندر کو کیسے عبور کر سکتے ہیں؟ اے جی چاچا! آپ سمجھ دار ہیں۔ ذرا سوچئے تو۔'' وہ افسوس ناک لہجے میں بولی۔ ''اے جی چاچا! ہم اپنے علمائے دین اور بزرگانِ اسلام سے مذہبی تعلیم حاصل کر سکتے ہیں، راہنمائی لے سکتے ہیں۔ ان کی رفاقت میں رہنے سے اپنے اخلاقیات کو بلند و بالا کر سکتے ہیں۔ اپنے کمزور اور لچک دار ایمان اور عقائد میں استحکام پیدا کر سکتے ہیں۔ اپنے کرب، وسوسوں اور اندیشوں سے وقتی طور پر فراغت حاصل کر سکتے ہیں۔ کیونکہ اپنے مسائل اور غموں کو بیان کرنے سے ذہنی اور قلبی سکون نصیب ہوتا ہے۔ جبکہ ایسا سکون ہم کسی بھی ہمدرد و محسن سے حاصل کر سکتے ہیں۔ یہ دور اندیش، جہاندیدہ، پرہیز گار اور عبادت گزار بزرگ ہمارے چہروں کو پڑھنے اور ہماری ذہنی حالت کو جاننے کی قوت رکھتے ہیں۔ دُکھی، رنجیدہ اور زندگی سے نالاں لوگوں کو دلی سکون بہم پہنچانا ان کی بزرگی کے زمرے میں آتا ہے۔ ہر مومن کے لئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ مومن ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔ ہر ایک، دوسرے سے اپنی ضرورتیں پوری کرنا چاہتا ہے۔ لہٰذا جو کوئی کسی کی ضرورت کی تکمیل کرے گا تو خدا بھی قیامت کے دن اس کی ضرورتوں کو پورا کرے گا۔ یہ ہم سب کا فرض ہے۔ عابد و پرہیز گار لوگ گوشۂ تنہائی میں اپنی تمام دنیاوی خواہشوں سے دُور رہنے میں عافیت سمجھتے ہیں۔ اور ہم اُنہیں اپنے رب کے مدِمقابل سمجھ بیٹھتے ہیں۔ بے جی کا مصلّٰی اُن کی گوشہ نشینی ہے۔ وہ بے چاری اپنی مغفرت کے لئے سر بسجود ہیں۔ انہوں نے بھائی کی محبت میں اپنے رب سے دل لگا لیا۔ دنیا کو تیاگ دیا۔ تمہیں چند سادہ الفاظ میں بتاتی ہوں۔ بے جی کے سامنے نیم دراز، سجدہ ریز ہونا، گھٹنوں اور ٹھوڑی کو ہاتھ لگا کر بوسہ دینا اور ان سے دعا کے لئے التجا کرنا، مستقبل کے حالات معلوم کرنا، غیب کی پیشین گوئیوں پر یقین رکھنا شرک ہے۔ اور شرک بہت بڑا کفر ہے جو گناہِ کبیرہ ہے۔ جس کی معافی نہیں۔ بلکہ ان کی خدمت کرنا ہمارا فرض ہے۔ کیونکہ اس وقت ان پر بڑھاپا اور نقاہت طاری ہو چکی ہے۔ نیکی اور تقویٰ کی بنیادوں پر مذہبی مفادات اور اپنے بھائیوں اور بہنوں کی جان و مال وعزت کے لئے کام کرنا حقیقی عبادت ہے۔ مخلوق سے محبت اور ان کی خدمت اپنی بساط کے مطابق کرنا خدا سے محبت کی نشانی ہے۔ وہ اس محبت کو بانٹ رہی ہیں۔ وہ ہمارا استاد اور راہبر تو ہو سکتی ہیں خدا کی شراکت نہیں کر سکتیں۔'' وہ نہایت دھیمے اور نرم لہجے میں اسے سمجھا رہی تھی۔ وہ بے یقینی کے عالم میں اسے حیرت وتاسف سے دیکھے جا رہا تھا۔

''حرم بی بی! نیک بندوں کی دعائیں قبول ہوتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے عشق کرنے والوں

میں اسی کی صفات پائی جاتی ہیں۔ ہر رنگ میں اسی کی جھلک ہے۔'' وہ نرمی سے بولا۔

''تم نہیں سمجھو گے چاچا! جب اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک کرو گے تو وہ اپنی رحمتوں، نوازشوں اور عنایتوں کا سایہ تمہارے سر سے اٹھا لے گا۔ یاد رکھو کہ پھر تمہاری کوئی دعا و فریاد آسمان تک نہیں پہنچے گی، یہاں ہی بھٹکتی پھرے گی۔'' وہ اس کی بات سن کر ہلکا سا مسکرائی۔

''اے جی چاچا! خود بھی توبہ تائب کر لو اور اپنے تمام ملنے والوں کو بھی اس کی تلقین کرو۔ تمہاری بخشش ہو کر رہے گی۔ اس کی نشانی یہ ہے کہ تمہارا دل سکون اور ذہن مثبت سوچوں سے ہمکنار رہنے لگے گا۔ اور تم اپنی حاجت اپنے رب کے حضور پیش کرنے لگو گے۔''

''حرم بی بی! میں نے آپ کو کبھی پریشانی اور فکر مندی میں نہیں دیکھا۔ ہر نعمت پر شکرانہ اور نہ ملنے پر بھی بے انتہا صبر و تحمل۔ کیا یہ سب اسی وجہ سے ہے؟'' وہ حیران کُن لہجے میں بولا۔ ''پھر سب آپ کو پاگل کیوں کہتے ہیں؟ آپ تو بہت رحم دل اور خدا ترس ہیں۔ لوگ آپ کو جان ہی نہیں پائے۔ اے جی چاچا! میری دینی تعلیم کا آغاز فقر و فاقہ سے دوچار ان لوگوں سے ہوا تھا جنہیں دینی تعلیمی معلومات کی کمزوری کے باوجود اسے پیشہ بنانا پڑا تھا۔ لیکن میں نے ان کی جہالت سے بھی بہت کچھ سیکھا۔ سفید اور کالے رنگ میں پہچان میں نے انہی سے سیکھی۔ تھینکس ٹو دیم کہ میں حقیقت اور سچائی کی کھوج میں ہر لمحے قدم آگے بڑھاتی چلی گئی۔ ابھی بھی میں بہت جاہل اور اناڑی ہوں۔ اس لئے تو آگے بڑھنا چاہتی ہوں کہ ہو سکتا ہے میں کسی کی زندگی کی مشعلِ راہ بن سکوں۔ اس وقت تو میں خود اندھیروں اور گھٹا ٹوپ تاریکی میں بھٹک رہی ہوں۔ مجھے مشعل کی تلاش ہے چاچا!'' وہ ایک دم سے مضطرب سی ہو کر بولی۔ ''میرے لئے دعا کیا کرو۔''

''حرم بی بی! بے جی سے دعا کروا کر دیکھیں۔ آپ حیران رہ جائیں گی۔ کیا معلوم وہی آپ کے لئے مشعل ثابت ہوں۔'' وہ پھر اپنی ہی لَے میں بولا۔

''تمہاری سُوئی وہیں اٹک کر رہ گئی۔ اُف میرے سر کھپانے کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ ممکنات میں سے ہے۔'' وہ گہری سوچ کے بعد بولی۔ ''اگر وہ مجھے دنیا کی تاریکیوں سے نکال کر ابدی روشنیوں کی جانب دھکیلنے میں کامیاب ہو گئیں تو میں سمجھوں گی کہ وہ بہت بڑی عالمہ اور راہبر ہیں۔ میں پھر بھی انہیں رب العزت کی شریک نہیں ٹھہراؤں گی۔ میں اپنی پیشانی پر عالمہ کی مُہر ثابت کرنے کی خواہش مند نہیں ہوں۔ مجھے نام و پہچان کا لالچ نہیں۔ مجھے زندگی سے انصاف کرنے کے اصول اور قانون سے بہرہ اندوز ہونے کی جستجو ہے۔''

اسی اثناء میں فیضان اور آسیہ گھر کے اندر داخل ہوئے تو اے جی چاچا نے حرم کے سامنے سے چائے کا خالی مگ اُٹھایا اور ان دونوں کی طرف متوجہ ہو گیا۔ فیضان نے اُچٹتی نگاہ حرم پر ڈالی جسے آسیہ نے بھی محسوس کیا کہ ان کی نظروں میں بپتا کی چمک نہیں تھی۔

''بابا! آج میں نے اے جی چاچا کی خوب کلاس لی ہے۔ مگر آخر میں وہ وہی بولا جس

کے بارے میں گھنٹے بھر سے سمجھا رہی تھی۔'' وہ فیضان کی کمر میں بازوؤں کا دائرہ بنا کر بولی اور ہنستی ہوئی حرم آسیہ کو ایک آنکھ نہ بھائی۔

''کتنی بار سمجھایا ہے کہ اپنے لیکچر سے ہر ایک کو امپریس کرنے کی کوشش مت کیا کرو۔ پہلے خود تو جان لو، پڑھ لو۔'' آسیہ نے کاٹ دار لہجے میں کہا تو حرم نے حیرت سے آسیہ کی خونخوار آنکھوں کی طرف دیکھا۔ جب وہ گھر میں داخل ہوئی تھی تو اس کے چہرے پر مکمل طور پر مسرت وطمانیت ہویدا تھی۔ یکدم تاثرات بدلنے کی وجہ اُسے سمجھ نہ آئی تھی۔

''حرم کا نالج لمیٹڈ سہی، مگر ہے کلیئر اور واضح۔ اس لئے اسے مت روکو۔ اللہ کا شکر ادا کیا کرو کہ ہمارے گھرانے میں ایک فرد ایسا ہے جسے اپنے دین کو سمجھنے اور پریکٹس کرنے کا شوق ہے۔'' فیضان نے سنجیدگی سے کہا۔'' جاؤ تم اپنے کام سے مطلب رکھو۔ ہر کام میں ٹانگ اڑانا ضروری مت سمجھو۔''

''ایسی بھی بات نہیں۔ کیا میرا تعلق مسلمان گھرانے سے نہیں؟'' وہ حرم کو گھورتے ہوئے بولی۔ ''بعض لوگوں کے مذہب اور خاندان کا علم ہی نہیں ہوتا مگر وہ خود کو سمجھتے بہت ہیں۔ دیکھئے میرا تمام حدود اربعہ ہر ایک کے سامنے ہے۔ کسی سے چھپا ہوا نہیں۔''

''تمہارا دماغ خراب ہے۔'' وہ بڑبڑائے اور لاجواب سے ہو کر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئے۔

''ممی! میں کچھ سمجھی نہیں۔ آپ دونوں کو ایک دم سے کیا ہو گیا ہے؟ اس میں لڑنے جھگڑنے کی کون سی بات تھی؟'' وہ متذبذب ہو کر بولی۔

''تم نہیں سمجھو گی کچھ راز۔'' آسیہ نے اپنے اندر ہی کہا اور وہ بھی لمبے لمبے قدم اٹھاتی کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ حرم حیرت سے وہیں کھڑی سوچنے لگی کہ اُس نے ایسی کون سی نازیبا بات کہہ دی ہے کہ والدین کا موڈ ہی بگڑ گیا ہے۔

□.......○.......□

''ماہم! تم اچانک کہاں غائب ہو گئی؟..... سراسر زیادتی اور بے انصافی ہے۔'' حرم نے ماہم کو خفگی سے کہا۔'' ذرا ٹائم دیکھو۔ میری اور حبان کی باتیں کب سے ختم ہو چکی ہیں۔''

''کیا ایسا بھی ہوا ہے کہ دو لوگ جو ایک دوسرے کو دل و جان سے چاہتے ہوں، جیون بھر ساتھ گزارنے کے لئے تیار ہوں اور دن کا ہر پل اُنگلیوں پر گن کر گزار رہے ہوں کہ کب اس جدائی پر ملن کا رنگ چڑھ جائے۔ تو ان کی باتیں ختم کیسے ہو سکتی ہیں؟ اپیا! مجھے ہر وقت کباب میں ہڈی بننا پسند نہیں۔ کسی وقت تو آپ دونوں کو فریڈم ملنی چاہئے نا۔'' ماہم نے سنجیدگی مگر نہایت لگاوٹ سے کہا۔

''ماہم! اب بہت جلد ان تمام مشکلات سے جان خلاصی ہونے والی ہے۔'' حبان نے خوش دلی سے کہا۔

"یعنی مژدۂ راحت یہ ہے کہ آپ کو چند ملاقاتوں میں ہی شاندار کامیابی حاصل ہوئی ہے۔ حرم اپیا سے اجازت مل گئی۔ حبان بھیا! جلد ہی اپنی ممی کو بھیج دیجئے تاکہ ہمارے گھر کے ماحول میں بھی کچھ تبدیلی آئے۔ مایوں اور مہندی کی رسمیں، گانے اور ڈانسز کی ریہرسل شروع ہو۔ زندگی بہت ڈل ہو گئی ہے۔" ماہم نے اُچھلتے ہوئے کہا۔ "اس کامیابی کی خوشی میں میرا انعام مت بھولیئے گا۔"

"انعام تو تمہاری محنتوں اور کاوشوں کا حق ہے۔ مگر مجھے یہ ہندوانہ اور غیر اسلامی رسمیں ہرگز قابل قبول نہیں ہیں۔ نصیبو کی شادی نہایت سادگی سے ہو سکتی ہے تو ہمیں کیا مسئلہ ہے؟" وہ آہستگی سے بولی۔ "بچہ پہلا قدم اٹھاتے ہوئے کس قدر ہچکچاتا ہے۔ کبھی کسی کا سہارا لے کر اپنی ہمت بڑھاتا ہے تو کبھی گر کر اُٹھتا ہے۔ جب پہلا قدم اٹھانے میں کامیاب ہو جاتا ہے تو پھر کسی کے قابو نہیں آتا۔ بھاگتا چلا جاتا ہے۔ ہمیں اسی مثال کو مدِنظر رکھتے ہوئے پہلا قدم اٹھانے کی جرأت کرنی پڑے گی۔ پھر دیکھنا ہمارے پیچھے قدموں کی چاپ ہو گی۔ جو بڑھتی چلی جائے گی۔"

"حبان بھیا! اگر آپ کے بھی یہی خیالات ہیں تو پھر سمجھئے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کا جوڑا بنانے میں غلطی نہیں کی۔ سخت قسم کے بورنگ اور پرلے درجے کے ڈل لوگ ہیں آپ۔" ماہم برا سا منہ بنا کر بولی۔

"میرے خیالات تو ایسے ہرگز نہیں ہیں۔ لیکن حرم بھی غلط نہیں کہہ رہی۔ میرا خیال ہے کہ میانہ روی اختیار کرنا بہتر ہے۔ ہمارے دین اسلام میں میانہ روی کو خاصی اہمیت حاصل ہے۔ کیوں حرم! یہ فعل اللہ تعالیٰ کو بے حد پسند ہے نا؟" وہ سمجھداری سے بولا۔

"جی۔" حرم نے اثبات میں سر ہلایا۔

"مجھے آج یقین ہو چلا ہے کہ آپ دونوں کی گفتگو میں رومانس کا ہلکا سا گزر بھی نہیں ہوتا ہو گا۔ ہر طرح کی گفتگو اور بحث چلتی ہو گی۔ کیا مجال کہ دونوں نے کبھی پسندیدگی اور محبت کا اظہار کرنے کی تکلیف گوارا کی ہو۔ آج کے بعد میں ممی سے کوئی بہانہ نہیں بناؤں گی۔ جھوٹ نہیں بولوں گی۔ اور آپ دونوں کا ساتھ بھی نہیں دوں گی۔ حبان بھیا! کم از کم مجھے آپ سے یہ اُمید ہرگز نہیں تھی۔" ماہم دونوں کی باتوں سے زِچ ہو کر بولی تو دونوں نے ایک دوسرے کو آنکھ ماری اور ہنسنے لگے۔

□.......○.......□

"ماما! میں آپ کو اپنی پسند بتا چکا ہوں۔ اس لئے مجھے بار بار شوپیس بنانے کا خیال ذہن سے نکال دیں۔" حبان نے ماں کی لمبی چوڑی تمہید سن کر مستحکم لہجے میں کہا تو عارفہ جل بھُن کر رہ گئی۔

"یہ بتاؤ کہ تمہیں اس میں سوائے گورے رنگ کے اور نظر ہی کیا آیا ہے جو اس کی ایک

جھلک نے تمہیں دیوانہ بنا دیا ہے۔ تم نے غور کیا تھا کہ مجھے گھر میں کام کرنے والی میڈ کا گمان ہوا تھا۔ بلکہ اس کی ہاؤس کیپر کی حالت بدرجہا بہتر تھی۔ اور گنواروں کی طرح تم سے کیسے وہ منہ موڑے بیٹھی تھی۔ اسے سادگی نہیں احساسِ کمتری کہتے ہیں۔ اور جن کو یہ لاعلاج مرض لاحق ہو جائے تو ان کی شخصیت میں خود اعتمادی کا نام و نشان نہیں ملتا۔ ایسے لوگ اپنی کمزوریوں پر سادگی کی مُہر ثبت کر کے ہر طرح کے کمپی ٹیشن سے کنارہ کشی اختیار کرنے میں اطمینان محسوس کرتے ہیں۔ اس سے ہزارہا درجے بہتر تو اس کی چھوٹی بہنیں ہیں۔ کم از کم اٹھنے بیٹھنے کے سلیقے اور پہننے اوڑھنے کے ڈھنگ سے تو واقف ہیں۔ تعلیمی میدان میں بھی اس سے بہت آگے ہیں۔ تمہاری للی آنٹی، ماہم کے لئے کہہ رہی تھی۔ مجھے اس کا مشورہ بہت پسند آیا ہے۔ کیونکہ مجھے وہ خاندان چھوٹنے کا بہت قلق تھا۔" عارفہ نے ماہم کی دل کھول کر تعریف کر دی تو حبان نے ناگواری سے ماں کی طرف دیکھا اور تاسف بھرے لہجے میں بولا۔

"ماما! کتنے افسوس اور شرم کا مقام ہے ہمارے لئے کہ ہم نے حرم کو انسانوں کی فہرست سے خارج کر کے ماہم کے بارے میں سوچ لیا۔ کیا حرم کے سینے میں دل نہیں یا ذہن ہر طرح کے شعور سے عاری ہے کہ وہ ہماری طرف سے ہونے والی زیادتی اور بے انصافی کو محسوس نہیں کر سکتی۔ اخلاق سے گرے ہوئے اس گھٹیا مشورے کو آپ نے اسی وقت ریجیکٹ کیوں نہ کیا؟ للی آنٹی بھی ایسی کھری خاتون تو ہیں نہیں کہ ان پر مکمل طور پر بھروسہ کر لیا جائے۔ بیسیوں بار آپ سے نت نئی گیم کھیل چکی ہیں۔ آپ پھر فراموش کئے ان کے پیچھے چل پڑتی ہیں۔ ماما! وہ آپ کے تنہا ہونے کا فائدہ اٹھانا چاہتی ہیں۔ آپ ان سے فاصلہ رکھیں اور مشورہ لینے سے پرہیز کریں۔ ورنہ آپ بہت بڑے دھوکے اور فریب کا شکار ہو جائیں گی۔ شی اِز سو کلیور ماما! آپ نہیں جانتیں۔ نہ جانے یہ محترمہ آپ کی اور آنٹی آسیہ کی اتنی گہری دوست کیسے ہو سکتی ہیں۔" وہ متذبذب سا ہو کر بولا۔

"تم میری بات اپنے پلے باندھ لو کہ تمہاری نہیں، یہاں میری مرضی چلے گی۔ مجھے حرم نہیں، ماہم پسند ہے۔ بے چاری للی کا کیا قصور کہ تم نے اس کے بارے میں اس قدر غلط بیانی سے کام لیا۔ یہ میری ریکویسٹ تھی۔ کسی اور لڑکی کے لئے تو اس نے فقط مشورہ ہی تو دیا تھا۔ اور وہ میرے دل کو بھا گیا۔" وہ سنجیدگی سے بولی۔

"لیکن مجھے ماہم نہیں، حرم پسند ہے۔ میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ اگر شادی ہو گی تو صرف اور صرف حرم سے ہو گی۔ اور اگلے جہاں میں بھی حرم کی قربت میں رہنا پسند کروں گا۔ ماما! کیا آپ کو فخر محسوس نہیں ہو گا، آپ کی بہو جنتی حور سے مشابہت رکھتی ہو گی۔" وہ مستحکم لہجے میں بولا تو عارفہ ہکا بکا اسے دیکھنے لگی۔

"ہاں ماما! میں نے اپنا حتمی اور آخری نہایت مناسب اور جائز فیصلہ سنا دیا ہے۔ اس لئے آسیہ آنٹی سے ڈائریکٹ بات کریں۔ للی آنٹی سے مشورہ لینے اور انہیں انوالو کرنے کی

قطعاً ضرورت نہیں۔ وہ رنگ میں بھنگ کی آمیزش کرنے سے باز نہیں آئیں گی۔'' وہ ماں کو حیرت و تاسف میں غوطہ زن ہوتے دیکھ کر بولا۔ ماں کی خاموشی پر اس کے کندھے دبانے لگا اور چہرے پر خوشامدانہ مسکان بکھر گئی۔

''تو پھر میرا ایک مشورہ ہے۔ اگر سننا چاہو تو۔'' وہ توقف کے بعد طنزیہ لہجے میں گویا ہوئی۔

''ممی! آپ کا ہر مشورہ، ہر حکم میرے سر آنکھوں پر۔ آپ فرمائیں۔'' وہ مؤدبانہ لہجے میں بولا۔

''اگر تمہیں حرم پسند ہے تو اس سے دو چار مہینے رابطہ اور میل ملاپ رکھو۔ اب وہ زمانہ تو نہیں رہا کہ لڑکی کو ایک نظر دیکھا اور گال کا کالا تِل پسند آیا اور زندگی اس کے ساتھ گزارنے کا فیصلہ کر لیا۔ ایسا تو ہمارے وقتوں میں بھی نہیں ہوا تھا۔ ہمارے رشتے کی دعائے خیر کے بعد تمہارے پاپا دو سال تک ہمارے گھر ہر ہفتے آیا کرتے تھے اور ہم مل کر وقت گزارا کرتے تھے۔ اب تو ریکوائرمنٹس ہی بدل گئی ہیں اس لئے تو طلاق جیسی لعنت عام دیکھنے اور سننے میں آتی ہے۔ نہ لڑکیوں میں صبر و تحمل ہے نہ لڑکوں کو اپنی ذمہ داریوں کو خوش اسلوبی سے نبھانے سے غرض ہے۔ جب والد کے پیسے پر تمام اخراجات پورے ہوں گے تو وہاں نہ تو بہو کی عزت و تکریم نہ بیٹے کی غیرت و انا محفوظ رہتی ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ ہمارے گھر کا یہ مسئلہ تو نہیں۔ لیکن مجھے حرم بے تحاشا ناک چڑھی اور بدلحاظ لگی ہے۔ ایسی لڑکی میرے ساتھ کیسے چل سکتی ہے؟ تم بھی چند دنوں بعد پسندیدگی کے نشے سے باہر نکل آؤ گے اور انجام بہت بھیانک ہوگا۔'' عارفہ نے پژمردگی سے کہا۔ ''آج تمہارے پاپا زندہ ہوتے تو میں دیکھتی کہ تم میری نافرمانی اور حکم عدولی کیسے کرتے؟ میں سسرال کے ناروا سلوک اور یخ بستہ روّیے پر ہر وقت مضطرب رہتی ہوں۔ ان سے میرا خونی رشتہ نہیں۔ سر سے شوہر کا سایہ اُٹھ جائے تو ماں اولاد کی نظر میں بھی بے معنی اور بے وقعت ہو کر رہ جاتی ہے۔ اور اولاد اسے بارِ گراں سمجھ کر نظرانداز کرنے لگتی ہے۔ اس کے برعکس ماں اپنی اولاد کے نام پر اپنے قدموں پر کھڑی ہو جاتی ہے۔ اور ماں کے رشتے میں باپ کا روپ اپنا کر اس کا سایہ بن جاتی ہے۔ تحفظ کا سامان کرتی ہے۔ وہ ہر لمحے قربانی دینے کے لئے تیار ملے گی۔ اپنے منہ کا نوالہ اسے کھلا کر مسرت و تسکین محسوس کرے گی۔ یہ ہے ماں کی اصلیت اور یہ ہے تمہاری حقیقت۔'' وہ روہانسی ہوگئی۔

''ماما! آپ پر ایسا مشکل وقت کبھی نہیں آیا۔ پاپا کے جانے کے بعد بھی آپ کو کسی قسم کی کمی محسوس نہیں ہوئی۔ اسی گھر میں نہایت شان و شوکت سے زندگی گزاری ہے آپ نے جہاں آپ بیاہ کر آئی تھیں۔ ایک عورت کو اور کیا چاہئے؟'' وہ سنجیدگی سے بولا۔

''تم کیا جانو اِک تنہا عورت کی فیلنگز کو۔ میں نے اپنے جذبات و احساسات کبھی تم سے

شیئر کئے ہوتے تو آج تم اس قدر سرد مہری سے یہ بات نہ کہتے۔ تمہاری خوشی کی خاطر تم سے اپنا ہر درد، دکھ اور غم چھپائے رکھا۔ کیونکہ میں تمہیں معاشرے کا اِک مکمل اور بھرپور مرد دیکھنے کی آرزومند تھی۔ وہ خوداعتمادی، بے باکی اور مردانگی تو تم میں آ گئی جس کی میں نے خواہش کی تھی، مگر تم بیٹے کے رشتے میں بے حس ہی رہے۔'' وہ رو دی تو حبان تڑپ کر ماں کو گلے لگا کر اس کے آنسو صاف کرتے ہوئے بولا۔

''ماما! اگر آپ کی خوشی ماہم سے شادی کرنے میں ہے تو مجھے ہرگز اعتراض نہ ہوتا اگر میں پچھلے کئی مہینوں سے حرم سے مل رہا نہ ہوتا۔ اپنی پسند اور محبت کا اظہار کرنے کے بعد ماہم سے شادی کرنے کا فیصلہ مجھے اپنی ہی نظروں میں ایسا زیر کرے گا کہ تاحیات اُٹھ نہیں سکوں گا۔ یہ بہت جان لیوا احساس ہے۔ اور حرم پر جو گزرے گی، وہ تو آپ ایک عورت ہونے کے ناطے بخوبی اندازہ لگا سکتی ہیں۔ کیونکہ میں پہلا مخالف جنس ہوں جسے اس نے اپنے اندر جھانکنے اور پرکھنے کی اجازت دی ہے۔'' حبان بے بسی و لاچارگی سے بولا۔

''بیٹا! آئی ایم سوری۔ میں نہیں جانتی تھی کہ بات یہاں تک پہنچ چکی ہے۔ میرا مقصد اموشنل بلیک میل کرنا ہرگز نہیں تھا۔'' وہ ایک دم سے سنبھل سی گئی اور نرمی سے بولی۔ ''حبان! آئی وانٹ ٹو نو کہ یہ سب کیسے ہوا؟ وہ تم سے ملاقات پر رضامند کیسے ہوئی؟ وہ تو گھٹن زدہ دقیانوسی خیالات کی لڑکی ہے۔ یہ معجزہ کیسے رونما ہوا؟ حیرت کی بات ہے۔ کیا یہ پردہ حجاب اِک ڈھکوسلا ہی تھا؟''

''ایسی بات ہرگز نہیں۔ وہ اِک روشن دماغ اور وسیع النظر لڑکی ہے۔ اسلام جہاں اسے آزادی کا حق دیتا ہے وہ اسے استعمال کرنے میں عار و شرم محسوس نہیں کرتی۔ وا اپنے دینِ فطرت کے مطابق بے حد مناسب اور موزوں دلائل پیش کرتی ہے جو دل میں اُتر جاتے ہیں۔ وہ دقیانوسی ہرگز نہیں۔'' حبان نے تمام حالات ماں کے گوش گزار کیئے اور آخر میں خوش ہوتے ہوئے بولا۔

''ماما! آپ حرم کو پہچان نہیں سکیں گی۔ جب سے میں اس کی زندگی میں آیا ہوں، وہ میرے بارے میں سوچنے لگی ہے۔ وہ میرے لئے سنورنے لگی ہے۔ اسٹائلش لباس اور کھلتے ہوئے رنگوں میں وہ بہت حسین اور پُرکشش لگتی ہے۔ ویسے پہلے روپ کا بھی جواب نہیں تھا۔ اب بھی بے مثال ہے۔''

''تو کیا حجاب کو خدا حافظ کہہ دیا اُس نے؟..... وہ تو بہت پارسا اور اپنے خیالات میں مستحکم دکھائی دیتی تھی۔ کیا وہ سب ڈرامہ تھا؟ دکھاوا اور سب کی نظروں میں آنے کا اِک بہانہ تھا؟...... ایسے مزاج کی لڑکی پر بھروسہ کرنا سراسر نادانی ہے بیٹا! کل وہ تمہیں بھی نہایت آسانی سے چھوڑ سکتی ہے۔ چھوٹی چھوٹی باتوں اور حرکتوں سے دوسروں کی پرسنیلٹی میں پوشیدہ بے حساب خصلتوں کی پہچان ہوتی ہے۔ ذہنی ساخت کا علم ہوتا ہے۔ تم ابھی بہت چھوٹے ہو۔

سمجھ نہیں پاؤ گے۔'' وہ حیران کن لہجے میں بولی۔

''ماما! کیا حجاب عورت کے پیدائشی حق کو چھیننے کے کام آتا ہے؟ بننا سنورنا اس کے لئے جائز ہے۔ یہ اس کا حق ہے۔ یہ وہ بھی جانتی ہے۔ ماما! وہ ابھی بھی اسی طرح حجاب و پردہ داری میں ہے۔ صرف طریقہ بدلا ہے۔'' وہ ماں کی بات سن کر ہنس دیا اور پیار بھرے لہجے میں بولا۔

''تو کیا شٹل کاک برقعہ اوڑھ لیا ہے؟'' وہ بے اختیاری سے بولی۔

''وہ بھی قابل قبول ہے۔ لیکن اس نے اپنے ڈریسز کے ساتھ کے دوپٹوں کا استعمال شروع کر دیا ہے۔ ماما! آپ بھی اس کی گریس سے امپریس ہو کر خود کو دوپٹے کے ہالے میں لپیٹ لیں گی۔ میں نے محسوس کیا ہے کہ ڈھکی چھپی عورت کا حُسن تو جاذبِ نظر اور قاتلانہ ہو جاتا ہے۔ شاید اس سچائی کا عورت کو علم نہیں۔ ورنہ یقین جانئے کہ اگر وہ یہ بھید جان جائے تو آپ کو کوئی عورت ننگے سر اور عریاں لباس میں نظر نہیں آئے گی۔'' وہ ہنستے ہوئے بولا تو عارفہ نے غیر ارادی طور پر اپنے ننگے بازوؤں پر ساڑھی کا پلو ڈال دیا جسے حبان نے محسوس تو کر ہی لیا تھا مگر جتانا بدتمیزی اور بے لحاظی لگی تھی۔ اس لئے دوسری طرف دیکھنے لگا۔

''میں ابھی آسیہ سے بات کرتی ہوں۔ اس سے ان شاءاللہ کل ہی ملنے کا پروگرام بناتی ہوں۔ مجھے تمہاری ہر بات کے ہر حرف پر مکمل اعتماد و یقین ہے۔ تم میری طرف سے بے فکر ہو جاؤ۔ ہاں! تم کل ایک ٹوکرا مٹھائی اور پھول اپنی مرضی اور پسند کے خرید لانا۔ مجھے ان کی طرف سے ہاں کی امید ہے۔ میرا دل گواہی دے رہا ہے۔'' وہ سوچتے ہوئے بولی۔ ''میرے بیٹے جیسا داماد تو نصیبوں والے خاندان کو ملتا ہے۔ یہ وہ بھی جانتی ہے۔ للّی نے مجھے ایسے تو ماہم کا مشورہ نہیں دیا تھا۔ ہو نہ ہو، یہ مشورہ آسیہ کی طرف سے آیا ہو گا۔ للّی اتنی دور اندیش عورت نہیں ہے کہ یوں رشتوں میں توڑ جوڑ کر سکے۔''

''مے بی۔ خیر جو بھی ہے، مقصد پورا ہونا لازم ہے۔'' وہ خوش ہوتے ہوئے بولا۔ ''میری ماما جیسی ماں چراغ لے کر ڈھونڈنے سے بھی نہ ملے۔ یاد رکھیے گا کہ رشتہ ماہم کے لئے نہیں۔''

''ویسے یہی تو دھماکا خیز خبر تمہیں سنانے والی ہوں کہ ماہم کا بھی جواب نہیں۔ ذرا تیار رہنا۔ خوشامدی کہیں کا۔ میں جانتی ہوں تمہاری رگ رگ کو۔ جب مطلب نکل گیا تو ایسی طوطا چشمی دکھائے گا کہ حیرت سے ہی میری یہ بے چین روح پرواز کر جائے گی۔'' وہ خوشگوار لہجے میں بولی تو حبان نے متذبذب نگاہوں سے ماں کی طرف دیکھا کہ کہیں سچ تو نہیں کہہ رہی۔

□.......○.......□

آسیہ نے موبائل آف کرتے ہی للّی کا نمبر ملا دا۔ اس کی خواہش کے پوری ہونے میں اتنا سا وقت لگے گا، اسے یقین نہیں آ رہا تھا۔ للّی کی دور اندیشی اور دانش مندی پر وہ واہ واہ کر

اُٹھی۔ دوسری طرف سے نمبر نو ریپلائے تھا۔ آسیہ بار بار نمبر ملاتی رہی مگر جواب موصول نہ ہوا۔ ایس ایم ایس کرنے کے ایک گھنٹے بعد للی کا فون آ گیا۔

''للی! تم کہاں تھی؟ بہت عجیب عورت ہو۔ یہاں ایمرجنسی ہو جائے، محترمہ اپنی دنیا سے باہر نکل کر دیکھنا گوارا نہ کریں گی۔'' آسیہ نے کڑھ کر کہا۔

''خدا خیر کرے۔ کون سی ایمرجنسی نے پریشان کر رکھا ہے؟ جلدی بتاؤ۔ میرا دل بیٹھنے لگا ہے۔'' وہ سچ مچ دل پر ہاتھ رکھ کر صوفے سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔ جذباتی اور دل کی کمزور تو وہ ہمیشہ سے ہی تھی، فوراً ہار مان لیا کرتی تھی۔

''خوشخبری ہے۔'' آسیہ چہک کر بولی۔

''بھئی بتا بھی چکو۔'' وہ بے قراری سے بولی۔

''تمہاری کوششیں رنگ لے آئیں۔ کل مسز انعام یعنی تمہاری کلوز فرینڈ عارفہ تشریف لانا چاہ رہی ہیں۔'' وہ خوش الحانی سے بولی۔ ''تم آ رہی ہو نا؟''

''مجھے اُس نے اس پیش رفت کے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔ نیور مائنڈ'' اس نے ٹھیک ہی سوچا ہوگا۔''

''ممکن ہے کہ آپ دونوں کے درمیان میری موجودگی بہتر ثابت نہ ہو۔ مگر اپنا وعدہ یاد رکھنا۔ مجھے تو اسی سے غرض ہے۔'' وہ خوشگوار لہجے میں بولی۔

''یہ بار بار یاد دہانی کرانا چھوڑ دو۔ میری یادداشت ابھی بھی بہت شارپ ہے۔ اپنی خیر مناؤ کہ تم ذہنی طور پر کچھ بھلکڑ ہو گئی ہو۔'' آسیہ نے ہنستے ہوئے اسے چھیڑا تو وہ بھی حسبِ معمول جاندار قہقہہ لگا کر اس کا تمسخر اُڑانے لگی۔ دیر تک دونوں اسی موضوع پر باتیں کرتی رہیں اور آئندہ کے پروگرام بناتے اور ڈھاتے ہوئے فون بند کر دیا۔

جونہی اس نے موبائل ٹیبل پر رکھا، فیضان کمرے میں داخل ہوئے۔ لیپ ٹاپ بیگ ٹیبل پر رکھ کر وہ خاموشی سے باتھ روم کی طرف چل دیئے تو آسیہ نے راستہ روک کر کہا۔

''نہ علیک سلیک نہ کوئی بات وات۔ تمام مینرز پر آپ کی مصروفیات کی گہری اور دبیز تہہ جم گئی ہے۔ اپنے آس پاس کوئی نظر ہی نہیں آتا۔ بینائی پر چربی چڑھ گئی ہے اور عقل پر پردہ آ گیا ہے۔'' وہ بڑبڑاتی ہوئی خود پر قابو پا کر مسکراتے ہوئے ان کے قریب جا کر کھڑی ہو گئی اور ٹائی کی گرہ ڈھیلی کرتے ہوئے خوشگوار لہجے میں بولی۔ ''آپ یہ بھی نہیں پوچھیں گے کہ میں آج اتنی خوش کیوں ہوں؟''

''بولو۔'' وہ سرد مہری سے بولے تو آسیہ نے ٹائی کو وہیں چھوڑا اور لاؤنج میں جھانکا۔ حرم صوفے پر نیم دراز انگلش فکشن محویت سے پڑھ رہی تھی۔ اس کے لبوں پر ہلکی سی مسکان محظوظ ہونے کی نشاندہی کر رہی تھی۔ سر سے دوپٹہ اُترا ہوا تھا اور بال قالین کو چھو رہے تھے۔ اس وقت اے جی چاچا بھی اپنے کوارٹر آرام کرنے چلا جاتا تھا۔ میڈ اِدھر اُدھر گھومتی ہوئی نظر آ

رہی تھی۔

آسیہ نے حیرت سے اس کا جائزہ لیا اور اس کے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ جب آسیہ اس کے کمرے سے باہر نکلی تو اس کے ہاتھ میں مولانا مودودی کی تفسیر کی دوسری جلد تھی۔ آسیہ نے آگے بڑھ کر حرم کے ہاتھ سے ناول چھین کر اس کی طرف تفسیر بڑھائی اور کڑک دار لہجے میں بولی۔

''یہ بے ہودہ ناول تمہارے ہاتھوں میں زیب نہیں دیتے۔ لگتا ہے جوانی دیوانگی کی طرف چل پڑی ہے۔''

''ممی! خدا کے لئے۔'' وہ ایک دم سے اُٹھ کر بیٹھ گئی۔ ''کیا ہو گیا ہے آپ کو؟ ماہم اور ماہا ایسے ناول پڑھ سکتی ہیں تو مجھ پر اعتراض کیوں ہے؟......ممی! چوبیس گھنٹوں کی تقسیم میں ایسی ریڈنگ کا بھی حصہ ہونا چاہیئے۔ آخر ہمیں اس دنیا کے ساتھ بھی تو چلنے کے گُر آنے چاہئیں۔ آپ خود ہی تو فرمایا کرتی تھیں کہ دین اور دنیا کو ایک ہی ترازو میں انصاف سے تولنے کو اصل عبادت کہتے ہیں۔ اب میں اسی فارمولے کی کھوج میں رہنے لگی ہوں تو آپ کو اعتراض کیونکر ہونے لگا ہے؟'' وہ جمائی اور انگڑائی لیتے ہوئے خود اعتمادی سے بولی۔ فیضان کمرے کے دروازے میں کھڑے تمام سین اور گفتگو سن رہے تھے۔

''بے وقوف لڑکی! اپنے آپ کو سنبھالو، سمیٹو۔ تم پر برا وقت آ گیا ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ تم بہت جلد مٹی کے حقیر ذروں کی طرح پاؤں کی دھول بن جاؤ گی۔ رانو! اِدھر آؤ۔ حرم بی بی کی خوب کس کر چٹیا کرو۔ ہاں کڑوا تیل لگانا مت بھولنا۔ بالوں کے لئے بہترین ٹانک ہے۔'' وہ زہر آلود لہجے میں بولے جا رہی تھی۔

''ممی! میں نے بھلے وقتوں میں کس کر چٹیا نہیں بنائی۔ کڑوا تیل چھوڑے تو دو سال ہو گئے ہیں۔ اب برے وقت میں یہ سب کیسے ہو سکتا ہے؟ گیلے بال سمیٹوں گی تو بالوں سے بدبو آنے لگے گی۔ آپ خود ہی تو کہا کرتی تھیں۔ اب میں نے آپ کی ہر نصیحت پر سرِ تسلیم خم اور عمل کرنا شروع کر دیا ہے تو آپ کے اعتراضات کی لسٹ بڑھتی جا رہی ہے۔ مسئلہ کیا ہے مام؟'' وہ حیرت و اضطراری کیفیت میں بولی تو فیضان وہیں کھڑے کھڑے غصیلے لہجے میں بولے۔ ''تمہاری ماں کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ مجھے تو یہی مسئلہ نظر آ رہا ہے۔ آسیہ! خدا کے لئے کسی سائیکاٹرسٹ سے مشورہ کرو۔ خوامخواہ گھر کو جہنم بنانے پر کیوں تُل گئی ہو؟''

''بابا! ہماری گفتگو میں دخل اندازی منع ہے۔'' وہ فیضان کے قریب پہنچ کر ان کے لبوں پر انگلی رکھ کر شگفتہ لہجے میں بولی تو آسیہ نے آگے بڑھ کر اسے دھکا دے کر فیضان سے دور کر دیا۔

''یہاں سے اپنے کمرے میں دفع ہو جاؤ۔'' وہ زور سے چیخی تو فیضان، آسیہ کو بازو سے پکڑ کر گھسیٹنے کے انداز میں کمرے میں لے گئے اور دروازہ اندر سے لاک کر لیا۔ حرم حیران و

پریشان باہر کھڑی آسیہ کے رونے لگی آواز پر تڑپتی ہوئی آگے بڑھی اور ان کے کمرے کا دروازہ پیٹنے لگی۔

□.......○.......□

''بائے چانس آج فیضان پھر غیر حاضر ہیں۔ صبح کی فلائٹ سے چائنہ چلے گئے۔ بزنس ریکوائرمنٹس سے آپ بخوبی خبردار ہیں کہ آناً فاناً ہی پروگرام بنتے اور بگڑتے ہیں۔ آج ایسی ہی مجبوری تھی۔'' آسیہ نے عارفہ کی طرف ٹرالی گھسیٹتے ہوئے کہا۔

''آسیہ! یہ مائنڈ کرنے والی بات نہیں۔ کرتا دھرتا عورت ہی تو ہوتی ہے۔ فیصلے بھی کرنے میں ماہراور مردم شناسی میں بھی لاجواب ہونے کی وجہ سے شوہر سے ہر بات منوا بھی لیتی ہے۔ اور ناکامی کی صورت میں اسے موردِ الزام بھی ٹھہرانے میں خاصی مہارت رکھتی ہے۔ مرد سمجھتا ہے کہ ہم بہت چالاک اور ہوشیار ہیں۔ بیوی کو سر اٹھانے سے پہلے ہی کچلنا ہمارا شیوہ ہے۔ کس خوش فہمی میں زندگی گزار دیتے ہیں۔'' وہ ہنستے ہوئے بولے جا رہی تھی۔

آسیہ خاموش ہی رہی تو پلیٹ میں کباب نکالتے ہوئے پھر گویا ہوئی۔

''آج آپ بہت افسردہ لگ رہے ہیں۔ میں جانتی ہوں جب تک بیٹی کے نصیب کا فیصلہ نہیں ہوتا، والدین کی یہی حالت ہوتی ہے۔ کشش و پنج میں پڑے رہتے ہیں بے چارے۔''

''عارفہ! آپ نے درست فرمایا ہے۔ بہت مشکل کام ہے یہ۔ یہ بچیاں دل کے ٹکڑے ہی تو ہوتی ہیں۔ ذرا سی آنچ پر دل متاثر تو ہوگا نا۔ دل بہت بے چین رہنے لگا ہے۔ اطمینان اور سکون نہ جانے کس نگری جا چھپا ہے۔'' وہ آہ بھر کر بولی۔

''تو پھر فیصلہ کرلیں۔ دل و دماغ سکون وطمانیت سے ہمکنار ہو جائے گا۔'' وہ اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر اپنائیت سے بولی۔

''عارفہ! میری طرف سے فیصلہ تو کب کا ہو چکا ہے۔ حبان بچہ ہی ایسا ہے کہ دوبارہ سوچنے کی ضرورت ہی نہ پڑی۔'' وہ اپنا موڈ خوشگوار کرتے ہوئے بولی۔ ''میری طرف سے بالکل بے فکر رہیں۔ فیضان کو سمجھانا، بہلانا اور پھسلانا میرا کام ہے۔ آپ میری طرف سے ہاں سمجھیں۔ اس ایک چھوٹے سے لفظ کی ادائیگی میں کس قدر سکون و اطمینان ہے، اس کا اندازہ مجھے اسی لمحے ہوگیا ہے۔''

اس کے اندر کی کشیدگی قدرے کم سی ہوگئی۔ مگر فیضان کی طرف سے دل بھی پھڑ پھڑایا تھا۔

''تو پھر منہ میٹھا کریں۔'' عارفہ نے خوش دلی سے کہا اور ٹرالی سے مٹھائی اٹھا کر اس کے منہ کی طرف بڑھائی تو آسیہ نے انکار کرنا مناسب نہ سمجھا اور منہ کھول دیا۔

''بس آتے جاتے رہیں ہم ملتے ملاتے رہیں گے تو آٹومیٹکلی بچوں میں انڈرسٹینڈنگ

بڑھتی چلی جائے گی۔ جو کہ رشتے کے استحکام کے لئے بہت اہم ہے۔'' آسیہ نے دل کو قابو میں کرتے ہوئے اطمینان بخش لہجے میں کہا۔

''آف کورس۔ بھائی صاحب کے آنے پر میں حبان کو لے کر حاضر ہو جاؤں گی۔ تا کہ دعائے خیر تو ہو جائے۔ میں حبان کے ددھیال کو ابھی کچھ نہیں بتانا چاہتی۔ کیونکہ ان کے خاندان میں لڑکیوں کی بھرمار ہے۔ نہ تو حبان کا رجحان اس طرف ہوا، نہ ہی میرا۔ شادی کا کارڈ ہی اُنہیں اس خوشخبری کی اطلاع بم کا دھماکہ بن کر دے گا۔'' وہ دُکھی لہجے میں بولی۔

''جب انہوں نے میرا مشکل وقت میں ساتھ نہیں دیا تو اب میں خود مختار اور خود کفیل ہوں۔ آسیہ! جب شوہر چلا جاتا ہے تو یہی خونی رشتے خون کے پیاسے ہو جاتے ہیں۔ پائی پائی کلیم کرنے پر تُل جاتے ہیں۔ خدا کا شکر ہے کہ قانون نے میرا ساتھ دیا۔ میں شرعی، آئینی اور قانونی طور پر انعام کی ہر چیز کو حاصل کر چکی ہوں۔ آپ کبھی یہ خیال دل میں نہیں لایئے گا کہ حبان یتیم ہے، لاوارث ہے۔ اس کے خاندان کے نام کی خاطر میں نے ہر طرح کے حال میں اُن سے دنیا داری اور وضع داری نبھائی ہے۔ ددھیال کا نام ہی بچوں کے لئے بہت بڑی سکیورٹی اور پہچان بن جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ میرے بچے میں کسی خوبی اور اچھائی کی کمی نہیں۔ میرا رابطہ دونوں خاندانوں سے بدستور قائم ہے۔ مکمل ذات تو میرے مالک کی ہے۔ میں نے اپنے بیٹے کی تربیت میں کہیں بھی کمی نہیں چھوڑی۔ آپ سب کو کبھی پچھتاوا نہیں ہو گا۔''

''میں سب جانتی ہوں عارفہ!'' آسیہ نے تسلی دینے کے انداز میں کہا۔ ''میں اسی دنیا میں رہتی ہوں۔ ہر رشتے کی پہچان رکھتی ہوں۔''

''بچیاں نظر نہیں آرہیں۔'' عارفہ نے دروازے سے باہر دیکھتے ہوئے کہا۔

''تینوں اپنے ددھیال گئی ہوئی ہیں۔ کزن کی برتھ ڈے پر جانا بہت ضروری تھا۔ ورنہ میں روک لیتی۔'' آسیہ نے چائے بناتے ہوئے کہا تو عارفہ نے تشکرانہ لہجے میں کہا۔

''آسیہ! میں تمہارا احسان زندگی بھر نہیں بھولوں گی۔ تم نے مجھے گھر گھر پھرنے اور ذلیل ہونے سے بچا لیا۔''

آسیہ نے بھی احسان مندانہ نظروں سے اسے دیکھا اور دونوں چائے پینے لگیں۔ تھوڑی دیر تک ماحول میں خاموشی رہی۔ پھر دونوں ڈزائنر کپڑوں، ڈائمنڈ جیولری کی باتیں کرتے ہوئے ملازموں اور ان کے مسائل پر خون جلانے لگیں جو بیگمات کے لئے اس زمانے کا رواج بن چکا تھا۔

□.......○.......□

''حرم! مجھے اچانک کراچی جانا پڑا ہے۔ ورنہ تمہیں آج تو زبردستی گلے لگا کر مبارکباد دیتا۔'' حبان نے جھکتے ہوئے کہا۔

''کس خوشی میں تشکر کے بجائے گناہِ کبیرہ کرنے کا سوچ لیا ہے آپ نے؟'' وہ ہلکا سا مسکرا کر بولی۔

''انجان اور بھولی مت بنو۔ ویسے ہو تم کافی خفیہ۔'' وہ چھیڑتے ہوئے بولا۔

''میں کچھ نہیں جانتی۔'' وہ حیرت افزا لہجے میں بولی۔

''میں دو دن سے ایک ڈیلی گیشن کے ساتھ مصروف رہا۔ مگر تم بھی ایسی اکڑوں ہو کہ نہ فون کیا، نہ ایس ایم ایس چھوڑا۔ بہت بے مروّت ہو۔'' وہ بناوٹی خفگی سے بولا۔

''بھئی بتایئے تو کہ آپ نے کون سا تیر چلا دیا ہے؟'' وہ حیرت سے بولی۔

''تیر کمان سے نکل چکا ہے۔ حفاظتی تدابیر کو ملحوظِ خاطر رکھا جائے تو بہتر ہے۔'' وہ قہقہہ لگا کر بولا تو وہ ایک دم سے وقت دیکھ کر چونکی۔ فون بند کر کے وضو کرنے واش روم کی طرف بڑھ گئی۔ بیل ہوتی رہی اور وہ نماز پڑھتی رہی۔ فارغ ہونے کے بعد اس نے حبان کا نمبر ملایا تو اس نے دوسری بیل پر فون اٹھا لیا۔

''انتقام لینے کے بارے میں انفارمیشن چاہیے۔'' وہ فوراً بولا۔

''بدلہ لینا جائز ہے۔ مگر عفو و درگزر کرنے کا درجہ بہت بلند ہے۔ دونوں میں سے جو راستہ آپ کو بہتر لگتا ہے، اس پر چل نکلیں۔ لیکن بدلہ لیتے وقت یہ اصول بھول لیے گا نہیں کہ اگر میری ایک بیل بھی زیادہ ہوئی تو آپ کی پکڑ او پر والا تو بعد میں کرے گا لیکن میری سزا سے بچنا مشکل ہو جائے گا۔'' وہ کھلکھلا کر ہنستے ہوئے بولی۔

''معصوم حسینہ! تو سنو۔ تمہارا اور میرا رشتہ تقریباً نوّے فیصد ایک دوسرے سے جڑ چکا ہے۔ تمہیں خبر ہی نہیں کیا؟ آسیہ آنٹی نے تم سے ذکر نہیں کیا؟'' وہ شگفتہ لہجے میں چہک کر بولا۔

''مجھے ممی نے کچھ نہیں بتایا۔'' وہ حیرت سے بولی۔ ''یہ سب کب اور کیسے ہو گیا؟''

''کل جب تم تینوں برتھ ڈے پر گئی ہوئی تھیں۔'' وہ تیزی سے بولا۔

''حیرت کی بات ہے۔'' وہ پھر حیرت زدگی میں بولی۔

''ضرور کوئی وجہ ہوگی۔ یہ مائیں بھی عجیب ہی مخلوق سے تعلق رکھتی ہیں۔'' وہ ہنستے ہوئے بولا۔ ''واپسی پر بمعہ تحفے کے مبارکباد کا لین دین ہوگا۔''

''آپ کچھ زیادہ ہی فری اور چیپ ہوتے جا رہے ہیں۔'' حرم نے شرما کر کہا اور فون بند کر کے حسین سپنوں میں کھو گئی۔ ماں کے روّیے کو یکسر ہی بھول کر مسرتوں اور راحتوں کے سنگ ہلکورے لینے لگی۔

□.......○.......□

'للی آنٹی کو مسئلہ کیا ہے کہ بات بے بات میری تعریفیں اور میری دینی تعلیم کی پذیرائی کرتے تھکتی نہیں۔ جبکہ ممی کا موڈ تو اس دن کے بعد میرے ساتھ ٹھیک ہی نہیں ہوا۔ بابا ہمیشہ

سے میری سائیڈ پر قائم و دائم رہے ہیں۔ ممی نے کبھی برا نہیں منایا تھا۔ اب وہ بابا کی زبان سے میرے لئے ایک لفظ بھی سننے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ جب ماسی بن کر پھرا کرتی تھی تو تب بھی نصیحتوں اور فضیحتوں کے انبار تھے۔ نہ جانے ممی کو کیا ہو گیا ہے کہ اب میری تبدیلی پر شب و روز اعتراض ہونے لگا ہے۔ میں کسی گناہ کی طرف مائل تو نہیں ہوئی۔ جب مخالف جنس دل کے نہاں خانوں میں اپنا آشیانہ بنا لے تو اپنی بھونڈی شکل بھی خوبصورت لگنے لگتی ہے۔ اپنا وجود اہم لگنے لگتا ہے۔ اس ڈالی کو سنوارنے اور سجانے کی خواہش بیدار ہو اُٹھتی ہے۔ یہ جذبات و احساسات تو وہی بخشنے والا ہے۔ اس میں انسان کا کوئی کمال نہیں، وہ للّی آنٹی سے مل کر لاؤنج سے باہر لان میں چہل قدمی کرتے ہوئے خود سے باتیں کرنے لگی۔ گلاس ونڈو سے وہ دونوں کو نظر آ رہی تھی۔ للّی اسے دیکھ کر چہک رہی تھی۔ آسیہ کے چہرے پر ناگواری کے ہمراہ خوف بھی ہویدا تھا۔ للّی نے اس کے کندھے پر بازو رکھتے ہوئے کہا۔

"آسیہ! تم ایسی ڈرپوک اور کم ہمت تو کبھی نہیں تھیں۔ جونہی فیضان بھائی کی طرف سے گرین سگنل ملتا ہے، فوری طور پر حرم اور ماہم کی منگنی کر دی جائے گی۔ بلکہ میں تو پکا کام کرنا چاہتی ہوں۔ نکاح لازم ہے۔"

"تم بہت تیزی سے بھاگ نکلی ہو۔ منہ کے بل گر جاؤ گی۔ مسئلہ ماہم کے رشتے کا نہیں۔ فیضان نے حبان کے خاندان کا بائیو ڈیٹا معلوم کر لیا ہے۔ مسئلہ حرم اور سمیول کے رشتے کا ہے۔ فیضان نہیں مانیں گے۔ میں ان کے مزاج کو بخوبی جانتی ہوں۔ آج کل نہ جانے میں ان کے عتاب میں کیوں ہوں۔" وہ سہم کر بولی۔

"تم اپنا وعدہ پورا نہیں کرو گی تو بہت برا ہو گا اس کا انجام۔" وہ آہستگی سے بولی۔ "اگر بیوی اپنی سٹرینتھ کو جان جائے تو دن کو رات، سورج کو چاند اور مشرق کو مغرب ثابت کروا سکتی ہے۔ اور تم ایسی ہی بیوی ہو۔ اس لئے بہانے وہانے نہیں چلیں گے۔"

"بس میرا دماغ مت چاٹو اور خاموش رہو۔ پہلے بخیر و عافیت ماہم کا رشتہ تو ہو جائے، پھر تمہارے بھائی کے سامنے دانہ ڈالوں گی۔ بڑی بہن کے ہوتے ہوئے چھوٹی بہن کی شادی ہو جانا کوئی اچھا شگون نہیں ہوتا۔ بڑی بیٹی والدین کی دہلیز پر ہی بیٹھی رہ جاتی ہے۔ اور آخر ڈولی کے بجائے وہاں سے اس کا جنازہ ہی اُٹھتا ہے۔ فیضان کو اونچ نیچ سمجھا کر راضی کر لوں گی۔ تم ذرا صبر سے کام لو۔ تاؤلا پن ہم دونوں کو مروا دے گا۔" آسیہ نے سرگوشی کے انداز میں کہا۔

"آسیہ! مجھے تمہاری نیت پر رتی بھر شک نہیں۔ مذہب کی وجہ سے پریشان اور وہمی ہو جاتی ہوں۔ ورنہ میرے بیٹے میں کسی چیز کی کمی نہیں۔ مجھے آج اس کا یقین ہو گیا ہے۔ حرم نازوں میں پلی ہوئی بیٹی میرے گھر میں رانی بن کر حکمرانی کرے گی۔" وہ مسرت آگین لہجے میں بولتے ہوئے رو دی۔

''اتنے عرصے میں سمیول کو مسلم نام دو۔ اور اسلامی تعلیم کی شروعات تو کرو۔ تاکہ میرے پاس فیضان کو سمجھانے کے لئے ٹھوس دلائل تو ہوں۔'' آسیہ نے سوچتے ہوئے کہا۔

''اس کی تم فکر نہ کرو۔ اسے حرم اپنی پسند کا نام دے گی۔ اور تمام تعلیم بھی اسے اپنے گھر سے ہی ملے گی۔ کلمہ، نماز اور اسلامی شریعت کے مطابق نکاح پڑھانا میرے فرائض کے زمرے میں آتا ہے۔ تم مطمئن رہو۔'' للی نے مستحکم لہجے میں کہا تو آسیہ گہری سوچ میں چلی گئی کہ یہ سب کیسے ہوگا؟ جلد از جلد حرم سے جان چھڑانا بھی لازمی ہوگیا ہے۔ کیونکہ فیضان کے دل میں نہ سہی، سوچ میں تو حرم آ ہی گئی ہے۔ سائن اچھا ہرگز نہیں۔ اُف بیٹی ہی میرے لئے تھریٹ بن جائے گی۔ وہ سوچنے لگی کہ کس طریقے سے وہ جلد از جلد اس سے گلوخلاصی کرا سکتی ہے۔

□......○......□

''آسیہ! تم نے نہایت دُور اندیشی اور عقل مندی کا ثبوت دیا ہے۔ جس کی مجھے تم سے توقع تو نہیں تھی۔ خدا کا شکر ہے کہ تم نے ٹھنڈے دل سے سوچا۔ آج کل حبان جیسے لڑکوں کی اس دور میں قلت ہوگئی ہے۔ ماہم ہے بھی واجبی سی شکل کی لڑکی۔ کھانے کی اتنی شوقین ہے کہ مجھے ڈر ہی لگا رہتا ہے کہ دوسری ماہانہ بن جائے۔ آج کل اسمارٹ نیس کا دور دورہ ہے۔ تم خود جانتی ہو۔ ان بچیوں کو حرم کی مثال دو کہ کھانے کا لالچ اسے بچپن سے ہی نہیں تھا۔ کسی بڑے گھر کی بچی لگتی ہے۔ خوب رَچی ہوئی۔'' فیضان نے فکرمندانہ لہجے میں کہا۔

''مجھے حرم کی فکر کھائے جا رہی ہے۔ حد درجے کی حسین وجمیل ہے مگر اسٹائل نہیں۔ قدرے بہتر تو ہوئی ہے مگر ابھی بھی آج کل کی لڑکیوں کی دوڑ میں بہت پیچھے ہے۔ ماہم کو بولو کہ اس کی گرومنگ ہی کر دے۔ تمہارے پاس تو اس کے لئے وقت ہی کہاں ہے۔''

''اس کے لئے میں بھی رشتہ ڈھونڈ رہی ہوں۔ اللہ نے چاہا تو بہت جلد اس کا جوڑ بھی سامنے آ ہی جائے گا۔ آپ مجھ پر بھروسہ کرنا سیکھیں۔ نہ جانے آپ کو کیا ہوا ہے کہ اس قدر بے یقینی۔'' وہ تڑپ کر بولی۔

''تب تک کے لئے ماہم کے رشتے کا اعلان نہیں ہونا چاہئے۔ ورنہ حرم پر بہت برے اثرات پڑنے کا اندیشہ ہے۔ بہتر یہی ہے کہ ہم عارفہ بھابی کو زبان دے دیں۔ کسی قسم کا فنکشن کرنے کی فی الحال ضرورت نہیں۔ میرا خیال ہے وعدے کے مطابق میں ایس ایم ایس کے لئے اسے یوکے بھیجنے کا انتظام کرتا ہوں۔'' وہ سوچتے ہوئے بولے۔ ''کیونکہ اس کے رشتے کے انتظار میں ہم کب تک چپ سادھے رکھیں گے؟''

''فیضان! میں بھی یہی چاہتی ہوں۔ ویسے بھی ماہم ابھی پڑھ رہی ہے۔ ہمیں بھی قطعاً جلدی نہیں۔'' آسیہ نے نرماہٹ سے کہا۔ ''آپ کا آئیڈیا بہترین ہے۔ حرم کے لئے یہی فیصلہ بہتر رہے گا۔''

"صرف حرم کے لئے ہی نہیں بلکہ ماہم کے لئے بھی۔ اور تمہارے لئے تو بہترین ہے ہی۔ تمہاری آنکھوں سے دور، تمہارے گھر سے دور اور تمہارے شوہر سے دور ہو جائے گی۔ تمہاری ان سکیورٹی کم ہو جائے شاید۔" وہ سنجیدگی سے بولے۔

"ایسی بات ہرگز نہیں۔ میری حرم پہلے ہی مجھ سے تو بہت ناراض ہے کہ میں اسے پڑھنے کے لئے بھیجنا نہیں چاہتی۔ چالاک تو بہت ہے نا۔ سب سمجھتی ہے۔ میں تو ایک ماں بن کر ہی فیصلہ کروں گی نا۔ اسے خود سے جدا کرنے کی مجھ میں ہمت نہیں۔ بہتر ہوتا کہ اس پرائے، اَن دیکھے خاندان کی لڑکی کی جلد از جلد کسی مناسب گھر میں شادی ہو جاتی۔ حرم کی موجودگی بہت کھٹکنے لگی ہے۔ جب سے آپ نے اسے اپنے لئے جائز اور حلال قرار دیا ہے، میرا ذہنی اور دلی سکون غارت ہو گیا ہے۔ فیضان! میں پہلے بھی التجا کر چکی ہوں کہ صرف ایک بار آپ تمام باتوں کو مذاق کہہ کر جھٹلا دیں یا غصے کی نذر کر ڈالیں۔ شاید مجھے سکون آجائے۔" وہ روہانسی ہو گئی۔ مگر وہ خاموشی سے اسے دیکھتے رہے۔

"میں اپنی نسل کو وصیت کر جاؤں گی کہ کبھی شوقیہ کسی غیر کا خون اپنے خالص خون میں ملانے کی کوشش نہ کریں۔ ورنہ حال میرے جیسا ہی ہو گا۔ میری تربیت میں رہ کر بھی اس بد بخت کی خو ہی نرالی ہے۔ ایک ہی ماں باپ کی اولاد ایک دوسرے سے مشابہت نہیں رکھتی۔ نہ شکل وصورت میں، نہ عادات وفطرت میں اور نہ ہی تقریر ونصیب ہو۔ تو یہ لڑکی جس کا ہمیں علم ہی نہیں کہ کس خاندان سے ہے، کس مذہب سے اس کا تعلق ہے، اس کا عقیدہ اور فرقہ کیا ہے، کچھ بھی تو معلوم نہیں، میری اولاد سے مماثلت کیسے رکھ سکتی ہے؟" وہ حقارت سے بولی۔

"بچے کا مذہب وہی ہوتا ہے جسے اس کے ماں باپ فالو کرتے ہوں۔ لیکن مجھے تو اس کی عادات کرنٹوں جیسی لگتی ہیں۔"

بچہ پیدائشی ہندو، عیسائی یا مسلمان نہیں ہوتا۔ ہم نے اسے گھٹی دی۔ اس کے کانوں میں اذان دی اور اس کی تربیت بھی مسلمان گھرانے میں اپنے مذہب اسلام کے مطابق کی۔ تو پھر کسی اور مذہب کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ ہم اس کے مذہب کو ایشو بنائیں۔ یہ مسلمان ہے۔ یہ ایک اٹل حقیقت ہے۔ آسیہ! تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ شک نے تمہاری ممتا کو نگل لیا ہے۔ پلیز اس فیز سے باہر نکل آؤ۔ تمہاری ان بے جا باتوں کی وجہ سے میرا دل اور مزاج بدل گیا ہے۔ تم ایک مرد کی ذہنیت اور اندرونی کیفیت سے نا آشنا ہو۔ جب سے تم نے اس کی جانب انگلی اٹھائی ہے، وہ مجھے اپنی بیٹی نہیں لگتی۔ اِک نئے رشتے نے جنم لے لیا ہے۔ عورت ذات اپنی کج فہمی اور نادانی کی وجہ سے اپنی جنت کو جہنم میں تبدیل کر لیتی ہے اور مظلوم بن کر تمام ملبہ مرد کے سر پر ڈال دیتی ہے۔ آسیہ! یقین کرو۔ تمہاری ان حرکتوں کی وجہ سے میرا اس گھر میں قدم رکھنے کو دل ہی نہیں چاہتا۔ مجھے کچھ بھی اچھا نہیں لگتا۔ اس کا موردِ الزام میں تمہیں ٹھہراتا ہوں۔ تم نے ہی میرا رجحان ایک لاوارث لڑکی کی طرف کرنے سے

پہلے اس کے اثرات کے بارے میں کچھ نہ سوچا۔ اب تو میرا دل سب سے اچاٹ ہو گیا ہے۔ مجھے کسی میں کوئی دلچسپی ہی نہیں رہی۔ نہ تم میں، نہ ہی اس اولاد اور اس گھر میں۔ کہیں دور بھاگ جانے کو دل چاہتا ہے۔'' وہ بے بسی سے بولے۔

'جانتی ہوں کہ صرف حرم کا راج ہے اس دل پر۔ یہ مرد بھی کس قدر بے لحاظ، بے مروت اور بے فیض ذات ہے کہ بے شرمی پر اُتر آئے تو سالہا سال کی رفاقت کو پل بھر میں بھول جائے اور ڈنکے کی چوٹ پر دل کھول کر بیوی کے سامنے بھی رکھ دے۔ سرہانے کا سانپ ایسے تو نہیں کہا گیا جس کے ڈسنے کا نہ تو وقت مقرر ہے نہ ہی اس کا جواز چاہئے۔' وہ سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔ بے بسی و لاچارگی سے اس کے منہ سے ایک لفظ نہ نکلا۔ دل ہی دل میں کلام کرتی رہی۔

□.......○.......□

'حبان کو گئے بہت دن ہو گئے۔ دل اُداس سا رہنے لگا ہے۔ یہ دن تو مل کر خوشی منانے کے تھے۔ یہاں میں اکیلی، وہاں حبان تنہا' حرم نے چینل بدلتے ہوئے سوچا ہی تھا کہ موبائل کی بیل پر اُچھل کر بیٹھ گئی۔

''فرمایئے جناب!'' وہ تنک کر بولی۔ ''کچھ زیادہ ہی ری لیکس ہو گئے ہیں۔ جلدی آ جایئے۔ اب تو بابا کی بھی واپسی ہو گئی ہے۔ لیکن ابھی تک مجھ سے پردہ داری ہے۔''

''میں جانتا ہوں کہ ہماری حرم کا مسئلہ کیا ہے؟'' وہ ہنستے ہوئے بولا۔

''کیا جانتے ہیں؟ ضرور کچھ اُلٹ پلٹ ہی جانتے ہو گے۔ کیونکہ حبان! ایسا ہی ہے نا؟'' وہ بھی مسکرا کر بولی۔

''جلد بازی، تیزی اور پھرتی...... یار! ذرا صبر کر لو۔ تم میری ہو، یہ فیصلہ تو ہو چکا۔ میرے آنے پر ہی ہاتھی کی دُم نکل پائے گی۔'' وہ قہقہہ لگاتے ہوئے بولا۔ ''اس میں مشکل ہی کیا ہے؟''

''ایسی بھی جلدی نہیں۔'' وہ ایک دم سے اکڑ کر بولی۔ ''ایک تو خوش خیالی بھی ایسا مرض ہے کہ جس کا علاج ہی دریافت نہیں ہوا۔''

''خوش خیالی یعنی امید اور آس میں تو خوشی پنہاں ہوتی ہے۔ مجھے اسی فسوں میں رہنے دو۔ میری کمپنی دو مہینے کے لئے مجھے بنکاک بھیج رہی ہے۔ سماج دشمن بن گیا ہے۔ کیا، کیا جائے؟ میں چاہتا ہوں کہ انگوٹھی کے رد و بدل کے لئے دو دن کی چھٹی مل جائے۔ ورنہ جانتی ہو نا کہ بنکاک بغیر انگوٹھی کے چلا گیا تو کوئی چارفُٹی میرے سامان میں ہی چھپ چھپا کر پاکستان پہنچ جائے گی۔'' وہ چھیڑتے ہوئے بولا تو حرم کا دل تیزی سے دھڑکا۔

''حبان! اچھی بھلی شکل ہے آپ کی۔ منہ سے بات بھی خوب صورت ہی نکالئے۔'' وہ بے ساختگی سے بولی اور پھر اپنے الفاظ کی بازگشت پر شرما کر فون بند کر گئی۔ حبان نے اپنے

بند موبائل پر مسکراتے ہوئے اِک جاندار بوسہ دے ڈالا۔

''اپیا! آپ شرم سے بیر بہوٹی بن گئی ہیں۔ اب چھوڑ بھی دیں نا اتنا تکلف۔ کھل کر اظہارِ محبت کرنے سے کمتر نہیں ہو جاتے۔ چھوٹے اور زیر نہیں ہو جاتے۔ آپ بھی انوکھی اور نرالی حرکتیں کرتی ہیں۔'' وہ فون بند کر کے سنبھلنے کی کوشش کر رہی تھی کہ ماہم نے چوری پکڑ لی۔

''پگلی! اگر تمہیں کسی سے محبت ہوگئی تو کبھی ایسی غلطی مت کرنا۔ وہ محبت ہی کیا جسے قوتِ گویائی چاہئے۔ یہ تو اِک احساس ہے، سچا جذبہ ہے جو ایک دوسرے کے خون میں بغیر اجازت کے سرایت کر جاتا ہے۔ جس دن اسے زبان، آنکھ اور کان مل جاتے ہیں تو اپنی اہمیت کھو دیتا ہے۔ بہت سی پرانی داستانوں پر غور وخوض کرو کہ ان کی محبتوں کو جاودانی اور ہمیشگی کیوں نصیب نہیں ہوئی۔'' وہ سنجیدگی سے بولی۔

''ٹھیک ہے۔ آپ کی طرف سے میں اظہارِ محبت کئے دیتی ہوں۔ تا کہ کچھ پیش رفت ہو سکے۔ اپیا! اب مجھ سے انتظار نہیں ہوتا۔'' وہ بے چینی میں بولی۔

''جب میں انتظار کرنے کے لئے تیار ہوں تو تمہیں کیوں تکلیف ہو رہی ہے؟'' وہ اسے پیار سے چپت مار کر بولی۔ ''حبان دو مہینے کے لئے بنکاک جا رہے ہیں۔ اس لئے صبر، انتظار اور دعا کرنا مجبوری ہے۔ اس کے بغیر چارہ نہیں۔''

''اپیا! آپ کی شادی میں رکاوٹ کیوں ہے؟ پہلے آپ نہ مانیں، پھر آنٹی رکاوٹ بن گئیں۔ حبان بھیا مانے تو وہ دور چلے گئے اور بات کا دوبارہ آغاز ہی نہ ہو سکا۔ آگے کیا ہونے والا ہے، کچھ خبر نہیں۔'' وہ فکرمندی سے بولی۔ ''ہمارے فارم کے پار ایک چھوٹا سا قبرستان ہے۔ اس میں ایک بزرگ خاتون رہتی ہیں۔ وہ حساب کتاب کرنے میں خوب مہارت رکھتی ہیں۔ اپیا! کل ہم دونوں ان کے پاس چلتی ہیں۔ پتہ تو چلے کہ رکاوٹ کیوں ہے۔'' وہ رازداری سے بولی۔

''تمہیں یہ کہانی اے جی چاچا نے خوب مرچ مصالحے لگا کر سنائی ہوگی۔ اے جی چاچا کو شرک کی صورت میں ہم نے اپنے گھر میں پال رکھا ہے۔ توبہ استغفار۔ جو میرے سمجھانے کے باوجود ان کے کان پر جوں تک رینگی ہو۔'' حرم ہنستے ہوئے بولی۔

''اپیا! شغلاً ہی سہی۔ دیکھیں تو بھلا وہ کیا فرماتی ہیں کہ حبان بھیا بارات لے کر کب تک آنے والے ہیں۔'' وہ پیار بھرے لہجے میں بولی۔

''فی الحال حبان بھیا آوارہ گردی سے تو واپس آ جائیں۔ اگلا کام تو بعد میں ہی ہو گا۔ اس لئے دعا پر گزارہ کرو۔'' حرم خوشگوار لہجے میں بولی۔ دل تو چاہا کہ ماہم کو فوراً بتا دے کہ ممی نے تو تقریباً ہاں کر دی ہے۔ حبان کے آنے پر بابا کی طرف سے اجازت نامہ ملنے کے امکان ہیں۔ اور پھر تمہاری اپیا تمہیں چھوڑ کر ہمیشہ کے لئے حبان کی ہو جائے گی۔ وہ دل

میں سوچ کر کِھل گئی تھی۔ چہرے پر طمانیت اور مسرت کی پر چھائیاں لہرانے لگیں۔ ہونٹوں پر کلیوں کی سی مسکان بکھر گئی اور آنکھیں حسین سوچ میں ڈوب گئیں۔

□......○......□

''عارفہ بہن! ہمیں آپ پر مکمل بھروسہ نہ ہوتا تو بیٹی کی پسند معلوم کئے بغیر ہمارے ہاتھ دعائے خیر کے لئے کیسے اُٹھتے؟'' فیضان نے دعا مانگنے کے بعد مری ہوئی آواز میں کہا۔

''بھائی صاحب! آپ کو کبھی بھی اس فیصلے پر پچھتاوا نہیں ہوگا۔ میری حرم اس گھر میں راج کرے گی۔'' عارفہ نے محبت و مسرت سے مغلوب ہو کر کہا تو فیضان اور آسیہ نے چونک کر ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور اچنبھے سے بے ساختہ بولے۔

''دعائے خیر ماہم کے لئے ہوئی ہے کہ حرم کے لئے۔''

عارفہ یہ سن کر ہنس پڑی۔ ''کیسا عجیب اور انہونا ڈرامہ ہو گیا ہے ہماری زندگی میں۔ انٹرسٹنگ۔ میرا خیال ہے آسیہ جی کو غلط فہمی ہو گئی ہے۔ بات حرم سے شروع ہوئی تھی۔ دعائے خیر بھی اُسی کی ہے۔''

''غلط فہمی اور مجھے؟ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ میں نے حرم کے رشتے کی بات کسی اور جگہ چلا دی ہے۔'' آسیہ نے تڑپ کر کہا۔ ''ہم ذہنی طور پر ماہم کے لئے تیار ہو کر آئے تھے۔''

''اس سے کوئی فرق نہیں پڑنے والا۔'' اگر بات کھل کر کلیئر ہو جاتی تو غلط فہمی کی گنجائش نہ رہتی۔ اسی لئے تو ہر کام میں عورت کے ساتھ مرد کا ہونا بہت ضروری سمجھا گیا ہے کہ اپنا موقف بیان نہیں کر سکتیں۔ تھینک گاڈ کہ یہ بات ہمارے درمیان ہی رہی۔ ورنہ لوگ ہماری بے وقوفی اور نا سمجھی کا خوب تمسخر اُڑاتے۔ ہاتھ اُٹھائیے اور ایک بار پھر دعائے خیر پڑھیے۔ اللہ تعالیٰ حرم کو دو جہاں کی خوشیاں نصیب کرے۔'' فیضان نے ہاتھ اٹھاتے ہوئے کہا۔

''فیضان! ایک بیٹی پر دوسری بیٹی کا رشتہ طے کرنا بدشگونی ہے۔'' آسیہ نے فیضان کے ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔

''آسیہ! یہ مت بھولو کہ حرم ہماری بڑی بیٹی ہے۔ اس کا رشتہ پہلے طے ہونا چاہیے۔ ہم تو پریشانیوں اور لوگوں کی پیشین گوئیوں سے بچ گئے ہیں۔ اب حرم کو باہر بھیجنے کی ضرورت نہیں۔ حالانکہ تین یونیورسٹیز سے اسے آفرز آ چکی ہیں۔ میں کل بنک گارنٹی اور فیس جمع کرانے کا پروگرام بنا چکا تھا۔ حرم کو سرپرائز دینا چاہتا تھا۔'' وہ تسلی بخش لہجے میں بولے۔

''بھائی صاحب! مجھے اس کے تعلیم جاری رکھنے پر قطعاً اعتراض نہیں۔ ہمارے پاس یو کے کی نیشنلٹی ہے۔ فکر کی بات نہیں۔ ہماری چھوٹی سی فیملی ہے۔ ہم شادی کے بعد چند سالوں کے لئے فار آ چینج وہاں شفٹ ہو سکتے ہیں۔'' عارفہ نے ان کی ہمت بڑھانے کی غرض سے کہا تو فیضان نے پُرتسکین لمبی سانس لی۔

آسیہ غصے سے آگ بگولا ہوتی ہوئی کھڑی ہو گئی۔ فیضان بھی نادم سی صورت بنائے

جانے کے لئے کھڑے ہو گئے اور ڈھٹائی سے بولے۔

''آپ بسم اللہ کریں۔ اللہ تعالیٰ نے ہمارا بہت بڑا مسئلہ معجزاتی طور پر حل کر دیا ہے۔ آپ کو میری طرف سے شادی کی تیاری کرنے کی اجازت ہے۔''

''بھائی صاحب! آپ دونوں کی رضامندی بہت ضروری ہے۔ آسیہ سے مشورہ کر لیجئے۔'' عارفہ نے اٹک اٹک کر بمشکل کہا۔

''دعائے خیر کے بعد سوچنے کی گنجائش نہیں رہتی۔ اس لئے آپ بے فکر رہیں۔ آسیہ کی رضامندی شامل حال ہو گی۔ آسیہ بہت سمجھ دار خاتون ہے۔'' وہ پُرامید لہجے میں بولے اور خدا حافظ کہہ کر باہر نکل گئے۔ گاڑی میں بیٹھ کر خاموش رہنا مجبوری تھی۔ کیونکہ ڈرائیور گاڑی چلا رہا تھا۔ اس کی نگاہیں سڑک پر تھیں مگر کان پیچھے فٹ تھے کہ ایک جملے کی ادائیگی سے ہی وہ بات کی تہہ میں پہنچ کر ان کے چہرے کی ناگواری کا سبب جان سکتا تھا۔

□.......○.......□

''آسیہ! مجھے تمہاری اُداسی، مایوسی اور پریشانی کی وجہ سمجھ نہیں آ رہی۔ تمہیں حبان پسند ہے داماد کے رشتے میں تو تمہاری یہ خواہش تو پوری ہو گئی۔ بلکہ چھوٹی کے بجائے بڑی ہی کا رشتہ طے کرنا ہمارے معاشرے میں مناسب سمجھا جاتا ہے۔ تمہارے بیٹھے بٹھائے مسئلہ حل ہو گیا تمہیں اور کیا چاہئے؟'' للی نے پیار و لگاوٹ سے سمجھاتے ہوئے کہا تو آسیہ نے لمبی آہ بھر کر اس کی طرف بے بسی سے دیکھا۔

''دراصل للی! میں نے اپنا مائنڈ سیٹ کر لیا تھا۔ ماہم اِک عام سی شکل کی لڑکی ہے۔ حبان جیسا رشتہ ہمیں ڈھونڈے سے بھی نہیں ملے گا۔ حرم کی مجھے قطعاً فکر نہیں تھی۔ تمہارے بیٹے کے ساتھ نہ سہی، اس کو رشتوں کی کمی نہ ہوتی۔ دیکھو کہ بزنس مین بھی بے کار اور سڑا ہوا مال پہلے بیچنے کی کوشش کرتا ہے۔ کیونکہ اسے علم ہے کہ اچھا اور خوب صورت مال دیر میں بھی منافع ہی دے جاتا ہے۔''

''آسیہ! کیسی عجیب باتیں کرتی ہو؟ ماہم میں کسی چیز کی کمی نہیں۔ مجھے تمہاری ماہم بھی اسی طرح پیاری اور حسین لگتی ہے جیسے حرم۔ میں ماہم کو بہو بنانے کے لئے تیار ہوں۔ مجھے تمہارے خاندان کی لڑکی چاہئے۔ میری خواہش، تمنا اور ضرورت ابھی تک وہیں پر قائم دائم ہے۔'' وہ تسلی دینے کے انداز میں بولی۔

''ہرگز نہیں للی! ماہم قطعاً نہیں۔'' وہ ایسے اُچھلی جیسے دہکتے ہوئے کوئلے پر پاؤں رکھ دیا ہو۔

''کیوں آسیہ؟ تم نے مجھ سے وعدہ کیا تھا۔ حرم نہیں تو مجھے ماہم بخش دو۔ بات تو ایک ہی ہے نا۔'' للی حیرت سے بولی۔

''سچویشن بدل جانے سے وعدہ ایفا نہیں ہو سکتا۔'' وہ سختی سے بولی۔

"فار گاڈ سیک آسیہ!......اچھا تو پہلے ٹھنڈا تو لو۔ شاید تمہارا دماغ کام کرنے لگے۔" للی نے آہستہ سے کہا تو آسیہ نے ٹیبل سے ٹھنڈے پانی کی بوتل سے گلاس بھرا اور غٹا غٹ پی کر بولی۔

"آئندہ ایسا شاک دیا تو مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا۔ سمیول اپنے باپ پر بیٹھ گیا ہے۔ تمہاری شکل کا ہوتا تو پھر مجھے ہرگز اعتراض نہ ہوتا۔ اب تو وہ پہلی نظر میں ہی کرنٹا لگتا ہے۔ میری ماہم کا جوڑ بھی نہیں۔ اور ماہم ہرگز نہیں مانے گی۔"

"آسیہ! حرم تمہاری چاند سی بیٹی ہے۔ عادات میں بھی اس کی ماہم سے کوئی مشابہت نہیں۔ حرم کا سمیول کے ساتھ کوئی جوڑ نہیں تھا تو تم نے مجھے ہاں کر دی تھی۔ کیا وہ تمہاری سوتیلی اولاد ہے؟ یا کہیں سے اٹھا کر لائی ہو؟ ڈبل اسٹینڈر کی سمجھ نہیں آئی جو اس قدر تفریق۔ تم نے تو مجھے حیران کر دیا ہے۔" للی کی حیرت کی انتہا تھی۔

"بچپن سے تمہیں دیکھ رہی ہوں کہ اس سے تمہارا سلوک و روّیہ باقی بچو سے مختلف ہے۔ ایسا کیوں ہے آسیہ؟ تم تو میری بے حد ہمدرد اور محسن و رازداں دوست ہو۔ کیا بتا سکو گی کہ ایسا کیوں ہے؟ ابھی کی مثال ہم دونوں کے سامنے ہے۔"

"تم درست سمجھی ہو۔ افسوس کہ میں حرم کے خاندانی جینز میں کوشش و محنت کے باوجود تبدیلی نہیں لا سکی۔ یہ ان دنوں کی بات ہے جب فیضان امپورٹ ایکسپورٹ کے بزنس کے لئے کراچی شفٹ ہو گئے تھے۔ ہماری شادی ہوئے پانچ سال ہو گئے تھے۔ فیضان کو بچے دل و جان سے پسند تھے اور میں بے اولاد تھی۔ ڈاکٹروں کی کوشش کے باوجود میری گود ہری نہ ہوئی۔ آخر ہر طرف سے جواب مل گیا۔ جب ہم Seventh Day Adventest Hospital سے نا امید ہو کر باہر نکلے تو مجھے سڑک کے کنارے کچرے کے ڈھیر سے بچے کے رونے کی آواز نے اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ میں چلتی ہوئی ڈسٹ بن کی طرف چل پڑی۔ وہاں ہم نے اس بچی کو ننگی حالت میں بلکتے ہوئے پایا۔ اس سے پہلے کہ وہاں کھانا تلاش کرنے والی سٹریٹ کیٹس اور سٹریٹ ڈاگز اس پر حملہ کرتے، فیضان نے اسے تیزی سے اٹھایا اور میرا دوپٹہ اتار کر اسے اس میں لپیٹ کر میرے ہاتھوں میں تھما دیا۔ میں حیرت سے فیضان کو تکے جا رہی تھی۔

"تم یہاں اولاد لینے آئی تھی۔ سو اللہ تعالیٰ نے تمہیں چھپر پھاڑ کر اس دولت اور نعمت سے نواز دیا۔ اور کسی کو کانوں کان خبر نہ ہونے دینا۔ یہ تمہاری کوکھ سے جنم لینے والی، تمہاری اپنی اولاد مانی جائے گی۔ میرا بھی شوق پورا ہوا، تمہاری آرزو کو بھی تسکین مل گئی۔" یہ سن کر میں نے بچی کو وہیں زمین پر لٹا دیا اور گاڑی کی طرف چل دی۔

فیضان نے اسے وہاں سے اٹھا لیا اور گاڑی میں پہنچ کر میری گود میں ڈال کر بولے۔ "اگر تم نے انکار کیا تو میں خود اسے پالنے کا انتظام کر لوں گا۔ لیکن تم سے میرا کوئی تعلق اور

رشتہ قائم نہیں رہے گا۔ میری بیوی، میرا جیون ساتھی اتنا بے حس، خود غرض اور سنگدل ہو گا، میں اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔''

یہ سن کر میں نے سوچا کہ مجھے بیٹی بے مول مل رہی ہے تو اسے سینے سے لگانے میں قباحت ہی کیا ہے؟ ہم دونوں اسی وقت شاپنگ کے لئے نکل گئے اور اپنے خاندان میں بیٹی پیدا ہونے کا سرپرائز دے ڈالا۔ اب میرا دل اس نیکی پر پچھتانے لگا ہے۔ حرم میری بچیوں اور میرے لئے ایک بہت بڑی تھریٹ بن چکی ہے۔ تمہاری خواہش اور ضرورت کو حرم تو پورا کر سکتی تھی۔ مگر میری بیٹی ماہم نہیں۔ اس کے خاندان کی اپنی شان اور نام ہے۔ اس کے باپ کا اسٹیٹس مجھے ایسا قبیح فعل کرنے کی اجازت نہیں دے گا۔ جبکہ حرم کے رشتے کے لئے فیضان سے منوانے کے پاس میرے پاس ٹھوس دلائل ہیں۔ ورنہ وعدہ کیونکر کرتی؟''

یہ سن کر للی نے اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ کیونکہ کلب میں ہر دوسری عورت انہیں جانتی تھی۔ ان کی گہری دستی ان کی پہچان بن چکی تھی۔ وہ اس راز کو پردے میں ہی رکھنا چاہتی تھی۔

''مجھے اب دنیا کا ڈر ہے، نہ ہی لحاظ ہے۔'' وہ بھنوئیں چڑھا کر بولی۔ ''اور تم بھی جاؤ۔ اپنے اور میرے سرکل میں اس راز کو فاش کرو اور شہر بھر میں ڈھنڈورا پٹوا دو۔ دراصل حرم کا نام جرم ہونا چاہئے۔ جس نے ہمیشہ میری بیٹیوں کے حق پر ڈاکہ ڈالا۔ اور اب میرا گھر اُجاڑنے کا مکمل طور پر پروگرام بنا چکی ہے۔''

''آسیہ! ہوش کے ناخن لو۔ حرم کو اس بھید کی خبر نہ ہونے دینا۔ وہ یک دم بکھر جائے گی۔'' وہ رحم دلانہ لہجے میں بولی۔

''للی! اگر تمہیں مجھ سے رتی بھر بھی ہمدردی ہے تو میری ایک عرضداشت پر غور کرنا۔ پھر اپنا فیصلہ کرنے کا اختیار تمہارے ہاتھ میں ہے۔'' وہ سوچتے ہوئے مردنی آواز میں بولی۔

''بولو میری جان! بس تم ہنس دو۔ یوں افسردہ دیکھ کر مجھے تم بالکل آسیہ نہیں لگتی۔ بہت بے کس، مجبور اور کمزور سی عورت ہونا تمہیں زیب نہیں دیتا۔ میں نے سٹرنتھ تم سے پکڑی ہے آسیہ! ورنہ کب کی خودکشی کر چکی ہوتی۔'' وہ اس کا حوصلہ بڑھانے کی غرض سے خوشامدانہ لہجے میں بولی تو آسیہ اپنے آنسو ضبط کرنے لگی۔

''مجھے بتاؤ کہ میں تمہاری کیا مدد کر سکتی ہوں؟'' وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر بولی۔

''اُٹھو۔ پہلے کھانا کھاتے ہیں، پھر سویٹ ڈش کھا کر کچھ میٹھا میٹھا سوچتے ہیں۔''

دونوں اٹھ کر کھانے کی طرف بڑھ گئیں۔ کھانا لے کر واپس اپنی کرسیوں پر بیٹھ کر دونوں کھانا تناول کرنے لگیں۔ آسیہ مسلسل حرم کی باتیں کئے جا رہی تھی جس میں للی لقمہ دیتی اور بات بڑھتی چلی گئی۔ للی کو آج وہ انفارمیشن ملی تھی جس کا اس نے کبھی سوچا بھی نہ تھا۔

سویٹ کھانے کے بعد آسیہ نے سبز قہوہ کا آرڈر دیا تو للی نے رازداری سے کہا۔

''آسیہ! کچھ ایسا طریقہ، ایسی راہ کی کھوج لگانا ضروری ہو گیا ہے کہ ماہم عارفہ کی اور حرم میری بہو بن جائے۔ مجھے حرم ابھی بھی اتنی ہی پسند ہے جتنی کل تھی۔ اس کا خون چاہے کسی مذہب سے ہو مجھے کوئی سروکار نہیں۔ وہ تمہاری گود میں پروان چڑھی ہے۔ تمہارے بچوں سے مختلف ہے۔ اتنی چھوٹی عمر میں دین اسلام کے تمام اصولوں اور قانون کی شد بد رکھتی ہے۔ میرے بے دین خاندان کو ایسے ہی فرد کی ضرورت ہے۔'' للی نے فخریہ انداز میں کہا تو آسیہ نے اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ وہ آہستگی سے بولی۔

''فیضان کو تم نہیں جانتی کہ انہیں حرم سے کتنا پیار اور لگاؤ ہے۔ وہ مجھے گھر سے باہر نکال کر اپنا گھر اُجڑنے نہیں دیں گے۔ اگلے ہی لمحے اسے آباد کرنے کی تیاری میں لگ جائیں گے۔'' وہ ذومعنی بات کہہ کر پژمردگی اور بے بسی سے للی کی طرف دیکھنے لگی۔

''نہ جانے تمہیں کن کن خدشوں نے گھیر رکھا ہے۔ اپنی خوش قسمتی پر نالاں ہونے کے بجائے شکر ادا کرو۔'' للی نے سمجھانے کے انداز میں کہا۔

''للی! کسی طرح حرم کا رشتہ ختم کرا دو۔ تمام حالات ہمارے دم قدم چل پڑیں گے۔ للی! کاش ایسا ہو جائے۔'' وہ سر جھکا کر بیٹھ گئی اور سوچنے لگی۔

''عارفہ میری بہت پرانی دوست ہے آسیہ! اسے حرم کے بارے میں کچھ نہ کچھ تو بتانا ہی پڑے گا۔'' للی نے سوچ کر کہا۔ ''اس کے علاوہ تو رشتہ ٹوٹنے کے امکانات نہیں ہیں۔ لے پالک بچی، وہ بھی کوڑے کے ڈھیر سے اُٹھائی ہوئی، بہو کون بنائے گا؟ خدا کے لئے میری بربادی سے باز ہی رہنا۔ پتہ چلے ماہم کا گھر آباد کرتے کرتے اپنا آشیانہ پانیوں میں بہا دیا۔'' وہ سہم کر بولی۔ ''تم فیضان کے غصے سے بے خبر ہو۔ پہلے ہی ان کا دماغ چل بسا ہے۔''

''اب تم دیکھو کہ میں کیا کرتی ہوں۔ شوہر اس وقت ہمارے مطیع اور غلام ہوتے ہیں جب ہم انہیں اپنی قربت کے نشے میں مدہوش کر دیتی ہیں۔ اس وقت کا فائدہ اٹھاؤ میری جان!'' وہ خود اعتمادی سے بولی۔ ''ان کے دماغ میں بس کر انہیں کمزور اور حواس باختہ کرنا ہمارے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔''

''فیضان کاٹھ کا اُلو ہوتا تو بات تھی۔ اس نے تو آج تک مجھ سے اپنی بات پیار سے بھی منوائی اور زور آوری سے بھی منوانے میں کامیاب رہا۔ بہت شاطر انسان ہے۔'' وہ نفرت آگین لہجے میں بولی۔ ''تم اپنے شوہر کو بے وقوف بنا سکتی ہو، میں نہیں۔ اسلام نے مرد کو بہت چھوٹ دے رکھی ہے۔''

''اس وقت سیلف پٹی سے باہر نکل آؤ۔ ہمیں جو بھی کرنا ہے، حبان کے واپس آنے سے پہلے کرنا ہے۔ ہمارے پاس صرف ڈیڑھ مہینہ ہے۔'' للی نے بے قراری سے کہا۔ ''سمیول سے مشورہ لینا پڑے گا۔ اسے حرم بہت پسند ہے۔ اس کی خاطر وہ مسلمان ہونے کو بھی تیار ہے۔ اب مجھے حرم کو پانے کی امید ہو گئی ہے۔ فیضان بھائی کی اپنی بیٹی تو ہے نہیں کہ

اتنے جذباتی ہو رہے ہیں۔ عجیب ہی ناٹک کھیلا گیا ہے ہم سے کہ دعائے خیر ماہم کی پڑھی اور مٹھائی حرم کے نام کی تقسیم ہوگئی۔"

□.......○.......□

"فیضان! میں عارفہ سے حقیقت نہیں چھپاؤں گی حرم ہماری بیٹی نہیں۔ مجھے ہر حال میں اسے بتانا پڑے گا۔" آسیہ نے فیضان کو بلا کر کہا۔

"خدا کی بندی! مجھے سونے دو۔ مجھے صبح ایک اہم میٹنگ اٹینڈ کرنی ہے۔ تم تو دوپہر کے دو بجے تک سو سکتی ہو۔ اگر اس وقت تمہیں نیند نہیں آ رہی تو جاؤ لاؤنج میں کوئی موی لگا لو۔ میری جان بخشی کر دو۔" وہ تنگ آ کر اونچی آواز میں بولے تو اسی اثنا میں حرم اپنے کمرے سے لاؤنج میں آئی اور ڈرائی فروٹ کی ڈش اٹھا کر واپس اپنے کمرے کی طرف بڑھی ہی تھی کہ غصے میں ڈوبی ہوئی آواز پر دہل کر وہیں کھڑی ہوگئی۔ موبائل پر حبان تھا۔ اس سے گپ شپ کرنے کا یہی وقت مقرر تھا۔ حرم نے اسے آہستہ سے خدا حافظ کہا اور موبائل آف کر کے والدین کے کمرے کے دروازے کے ساتھ لگ کر کھڑی ہوگئی۔ مقصد باتیں سننا ہرگز نہ تھا۔ ممی کی ہمدردی اور دکھ نے اس کے پاؤں منوں بھاری کر دیئے تھے۔

"آپ نے میری نیندیں حرام کر دیں۔ آج کی نہیں، پچھلے بائیس سال سے کسی کی غلاظت اور گناہ کو پالنے میں مجھے کبھی خوشی اور فخر محسوس نہیں ہوا۔ یہ الگ بات ہے کہ اگر گھر میں کتا بھی اتنے عرصے کے لئے ٹکا رہے تو اس سے لگاؤ اور ہمدردی ہو ہی جاتی ہے۔" وہ بھی زور سے چیخی۔

"ڈسکشن کے لئے یہ وقت درست نہیں۔ مجھے سخت نیند آ رہی ہے۔ میری مان جاؤ۔ ورنہ ہم بہت بڑے جھگڑے کا شکار ہو سکتے ہیں۔" وہ ذرا نرمی سے بولے۔

"آپ کے پاس دن میں میری بات سننے کے لئے ایک سیکنڈ بھی نہیں ہوتا۔ میں کیا کروں؟ بولیں، جواب دیں۔ اپنے خدشات اور ڈر کس سے شیئر کروں؟ آپ نے تو مجھے بالکل ہی نظرانداز کر دیا ہے فیضان! کیا مجھے حرم کو پالنے کی سزا مل رہی ہے؟ یہ ہے میری نیکی کا بدلہ اور آپ کی بات کو اہمیت دینے کا صلہ؟" وہ دھاڑیں مار مار کر رونے لگی۔

"اچھا بولو۔ کیا کہنا چاہتی ہو؟" وہ کمبل ایک طرف پھینک کر بیٹھ گئے۔ "رونا دھونا بند کرو۔ اور ایک سینس ایبل بیوی کی طرح بات کرو۔ تمہیں تو نہ جانے کیا ہو گیا ہے کہ ہر وقت دوسروں پر غصہ اُتارنا تمہارا مشغلہ بن گیا ہے۔ کسی کا کچھ بھی نہیں بگڑ رہا۔ اپنا نقصان کرنے پر تُل گئی ہو۔ ہزار بار سمجھا چکا ہوں کہ ہر وقت کرب کرنا چھوڑ دو۔ حرم کو پالنے کا احسان کیسے چکاؤں؟ تم ہی بتا دو۔ ویسا ہی کر لوں گا۔ میں سخت تنگ آ گیا ہوں تمہاری ان فضول اور بے ہودہ باتوں سے۔" وہ چیخ اُٹھے۔

"ڈسٹ بن کی غلاظت کو کسی ڈسٹ بن کے ہی سپرد کر دیتے تو جوڑ خوب رہتا۔ کہاں

حبان اور کہاں یہ کتے بلیوں کا کھاجا۔ میں نے دعائے خیر ماہم کے لئے پڑھی، آپ نے اس کی مخالفت کی۔ میں نے حرم کو آکسفورڈ کی تعلیم سے روکا، آپ نے فیس جمع کرا ڈالی مجھ سے مشورہ لئے بغیر۔ اب اور کیا کرنا چاہتے ہیں؟ آپ نے تو میری نیندیں حرام کر دی ہیں۔'' وہ زور وشور سے بولے جا رہی تھی۔

''خدا کے لئے آہستہ بولو۔ اب صبر کر لو۔ حرم اپنے گھر کی ہو جائے تو مت رکھنا اس سے رابطہ۔ اور یاد رکھنا کہ وہ حبان کی ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس لاوارث پر رحم کیا ہے۔ خبردار جو ماہم کا نام بھی لیا۔'' وہ تنگ کر بولے تو حرم وہیں دروازے کے پاس ڈھے گئی۔ کانوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔

''جنابِ والا! آپ کا رابطہ تو نہیں ٹوٹے گا۔ میں سب جانتی ہوں۔ باپ کے روپ میں شیطان ہیں آپ۔ آپ نے اسے اپنے لئے جوان کیا تھا۔ وہ اک زہریلی ناگن جو مجھے ڈسنے کے لئے ایک سوتن جو میرے سہاگ کا بٹوارہ کرنے کے لئے تیار کر دی گئی ہے، میں اسے زہر کھلا کر مار دوں گی۔'' وہ پھر نفرت سے چیخی۔

''بکواس بند کرو۔ ورنہ میں تمہیں طلاق دے کر حرم کو اپنے گھر میں ہی رکھ لوں گا۔ تہمت تراشی تو تمہارا وطیرہ بن ہی گیا ہے۔ کیوں نہ تمہیں سچ کر دکھاؤں۔ یہ شرعی طور پر بھی جائز ہے اور حرم پہ پہلا حق بھی میرا ہے۔'' وہ بھی چیخے۔ ''کمبخت! تم مجھے ایسا کرنے پر مجبور کر رہی ہو۔''

''کیا یہ بہتر نہ ہوتا کہ ہم دونوں اسی پردہ داری میں ایک مثبت سوچ اور سچی نیت، نیک ارادے کے ساتھ خوش آئند فیصلہ کر لیتے۔ مگر آپ کچھ بھی سننے کے لئے تیار نہیں ہیں۔'' اس کا غصہ ایک دم جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔ کیونکہ شوہر کی غیرت و مردانگی کو ہوا دے کر وہ اس کے اختیارات کے بند دریچوں کو وا کرنے کی غلطی بھانپ چکی تھی۔ خاصی دھیمی پڑ گئی۔

''مجھے حل بتاؤ کہ اب میرے لئے کیا حکم ہے؟'' وہ بھی مدھم ہو گئے۔

''حکم نہیں فیضان! التجا ہے۔ حرم کے رشتے کا عہد میں نے للی سے کر رکھا تھا۔ اور ماہم کا عارفہ سے۔ آپ نے اپنے جذباتی پن میں تمام کھیل ہی بگاڑ دیا۔'' وہ ان کے ہاتھ پر بوسہ دے کر ملائمت سے بولی تو انہوں نے ایک جھٹکے سے اسے پرے کر دیا۔

''کرنٹے، شرابی اور زانی سے حرم کا رشتہ طے کرنے کی اجازت تمہیں کس نے دی تھی؟ میں اب سمجھا کہ ماہم کے رشتے میں بھی غلط فہمی کا دخل نہیں تھا۔ وہ بھی تمہاری شاطرانہ چال تھی۔ میں تمہیں بہت عظیم سمجھتا تھا۔ تم تو گٹر کا اِک غلیظ کیڑا ہو۔ آج میری نظروں سے گر گئی ہو۔ آسیہ! میں بقیہ زندگی تمہارے ساتھ نہیں گزار سکتا۔ میں تمہیں طلاق دیتا ہوں۔'' وہ اتنی زور سے چیخے کہ جیسے کمرے کی چھت میں بھی شگاف پڑ گیا ہو۔ ''نکل جاؤ یہاں سے ابھی اور اسی وقت۔ میں دیکھتا ہوں کہ مجھے حرم سے نکاح کرنے سے کون روکنے کی ہمت رکھتا ہے۔

حرم میرے رزق پر پل کر جوان ہوئی ہے۔ اس کی رگوں میں میرا خون نہ سہی، میرے رزق کی بہتات تو ہے۔ میں سرِ عام اس سے شادی کرنے کا اعلان کر سکتا ہوں۔ جب ہمارے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے منہ بولے بیٹے زید کی بیوی سے شادی کر کے منہ بولے رشتے کو بے وقعت ثابت کرنے کی مثال قائم کر دی ہے تو تم اور میں کون ہوتے ہیں انکار یا اعتراض کرنے والے۔'' وہ زہر آلود لہجے میں چیخ کر بولے۔ ''خدا کی قسم! میں رسول ﷺ کی اس مثال کی دل و جان سے قدر کرتا ہوں۔''

کمرے میں تھوڑی دیر کے لئے جامد خاموشی چھا گئی۔

''آسیہ! میری ریکویسٹ ہے کہ تم ہنسی خوشی میرا ساتھ دو۔ کیونکہ میں نے آج کے مبارک لمحوں میں حرم سے شادی کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ حرم اس انکشاف پر حیران ہوگی نہ ہی پریشان۔ کیونکہ حرم ایک دین دار لڑکی ہے۔ وہ بھی میری اس مثال سے اتفاق ضرور کرے گی۔ کیونکہ قرآن ایک سچی اور مقدس کتاب ہے۔ وہ انکار نہیں کر سکتی۔ اگر اس نے انکار کیا تو میں اسے تمہاری عیسائی دوست کے پنجرے میں ڈال دوں گا۔ اور پھر وہ جانے اور اس کا عیسائی خاندان جانے۔ ہمارا اس سے کوئی تعلق اور رابطہ نہیں رہے گا۔'' وہ پُر امید لہجے میں بولے۔ ''مجھے اس پر پورا یقین ہے کہ وہ نمک حرام نہیں ہو سکتی۔ اگر تمہیں وہ قبول ہے تو اس گھر کی بڑی مالکن تم ہی کہلاؤ گی۔ دوسری صورت میں تمہیں یہ گھر چھوڑنا پڑے گا۔ سوچ لو۔''

''آپ دنیا والوں کو کیا جواب دیں گے؟ آپ کی دو جوان بیٹیاں گھر ہی بیٹھی رہ جائیں گی۔ آپ کے کردار کی سیاہی میری اولاد کے مقدر کو تاریک کر دے گی۔ خدا کے لئے ہوش و خرد سے کام لیں۔ اپنی اور حرم کے عمر کے فرق کو نہ سہی، منہ بولے رشتے کی ہی لاج رکھ لیں۔'' وہ زوردار لہجے میں بولی۔ ''کوڑے کے ڈھیر سے اٹھائی ہوئی غلاظت کے قابل ہی تھے آپ۔ اپنی اصلیت پہچاننے میں آپ نے بہت دیر کر دی۔''

فیضان سانپ کی مانند بل کھاتے ہوئے اٹھے اور آسیہ پر تھپڑوں اور گھونسوں کی بارش کر دی۔ ''تم نہیں مانو گی تو تمہیں فارغ کر دوں گا۔''

حرم پاگلوں کی طرح اسی حالت میں مین ڈور کھول کر باہر نکلی اور بھاگتی ہوئی فارم کی پچھلی سائیڈ سے باہر نکل گئی۔ سردی کی شدت اور بارش کی تیز بوچھاڑ میں ننگے پاؤں اور ننگے سر، رات کی تاریکی میں پاگلوں کی طرح بھاگتی چلی گئی۔ قبرستان کی کچی چھوٹی سی دیوار کو اس نے پھلانگ کر آنکھیں پھاڑ کر جائزہ لیا تو اسے سنگ مرمر کی چمکتی ہوئی قبروں کا احساس ہوا۔ خوف سے چیختی ہوئی، سانسوں کے تسلسل کو بحال کرنے کی کوشش کرتے ہوئے وہ ڈر سے لرز رہی تھی۔ اسے کبھی گلا دبانے کا گمان ہوتا تو کبھی پاؤں منوں بھاری ہونے کا احساس دلا دیتا۔ اسے گھٹا ٹوپ اندھیرے میں بجلی کے چمکتے ہی چھوٹے سے قبرستان کے کونے میں بوسیدہ کھڑکی کا عکس دکھائی دیا جس کی درزوں سے لالٹین کی ہلکی اور دبی ہوئی روشنی کے

احساس نے اس میں بجلی بھر دی تھی۔ اے جی چاچا کی زبانی سنی ہوئی کہانی اس کے کانوں میں گونجنے لگی۔

وہ تیزی سے کچی اور پکی قبریں پھلانگتی ہوئی کھڑکی تک پہنچ گئی اور اسی رفتار سے چیختی چلاتی ہوئی پورے استحقاق سے دروازہ پیٹنے لگی۔

'لگتا ہے یہ بے جی کا آبائی قبرستان ہے اور یہ دروازہ ان کے حجرے میں کھلتا ہوگا۔' دل نے سرگوشی کی تھی۔

وہ چاچا کے کھینچے ہوئے نقشے کے مطابق سوچنے لگی اور زبان پر **قَالُوْ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ**O کا وِرد جاری ہوگیا۔ مگر وجود سوکھے پتے کی مانند لرزتا ہوا زمین بوس ہونے کو تھا کہ کھڑکی کی کنڈی کھلنے کی آواز پر اس کی نظر یکسر بدلی اور سسکیاں ہولناک ماحول میں بکھرنے لگیں۔

□.......O.......□

''بیٹی! بھوکی پیاسی کب تک لیٹی رہو گی؟ جب تک مجھے اپنی پریشانی نہیں بتاؤ گی نہ تو تمہارا دل ہلکا ہوگا اور نہ ہی میں مسئلہ سمجھ پاؤں گی۔'' بے جی نے سال خوردہ اور دھندلے لفظوں والے وال کلاک کی طرف دیکھ کر کہا۔

''میں ولی اللہ نہیں ہوں کہ مجھے الہام ہو جائے گا کہ تم کس مجبوری میں میرے در تک آئی ہو۔'' وہ اس کے سرہانے بیٹھ گئیں۔ حرم آنکھیں بند کئے لیٹی رہی۔ ''میں جانتی ہوں کہ تم ایک سیکنڈ کے لئے سوئی نہیں۔ آنکھیں بند کرنے کو نیند کا نام نہیں دیتے۔ اور نہ ہی آنکھیں بند رکھنے سے مسائل سے کنارہ کشی اختیار کر سکتے ہیں۔ بیٹی! آنکھیں کھولو۔ دنیا کو پہچانو اور اس سے مقابلہ کرنے کے لئے انہی آنکھوں سے کام لو۔''

حرم نے آنکھیں کھول دیں۔ لحاف ایک طرف کر کے بیٹھنے کی کوشش کرنے لگی۔ اس کے جسم کے ہر عضو پر درد، دکھ اور غم نے غلبہ پا لیا تھا۔ وہ نقاہت سے اُٹھ کر بمشکل بیٹھی۔ ننگے پاؤں بھاگنے کی وجہ سے پاؤں کے تلوے چیخ رہے تھے اور سر پر منوں بوجھ تھا۔ اس نے سر کو اپنے دونوں ہاتھوں میں پکڑ لیا۔

''سر میں درد ہو رہا ہوگا۔ اُٹھو بیٹی! اپنے لئے ناشتہ بنا لو۔ میرے لئے تو میرا رب من و سلویٰ بھیج دیتا ہے۔'' وہ اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولیں تو حرم نے ہاتھ نیچے گرا لئے۔

''بے جی! مجھے بھوک نہیں۔ میرا دل نہیں چاہ رہا کچھ بھی کھانے کو۔''

''جب دل میں درد ہو تو بھوک کا گزر نہیں ہوتا۔ لیکن جب کھانے بیٹھو گی تو اوپر والا مدد کرے گا۔ بھوک کھل جائے گی۔ سارا جھگڑا ہی نیت کا ہے۔'' بے جی ذرا سا مسکرا کر بولیں۔ ''تم بڑے گھر کی لڑکی ہو۔ تمہیں نہ تو من و سلویٰ پسند آئے گا، نہ ہی میری رسوئی کا کھانا۔ مگر

مجبوری میں زہر مار تو کرنا ہی پڑے گا، جینے کی خاطر۔"
"بے جی! مجھے نہیں جینا۔ مجھے مر جانا چاہئے تھا، تئیس سال قبل۔" وہ بے بسی سے بے جی کا ہاتھ پکڑ کر بولی۔
"مرنے کا ہوش آج کیسے آ گیا؟" وہ سنجیدہ ہو گئیں۔ "تم کیا سمجھتی ہو کہ مرنے کی خواہش کرنے سے موت لاحق ہو جاتی ہے۔ بیٹی! ایسا نہیں ہوتا۔ بلکہ زندگی مزید بڑھ جاتی ہے۔ تم نے ضرور دیکھا ہو گا کہ دُکھی اور رنجیدہ لوگوں کی زندگی بہت دراز ہوتی ہے۔ ایڑیاں رگڑ رگڑ کر بھی مرتے نہیں۔ بے چارے نادیدہ اور ناکردہ گناہوں کی پاداش میں دوسروں کے لئے عبرت بن جاتے ہیں۔"
'بے جی تو بہت سمجھ دار، پڑھی لکھی اور منطقی لگ رہی ہیں۔' حرم نے دل میں سوچا۔
"اُٹھو بیٹی! دو نفل شکرانے کے پڑھ کر اپنی نئی زندگی کا آغاز کرو۔ کھاؤ پیو اور اپنی بے جی کی آغوش میں اپنا ہر غم، ڈر اور فکر ڈال کر مطمئن ہو جاؤ۔" وہ اتنے پیار اور لگاوٹ سے بولیں کہ حرم کی آنکھیں برسنے لگیں۔
"بیٹی! اگر آنسو بہانے سے مقدر کی سیاہی ڈھل جاتی تو میرے نصیب کتنے روشن اور اُجلے ہوتے۔ آنسو آنکھوں کی بینائی پر تاریکی کی چھاپ لگا دیتے ہیں۔ راہِ مستقیم سجھائی نہیں دیتا۔ دل پر مایوسی و اُداسی کی دبیز تہہ جم جاتی ہے اور ذہن ماؤف ہو جاتا ہے۔ انسان کمزور پڑ جاتا ہے۔ آنسو بہانے کے بجائے قوتِ گویائی سے کام لو۔ خود میں مضبوطی پیدا کرو۔ پھر تمہیں دنیا کی پروا نہیں رہے گی۔ یہ دنیا تو فانی ہے۔ یہاں کے عارضی قیام کی خاطر اپنی عارضی زندگی کی عارضی خوشیوں کو اتنی اہمیت دو گی تو تمہارے ساتھ کبھی انصاف نہیں ہو گا۔ بھٹکتی ہوئی سوچ اور بھٹکتے ہوئے سانسوں کے ہمراہ زندگی کی راہوں میں بھی بھٹک جاؤ گی۔ اور انہی راہوں پر گامزن لوگوں کے پاؤں کی دھول بن کر بے نام و نشان ہو جاؤ گی۔" بے جی کے ضعیف جھریوں کے جال سے بھرپور کھردرے ہاتھ اس کے ملائم بھرے بھرے ہاتھوں پر بے اختیاری سے پھر رہے تھے۔ حرم نظریں جھکائے ان کے ہاتھوں کا موازنہ کر رہی تھی۔ لبوں پر خاموشی کی مہر ثبت تھی اور کانوں میں مسلسل آسیہ اور فیضان کی باتیں گونج رہی تھیں۔ حرم نے اپنا سر گھٹنوں میں دبا کر کانوں پر دونوں ہاتھ رکھ دیئے۔
"چلو بیٹی! میں چپ ہو جاتی ہوں۔ تم میری باتیں سننا نہیں چاہتی تو تمہیں اپنی سنانے میں کوئی قباحت نہیں۔ اب میں خاموش ہوئی۔ ٹھیک ہے نا؟" وہ ذرا سا مسکرائیں مگر حرم اسی حالت میں بیٹھی رہی۔
بے جی آہ بھر کر وہاں سے اُٹھ کر آہستہ آہستہ چلتی ہوئی رسوئی میں آ کر پیڑھی پر بیٹھ کر کیروسین آئل کا چولہا جلانے لگیں تو حرم مرے ّتا وہاں سے اُٹھی اور خاموشی سے دوسری پیڑھی پر بیٹھ گئی۔ بے جی نے اس کے پاؤں کی طرف عینک درست کرتے ہوئے دیکھا۔ پتلے نازک

لمبی انگلیوں سے مزین حسین گورے پاؤں مٹی اور رستے ہوئے خشک خون میں بھی اپنی اہمیت کا احساس دلا گئے۔

''پانی سے پاؤں دھو کر میری چپل پہن لو۔ تمہیں مشکبور مکھن میں ملا کر دیتی ہوں۔ اسے زخموں پر لگا کر میری جرابیں پہن لو۔ چند گھنٹوں میں ٹھنڈ پڑ جائے گی۔ کملی نہ ہو تو۔ کم از کم بھاگتے وقت دوپٹہ، جوتی اور اپنا موبائل تو اٹھا لیتی۔'' وہ چائے بناتے ہوئے سنجیدگی سے بولے جا رہی تھیں۔ حرم نے آہستگی سے کہا۔

''بے جی! بھاگنے کا پروگرام نہیں تھا۔ پہلا قدم اٹھاتے ہوئے مجھے کچھ یاد نہیں پڑتا کہ میں نے کیا سوچا اور اس سمت کیسے نکل آئی۔ میں اس چھوٹی سی چاردیواری میں پناہ لینے آئی تو قدم قبر پر پڑا تو پتہ چلا کہ میں تو جیتے جی قبرستان میں آ گئی ہوں۔ تحفظ کا احساس ہوا تو آس پاس دیکھا تو کھڑکی نظر آئی۔ مجھے اپنے اے جی چاچا کی باتیں یاد آ گئیں۔ چاچا کو آپ سے بہت عقیدت ہے۔ آپ کو بہت پہنچی ہوئی بزرگ مانتے ہیں۔ یہ میری خوش قسمتی تھی کہ میرے قدم جو اٹھے اور بڑھے تو منزلِ مقصود درست پا گئے۔''

بے جی نے اس کے سامنے چائے کی پیالی رکھ دی اور ڈبل روٹی کا پیکٹ اس کے سامنے رکھ دیا۔

''میری زندگی کا دار و مدار اسی من و سلویٰ پر ہے۔ تمہارے لئے بہت مشکل ہو گا ایسا ناشتہ کرنا۔ مگر جو میرے پاس موجود ہے، حاضر ہے۔'' ان کے لہجے میں تشکر تھا۔ حرم نظریں جھکائے چائے پینے لگی۔

بارش تو تھم گئی تھی مگر آج سورج بھی منہ موڑ گیا تھا۔ انہوں نے روشندان کی طرف دیکھ کر کہا۔

''بیٹی! تم ناشتے کے بعد ذرا اپنے پاؤں کا خیال کرو۔ میں قبروں پر چڑیوں کے لئے دانہ ڈال کر آتی ہوں۔ بے چاری انتظار کر رہی ہوں گی۔ بازوں کا بھی اللہ اور چڑیوں کا بھی اللہ۔ اس پر ایمان رکھو۔ کبھی نا امید نہیں ہو گی۔'' انہوں نے ذو معنی بات کہہ کر ایک ڈبے سے گندم جھولی میں ڈالی اور آہستہ آہستہ چلتی ہوئی باہر نکل گئیں۔ حرم کو اپنے سر پر اک بھاری مضبوط محبت کے احساس نے اس کی بکھری ہوئی ہمت کو یکجا کیا اور خود سے سوال کرنے لگی۔

'میں کون ہوں؟ کوڑے کے ڈھیر کی نذر کرنے والی میری ماں کون تھی؟ اس نے ایسا کیوں کیا؟...... کیا سچ مچ میں گناہ کا تخم تھی؟ غلیظ گالی تھی جو میری زندگی کی قدر نہ ہوئی۔ میری پیدائش کتوں اور بلیوں کی خوراک کیوں مقرر کی گئی؟ اس گناہ میں میرا قصور کیا تھا؟' وہ پاؤں دھوتی رہی اور سوچتی رہی۔

□......○......□

''بیٹی! کہانی میں نے سن لی۔ اس میں مجھے سچائی بھی لگی ہے۔ لیکن یہ بتاؤ کہ تم گھر سے

اپنی جان بچانے کی خاطر نکلی ہو یا حبان کو حاصل کرنے کی غرض سے یا اپنے منہ بولے باپ سے عزت لٹنے کا خطرہ تھا؟ اپنی منہ بولی ماں سے ہمدردی تھی یا اس گھر کی آبادی وخوشحالی کی سلامتی کی وجہ تھی؟ تم نے وہاں سے نکلتے وقت سب سے پہلے کیا سوچا تھا کہ فیصلہ کرنا آسان ہو گیا؟''

بے جی، حرم کی تمام سرگزشت سن کر اِک توقف کے بعد بولیں۔

''مجھے اپنا سائبان یک دم ڈاکوؤں کے ہنڈاروں کی آماجگاہ لگا کہ کسی بھی وقت میری عزت وتحریم کو مٹی میں ملا دیا جائے گا۔ ممی سے مجھے بے پناہ محبت ہے۔ نہ جانے میری اندر کی شوریدگی کی کتنی اقسام تھیں جو پل بھر میں میرے ذہن میں اُبھری بھی تھیں کہ نہیں۔ بے جی! مجھے کچھ بھی یاد نہیں آ رہا۔ میں اِک کڑوا، زہریلا اور ترش سچ سن کر شاکڈ تھی۔'' وہ کوئلوں کی انگیٹھی پر ہاتھوں کو گرمائش پہنچاتے ہوئے بولی۔

''تم نے میرے حجرے میں پہنچ کر کچھ تو سوچا ہو گا۔ فیصلہ بھی کر لیا ہو گا کہ تم اب کیا کرنا چاہتی ہو؟'' وہ نرمی سے بولیں۔ ''میں تمہاری ہر حال میں مدد کروں گی بیٹی! تمہیں تنہا نہیں چھوڑوں گی۔ عورت کی عزت بہت نازک اور اہم ہوتی ہے۔ وہ قبر کے دھانے تک پہنچنے کے بعد بھی محفوظ نہیں ہوتی۔ تم اس بھری جوانی میں دنیا کی نظروں سے اوجھل نہیں ہو سکتی۔ میری پناہ میں بھی زیادہ دن رہنا محال ہو جائے گا۔ بھیڑیے اور خونخوار درندے تمہارا پیچھا کرتے ہوئے یہاں تک پہنچ جائیں گے۔ تمہیں زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ مجھے بتاؤ کہ اپنے گھر واپس جانا چاہتی ہو یا حبان کی ماں سے ملنا چاہتی ہو؟'' وہ بہت ملائمت سے بولیں۔

''کہیں بھی نہیں جانا چاہتی۔'' وہ آہستہ سے بولی۔

''کہاں رہنے کا ارادہ ہے؟'' وہ اس کا مطلب سمجھتے ہوئے انجان بن کر بولیں۔

''یہاں، آپ کے پاس۔'' وہ مردنی آواز میں بولی۔

''ناممکن ہے۔ تم بڑے گھر کی جوان بیٹی اور بڑے گھر کی سوہنی ستھری بہو بننے جا رہی ہو۔ میں تمہیں یہاں زیادہ دن چھپا نہیں سکوں گی۔ بیٹی! اپنے گھر واپس چلی جاؤ۔ تمہاری بہتری اسی میں ہے۔'' وہ سمجھاتے ہوئے بولیں۔

''تو یا اپنے باپ کی بات مان جاؤں؟...... بے جی! میں اپنے بابا سے شادی کرنے کا تصور بھی گناہِ عظیم سمجھتی ہوں۔ اور پھر ماں کی سوتن بن جاؤں، جس نے مجھ پر اپنا سکون وچین اور راتوں کی میٹھی نیند قربان کیے رکھی۔ بے جی! مجھے اپنی آغوش میں جگہ دے دیجیے۔ میں عمر بھر آپ کے حجرے کو آباد رکھوں گی۔'' وہ ہاتھ باندھ کر بولی۔

''نری کملی ہو۔ جھلی ہو۔ میں اپنے پیار کی خاطر بھائی کی قبر کی مجاور بن گئی۔ تم خود سے نفرت کی وجہ سے میری گدی نشین نہیں بن سکتیں۔ تمہارا اور میرا رستہ، عقیدہ اور مسلک ایک نہیں۔ تم اپنے جیسے لوگوں میں واپس چلی جاؤ۔ انہی جیسا طریق اختیار کرو۔ اپنے جوڑ کے

لوگوں میں بہت خوش رہو گی۔ شادی رچاؤ، بچے پیدا کرو اور ان کی تربیت کرو۔ تاکہ تمہیں اپنی ذات پر فخر محسوس ہو۔" وہ سنجیدگی سے بولیں۔ "تمہارے لئے دنیا سوگوار ہے۔ مگر میرے لئے گلزار ہے۔ تم میرے ساتھ نہیں رہ سکتیں۔"

"میں ناپاک ہوں۔ نجس ہوں بے جی! حبان کو جب میری اصلیت معلوم ہو گی تو وہ مجھے ٹھکرا دے گا۔ اُس کا یہ روّیہ برداشت کرنا میرے لئے بہت مشکل ہو جائے گا۔ میں حرام موت مرنا نہیں چاہتی۔ ابدی جہنم سے یہاں کا وقتی اور فانی جہنم بدرجہا بہتر ہے۔" اس کی آنکھوں سے آنسو گرنے لگے۔

"جب تک کشمکش میں مبتلا رہو گی، تم دنیا کے جھمیلوں اور غلاظت میں گرفتار رہو گی۔ اپنے شکستہ دل سے پوچھو کہ کیا چاہتا ہے۔" وہ اسے روتا دیکھ کر درشتی سے بولیں۔

"میں نے تمہیں سمجھایا ہے کہ آنسو بہانا چھوڑ دو۔ اس وقت سوچ سمجھ کر فیصلہ کرنے کی ضرورت ہے۔ اپنے شناسا اور انجان کو پہچانو۔ تمہارے دل کی آواز گواہی دے گی کہ کون تمہارا اپنا ہے اور کس پر تم بھروسہ کر سکتی ہو۔ مگر ایک شرط ہے کہ تمہارے دل میں کھوٹ نہیں ہونا چاہئے۔ سچائی الہام کے قریب کر دیتی ہے۔ میں قبروں پر فاتحہ پڑھنے جا رہی ہوں۔ میرے واپس آنے تک فیصلہ کر لینا۔ اور میرے حجرے سے اکیلی نکلنے کا تصور بھی نہ کرنا۔ میں خود تمہیں محفوظ مقام پر پہنچا دوں گی۔ لیکن تم میری جانشین نہیں بن سکتی۔ کیونکہ ہم دونوں کے نفس میں فرق ہے۔ سن رہی ہو نا؟"

وہ سہم کر رہ گئی۔ بے جی نے قرآن مجید احترام و عقیدت سے بوسہ دے کر اٹھایا اور قبرستان کی طرف کھلنے والے دروازے سے باہر نکل گئیں۔

□.......○.......□

"آسیہ! مجھے سچ سچ بتاؤ کہ تم نے حرم کو کہاں غائب کیا ہے؟" فیضان نے کمرے میں داخل ہوتے ہی تقریباً چیختے ہوئے کہا تو آسیہ نے بمشکل کروٹ بدل لی۔ کیونکہ فیضان کے ظلم و تشدد سے اس کے جسم کے ہر حصے میں شدید درد تھا۔ دو دن سے اس نے کچھ کھایا تھا اور نہ ہی پانی کا قطرہ حلق سے اُترا تھا۔ حرم کو گھر سے بھاگتے ہوئے کسی نے نہیں دیکھا تھا۔ وہ گھر چھوڑ کر کیوں چلی گئی؟ کہیں اس نے ہماری باتیں تو نہیں سن لیں؟ فیضان اضطراری کیفیت میں سوچے جا رہے تھے۔ آسیہ کی پریشانی تو دوہری تھی جسے فیضان سمجھنے سے قاصر تھے۔ ماہم اور ماہا کا برا حال تھا۔ انہیں بھی کچھ خبر نہ تھی کہ اپیا کہاں اور کیوں چلی گئی؟ ابھی تک حبان اور اس کی ماں سے بھی ذکر نہ کیا تھا۔ ملازموں سے بھی پردہ داری تھی مگر تجسّس سب کو تھا۔ کوارٹروں میں حرم زیرِ بحث تھی۔ فیضان نے تیزی سے اپنا سامان پیک کیا اور اے جی کو آواز دی۔ وہ کانپتا ہوا کچن سے باہر نکل آیا۔

"میرا سامان گاڑی میں رکھو۔ بیگم صاحبہ کا خیال رکھنا۔ ان کی طبیعت سنبھل نہیں رہی۔

حرم گاؤں سے واپس آ گئی تو آسیہ بھی ٹھیک ہو جائے گی۔'' وہ جرابیں پہنتے ہوئے فکرمندی سے بولے۔

''صاحب جی! بیٹیاں تو پرایا مال ہیں۔ جب حرم بی بی اپنے سسرال چلی گئیں تو بیگم صاحبہ کا کیا حال ہوگا؟ مجھے تو یہی پریشانی کھائے جا رہی ہے۔ انہیں دم درود پر بالکل یقین نہیں۔ ورنہ یہ بازو میں بے جی رہتی ہیں۔ اگر ان سے فیض یاب ہو جاتیں تو یوں بستر سے نہ لگی ہوتیں۔ صاحب جی! دراصل ان کا دل بہت کمزور ہو گیا ہے۔ جب دل میں ہی طاقت نہ رہے تو دماغ کام کیسے کر سکتا ہے؟ اس لئے تو وہ ہر وقت ناخوش اور سوچوں میں ڈوبی رہتی ہیں۔ اب بیماری نے بھی حملہ کر دیا ہے۔ تمام نعمتوں کے باوجود انہوں نے نہ جانے کون سا دکھ پال لیا ہے۔'' وہ افسردگی سے بولا۔

''اے جی! پلیز تم مجھے مزید پریشان مت کرو۔ جاؤ اپنی بیگم صاحبہ کی پسند کا کھانا بناؤ اور ان کا خیال رکھو۔ زندگی میں آزمائش بھی تو برحق ہے۔ آسیہ ٹھیک ہو جائے گی۔'' وہ سنجیدگی سے بولے اور تیزی سے باہر نکل گئے۔ اے جی حیران و پریشان انہیں جاتے ہوئے دیکھنے لگا۔ کیونکہ ایسی بے پروائی اور بے توجہی پہلے کبھی دیکھنے میں جو نہ آئی تھی۔

موبائل کی بیپ پر اے جی، حرم کے کمرے میں چلا گیا۔ حرم کا موبائل مسلسل بجے جا رہا تھا۔ اے جی نے کمرے کا دروازہ بند کر کے فون اٹھا لیا جو ابھی تک چارجر سے کنیکٹڈ تھا۔ فوراً حبان کی آواز پہچان کر آہستگی سے بولا۔

''صاحب جی! حرم بی بی کو صاحب نے گاؤں بھیج دیا ہے چند ہفتوں کے لئے۔ بیگم صاحبہ اس کے جانے سے بیمار پڑ گئی ہیں۔ آپ ہی واپس آ جائیں۔ بیگم صاحبہ اور دونوں باجیوں کا دل بہل جائے گا۔ بڑے صاحب تو آج ہی چائنہ چلے گئے ہیں۔ گھر میں اور زیادہ اُداسی چھا گئی ہے۔''

''حرم بی بی موبائل کیسے بھول گئیں؟...... اے جی چاچا! اس سے رابطہ کرنے کا کوئی راستہ ڈھونڈو۔ میں بہت فکرمند ہوں۔ میرا دل کچھ مطمئن سا نہیں۔ مجھے گھر کی فضا کچھ بدلی بدلی لگ رہی ہے۔'' وہ تذبذب میں بولا۔

''آپ نے بالکل درست محسوس کیا ہے۔ ماجرا کیا ہے؟ پتہ نہیں صاحب جی! گھر میں پریشانی تو ہے۔'' وہ بھی فکرمندی سے بولا اور لائن کٹ گئی۔

□......○......□

''فیضان تو میری موت کے منتظر ہیں اور میں دن رات کی آہ و بکا سے ان کی اس خواہش کو پوری کرنے پر کیوں تُل گئی ہوں؟ بستر سے لگ جانے سے مسئلہ حل نہیں ہوگا۔ پگلی عورت! ہوش میں آؤ اور شاکڈ کیفیت سے باہر نکل آؤ اور اپنی بیٹی کو تلاش کرنا شروع کرو۔ بے شک تم نے اسے جنم نہیں دیا، پال پوس کر جوان کرنے کا سفر نہایت اپنائیت اور لگاوٹ سے کاٹا ہے۔

اپنی کوکھ سے جنم لینے والی اولاد کو بھی تو برا بھلا کہہ لیتے ہیں۔ مار پیٹ سے بھی گریز نہیں کرتے۔ اگر میں نے اسے ڈانٹ دیا تو کون سا ستم ڈھا دیا ہے۔ اس کے لئے بھی میری ممتا بے غرض اور بے لوث ہے اپنے بچوں کی طرح۔'' وہ خود کلامی کرتی ہوئی بستر سے اُٹھ گئی اور تیار ہونے واش روم کی طرف بڑھ گئی۔ جب غسل کے بعد صاف ستھرے استری شدہ کپڑے پہن کر خود کو آئینے میں دیکھا تو اس کی مریض اور ماتمی صورت پر ہلکے سے اطمینان کی جھلک چھا گئی۔ ہلکا سا میک اپ کرنے کے بعد اس نے اپنا پرس اٹھایا جو کہ کندھوں میں درد کی وجہ سے اٹھانا مشکل لگ رہا تھا۔ اس نے ہمت کر کے اسے اپنے سینے سے لگایا اور آہستہ آہستہ چلتی ہوئی باہر نکل گئی۔ ڈاکٹر کو سیڑھیوں سے گرنے کی وجہ سے درد کی شدت بتاتے ہوئے اس کا دل بھر آیا تھا۔ ایسے حادثات و واقعات تو وہ عام نچلے طبقے میں دیکھتی اور سنتی آئی تھی، اس کی کلاس میں بھی ضرور رونما ہوتے ہوں گے۔ آج بہانے تراشنے اور ایکٹنگ کر کے پردہ داری کرتے ہوئے اس پر کئی سہیلیوں کے حالات عیاں ہو گئے تھے۔ وہ میڈیسن لے کر ماں کے گھر چلی گئی۔ کالج سے ماہم اور ماہا کو بھی وہیں بلوا لیا اور آسیہ دو ہفتوں کے لئے یہیں پر مقیم ہو کر خود کو نارمل کرنے کی کوشش کرنے لگی۔ مگر زبان سے کیا مجال کہ ایک لفظ فیضان کے خلاف نکلا ہو یا حرم کو گود لینے کے انکشاف کا سوچا بھی ہو۔

□......○......□

''بیٹی! تمہیں یہاں آئے بہت دن ہو گئے ہیں۔ تمہیں کب تک چھپائے رکھوں گی؟ مجھ بڑھیا پر رحم کھاؤ اور بتاؤ کہ کیا سوچا ہے؟'' بے جی نے اس کے جھکے ہوئے سر کو ٹھوڑی سے اوپر کرتے ہوئے تڑپ کر کہا۔

''بے جی! میں نے دن رات سوچا ہے۔ مجھے فیصلہ کرنے میں قطعاً مشکل درپیش نہیں آئی۔ مسئلہ میرا نہیں آپ کا ہے۔ آپ کو فیصلہ کرنے میں دقت اور رکاوٹ نظر آ رہی ہے۔ آپ کی حقیقت پسندی پر مبنی باتیں بھی درست ہیں۔ آپ ہی انصاف فرمائیں۔ میری التجا ہے۔'' وہ نرم لہجے میں بولی۔ ''میں آپ جیسی باعزم، پُر نام اور بامعنی زندگی کی ہمیشہ سے متلاشی تھی۔ شاید میرا رب مجھے آج کے لئے تیار کر رہا تھا کہ میں نے اپنے دامن کو حرص و عناد سے پاک رکھا۔ میں آپ کا سایہ چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤں گی۔ یہیں مر کر اسی قبرستان کی مٹی میں مل جاؤں گی۔ آپ میری بات پر غور تو کریں کہ ہم دونوں ایک دوسرے کے لئے لازم و ملزوم ہیں۔ میں آپ کے بڑھاپے اور بیماری میں آپ کا سہارا بنوں گی۔ اور آپ میری جوانی کو گناہوں اور علتوں سے بے داغ رکھنے کے لئے مجھے اپنے سائے سے دور نہیں کریں گی۔'' اس نے جیسے حرفِ آخر کے طور پر کہہ کر اپنا فیصلہ سنا دیا ہو۔ عاجزی و انکساری سے اس نے بے جی پر نظریں گاڑ دیں۔

''حرم! بغاوت و انتشار تو اِک لعنت ہے جو مجھ میں بھی بے حساب تھی۔ تم میری زندگی کو

رشک بھری نظروں سے مت دیکھو۔ اس میں حسرتوں اور پچھتاووں کے سوا اور کچھ نہیں رکھا۔ مجھے ابھی تک غلیظ اور میلے کپڑوں کی طرح خم چڑھا کر پاک و صاف کیا جا رہا ہے۔ جس دن میرے رب نے مجھ پر جنت حلال کر دی، وہ مجھے اپنے پاس بلا لے گا۔ تم حبان میاں کے ساتھ اس دنیا کو ہی جنت بنا لو۔ کیونکہ زندگی سے کنارہ کشی گناہوں کی قیمت ادا کرنے کو نہیں کہتے۔ اور خود کو کرب و دکھ اور اذیت میں ملوث کرنے کو اپنے جرموں کا کفارہ ادا کرنا سمجھوں تو میں سمجھوں۔ تم تو پاک ہو۔ بے گناہ اور معصوم ہو۔'' وہ نرماہٹ سے بولیں۔

''شادی نہیں کروں گی۔'' وہ منمنائی۔

''میرے پاس کیا کرو گی؟'' بے جی تجسس سے بولیں۔ ''یا رسولؐ اللہ! میں کس مشکل میں پھنس گئی ہوں؟''

''میں آپ کے اسی حجرے میں رہ کر درس و تدریس کو جاری رکھوں گی۔ مجھے اس کے لئے تیار کر دیجئے۔ میں بہت جاہل ہوں۔ نہ دین اور نہ ہی دنیا کے بارے میں کچھ جانتی ہوں۔ یقین جانیں بے جی! اپنے فیصلے پر ثابت قدم رہوں گی۔ میرا آپ سے وعدہ ہے۔'' وہ التجائیہ انداز میں بولی تو بے جی نے غصے میں سر جھٹک دیا۔

''یہ نہیں ہو سکتا۔ میں نے تمہیں پہلے بھی سمجھانے کی کوشش کی ہے کہ تم میری جانشین نہیں بن سکتی۔ ویسے میں نے نوٹ کیا ہے کہ تمہاری کئی حرکتوں اور باتوں میں مماثلت ہے۔ ضد، ہٹ دھرمی کے ساتھ کئی عادات میرے جیسی ہیں۔ میں نہیں چاہتی کہ تمہاری زندگی پر میری ہلکی سی بھی جھلک ہو۔ لیکن بہت کچھ مختلف بھی ہے پیدائشی لحاظ سے۔''

''جانتی ہوں کہ میں نجس ہوں، ناپاک اور غلیظ ہوں۔ کسی کے گناہ کا منحوس نطفہ ہوں۔ اسی کی یاد دہانی کرانا چاہتی ہیں آپ۔'' وہ روہانسی ہو گئی۔

''تم بالکل بے قصور ہو۔ فرشتوں کی مانند پاکیزہ ہو۔ ایسے مت سوچو۔ تمہیں کوڑے کے ڈھیر پر پھینکنے کی کئی وجوہات ہو سکتی ہیں۔ تم اپنے گھر واپس چلی جاؤ۔ میں نے دنیا کے بے حساب رنگ دیکھے ہیں۔ قبرستان میں مردہ، جوان اور حسین لڑکیاں محفوظ نہیں رہتیں۔ میں نے رات کی تاریکی میں کتنے ہی قبرستانوں میں مردہ لڑکیوں کی لاشوں کی بے حرمتی ہوتے ان گناہگار آنکھوں سے دیکھا ہے حرم! شہرِ خموشاں میں میرا اوڑھنا بچھونا تیس سالوں سے ہے۔ تم اس قبرستان کی چار دیواری میں محفوظ نہیں رہ سکو گی۔ میں نے اپنی عزت بچانے کی خاطر دنیا چھوڑ دی۔ دل میں پہلے بھی رب بستا تھا، اس کے رسولؐ اور نبیوں کا ڈیرہ تھا۔ پیارا بھائی چلا گیا تو یوں لگا کہ میرے سر کی چھت اُڑ گئی ہو۔ اور میں ننگی کھلے آسمان کے نیچے کھڑی ہوں، بے یار و مددگار۔ میرے آس پاس خونخوار درندے میرے جسم کی بوٹیاں نوچنے کے لئے تیار کھڑے ہوں۔ میں نے پشمینے کی قیمتی شال کی جگہ کھدر کی بڑی سی پرانی بوسیدہ اور میلی چادر کا انتخاب کر لیا۔ مرغن کھانوں کو خیر باد کہہ دیا۔ یا رسولؐ اللہ۔ بیٹی! اللہ کو دو چیزیں بہت زیر کر

دیتی ہیں۔ خودنمائی اور زبان کا چسکا۔ میں نے ان دونوں علتوں کو اپنی شخصیت کی جڑ سے نکال پھینکا۔ اب میرا یار میرا پالنہار ہے۔ میری خوار، میری خوش ذائقہ غذا میرے رب کا نور ہے۔ میرا انمول پہناوا اس نور پر ایمان ہے۔ تم ابھی نوخیز کلی ہو۔ تمہیں دنیا والے زبردستی اپنے قید خانے کی زینت بنالیں گے۔ اس لئے بیٹا! ضد نہ کرو۔'' وہ ملائمت سے بولیں۔

''بے جی! مجھے بابا کی باتیں سننے کے بعد یقین ہو گیا ہے کہ دنیا اسی کا نام ہے۔ پلیز مجھے دنیا والوں کی نفرت اور گھن سے بچا لیجئے۔ یہی میرے لئے تعویذ اور دم درود ہے۔ جیسے آپ نے اپنے اس علاقے کے لوگوں کو مکمل طور پر مطمئن اور پُرسکون رکھا ہے، وہی علاج مجھے بھی چاہئے۔'' وہ ہاتھ جوڑ کر بولی۔ ''مجھے قبول کر لیجئے۔''

''بیٹا! عمر میں دوگنا فرق ہے۔ میں نے اپنا تن من دھن جب اس پر قربان کیا تھا تو میں جوانی کی تپتی ہوئی دوپہر کے آخری حصے پر تھی۔ تم بخوبی جانتی ہو کہ یہ گاؤں میرا آبائی ہے۔ یہ قبرستان میرے بزرگوں کا ہے۔ اس گاؤں میں میرے اپنوں کا بسیرا ہے۔ سب مجھے جانتے ہیں، مجھ پر بھروسہ اور یقین رکھتے ہیں تم کس بل بوتے پر میری جانشین بن سکتی ہو؟'' وہ اُلجھ کر بولیں۔

''دیہاتیوں کی ذہنیت سے تم نابلد ہو۔ وہ میرے بعد میری قبر کو ذریعہ معاش بنالیں گے۔''

''بے جی! یہ ضروری نہیں کہ میرا آپ سے خونی رشتہ ہو گا تو میں آپ کی تقلید کو جاری رکھنے کا حق ادا کر سکتی ہوں۔ ایسا ہرگز نہیں۔ اصولاً اور قانوناً یہ نور تو کسی کے اندر منتقل ہو سکتا ہے۔'' وہ برجستہ بولی۔ ''میرا تعارف اپنے مریدوں سے کروائیں گی تو یہ معصوم اور سادہ لوگ مجھے قبول کرنے میں دیر نہیں لگائیں گے۔ بے شک آپ بہت اعلیٰ بزرگ ہستی ہیں۔ مجھے اپنی جگہ تو دے ہی سکتی ہیں۔ مایوسی نہیں ہوگی آپ کو۔''

''تم نہیں مانو گی۔ لیکن میں منوا کر چھوڑوں گی۔ عاقبت نااندیش لڑکی ہو۔ ناسمجھ دار نادان ہو اس کا ثبوت تو تم نے دے ہی دیا ہے کہ رات کے دو بجے...... یا رسولؐ اللہ۔ تمہیں اپنی زندگی کے تجربات کے مطابق ایسی زندگی کا چناؤ نہیں کرنے دوں گی جو بے مقصد اور بے معنی ہو۔ میں بزرگ اور اولیاء نہیں ہوں۔ میں نے اپنی بزدلی اور خوفزدگی کو بزرگی میں چھپانے کا سہارا لیا۔ میں تو وہ عورت ہوں جو زندگی کے کسی بھی مقام پر اپنے لئے درمیانی راستہ تلاش نہ کر سکی۔ ایک کنارہ پکڑا اور اسی پر چلتی چلی گئی۔ وہ کنارہ جانتی ہو کون سا تھا؟ میں، انا اور احساس بڑے پن کا۔ میری نصیحت ہے کہ تم دین اور دنیا کو سمجھو اور درمیانی راستے پر گامزن ہو جاؤ۔ یہی عبادت ہے۔ اسی میں اُس کی رضا ہے۔ تم اپنے گھر واپس چلی جاؤ۔ بتاؤ کہ کہاں ہے تمہارا گھر؟''

''بے جی! میں یہاں سے نہیں جاؤں گی۔ یہ میرا اٹل اور حتمی فیصلہ ہے۔ مجھے نہیں معلوم کہ میرا کون سا گھر ہے؟ کہاں ہے؟ اپنوں کا کون سا گاؤں یا شہر ہے؟ ان کا قبرستان آبائی بھی ہے یا نہیں۔ میں انہیں کہاں ڈھونڈوں کہ ان کے نام کا سہارا لے کر کسی قبرستان کو ہی

اپنی آماجگا بنالوں۔ اپنے مر کر بھی اپنا نام دے جاتے ہیں۔ کاش کوئی تو میرا اپنا ہوتا۔ بے جی! میں بے سروسامان ہوں مجھے اپنے سائے سے محروم کر کے آپ بہت پچھتائیں گی۔ اپنے رب کو کیا جواب دیں گی کہ آپ نے ایک لاوارث، نہتی جوان لڑکی کو گلیوں کوچوں، بازاروں اور شہروں میں برہنہ کر کے نکال دیا۔ اور وہ آپ کی اس غلطی کا خمیازہ آخری سانس تک بھگتتی ہی۔ آپ اپنے مالک کو کیا جواب دیں گی بے جی؟'' وہ ہمت بحال کرتے ہوئے قدرے اونچی آواز سے بولی۔ ''آپ کا شمار تو ظالموں میں ہونا چاہئے۔ بزرگوں میں نہیں۔ آپ بہت خودغرض ہیں۔ آپ کے تعویذ میں شفا نہیں ہوسکتی۔''

''تم نہیں سمجھوگی۔ تمہارا قصور نہیں۔ تم ناتجربہ کار ہو۔ لیکن خود کو معتبر اور بڑا سمجھتی ہو۔ آگ کے شعلے ہیں تمہارے مزاج میں۔ انگارے رکھے ہیں زبان پر۔ خدا کے لئے ٹھنڈی اور دھیمی پڑ جاؤ۔ میری کسی بات کو کان میں نہیں ڈالوگی تو گھاٹے میں رہوگی۔ مانا کہ یہ زندگی ابدی نہ سہی، بے شک یہ دنیا فانی سہی۔ یہ رشتے ناطے تمام وقتی سہی۔ مگر بہادر اور دلیر لوگ انہی آزمائشوں سے سینہ تان کر مقابلہ کرتے ہیں۔ مرنے والوں کے ساتھ مر نہیں جاتے میری طرح۔ بلکہ ان کے دوبدو کھڑے ہو کر زندگی کو بامقصد، بامعنی اور حسین بنا لیتے ہیں۔ تم ہر حالت میں ایسا ہی کروگی۔ یہ میرا آخری فیصلہ ہے۔''

یہ سن کر حرم سر جھکا کر بیٹھ گئی۔

□.......○.......□

بے جی کے حجرے کا دروازہ ہر وقت کھلا رہتا تھا۔ چھوٹے سے صحن میں ہر وقت چٹائی پر ہر عمر کی عورتیں موجود ملتی تھیں کچھ سپارہ پڑھنے آتیں، کچھ معنی اور تفسیر کے ساتھ قرآن پاک کا درس لیتیں۔ بے جی وہی سبق انہیں اپنے گھر والوں اور بچوں کو سکھانے کی تلقین کیا کرتی تھیں۔ پچھلے ایک مہینے سے حرم کی وجہ سے درس و تدریس کا سلسلہ منقطع ہو چکا تھا۔ گاؤں کی جانب کھلنے والا دروازہ ہر وقت مقفل رہتا تھا۔ قبرستان کی طرف سے حجرے میں جھانکنے کی کسی کی جرأت نہ تھی۔ دودھ، پانی، لکڑی، تیل اور سبزی دال ان کے مرید صحن میں رکھ کر خاموشی سے چلے جاتے کہ بے جی چلّہ کاٹ رہی ہیں جو حجرے کا دروازہ بند ہے۔

اے جی نے آسیہ کو بھی منا لیا تھا۔ اسے بھی ایک عام عورت کی طرح گھر کی خوشحالی اور آبادی کی خاطر اپنے عقیدے سے ہٹ کر فیضان کو تعویذ گھول کر پلانے اور چینی اور شہد پر دم کرانے اور آبِ زم زم کا گھر میں چھڑکاؤ کرنے پر آمادہ ہونا پڑا تھا۔ حرم کی تلاش جاری تھی۔ سب کی فکرمندی اور پریشانی میں بتدریج اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔

اے جی چاچا نے آہستہ سے دروازے پر دستک دی۔

''بند دروازے پر کسی کو دستک دینے کی جرأت نہیں ہوتی۔ یہ کون ہوسکتا ہے؟ ضرور بہت حاجت مند ہے جو رات کے دس بجے اس بارش میں میرے پاس آیا ہے۔'' بے جی

بڑبڑاتی ہوئی اُٹھیں، لالٹین پکڑ کر آہستہ سے بولیں۔

''بیٹی! سر منہ ڈھانپ کر لیٹی رہنا۔ ہوسکتا ہے حاجت مند کو اندر بٹھانا پڑے۔ نہ جانے کس مشکل میں ہے۔ ہوسکتا ہے بیمار بچے کو دَم کرانے آیا ہو۔ کسی مریض کے لئے آبِ زم زم لینے آیا ہو۔ سوالی ہے۔ خالی چلا گیا تو اوپر والا ناراض ہو جائے گا۔'' اتنا کہہ کر انہوں نے دروازہ نیم وا کیا۔

''کون ہے؟'' لالٹین اوپر کر کے آنے والے کا چہرہ دیکھ کر دہل گئیں۔ ''اللہ جوایا! تم اس وقت؟..... خیریت تو ہے؟...... اندر آؤ۔ بارش میں پہلے ہی بھیگ گئے ہو۔'' وہ ہمدردانہ لہجے میں بولیں تو وہ اندر آ گیا اور جاءنماز کے قریب ہی دوزانو بیٹھ گیا۔

بے جی نے غیر شعوری طور پر محویت سے اپنے بستر کی طرف دیکھا تو مدھم سی روشنی میں اے جی چاچا نے بھی چونک کر مڑ کر دیکھا۔ بستر خالی نہیں لگ رہا تھا۔ حرم کے لمبے بالوں کی چٹیا فرش کو چھو رہی تھی۔ بے جی ایک دم سے گھبرا گئیں۔ زبان لڑکھڑا سی گئی۔

''بے چاری حاجت مند ہے۔ دیری کی وجہ سے اسے یہاں ہی ٹھہرانا پڑا۔''

اے جی سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ اس نے حرم کو کئی بار کھلے لمبے بالوں میں لاؤنج میں بے نیازی و لاپروائی سے بیٹھے دیکھا تھا۔ اس کے بالوں کی چٹیا تو حجاب سے باہر جھول رہی ہوتی تھی۔ بالوں کا رنگ اور لمبائی وہ کیسے بھول سکتا تھا؟ پریشان کن نظروں سے بے جی کو دیکھنے لگا۔ معمہ حل کرنا مشکل ہو گیا۔ کیونکہ حرم تو سب کے لئے گاؤں گئی ہوئی تھی۔ وہ یہاں کیونکر چھپے گی؟ وہ مسلسل سوچے جا رہا تھا۔

''ہاں اللہ جوایا! مسئلہ بولو اور جاؤ۔ میرا سونے کا وقت ہے۔ ورنہ تہجد کے لئے اُٹھنا دوبھر ہو جائے گا۔'' وہ سنجیدگی سے بولی۔

''مسئلہ بہت مشکل اور لمبا چوڑا ہے۔ میری بیگم صاحبہ کچھ پاگلوں والی حرکتیں کرنے لگی ہیں۔ صاحب بھی ہر وقت پریشان رہتے ہیں۔ لگتا ہے ان پر بھوت پریت کا سایہ ہے یا کوئی حاسد ہے۔ آپ حساب کر کے بتا کہ کون ظالم ہے جس نے میاں بیوی میں دراڑ ڈال دی ہے۔ بے جی! یہ تو مثالی جوڑا تھا۔ خوشحال گھرانہ تھا۔ بڑی بیٹی کو خود ہی گاؤں بھیج کر میاں بیوی میں دوری آ گئی ہے۔ کوئی اچھا سا تعویذ دیں۔'' وہ بولتے ہوئے مسلسل مڑ مڑ کر دیکھے جا رہا تھا۔

''اللہ جوایا! اب جو پیچھے مڑ کر دیکھا تو تمہارا منہ دوسری طرف لگا دوں گی۔ میرے بوڑھے ہاتھوں میں ابھی بھی اتنی جان و قوت ہے۔'' وہ غصے سے بولیں تو وہ سر جھکا کر بیٹھ گیا۔

''تم ہمیشہ رونا روتے ہو کہ تمہاری بیگم صاحبہ کو میرے تعویذ، دم درود پر اعتقاد نہیں۔ تو اب کیا لینے آئے ہو؟ اسے بولو پہلے آنکھیں بند کر کے اللہ تعالیٰ کے کلام پر یقین کرنا پڑتا

ہے۔ یہ جو اللہ کی کتاب ہے، راہِ حیات ہے اور ہر مرض کی دوا اس میں خوب صورت آیات کے ساتھ موجود ہے۔ اپنی بیگم کو جا کر میرا پیغام دینا کہ کلامِ پاک کو شرک کا نام دینے والا مسلمان نہیں ہو سکتا۔ وہ بہت نادان اور کم عقل ہے۔ میں خود کو نعوذ باللہ اللہ کا شریک نہیں سمجھتی۔ نہ ہی اس کا دعویٰ کرتی ہوں۔ اُس کی ناچیز اور حقیر بندی ہوں۔ اسی کے پاک اور مبارک ناموں کا سہارا لے کر اس کی مخلوق کی خدمت گار ہوں۔ نہ کسی سے پیسہ لیتی ہوں نہ ہی احسان مند ہوتی ہوں۔ جو بھی کرتی ہوں اللہ تعالیٰ کی محبت و عقیدت میں کرتی ہوں۔ اسے کہو میرے درس سننے میں کوئی قباحت نہیں۔ اپنے مذہب کو سمجھو۔ اس کے بعد تعویذ دوں گی۔ پڑھنے کے لئے آزمودہ وظیفہ دوں گی۔ اللہ تعالیٰ شفا دے گا۔ اب تم جاؤ۔'' وہ سختی سے بولتی گئیں۔

''اگر انہیں مکمل بھروسہ اور یقین نہ ہوتا تو میں آپ کے پاس اس وقت ہرگز نہ آتا۔ بے جی! پریشانی جب بے قابو ہو کر حد سے گزر جائے تو سہارا اسی ذات کا لیا جاتا ہے۔ بیگم صاحبہ رات بھر سو نہیں پاتیں۔ نہ جانے کیا مسئلہ ہے۔ ہر وقت جھگڑا رہنے لگا ہے۔ صاحب اُن کی ایک نہیں سنتے۔ بے جی! میرا دل ڈرنے لگا ہے کہ کہیں میری بیگم صاحبہ کو کچھ ہو نہ جائے۔ ہر وقت گھر میں حرم حرم کا رد کرتی رہتی ہیں۔ بستر سے لگ گئی ہیں۔ نہ کچھ کھاتی ہیں نہ پیتی ہیں۔'' وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ ''اور صاحب کو جو رتی بھر پروا ہو۔ نہ جانے دل اتنا سخت کیوں ہو گیا ہے؟''

''تیری بیگم کی بیٹی کا نام حرم ہے اور وہ گاؤں گئی ہوئی ہے۔'' وہ تجسس سے بولیں۔

''جی بے جی! وہی حرم جس کا ذکر آپ نے بھی میرے منہ سے سن رکھا ہے۔ یہ وہی تو ہے۔ لیکن مجھے ان کے مسئلے کی سمجھ نہیں آ رہی۔ لڑائی جھگڑا، مار کٹائی، گالی گلوچ نہ جانے کس لئے ہے۔ مجھے تو سمجھ نہیں آ رہی۔ معاملہ خاصا گڑبڑ ہے۔ بس آپ کوئی وظیفہ بتا دیں۔ ورنہ وہ زندہ نہیں رہیں گی۔ نہ جانے صاحب پاگل کیوں ہو گئے ہیں۔ ماہم اور یاہا نے بھی کالک جانا چھوڑ دیا ہے۔ حرم بی بی کے سسرال سے بھی رابطہ ختم ہو گیا ہے۔ ایک للی باجی ہی ہیں جو ہر وقت بیگم صاحبہ کا دل بہلانے کی کوشش میں لگی رہتی ہیں۔'' وہ سر جھکائے بولا۔

''اے جی چاچا! میری ممی بہت بیمار ہیں؟..... بابا پر پاگل پن کے دورے غالب آ گئے ہیں؟'' وہ یک دم اس کے سامنے کھڑی ہو کر بولی۔

''حرم بی بی! آپ یہاں کیسے؟......آپ تو گاؤں گئی ہوئی تھیں۔'' چاچا ایک دم سے اُچھلا۔ شک یقین میں بدلنے میں پل نہ لگا۔ ''کیا آپ گھر سے بھاگ کر آئی ہیں؟ یہاں کیوں چھپی ہوئی ہیں؟'' وہ حیرت سے بولا۔

''کیوں حرم بی بی! ایسی کیا بات ہو گئی تھی؟ اتنی ناراضگی اور اتنا زیادہ غصہ تو حرام ہے۔ آپ ہمیں یہ درس دیا کرتی تھیں۔ حرم بی بی! میرے ساتھ گھر چلیں۔ تمام حالات درست ہو

جائیں گے۔ بے جی! سچ مچ آپ بہت مانی ہوئی ہستی ہیں۔ تعویذ تو آپ کے پاس حرم بی بی کی صورت میں موجود ہے۔ اب میرا ایمان اور بھی پکا ہو گیا ہے۔ انہی ہاتھوں سے تعویذ لکھ دیں۔'' اس نے بے جی کے ہاتھوں پر بوسہ دیا۔

''حرم اس وقت گھر نہیں جا سکتی۔ صبح اس کے باپ کو بتائے بغیر اس کی ماں کو یہاں لا سکتے ہو تو بہتر ہے۔ میں خود اُس سے اس مسئلے پر بات چیت کرنا چاہتی ہوں۔ اگر اس نے آنے میں دیر کر دی تو حرم کو میں ہمیشہ کے لئے بہت دور بھیج دوں گی۔ پھر ان بڑے لوگوں کا منحوس سایہ بھی اس پر نہیں پڑ سکے گا۔'' بے جی نے تلخ لہجے میں کہا۔

اے جی کو ان کی تلخی اور خفگی کی وجہ سمجھ نہ آئی۔ جی کہہ کر حجرے سے باہر نکلنے لگا تو حرم نے التجائیہ انداز میں کہا۔

''اے جی چاچا! میری ممی کا خیال رکھنا۔ میری ممی بہت اچھی ہیں۔ اُنہیں کل ملاقات کے لئے لانا نہ بھولنا۔''

''ایسے ہی ہو گا حرم بی بی! اپنا مسئلہ نصیبو کو ہی بتایا ہوتا۔ آپ نے بھی حد ہی تو کر دی ہے۔ آپ اسے بہن نہیں مانتی تھیں۔ اب سمجھ آئی کہ منہ بولے رشتے کی کوئی قدر نہیں کرتا۔'' وہ شکایتی انداز میں بولا اور جانے کے لئے مڑ گیا۔

''اے جی چاچا! ذرا دھیان سے۔ بہت اندھیرا ہے۔ بارش بھی زوروں پر ہے۔ کل ممی کو گاڑی سے وقت پر لے آنا۔ اُنہیں ان اندھیروں میں بھٹکنے کی عادت نہیں۔'' وہ بے اختیاری سے بولی اور بے جی کے چرنوں میں بیٹھ کر سسکیاں بھرنے لگی۔

''آنسو بہانا بند کرو ناسمجھ لڑکی! مجھ سے عبرت حاصل کرو کہ میں آنسوؤں کے سمندر میں ایسی ڈوبی ہوں کہ نہ دین رہا نہ دنیا۔ ایک مختلف قسم کے مذہب میں ملوث ہو گئی ہوں۔ ایسا مذہب جو بزدلوں کا تھا۔ بزرگوں اور اولیاء کرام کا نہیں تھا۔ یا رسولؐ اللہ۔ کوئی عورت ذات جیسا ڈرپوک بھی نہ ہو۔''

□.......○.......□

رات کے دس بجے پھر دروازے پر دستک ہوئی تو حرم کے دل میں کھلبلی سی مچ گئی۔ امید و بیم کی کیفیت میں وہ پیڑھی سے اُٹھ کر بے جی کے قریب چلی گئی۔ وہ تسبیح پڑھ رہی تھیں۔ اسے دیکھ کر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ دروازے پر دوبارہ دستک ہوئی تو اس دستک میں بے چینی تھی۔ بے جی گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر کھڑی ہو گئیں اور اپنے وجود کو سنبھالتے ہوئے دروازے تک گئیں اور کنڈی کھول کر باہر جھانکا۔

''اللہ جوایا! تم؟'' وہ نرمی سے بولیں۔ ''مجھے رات کو تنگ کرنے والے تم ہی ہو۔ معاف کر دیتی ہوں کہ تم بھی بے حد پریشان ہو۔ تمہیں یہی وقت مناسب لگتا ہو گا۔'' بے جی نے دروازہ کھولا تو اے جی کے پیچھے آسیہ اندر داخل ہوئی۔ اس نے گرم لانگ کوٹ کے اوپر گرم

شال میں خود کو چھپایا ہوا تھا۔ سردی کی شدت میں وہ بھاری کپڑوں کے باوجود تھر تھر کانپ ہی تھی۔ حرم کو دیکھتے ہی وہ آنسو ضبط کرنے کی کوشش کرنے لگی۔ حرم سرعت سے پیڑھی سے اُٹھی اور ماں کے گلے لگ گئی۔

''ممی! آپ چل کر کیوں آئی ہیں؟ سنا ہے کہ آپ بہت بیمار ہیں۔'' وہ فکرمندی سے بولی۔

''بزرگوں کے پاس چل کر آنا بہتر رہتا ہے۔'' وہ عقیدت مندانہ لہجے میں بولی تو حرم نے حیران کُن نظروں سے ماں کو دیکھا کہ پریشانی نے اسے کتنا بدل دیا تھا۔ ظاہر بھی اور باطن بھی۔ اے جی فوراً ہی حجرے سے نکل کر برگد کے گھنے درخت کے نیچے کھڑا ہو کر گرم دھسہ اپنے گرد لپیٹنے لگا۔

''بیٹا! میں تمہیں لینے آئی ہوں۔ تم نے بے جی کو بہت تنگ کیا ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ تم سیف ہینڈز میں تھیں۔ آپ کا شکریہ ادا کرنے کے لئے میرے پاس الفاظ نہیں۔''

آسیہ نے آس پاس دھندلی سی روشنی میں دیکھ کر کہا۔

''بے جی! آپ کے بارے میں بھی میں نے اے جی چاچا سے بہت کچھ سن رکھا ہے۔ یہ جگہ آپ کے شایانِ نہیں۔ آپ مجھے عزت افزائی بخش سکتی ہیں۔ دونوں میرے ساتھ چلیں۔''

''اونچی شان اُس شان والے کی ہے۔ ہماری حیثیت ایک تنکے سے بڑھ کر نہیں۔ ہمارا انجام ہر لمحے ہمارے سامنے کسی نہ کسی صورت میں رونما ہوتا رہتا ہے۔ ہم پھر بھی سبق نہیں سیکھ سکتے۔ بیٹھو میں تم سے تسلی سے بات کرنا چاہتی ہوں۔ تم میری فکر مت کرو۔ میری زندگی کی شام بھی ڈھل چکی ہے، اس بچی کا سوچو۔'' وہ پیڑھی اس کی طرف دھکیل کر بولیں تو آسیہ نے کوٹ کو لپیٹ کر آغوش میں محفوظ کرنے کی کوشش کی اور حرم کا ہاتھ پکڑ کر دُکھی لہجے میں بولی۔

''حرم! ہمیں بتائے بغیر روپوش ہو جانا، جانتی ہو ہمار لئے کس قدر تکلیف دہ تھا۔ ہم سے ایسی کون سی غلطی ہو گئی جس کا تم نے ہم سے یہ بدلہ لیا ہے۔''

''ممی! میں حقیقت جان لینے کے بعد وہاں کیسے رہ سکتی تھی؟ ممی! میں آپ کی احسان مند ہوں، احسان فراموش ہرگز نہیں۔ اور بابا کے رزق پر میں پروان چڑھی ہوں۔ آپ کے گھر نے مجھے پناہ دی، عزت دی۔ آپ کا نام دیا۔ میں ان نیکیوں اور اچھائیوں کے عوض آپ کے سہاگ اور آپ کے گھر کے نظام میں ہلچل مچانا نہیں چاہتی۔'' وہ ماں کے کندھے سے سر ٹکا کر بولی۔ ''ممی! آئی لو یُو۔ میں اپنے بابا اور بھائی بہنوں سے بھی بے پناہ محبت کرتی ہوں اور ہمیشہ کرتی رہوں گی۔ اور مجھے بھی آپ سب سے بھلے کی امید رہے گی۔''

''میرے خدایا! مجھے پہلے ہی شک تھا کہ تم نے ہمارے گھر میں ہر وقت کی چپقلش کی وجہ کا پتہ لگا لیا ہے جو تم نے گھر چھوڑنے میں عافیت جانی۔ بیٹا! اپنا گھر چھوڑنے سے مسائل حل نہیں ہوا کرتے۔ تمہارے اچانک غائب ہونے کی سزا میں کس صورت میں بھگت رہی ہوں،

تم نہیں جانتی۔"

"تم میرے ساتھ واپس چلو۔ آہستہ آہستہ حالات درست ہو جائیں گے۔ بابا کا غصہ وقتی ہی سمجھو۔ تم ان کی بیٹی ہو۔ بھلا کوئی اپنی بیٹی کے بارے میں ایسے بیہودہ خیالات رکھ سکتا ہے؟ تم خوامخواہ ہی اپ سیٹ ہو گئی ہو۔" وہ اسے پیار کرتے ہوئے سمجھانے لگی۔

"ممی! میں اس گھر میں بابا کا سامنا نہیں کروں گی۔ وہ تو میرے نامحرم ہیں۔ اگر محرم ہوتے تو مجھے غلیظ اور ناپاک نظروں سے نہ دیکھتے۔ وہ مجھ سے ہر وقت کیوں خفا رہتے تھے؟ مجھے اب سمجھ آ گئی ہے۔ میں بے جی کے ساتھ رہوں گی۔ آپ مجھے کبھی کبھار آ کر مل جایا کریں۔ ماہم اور ماہا سے بھی ملوا دیجئے۔" وہ روتے ہوئے بولی۔

"ناممکن۔ تم یہاں رہ نہیں سکتی۔ اس ویران قبرستان میں تمہارا ان قبروں کے ساتھ نہ تو کوئی رشتہ ہے نہ ہی مانوسیت ہے۔ اس شہرِ خموشاں کا ہر فرد تمہیں پہچاننے سے انکار کر دے گا۔ تم یہاں ایک سیکنڈ کے لئے رہنا چاہو گی تو انہیں قبول نہ ہو گا۔" وہ توقف کے بعد سوچتے ہوئے بولی تو کمرے میں خاموشی چھا گئی۔

"بیگم! آسیہ کو فی الحال کچھ وقت کے لئے یہاں چھوڑ دو۔ اس کی شادی کا بندوبست کرو اور باہر سے ہی حبان کی امانت اس کے حوالے کر دو۔ تمہارے لئے یہی تعویذ ہے۔ مرد کا دماغ اُلٹ جائے تو بیوی اسے سیدھا نہیں کر سکتی۔ بیگم آسیہ! میں نے زندگی کے وہ رنگ ڈھنگ دیکھے ہیں جن کا تمہیں اندازہ ہی نہیں۔ میں نے دنیا کے ہر حصے اور ہر کونے کا پانی پیا ہے۔ ہر طرح کی تہذیب اور رسم و رواج کی شناسائی ہے مجھے۔ بے شک منہ بولے رشتے کی کوئی اہمیت نہیں۔ اس کی مثال ہمارے سامنے موجود ہے۔ پھر بھی اخلاقیات، انسانیت و شرافت کے تحت بعض اوقات سچویشن مختلف ہوتی ہے۔ معاشرہ ہمیں ایسا کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔ اپنے شوہر سے پوچھنا کہ اس نے ایک دن کی بچی کو جب اپنے ہاتھوں میں اٹھایا تو اس وقت نیت کیا باندھی تھی؟ نیت ہمارے اعمال کی پہلی سیڑھی ہے۔" وہ نرمی سے بولتی رہیں اور آسیہ سر جھکائے ان کی ہر بات پر غور کرتی رہی۔

"تم اپنے شوہر کو میرے پاس لے کر آؤ۔ میں اس سے خود چند سوال کرنا چاہتی ہوں۔ حرم پر کسی کا کوئی حق نہیں۔ حرم اکیلی ہے۔ خود مختار اور آزاد ہے۔ وہ فیصلہ کرنے کی مجاز ہے کہ آپ کے گھر میں رہنا چاہتی ہے یا نہیں۔ خود کو وہاں محفوظ رکھ سکتی ہے یا ہر پل خدشوں میں ہی رہ کر پاگل ہونا چاہتی ہے۔

"بے جی! مجھے امید ہے گھر واپس جانے سے ہمارے تعلقات میں ٹھہراؤ اور مضبوطی آ جائے گی۔ فیضان بہت شریف النفس انسان ہیں۔ میں نے ہی انہیں شک کی نظر سے دیکھ کر ان میں شیطانیت بھر دی۔ ان کی ضد وقتی اور غصہ بجا ہے۔" آسیہ نے تڑپ کر بے بسی سے کہا۔

"ممی! قصور آپ کا نہیں۔ پچھلے ڈیڑھ سال سے بابا کے بدلے ہوئے تیور مجھے سوچنے پر

مجبور کر دیا کرتے تھے کہ میں کہاں پر غلط ہوں؟ ان کا سامنا کرنے سے میں کترانے لگی تھی۔ مجھے ان کی نگاہوں کے انداز کی سمجھ اب آئی ہے۔ آپ نے ان کے روّیے میں منفی تبدیلی دیکھ کر جو شک کیا تھا جسے یقین کا نام دیا جا سکتا ہے، وہ سو فیصدی درست تھا جسے یقین کا نام دیا جا سکتا ہے۔ میں اس گھر میں قدم نہیں رکھنا چاہتی۔ چاہے بابا کو اپنی غلطی کا احساس ہی کیوں نہ ہو؟ وہ آپ سے معافی ہی کیوں نہ مانگ لیں۔ پھر بھی ان کے دل کو آپ بدل نہیں سکیں گی۔ وہ جب بھی میری طرف نظر اٹھائیں گے، وہ نظر باپ کے رشتے کی نہیں ہوگی۔ میں نہیں چاہتی کہ میں ہر پل غلیظ، ناپاک اور گناہگار نظروں کے تعاقب میں رہوں۔'' حرم نے مستحکم لہجے میں کہا۔

''بیٹا! میں سب سمجھتی ہوں۔ اس کے باوجود میں ماں ہونے کے ناطے تمہیں اس حال میں نہیں دیکھ سکتی۔ تمہاری بہنیں تم سے دور نہیں رہ سکتیں۔ تمہارے بابا کی آنکھوں کا پانی تو نہیں مرا۔ میں گارنٹی دیتی ہوں، بے جی کے سامنے۔ تم خود بھی تو اپنے بابا کی شرافت کی گواہی دے سکتی ہو۔''

وہ تڑپ کر بولی تو حرم نے منہ دوسری طرف پھیر لیا۔

''میں غلط بیانی سے کام نہیں لوں گی۔ بابا بہت مربی شخص ہیں۔'' وہ اس کی کمر سہلاتے ہوئے بولی۔ ''میرا بیٹا جو بھی کہے گا، ممی ماننے کے لئے تیار ہے۔ ابھی تک تمہارے سسرال سے دنیا داری تو قائم ہے۔ حبان کے واپس آنے کے بعد حالات کیسے ہوں گے۔ میں کچھ نہیں جانتی۔ تمہارے بابا کے سامنے میں نے ہار مان لی ہے۔ عورت کی ہار دراصل جیت ہی ہوتی ہے۔ یوں سمجھو کہ تمہاری ماں اور تم غیر محفوظ نہیں رہیں۔ ہم دونوں مل کر انہیں اپنی زندگی سے نکال سکتی ہیں۔ مجھے دنیا کی کوئی پروا نہیں رہی۔'' وہ بے پروائی سے بولی۔

''جہاں بائیس سال آپ نے اس حقیقت کی رازداری رکھی ہے، اب بھی اسی پر قائم رہیں اور حبان سے رشتہ توڑ دیں۔ میری اور آپ کی عزت رہ جائے گی۔ اپنی عزت کی خاطر ہمیں دنیا کی پروا کرنا پڑتی ہے۔ ممی پلیز! اور بابا جانی کو گھر سے نکالنے اور اپنی زندگی سے سبکدوشی کی دغا بازی عورت کو زیب نہیں دیتی۔ عورت تو نام ہے پیار، وفا اور ایثار کا۔ آپ نے آج کے بعد بابا کے بارے میں ایسا سوچا بھی تو اللہ تعالیٰ یہ دنیا ہی آپ کے لئے دوزخ بنا دے گا۔'' وہ خفگی سے بولی تو آسیہ شرمندگی سے بجھ سی گئی۔

''آسیہ بیگم! اگر آپ مجبور ہیں تو میں اس کی شادی کی ذمہ داری اٹھانے کے لئے تیار ہوں۔ حبان نہ سہی کوئی پرہیزگار اور مذہبی لڑکا ملنا مشکل نہیں۔ آخر حرم کا جوڑ تو بنایا ہی گیا ہے۔'' بے جی نے ان کی گفتگو سنتے ہوئے کہا۔ ''ایک بار حبان میاں کو میرے اس لے آؤ۔ میں خود اس سے تفصیلاً بات کرنا چاہتی ہوں۔ کیونکہ حبان نے حرم کو ایک امیر کبیر باپ کی بیٹی کے روپ میں قبول کیا تھا۔ بہت وزن ہوتا ہے ایسے رشتے میں۔ اب مجھے نہیں معلوم کہ اس کا

ردِعمل کیا ہو گا۔ ایک دم لاوارثی کا انکشاف اس سے ہضم ہو پائے گا کہ نہیں۔ دوسری صورت میں حرم ٹھیک کہہ رہی ہے۔ اس سے خاموشی سے رشتہ توڑنا بہتر ہے۔ جبکہ حرم اس سے بے تحاشا محبت کرنے لگی ہے۔ یہ دنیا بڑی ظالم، خودغرض اور بے فیض ہے۔ اس کے کرب سے بیٹی کو بچالو۔ یا اس رشتے کو نبھانے کے لئے اپنے پرانے جذبات واحساسات پر قائم رہو۔"

"بے جی! جب زبان راز اگل دیتی ہے تو وہ راز پرایا ہو جاتا ہے۔ آج آپ کو معلوم ہوا، کل گاؤں بھر میں ہر ایک کی زبان پر ہو گا۔ پرسوں شہر میں اور ایک دن حبان اور اس کے گھر والوں کے پاس۔ ہم شرمندہ نہیں ہونا چاہتے۔ اگر حبان نیک سیرت اور اعلیٰ کردار کا مالک ہے تو وہ اس سچائی کو ہنس کر قبول کر لے گا۔ کیونکہ وہ بھی تو حرم کو پا کر بہت خوش ہے۔ اسے فرق تو ہرگز نہیں پڑنا چاہئے۔ حرم چاہے جس کی بھی اولاد ہے، کسی کو اس سے غرض ہی نہیں۔ یہ کس کی گود میں پل کر جوان ہوئی ہے؟ اہم نقطہ تو یہ ہے۔ کاش! یہ راز فاش نہ ہوتا۔ نہ جانے اس کے بھائی اور بہنوں کا ری ایکشن کیا ہو گا؟ مجھے سمجھ نہیں آ رہی کہ کیا کروں۔" وہ حرم کی طرف رحم دلانہ نظروں سے دیکھ کر بولی۔ "بیٹا! تم نے بہت جلد بازی اور بے صبری کا مظاہرہ کیا ہے۔ ابھی بھی کچھ نہیں بگڑا۔ بات ہمارے درمیان ہے۔ اگر بے جی غیریت نہیں دکھاتیں تو بات پرائی نہیں ہو گی۔"

"بیگم آسیہ! یہ راز آج اسی حجرے میں دفن ہو گیا۔ اگر تمہیں اپنے شوہر پر مکمل بھروسہ ہے تو اسے اپنے گھر لے جاؤ۔ مجھے اعتراض نہیں۔ اسے ڈولی میں بٹھا کر باعزت طریقے سے رخصت کر دو۔ اس کا اجر تمہیں باری تعالیٰ دے گا۔" بے جی نے سوچنے کے بعد کہا۔

"بے جی! میں بابا کے سامنے، ایک نامحرم مرد کے سامنے نہیں جاؤں گی۔ ان کی آنکھوں کی میل کو میں دھو نہیں سکوں گی۔ خیالات کی غلاظت کو پاکیزگی نہیں دے سکوں گی۔ وہاں میرا ہر پل غیر محفوظ ہو گا۔ میں ایسی حالت میں پاگل ہو جاؤں گی بے جی!" وہ تڑپتے ہوئے بولی۔

"ایسا نہیں ہو گا جو تم سمجھ رہی ہو۔ بابا اپنے ہاتھوں سے تمہیں ڈولی میں بٹھا کر رخصت کریں گے۔ بیٹا! حبان کے واپس آنے سے پہلے تمہارا گھر آنا بہت ضروری ہے۔ غائب ہو جانا راز میں ہے۔ میں بے جی کے کہنے پر حبان سے کچھ نہیں کہوں گی۔ مصلحتاً خاموش رہنا بھی تو جائز ہے۔" آسیہ نے حرم کو بوسہ دیتے ہوئے کہا۔

"ممی! سوچ لیجئے کہ کہیں میں آپ کی ہنستی ہوئی زندگی کو تباہ و برباد نہ کر دوں۔ میرا خیال ہے کہ بابا سے دوری بہتر ہے۔ مجھے ان سے خوف آنے لگا ہے۔ کہیں وہ آپ کو میری وجہ سے طلاق ہی نہ دے دیں۔ میں ان کا مقصد تو پھر بھی پورا نہیں ہونے دوں گی۔ مگر آپ کی واپسی تو ناممکن ہو جائے گی۔" حرم نے سہم کر کہا۔

"حرم ٹھیک کہہ رہی ہے۔ اس مسئلے کا حل یہ ہرگز نہیں کہ حرم واپس چلی جائے۔ کوئی اور راہ کھوجتے ہیں۔" بے جی نے فکرمندی سے کہا۔

''میرا سر پھٹ جائے گا بے جی! حبان کو بتائے بغیر مسئلہ حل نہیں ہوگا۔ یہ سب کیسے ہوگا کہ حبان اور فیضان ان تمام حالات سے باخبر رہیں اور حرم اپنے گھر کی بھی ہو جائے۔ ناممکن ہے۔'' وہ سر پکڑ کر بولی۔ ''حبان کو کوئی ڈیفنس میں لینا ہوگا۔''

''ممی! وہ کیا سوچے گا میری ماں کے بارے میں؟ اور میری حیثیت اس کی نظروں میں ایک بھکارن سے بڑھ کر نہیں ہوگی۔ وہ مجھے ٹھکرا بھی دے گا اور آپ کو بھی دنیا جہاں میں بے عزت کر ڈالے گا۔ بہتر یہی ہے کہ کل ہی عارفہ آنٹی کو انکار کر دیں۔'' حرم نے آنسو ضبط کرتے ہوئے کہا۔

''فی الحال گھر تو چلو۔ بے جی! اجازت دیں۔ میرا آپ سے وعدہ ہے کہ اپنی بچی کی عزت وتحریم پر آنچ نہیں آنے دوں گی۔ جب بیٹی ماں سے پیار کرتی ہو اور ماں کی مامتا پر پورا بھروسہ اور یقین رکھتی ہو تو پھر فکر کس بات کی؟ وقت کے ساتھ تمام حالات ماں بیٹی کے حق میں ہی ہوں گے۔'' آسیہ نے حرم کو پچکارتے ہوئے کہا۔ ''تم میری اولاد میں سب سے بڑی ہو۔ تمہارا مبارک قدم اپنے پیچھے ایک بھائی اور دو بہنیں لے کر آیا۔ بیٹا! مجھے صدقِ دل سے معاف کر دو۔ اس وقت حالات کے بگڑنے میں شیطان کا ہاتھ تھا۔ اور یہ میری اپنی کم عقلی کا نتیجہ ہے۔''

''بیگم آسیہ! میں تمہیں پڑھنے کے لئے وظیفہ دیتی ہوں۔ باقاعدگی سے کی جانے والی عبادت کو اوپر والا بھی بے حد پسند فرماتا ہے۔ اس میں ناغہ نہیں آنا چاہئے۔'' بے جی نے ہمدردانہ لہجے میں کہا تو آسیہ جسے تعویذ، دم درود اور وظیفوں پر یقین نہیں تھا، حرم کی طرف اضطراری کیفیت میں دیکھنے لگی۔

''ممی! بے جی درست فرما رہی ہیں۔ وظیفے کا مطلب باقاعدگی ہے۔ چاہے اس ذات کے خوب صورت ناموں میں سے ایک کا چناؤ کر لیں۔'' حرم نے ماں کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔ ''اسے تو شرک کا نام دینا گناہ ہے۔ اگر آپ نے بے جی کو اللہ تعالیٰ کی ذات میں شامل کر لیا تو یہ شرک اور کفر ہے۔ ان کی تعلیم، تبلیغ، درس و تدریس اور رہنمائی کفر اور شرک ہرگز نہیں۔'' حرم نے پیار سے کہا تو آسیہ نے بجھے ہوئے دل سے کہا۔

''حرم میری بچی! میرا دل بہت افسردہ ہو گیا ہے۔ ہر وقت کی سوچ و بچار نے دماغ ہی کھوکھلا کر دیا ہے۔ دل میں درد رہنے لگا ہے۔ ہر ایک کو شک کی نظر سے دیکھنے لگی ہوں۔ کوئی بھی سچا اور کھرا نہیں لگتا۔''

''بیگم آسیہ! میں دم کر دیتی ہوں۔'' بے جی نے بے اختیاری سے کہا۔

''میں نے پین کلر کھائی ہے۔ آرام آ ہی جائے گا۔'' آسیہ نے آہستہ سے کہا۔

''اعتقاد، بھروسہ اور یقین ہر مرض کی دوا ہے۔ تمہیں اللہ کی کتاب پر یقین ہے، مسلمان ہو تو پھر اس کے کلام پاک کے اثرات کو تم ہر صورت میں محسوس کرو گی۔ کیونکہ جیسے ہم نے اس

غیبی ذات پر اندھا اعتماد کیا ہے، اسی کی روشنی میں اس کی کتاب کے ہر لفظ پر یقین کیا جائے تو ہم تب مسلمان کہلائیں گے۔'' بے جی نے ہاتھ بڑھا کر اس کی پیشانی پر رکھا اور سر جھکا کر اللہ تعالیٰ کا کلام پاک پڑھنے لگیں۔ دم کے بعد آسیہ نے موبائل آن کر کے وقت دیکھا اور جانے کے لئے کھڑی ہو گئی اور پژمردگی سے حرم کی طرف دیکھ کر رو دی۔

''بہت جلد میری بچی اپنے گھر واپس آ جائے گی اور ہماری زندگی اسی پرانی ڈگر پر چل نکلے گی۔ کاش ایسا ہو جائے۔'' آسیہ نے حرم کو گلے لگا کر پُر امید لہجے میں کہا۔

''ممی! آپ گھر جا کر آرام کریں۔ اتنی شدید سردی میں آپ بیمار پڑ جائیں گی۔ آئندہ ایسا مت کیجئے گا۔'' حرم نے ماں کے گلے لگ کر کہا۔ ''جب بھی ملنے کو جی چاہے، کار میں آئیں۔ خود کو اذیت دینے سے بزرگ اور اولیاء خفا ہو جاتے ہیں۔ انہیں ایسا احترام نہیں چاہئے۔''

''مجھے تمہاری بھی تو فکر لگ گئی ہے۔'' وہ اسے پیار کرتے ہوئے بولی۔ ''تم ہی بیمار پڑ گئی تو پھر یہاں رہنا مشکل ہو جائے گا۔''

''ممی! میں یہاں خوش اور مطمئن ہوں۔ ذہنی سکون ہو تو سردی، گرمی اور آسائشات کا احساس مِٹ جاتا ہے۔ میں فسوں کی کیفیت میں ہوں ممی! اس مزے سے آپ آشنا نہیں۔ شاید میرے مالک نے مجھے محل اور اس کی آسائشات میں رکھنے کے باوجود اس حجرے کی زندگی کے لئے میرے احساسات و محسوسات کو اسی طریقے سے تیار کیا تھا جو میں اپنے بھائی اور بہنوں سے مختلف تھی۔ ممی! آپ پریشان مت ہوں۔'' حرم نے ماں کو تسلی دیتے ہوئے کہا تو آسیہ اسے پژمردہ نظروں سے دیکھتے ہوئے باہر نکل گئی۔ گھٹا ٹوپ اندھیرے میں اے جی چاچا سامنے آیا تو وہ ڈر کے مارے چیخنے لگی۔

□.......○.......□

''حرم! تھینک گاڈ کہ تم گاؤں سے واپس آ گئی۔ کیا وہاں سگنلز کا مسئلہ تھا جو تم اپنا فون اے جی چاچا کو سونپ گئی؟'' حبان نے پُر تسکین لمبی سانس لیتے ہوئے کہا۔ ''اگر تم یہ عقل نہ کرتی تو مجھے تمہاری خیریت کہاں سے ملتی؟ تمہارے گھر والوں نے بھی فون نہ اٹھانے کی قسم اٹھا رکھی تھی۔''

''میں گاؤں نہیں گئی۔ میں یہاں ہی ہوں۔'' وہ آہستگی سے بولی۔

''میں سمجھا نہیں جانِ حرم! ماما بھی یہی شکایت کر رہی تھیں کہ اب تو موبائل ہر گاؤں اور ہر قصبے کے کونے کونے میں اپنے کمالات دکھا رہا ہے۔ نہ جانے حرم کا گاؤں کیسا ہے کہ رابطہ ہی نہ ہو سکا۔ اب سمجھا کہ محترمہ کسی مراقبے میں دنیا و مافیہا سے بے خبر بیٹھی ہیں۔ حرم! میری یاد میں آخر کار مراقبے میں ہی دل لگانا پڑا۔ بتاؤ کہ کتنی بار میرے نام کا وِرد کیا ہے؟'' وہ خوشگوار لہجے میں بولا۔

''ناموں کا وِرد انسانوں کے نام سے نہیں کیا جاتا۔ آپ بھی عجیب ہی باتیں کرتے ہیں۔ یہ بتائیے کہ آپ واپس کب آ رہے ہیں حبان! دل تو قطعاً اُداس نہیں ہوا۔ ذہن بے سکون اور روح بے چین سی ہے۔ نہ جانے کیوں؟'' وہ آہستگی سے بولی۔

''میں پرسوں واپس آ رہا ہوں۔ تمہیں یہاں سے کچھ چاہئے؟'' وہ سوالیہ انداز میں بولا۔ ''اور دل اپنے ہم سفر کے لئے اداس کیوں نہیں کہا؟ بتاؤ کہ تمہارے لئے کیا لے کر آؤں؟''

''کچھ بھی نہیں۔'' وہ سختی سے بولی۔ ''مجھے کچھ نہیں چاہئے۔ میرے پاس دنیا کی ہر نعمت موجود ہے۔ اس کا شکرانہ ادا نہیں کر پاتی۔ مجھے آپ کا مقروض نہیں ہونا۔ تھینک یو۔''

''مجھے تمہارا جواب پہلے سے ہی معلوم تھا۔'' وہ ہنستے ہوئے بولا۔ ''میری تو ضرورت محسوس ہو رہی ہو گی۔ کیونکہ تم اس نعمت سے محروم ہو۔ ایک بار اعتراف ہی کر لو۔ صرف ایک حرف میں روح پھونک دو۔ تمہارا نقصان نہیں ہو گا جانِ حرم!'' وہ التجائیہ لہجے میں بولا۔

''ہرگز نہیں۔'' وہ تنک کر بولی۔

''یار! کبھی تو کہہ دو کہ مجھے تم سے محبت ہے۔ تمہاری یاد میں بہت اُداس رہی۔ اب منتظر ہوں، نگاہیں دروازے پر جمائے بیٹھی ہوں۔'' وہ چھیڑنے کے انداز میں بولا تو حرم نے بے ساختگی میں موبائل بند کر دیا۔ بے جی قرآن پاک کی تلاوت کرتے ہوئے اس کی گفتگو سنتے ہوئے اندازہ لگا چکی تھیں کہ بات کس سے ہو رہی ہے۔

حرم موبائل کی طرف خالی الذہنی کی کیفیت میں کافی دیر تک ٹکٹکی باندھے دیکھتی رہی۔ بے جی بھی تسبیح پڑھتے ہوئے اسے رنجیدگی سے دیکھتی رہیں۔ مگر سوال کرنا مناسب نہ سمجھا۔ دو مہینوں میں وہ اس کے مزاج کا بخوبی تجزیہ کر چکی تھیں۔ اب فیصلہ اسی پر چھوڑ کر منتظر تھیں۔ دروازے پر دستک ہوئی تو حرم ایک دم سے چونک گئی۔ موبائل آن کر کے وقت دیکھا۔ نو بجے اے جی چاچا روزانہ اس کی خبر گیری کرنے آیا کرتا تھا۔ آسیہ، حرم کے لئے کھانا پیک کر کے بھجواتی تو حرم اسے دیکھے بغیر ہی واپس کر دیا کرتی تھی۔ اس کے کپڑوں کے دو اٹیچی بھی آسیہ خود لے کر آئی تھی لیکن حرم نے ان کپڑوں کو چھو کر نہ دیکھا تھا۔ بے جی کے عطا کردہ دو تین جوڑوں میں گزر اوقات سے ہی اُسے ذہنی سکون اور دلی خوشی کا جو احساس ہو رہا تھا، وہ اسی احساس کے ہمراہ زندگی گزارنے کی تمنائی تھی۔

دروازہ کھلتے ہی آسیہ اندر آ کر بے جی کے قدموں میں بیٹھ گئی اور بھرّائی ہوئی آواز میں بولی۔

''بے جی! حرم کو واپس گھر بھیج دیجئے۔ حبان اور فیضان دونوں ہی اگلے دو تین دنوں میں واپس آنے والے ہیں۔ ہو سکتا ہے حرم کو گھر میں موجود دیکھ کر فیضان کے مزاج درست ہو جائیں۔ اور ہم جلد از جلد حرم کی شادی کی تیاری شروع کر سکیں۔ بے جی! میرا آپ سے وعدہ ہے۔ حرم کی عزت، جان اور خوشی کا اس کی ماں خود خیال رکھے گی۔ میں نے یہ فیصلہ

سوچ و بچار کے بعد کیا ہے۔'' وہ خوشامدانہ انداز میں بولی۔ ''آپ اجازت دے دیں۔ میں اس معاملے میں کچھ نہیں کہہ سکتی۔ حرم خود مختار اور آزاد ہے۔ جو بھی فیصلہ کرے گی، مجھے منظور ہو گا۔ مگر میں اس کا ساتھ نہیں چھوڑوں گی۔ ہر دم اس کے ساتھ رہوں گی۔ کیونکہ یہ بچی ہم سب کی سانجھی ہے۔ جس کے ماں باپ نہیں ہیں۔'' بے جی ملائمت بھرے لہجے میں بولیں۔

''بے جی! آپ نے درست فرمایا ہے۔ میں کسی کی ملکیت نہیں ہوں۔ کسی کا مجھ پر کوئی حق نہیں۔ ممی! میں آپ کو کیسے سمجھاؤں کہ بابا کی نیت میں فتور آ چکا ہے۔ ارادوں میں ہلچل ہے۔ میری بات مان جائیں۔'' وہ مستحکم لہجے میں بولی۔ ''مجھے بار بار شرمندہ مت کریں۔''

''حبان اور عارفہ کو کیا جواب دوں؟ ہم پر دنیا والوں کا اعتبار اُٹھ جائے گا۔ لوگ ہمیں دھوکے باز اور فریبی کہیں گے۔ ماہم اور ماہا کو کس گناہ کی پاداش میں عمر بھر ہماری دہلیز پر بیٹھنا پڑے گا؟ خاموشی سے میرے ساتھ چل پڑو۔ اپنے گھر میں رہ کر اپنے مسائل حل کر لیں گے۔ میری جان! میرے ان بندھے ہوئے ہاتھوں کی لاج رکھ لو۔ میں بہت پریشان ہوں۔ تمہارے صبر و تحمل سے حالات سدھر جائیں گے۔'' وہ حرم کے سامنے ہاتھ جوڑ کر التجائیہ لہجے میں بولی۔

''ممی! آپ نے تو مجھے لاجواب ہی کر دیا ہے۔ میں آپ کے ساتھ جانے کے لئے تیار ہوں۔ لیکن ایک شرط ہے میری۔'' وہ ماں کے ہاتھوں پر بوسہ دیتے ہوئے بولی۔

''میں ہر شرط ماننے کو تیار ہوں۔'' وہ ایک دم خوشی سے اُچھل پڑی۔

''آپ کل ہی عارفہ آنٹی کو انکار کر دیجئے۔ ان کے خاندان میں ماہم زیب دیتی ہے ممی! میں ہرگز نہیں۔'' وہ خود پر جبر کرتے ہوئے بولی۔ ''ممی! آپ میری مجبوری کو سمجھے بنا فیصلہ کرنے کی مجاز نہیں ہیں۔''

''میری جان! حبان تمہارا پیارا ہے۔ مجھے ماہم نے بتا دیا ہے۔ بے جی نے بھی انکشاف کیا ہے۔ تم اس کا نصیب ہو جان! کبھی ہار مت ماننا۔ اسے حاصل کرنا تمہارا حق ہے۔'' آسیہ نے اسے اپنے ساتھ لگا لیا۔

''ممی! میں قطعاً شادی نہیں کروں گی۔ میں اس راز کو اُگلنا نہیں چاہتی۔ یہ میری توہین اور ہتک ہے۔ راز چھپا کر حبان کو دھوکا نہیں دینا چاہتی۔ یہ میری فطرت کے منافی ہے۔ تو کیا کنارہ کشی بہتر نہیں؟ مجھے اپنے کئے ہوئے وعدے کے مطابق لندن پڑھنے کے لئے بھیج دیجئے۔ میں سب کی زندگیوں سے ایسے نکل جاؤں گی جیسے کبھی آئی ہی نہ تھی۔'' وہ ہمت و حوصلے سے بولی۔

''بیگم آسیہ! بیٹی کے تمام دلائل پر غور و فکر کرو۔ اس کے یہاں سے چلے جانے سے تمام مسئلے حل ہو جائیں گے۔ اللہ کرے کہ حرم کو وہاں کوئی اچھا سا ساتھی مل جائے جو اس ماحول میں پل کر جوان ہوا ہو۔ ایسے بچے فراخ دل ہوتے ہیں۔ مین میخ نہیں نکالتے۔ بال کی کھال کو الگ

نہیں کرتے۔ انہیں اپنے جیون ساتھی سے غرض ہوتی ہے۔'' بے جی نے سوچتے ہوئے کہا۔
''میں حبان کے آنے کے بعد انکار کر دوں گی۔ تم بے فکر رہو۔ مجھے تمہارے مشورے سے اتفاق ہے اور مجھے تمہاری تمام شرائط منظور ہیں۔ تم لندن جانے کی تیاری کرو۔ میں فیضان کو کچھ بھی نہیں بتاؤں گی۔ تم بخیر و عافیت یہاں سے جاؤ۔ میری دعائیں ہر وقت تمہارا پیچھا کریں گی۔ تم میری آنکھوں سے اوجھل تو ہو سکتی ہو، دل سے فرار ناممکن ہے۔ تمہارے بابا نے ہی بنک گارنٹی اور دو سال کی فیس جمع کروا دی تھی۔ اور بینک میں تمہارا فارن اکاؤنٹ کھلوا دوں گی۔ تا کہ تمہیں اِن سکیورٹی کی فیلنگ ہی نہ ہو۔''
''بیگم آسیہ! حرم تب تک یہاں ہی رہے گی۔ تم جاؤ اور اس کے جانے کی تیاری کرو۔ کسی کو بتانے کی ضرورت نہیں کہ حرم میرے پاس ہے۔ ورنہ اسے مجھ سے چھین لیا جائے گا۔''
''حرم تمہارے گھر میں قطعاً محفوظ نہیں۔ مجھے الہام ہوا ہے ابھی ابھی۔'' بے جی نے اپنا فیصلہ سنایا تو آسیہ نے حیرت سے بے جی کی عمر رسیدہ آنکھوں میں شک سے جھانکا کہ جس میں اپنی رضا شامل ہوتی ہے، بے جی کو اسی کا الہام کیسے ہو جاتا ہے؟
''تم نہیں مانو گی بیگم آسیہ! الہام ایک گہرے احساس کا نام ہے۔'' وہ اس کی نظروں کا مطب سمجھتے ہوئے سوچ و بچار کے بعد گویا ہوئیں۔ ''میری بات پر یقین کرنا۔ یہ دل اچھے یا برے نتیجے کی گواہی دینے کے لئے، ہمارے رب نے ہمارے جسم میں شامل کیا ہے۔ مجھ خدا کی قسم کہ مجھے کبھی اپنے مالک کی آواز نے رُکنے یا آگے بڑھنے کے لئے سرگوشی نہیں کی۔ کبھی کوئی خواب نہیں دیکھا۔ معجزات بے شمار دیکھنے میں آئے ہیں۔ وہ میری وجہ سے نہیں، دوسروں کی نیت اور ارادوں کی وجہ سے وقوع پذیر ہوئے۔ میں تو اس کی مخلوق میں سے سب سے حقیر و ناتواں بندی ہوں۔ اپنے بے شمار گناہوں کی بخشش کے لئے اس کی مخلوق کی باندی بن گئی ہوں۔ اپنی ذات کی نفی کر دی۔
ایک قول ہے کہ عقل کے ہزار نام ہیں۔ اور ہر نام کے بھی ہزار نام ہیں۔ مگر ہر ایک نام کا اصل حصہ ترکِ دنیا ہے۔ جب سے اس حقیقت سے نقاب کشائی ہوئی ہے، دنیا سے دل ہی اچاٹ ہو گیا۔ میری حرم کی گھٹی میں جاہ و جلال اور دنیاوی درجات کے حصول کی طمع نہیں۔ اس وقت تم ایک ماں ہونے کے ناطے اس کے مستقبل کے لئے فکر مند ہو۔ میں اس کا اندازہ نہیں لگا سکتی۔ کیونکہ میں نے جس پھل کا ذائقہ نہیں چکھا، اس کی حلاوت کا مزہ بیان نہیں کر سکتی۔ ہاں تمہاری زبان سے ادا کردہ ہر بات پر یقین و بھروسہ کرتی ہوں۔ حرم میرے پاس محفوظ ہے۔ یہ میری مہمان ہے۔ یہ میرا فیصلہ ہے۔'' وہ سنجیدگی سے بولیں۔ ''اس پر میرا بھی حق ہے آسیہ بیگم! تیاری کرو۔ میرے دم کا کیا بھروسہ؟ یہ اس اوپر والے کی امانت جلد از جلد اپنے نئے سفر پر روانہ ہو جائے۔ اسی میں تمہاری اور تمہارے خاندان کی بہتری ہے اور میری سرخروئی ہے۔''

"جی۔" آسیہ نے اثبات میں سر ہلایا اور گہری سوچ میں کھو گئی۔

"ممی! میری فکر کرنا چھوڑ دیں۔ آپ کی دعاؤں کے نتیجے میں مجھے بے جی کی قربت نصیب ہوئی۔ اب آپ کی دعائیں ہی مجھے صراطِ مستقیم پر رواں دواں رکھیں گی۔ میری التجا ہے کہ میری ذات کی پردہ داری رکھیئے گا۔ آپ کا نفس بھی مطمئن رہے گا اور یہ جذبہ آپ کی روح و قلب کو ہمیشہ خوشیوں سے ہمکنار رکھے گا۔" حرم نے ماں کے سامنے مؤدبانہ لہجے میں کہا تو آسیہ نے اسے گلے لگا لیا اور بے جی کی طرف التجائیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔

"یہ نہ تو تمہاری اور نہ ہی میری امانت ہے۔ اُس رب العزت کی امانت ہے۔ اس کی نگہداشت بھی وہی کرے گا۔ گھر جاؤ اور سکون و آرام کی نیند لو۔ کل کی صبح بے شمار خوشیوں کے ہمراہ طلوع ہونے والی ہے۔" بے جی نے پُرتسکین لہجے میں کہا اور جاء نماز پر نیم دراز ہو گئیں۔

□.......○.......□

"صاحب جی! میں کچھ نہیں جانتا کہ مسئلہ کیا ہے۔ آپ مجھے شرمندہ اور مجبور مت کریں۔ میں ان کا پرانا خدمت گار ہوں۔ ان کا ملازم کم، ہمدرد اور رازدار زیادہ ہوں۔ اگر مجھے کچھ علم ہوتا بھی تو بتانا نمک حرامی سمجھتا۔ یہ میرا اپنا گھر ہے۔ اپنے گھر کے مسئلے دوسروں کو نہیں بتائے جاتے۔ یہ بے عزتی ہے۔"

اے جی نے حبان کے سامنے ٹرالی کرتے ہوئے کہا اور وہیں قالین پر بیٹھ گیا۔

"مسئلہ سلجھانے میں مدد کرنے کو نمک حرامی کا نام دینا تو جائز ہرگز نہیں۔ میں اس گھر کی پریشانی کو دور کرنا چاہتا ہوں۔ حرم گاؤں نہیں گئی۔ وہ یہاں موجود ہے۔ اس نے مجھے بتایا ہے۔ لیکن یہ نہیں بتایا کہ وہ ہے کہاں۔ اب تو وہ فون اٹھاتی ہے، نہ ہی مجھے فون کرتی ہے۔ اے جی چاچا! میں تمہارا احسان زندگی بھر نہیں بھولوں گا۔ مجھے صرف اتنا بتا دو کہ وہ کہاں ہے؟ آگے کا مسئلہ میں خود حل کرلوں گا۔" حبان نے نرمی سے کہا۔

"میری وفاداری پر حرف آجائے گا۔ سب کا اعتبار اُٹھ جائے گا اور میں در در کی ٹھوکریں کھانے پر مجبور ہو جاؤں گا۔ صاحب جی! میں بہت غریب ہوں۔ آپ مجھ پر رحم کریں۔ بیگم صاحبہ اور باجیوں کی واپسی کا وقت ہے۔ میں کچن میں ہی چلتا ہوں۔ آپ چائے پیجئے۔ وہ جانے کے لئے کھڑا ہو گیا تو حبان نے جیب میں ہاتھ ڈال کر والٹ نکالا اور پانچ ہزار کا کڑکتا ہوا نوٹ نکال کر اس کی طرف بڑھایا اور ملائمت و ہمدردانہ لہجے میں بولا۔

"اے جی چاچا! امیروں کے ملازمین کا شمار بھی امراء میں ہی ہوتا ہے۔ تم غریب ہرگز نہیں ہو۔ ہمارے برابر ہو۔ یہ پیسے رکھ لو۔ آئندہ جب بھی ضرورت ہو، بلا جھجک مجھے صرف اشارہ کر دینا۔"

"جب سے حرم باجی گئی ہیں، یقین جانئے چولہے نے ہانڈی کی جو شکل تک دیکھی ہو۔ حرم باجی ہر قدم پر کوارٹروں کے رہائشیوں کو یاد آتی ہیں۔ وہ دل کی شہنشاہ تھیں۔" اے جی

نے نوٹ پکڑ کر اس پر بوسہ دیا اور جلدی سے جیب میں رکھ لیا۔
''اے جی چاچا! یہی تو وجہ ہے کہ مجھے تمہاری حرم بی بی بہت پسند ہے۔ وہ اک عام لڑکی نہیں۔ مجھے اس کا اتہ پتہ بتا دو۔ تم بھی تو کسی پرہیزگار اور نیک انسان سے کم نہیں ہو۔ ایسے تو نصیبو بھی حرم کے اتنے قریب نہیں تھی۔'' وہ خوشامدی لہجے میں بولا تو اے جی کا دل کڑکتے نوٹ کو پکڑتے ہی نرم تو پڑ ہی گیا تھا، اب خوشامد اور اہمیت سن کر اس کے قدموں میں ہی بہہ گیا اور اس کے کان کے قریب منہ لگا کر سرگوشی کی اور سرعت سے کچن کی طرف بڑھ گیا۔ حبان حیرت و تجسس سے اسے جاتے ہوئے دیکھنے لگا۔
پورچ میں گاڑی کے رکنے کی آواز پر وہ ایک دم سے اپنی سوچوں سے باہر نکلا۔ تھوڑی ہی دیر بعد آسیہ، ماہم اور ماہا مین ڈور کھول کر اندر داخل ہوئیں۔
''آئی ایم سوری حبان! شہر کی ٹریفک سے نکلتے نکلتے ہی گھنٹہ لگ گیا۔'' آسیہ نے پرس صوفے پر رکھتے ہوئے کہا۔ ماہم اور ماہا اضطراری کیفیت میں رسمی علیک سلیک کے بعد غائب ہوگئیں۔
''حبان! آپ نے چائے تو ٹھنڈی ہی کر دی۔'' آسیہ نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا اور اے جی کو آواز دی۔
''اے جی! صاحب کے لئے گرما گرم چائے لاؤ۔ ٹرالی کی ہر شے ٹھنڈی ہو چکی ہے۔ اے جی چاچا! کیا آپ سب کچھ بھول گئے ہیں کہ مہمانوں کو چائے سرو کیسے کرتے ہیں؟'' آسیہ نے تلخ لہجے میں کہا۔
اے جی جواب دیئے بغیر ٹرالی گھسیٹتا ہوا وہاں سے چلا گیا۔
''آنٹی! چائے کا موڈ نہیں ہو رہا۔'' وہ سنجیدگی سے بولا تو آسیہ نے پھر آواز دے کر کہا۔
''صاحب کے لئے ٹھنڈا لے کر آؤ۔ حبان! ابھی تو موسم کافی اور چائے کا ہی ہے۔ ایسا نہ ہو کہ تمہارا گلا خراب ہو جائے۔''
''ویسے ٹھنڈے کی بھی ضرورت نہیں۔ آپ نے مجھے یاد فرمایا تھا۔'' وہ آہستگی سے بولا۔
''ہاں بیٹا! تمہیں کیسے بتاؤں کہ...... عارفہ سے بات کرنے کی ہمت نہیں تھی۔ سوچا کیوں نہ تم سے ہی اپنی مجبوری بیان کرلوں۔'' وہ ہچکچاتے ہوئے بولی۔
''ایسی کون سی پریشانی ہے جو مجبوری بن گئی؟'' وہ حیرت سے بولا۔
''دراصل حرم کو اس کے بابا نے گاؤں صرف اس لئے بھیجا ہے کہ وہ اس کا رشتہ اپنے رشتہ داروں میں ہی کرنے کے خواہش مند ہیں۔'' وہ آہستہ سے بولی۔ ''حبان! آئی ایم سوری کہ فیضان نے رشتہ توڑنے کا فیصلہ کرلیا ہے۔ بلکہ حرم بھی بے حد سیریس ہے۔''
''میں مان نہیں سکتا۔ کیا میں حرم سے ایک بار مل سکتا ہوں؟'' وہ التجائیہ لہجے میں بولا۔
''ناممکن ہے بیٹا! وہ تم سے ملنا نہیں چاہے گی۔ تم اسے بخوبی جانتے تو ہو کہ اسے محرم اور

نامحرم کے بے حساب ایشوز ہیں۔'' وہ سختی سے بولی۔

''آنٹی! نامحرم ہونے کے باوجود وہ تو مجھ سے بے پناہ محبت کرتی ہے۔ اس کی چشم دید گواہ ماہم ہے۔ اس سے پوچھ لیجئے۔'' وہ تڑپ کر بولا۔ ''صرف ایک بار آنٹی! میں اس سے ملنا چاہتا ہوں۔''

''میں بے بس مجبور ہوں بیٹا! اپنی ماما سے کہنا کہ شادی کی تیاری میں سستی نہیں ہونی چاہئے۔ تمہیں بہت جلد حرم سے بہتر ساتھی مل جائے گا۔ تم میں کسی چیز کی کمی تو ہے نہیں۔ ہم ہی بدقسمت نکلے۔'' وہ ایک سرد آہ بھر کر بولی۔

''آنٹی! اگر مجھے حرم نہ ملی تو میں عمر بھر شادی نہیں کروں گا۔ شادی اِک کھیل تماشا نہیں کہ بار بار کھیلا جائے تو تب بھی دل نہ بھرے۔ یہ تو فقط ایک بار کی کمٹ منٹ ہے۔ جو حرم سے ہوئی ہے۔ میں تو کسی اور کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔'' حبان نے دکھ بھرے لہجے میں کہا اور جانے کے لئے کھڑا ہو گیا۔

''بیٹا! آتے جاتے رہنا۔ تم تو مجھے دل و جان سے پسند ہو۔ مگر تمہارے انکل کے خیالات کا کیا کروں؟ مرد کی فطرت کو تم مجھ سے بہتر جانتے ہو کہ ایک بات پر اڑ جائے تو پھر دنیا اِدھر کی اُدھر ہو جائے گی، مگر کیا مجال کہ انچ بھر کھسک جائے۔'' آسیہ نے تھوک نگلتے ہوئے کہا۔ ''فیضان کو نہ جانے کیا ہو گیا ہے کہ کچھ سننا ہی نہیں چاہتے۔ گھر کی فضا میں ٹینشن سما گئی ہے۔''

حبان نے دکھ اور درد سے بھرپور نگاہ آسیہ پر ڈالی اور مین ڈور کی طرف چل دیا۔ آسیہ کے پاؤں منوں بھاری ہو چکے تھے۔ وہ وہیں پر ساکت و جامد کھڑی اسے جاتے ہوئے دیکھے جا رہی تھی۔ جب وہ نظروں سے اوجھل ہو گیا تو ہارے ہوئے جواری کی طرح صوفے پر ڈھے کر سسکیاں بھرنے لگی۔

'شاید میں ہی غلطی پر تھی۔ پلی پلائی بیٹی شک پر قربان کر دی۔ شوہر کی نظروں سے تو ایسا گری ہوں کہ جیتے جی اُٹھ نہ سکوں گی۔' پچھتاوا، کسک اور خلش نے اسے بے دم کر دیا تھا۔ مگر تمام وسوسے اور خدشات بھی اپنی جگہ قائم و دائم تھے۔

حرم کے کہنے پر رشتے سے انکاری ہو گئی اور تعلیم کے حصول کی تیاریاں ہونے لگیں۔ مگر آسیہ کے آنسو نہ رُکے۔ دل کا چین و سکون واپس نہ آیا۔ فیضان بھی واپس آ چکے تھے۔ آسیہ نے ڈرتے ہوئے انہیں ہر وہ خبر دی جو اسے سوٹ کرتی تھی۔ فیضان نے حرم کی تلاش جاری رکھی۔ انہوں نے کمرے سے آسیہ کو تو نہ نکالا لیکن گیسٹ روم میں اپنا روز مرہ کے استعمال کا سامان منتقل کر لیا۔ اور گھر میں جو چند گھنٹے گزرا کرتے تھے، وہ بند کمرے میں کھولتے تڑپتے اور حرم کو پکارتے گزر جاتے۔ احساسِ جرم نے سکونِ قلب کو غارت کر دیا تھا کہ اس کی ایک غلیظ نگاہ نے اِک معصوم کو آسمان کی رفعتوں سے اُٹھا کر زمین کی پستیوں کے سپرد کر دیا تھا۔

آسیہ نے اُنہیں یہ تو نہ بتایا تھا کہ وہ اس وقت کہاں ہے؟ وہ جانتی تھی کہ فیضان اسے لینے چلے گئے تو ہوسکتا ہے شطرنج کی چال بدل جائے۔ اگر حرم اس گھر کی مالکن بن کر یہاں اپنے قدم جمانے پر آمادہ ہوگئی تو میری شنوائی نہیں ہوگی۔ حرم کو اِک اٹوٹ سہارا چاہئے۔ اس کے خیالات بدلنے میں اسلام بھی اس کا ساتھ دے گا۔ فیضان تو ہیں ہی بے لحاظ انسان۔ ان حالات میں اپنی بیٹی کو اپنے ہی شوہر کے ساتھ رنگ رلیاں مناتے دیکھنے کے لئے پتھر جیسا سخت دل چاہئے۔ جو میرا تو نہیں ہوسکتا۔ کاش! اس سے پہلے مجھے موت ہی آجائے تو بہتر ہے۔"

فیضان کی بے چینی دیکھ کر عورت ہونے کے ناطے یہ خدشہ بھی سر اُبھارنے لگا تھا۔ وہ عجیب مخمصوں میں جکڑی ہوئی تھی۔ للی سے مشورہ کرنے کو کئی بار دل بھی چاہا مگر مناسب نہ سمجھا۔ پہلے ہی راز اُگلنے کا قلق اُسے بے چین کئے رکھتا تھا۔ وہ یہ بھی جانتی تھی کہ حالات کے بگڑنے میں اس کا بھی تو ہاتھ تھا۔ اس نے خود کو لعنت ملامت کرتے ہوئے خود کلامی کی۔

'کیا میرا دل اور دماغ سوچنے اور سمجھنے کے لئے کافی نہ تھا جو میں نے اِک دوست کے ذہن و قلب، نیت اور ارادوں پر بھروسہ کرلیا۔ کیا میرا ضمیر بہترین منصف نہ تھا جو دوست کے ہاتھ میں ترازو دے ڈالا۔ میں نے بہت بڑی غلطی کی ہے جس کا خمیازہ صرف میں ہی نہیں، میری بے گناہ اور معصوم حرم بھی بھگتے گی۔ میری ماہم اور ماہا تک بھی ان شعلوں کی تپش پہنچے گی۔ کاش ہم اِک لاوارث اور یتیم و مسکین کی آہوں سے بچ سکیں۔ کاش میرے مولا! کاش تو میری فریاد سن لے اور فیضان کو صراطِ مستقیم دکھادے۔' وہ نہ جانے کتنی ہی دیر تک بڑبڑاتی رہی۔ اور پھر مسئلے کے اُلجھاؤ سے نکلنے کی آخری کوشش، جس کی پہلی بار صدقِ دل سے نیت باندھی تھی، ہمت اور حوصلے سے کھڑی ہوگئی اور خود کو شال میں لپیٹ کر قبرستان کی طرف چل پڑی۔

□......○......□

قبرستان کی طرف کھلنے والی کھڑکی پر دستک ہوئی تو بے جی بڑبڑاتی ہوئی اُٹھیں۔ حرم نے فوراً موبائل آن کر کے وقت دیکھا۔

"بے جی! اے جی چاچا کا تو سکون غارت ہوگیا ہے۔ جب تک مجھے گھر نہیں لے جائیں گے، کیا مجال کہ چین سے بیٹھ جائیں۔ اگر انہیں اصل حقیقت کا علم ہوجائے تو پھر وہ مجھے اپنے گھر لے جائیں گے۔ آخر میرا بچپن انہی کے گھر گڑیا کھیلتے گزرا ہے۔ نصیبو میری دوست کم، بہن بہترین ہے ماہم اور ماہا کی طرح۔" وہ اپنی ہی لَے میں بولے جا رہی تھی۔ دروازہ کھلتے ہی وہ خاموش ہوگئی۔ بے جی باہر جاچکی تھیں۔ رات کے اندھیرے اور موسم کی خنکی میں وہ کبھی باہر نہیں نکلتی تھیں۔

'کہیں بابا تو نہیں آگئے؟..... نہیں جاؤں گی ان کے سامنے۔ بات تک نہیں کروں گی۔ آپ نے اپنی حرم کا گلا ہی گھونٹ دیا ہے۔ جو اس قبرستان میں چند فٹ کی جگہ کے لئے بے

جی کے سامنے ہاتھ پھیلائے بیٹھی ہے۔ میں تو وہ بے کار ذرہ ہوں، جسے اس قبرستان کی مٹی بھی قبول کرتے ہوئے اپنی توہین محسوس کر رہی ہے۔'

حرم کی آنکھیں بے بسی ولاچارگی کے احساس میں آنسوؤں سے بھر گئیں۔ اس نے چادر کے کونے سے جلدی سے آنکھیں صاف کیں اور پیڑھی سے اُٹھ کر بستر پر لیٹ کر حبان کے ساتھ گزرے ہوئے حسین لمحوں میں کھو سی گئی۔ اس کی قربت کا ایسا فسوں تھا کہ بے جی نے دروازہ بند کیا مگر حرم کو خبر تک نہ ہوئی۔ بے جی لالٹین اُٹھائے رسوئی کی طرف بڑھ گئیں۔

کمرے میں رسوئی سے آنے والی مدھم روشنی میں حبان نے حرم کے پُرنور چہرے کی طرف دیکھا اور کچے ننگے فرش پر اس کے سامنے دوزانو بیٹھ گیا۔ حرم چونکی۔ یہ کیا تھا؟ معجزہ، حقیقت یا فریب کہ خیالوں میں بسنے والا حبان اس کے سامنے بیٹھا ہوا تھا۔ وہ جھٹکے سے اُٹھ کر بیٹھ گئی۔ آنکھوں کو ہتھیلی سے رگڑ کر غور سے حبان کی طرف دیکھا۔ ہر وقت ہنسنے مسکرانے والے حبان کے چہرے پر جہان بھر کی اُداسی اور فکرمندی ہویدا تھی۔

"حرم! میں تمہیں لینے آیا ہوں۔ ماں باپ سے یوں خفا نہیں ہوتے۔ وہ بے چارے کب تک دنیا والوں سے جھوٹ بول سکتے ہیں کہ تم گاؤں میں ہو۔ ایک نہ ایک دن یہ خبر چار سُو پھیل جائے گی۔ انکل کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہیں گے۔ ہمارے معاشرے میں بیٹی کا قدم گھر سے نکلنے کا مطلب تو تم جانتی ہو نا۔ تم نے ایسا کیوں کیا؟ مجھے انفارم ہی کر دیا ہوتا۔ میں اگلی ہی فلائٹ سے واپس آ جاتا اور تمہیں جلد از جلد اپنی دُلہن بنا کر اپنی زندگی میں شامل کر لیتا۔"

حبان اسے خاموش دیکھ کر بول رہا تھا۔ اس کی طرف سے جواب نہ پا کر اس نے اس کا ہاتھ پکڑنا چاہا تو حرم نے سرعت سے اپنے دونوں ہاتھ چادر میں چھپا لئے۔

"والدین سے ناراضگی کے اثرات مجھ پر کیوں واضح ہو رہے ہیں؟ یار! کچھ تو بتاؤ کہ میرا قصور کیا ہے؟" وہ ذرا سا مسکرایا۔

"میں آپ سے ناراض ہونے والی کون ہوتی ہوں؟" وہ رُک رُک کر بولی۔ دل کی دھڑکن اتنی تیز تھی کہ اسے محسوس ہوا کہ جیسے حبان کی سماعتوں میں اس کی آواز سما رہی ہو۔ وہ بے اختیاری سے بولا۔

"تم کون ہوتی ہو؟ اب یہ بھی بتانا پڑے گا۔ تمہارے جیسی طوطا چشم منگیتر تو آج تک میں نے نہیں دیکھی۔ کہاں گئے وہ وعدے جو تم نے مجھ سے کئے تھے ایک ساتھ جینے مرنے کے۔"

"وہ وعدے جھوٹ اور فریب کی بنیاد پر کئے گئے تھے۔ اس لئے آپ کو ان کا سر پیر ہی نہیں ملے گا۔ اس لئے انہیں فراموش کر دیجئے۔" وہ بے رُخی سے بولی تو دل میں کچھ ٹوٹتا ہوا محسوس ہوا۔

"بھئی میری غلطی تو بتا دو۔" وہ پھر اس کا ہاتھ پکڑنے لگا تو وہ خود پر قابو پا کر آہستگی سے

بولی۔

''پلیز حبان! یہاں سے چلے جائیے۔آپ کو ممی یا اے جی چاچا نے یہاں بھیج کر اچھا نہیں کیا۔کیا میری توہین میں کوئی کسر باقی رہ گئی تھی؟''

''تمہاری ناراضگی، ضد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے آنٹی نے تو رشتے سے انکار کرنے میں مصلحت جانی۔کیونکہ انہوں نے مجھے پہچاننے میں غلطی کی ہے۔ان کا خیال ہے کہ میں ضدی حرم کو ٹھکرا دوں گا۔کیوں نہ ہم ہی انکار کر کے اس چیپٹر کو بند کر دیں۔مگر ایسا نہیں ہونے دوں گا۔میں اپنی منگیتر، اپنی محبت اور پسند سے کنارہ کشی کرلوں گا، یہ ان کی بھول ہے۔میں تمہیں اٹھا کر لے جاؤں گا۔'' وہ مستحکم لہجے میں بولا۔''تم میری ہو.....صرف میری۔کان کھول کر سن لو میری جان! میری غیرت، و مردانگی اس کی اجازت نہیں دیتی کہ تم مجھے چھوڑ کر کسی اور کی ہو جاؤ۔''

''بے جی! آپ رسوئی میں اس وقت کیا کر رہی ہیں؟'' وہ اس کی باتوں کو نظرانداز کرتے ہوئے بولی اور بستر سے اُٹھ گئی۔حبان بھی کھڑا ہو گیا۔وہ رسوئی کی طرف بڑھی ہی تھی کہ اس نے حرم کا راستہ روک لیا۔

''جانِ حرم! مجھے کچھ تو بتاؤ۔اس دنیا سے منہ موڑ کر شہرِ خموشاں کی رہائشی بننے سے نہ تو غصے میں کمی آتی ہے، نہ ہی ناراضگی میں۔ بلکہ اضافی صورت میں ڈپریشن حملہ آور ہو کر اعصاب کو کمزور و لاغر کر دیتا ہے۔'' حبان نے اسے دونوں بازوؤں کے حصار میں جکڑ لیا تو وہ تلملا اُٹھی۔

''بے جی! مجھے ایک نامحرم کے پاس چھوڑ کر آپ کہاں چھپ گئیں؟'' وہ چیخی تو حبان دو قدم دور ہو گیا۔ بے جی رسوئی سے باہر نکل آئیں۔ان کے کانپتے ہاتھوں میں گرم دودھ کا مگ تھا۔ایک ہاتھ میں لالٹین تھی۔

''بیٹا! میرے اس ویران حجرے میں پہلی بار جوائی آیا ہے۔کیا اسے دودھ نہیں پلاؤں گی؟ بدشگونی کیوں کروں؟'' وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی ان کے قریب آ کر مسرت آگین لہجے میں بولی تو حرم نے تاسف بھری نظروں سے بے جی کی طرف دیکھا۔

''بے جی! آج آپ بھی دغا دے گئیں۔ممی نے آپ کو بھی بہکا دیا ہے۔''

''بیٹی! حبان تمہیں لینے آیا ہے۔تم مجھے اجازت دو یہ فیصلہ کرنے کا۔میرا مان رکھ لو۔ میری بیٹی ہونے کا ثبوت دو۔تمہاری ذات پر جو لاوارثی کی مہر لگ گئی ہے، اسے مٹا دو۔تم صرف اور صرف میری ہو۔تم میری حُسن آرا ہو۔میری بچی! تم بے جی کی اولاد ہو۔ یہ اختیارات مجھے سونپ دو۔ میں کل ہی تمہارا نکاح پڑھوا کر تمہیں اس فرشتے کے ساتھ رخصت کر دوں گی۔شاید میری غلطیوں کا ازالہ ہو سکے۔ میں نے اپنی لاڈلی حُسن آرا کو غصے اور نفرت کے سپرد کر دیا تھا۔ نہ جانے وہ کس حال میں ہو گی۔ اس کی ماں ایک شریف النفس عورت تھی۔ نہ جانے اس نے اپنی بیوگی بچی کی موجودگی میں کیسے گزاری ہو گی۔ میں اس کا

سامنا نہیں کر سکتی۔ اسے منا نہیں سکتی۔ کس بے دردی سے میں نے اپنے شہنشاہ بھائی کی اولاد کو لاوارث قرار دیا۔ حرم! تمہاری آبرو بچا کر شاید مجھے ذہنی سکون مل جائے۔ یہ میرا تم پر احسان نہیں۔ ہر انسان جب جوانی کے زور میں ہوتا ہے تو قوتِ سماعت سے بے بہرہ اور بینائی سے محروم ہو جاتا ہے۔ اس کی آنکھوں اور کانوں پر چربی کی تہیں جم جاتی ہیں۔ جب بڑھاپا وارد ہوتا ہے تو چربی پگھل جاتی ہے، ہوش وحواس بیدار ہونے لگتے ہیں۔ اور عمر بھر کے تمام زور آوری اور ہٹ دھرمی میں کیئے جانے والے فیصلوں کی سچائی سے پردہ کشائی ہو جاتی ہے۔ مگر وقت گزر چکا ہوتا ہے۔ فیصلوں کے نقصانات ملٹی پلائی ہو چکے ہوتے ہیں جن پر کنٹرول نہیں رہتا۔ بڑھاپا، بے بسی، لاچارگی اور پچھتاوے کی جانب دھکیل کر قابل مذمت بن جاتا ہے۔ ہر سُو دوزخ کی آگ کے شعلے بھڑک رہے ہیں۔ میرے گرد و پیش دیکھو۔ میری بچی! مجھے اس آگ سے نکال لو جو سالہا سال سے مجھ پر میرے کرتوتوں کی وجہ سے مسلط کی گئی ہے۔ مجھے اجازت دے دو۔ مجھ پر احسان کر دو۔ میں ابھی مولوی صاحب کو بلا کر تمہیں رخصت کر دوں گی۔ تم میری مہمان بیٹی ہو۔ اور میں تمہاری دَلی ہوں۔'' بے جی حرم کا ہاتھ پکڑ کر بلک بلک کر رونے لگیں اور بیتے ہوئے دنوں کی ہر زیادتی اور ظلم سے پردہ کشائی کرنے لگیں۔

''بے جی! آپ کی خواہش میرے سر آنکھوں پر یہ مت بھولیے کہ میں اپنی بیوہ ماں کی اکلوتی اولاد ہوں۔ ان کی موجودگی کے بغیر میرا نکاح نہیں ہو سکتا۔ آج آپ نے پھر سے ایک بہت بڑی غلطی اور ستم گیری کا فیصلہ کیا ہے۔ کیا ایسا کرنے سے آپ کو سرخروئی حاصل ہو گی یا خلش میں اضافہ ہو گا؟''

حبان نے انہیں سہارا دے کر جاء نماز پر بٹھا دیا۔

''ہاں۔ تمہاری ماں کے آنسو اس آگ کو بجھا نہیں سکیں گے۔ بلکہ رکاوٹ بن کر مجھے جہنم رسید کر دیں گے۔'' وہ سوچتے ہوئے افسردگی سے بولی۔ ''میں نے اپنی تمام عمر بھائی کی قبر کی نذر کر دی۔ مگر پھر بھی اپنے گناہ کا کفارہ ادا نہ ہوا۔ جاؤ اپنی ماں کو میرے پاس لے آؤ۔ اگر وہ حرم کو اس حالت میں اپنانا چاہتی ہے تو میں سمجھوں گی کہ حق ادا ہو گیا۔''

''بے جی! میری زندگی کا فیصلہ آپ، حبان اور ان کی ماں نہیں کرے گی۔ یہ فیصلہ میں کروں گی۔ میرے والدین بھی یہ حق نہیں رکھتے۔'' حرم نے بے جی کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ ''آپ نے لاوارث کہہ کر مجھے بے پردہ تو کر ہی دیا ہے۔ اگر آپ پردہ داری رکھتیں تو میرا رب آپ کی تمام غلطیوں اور گناہوں کو روزِ حشر اپنی مخلوق سے چھپا لیتا۔ آج آپ سے پھر گناہِ کبیرہ سرزد ہو گیا۔ بے جی! آپ آج بھی خود غرض ہیں۔ جس عورت کی جوانی اپنی من مانی میں گزری ہو، وہ اپنی فطرت کو بڑھاپے کی کمزوری میں کیسے بدل سکتی ہے؟''

''والدین کا گھر چھوڑنے سے تم لاوارث کیسے ہو گئیں؟ حیرت کی بات ہے۔ جانِ حرم! مجھے بتاؤ سچ کیا ہے؟'' حبان وہیں پیڑھی گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔ حیران کُن نگاہوں سے اس نے

حرم کی طرف دیکھا۔اس کے چہرے پر ندامت کی جگہ صداقت کی جھلک نمایاں تھی۔حرم نے اِک طویل سانس لی اور نہایت سچائی سے تمام حالات گوش گزار دیئے۔مگر اپنے بابا کے خیالات کی پردہ کشائی کر کے انہیں زمانے بھر میں ذلیل کرنا مناسب نہ لگا۔

"اتنی معمولی سی بات کا تم نے بتنگڑ بنا دیا۔تمہیں نہیں معلوم کہ سچائی کیا ہے؟ ہو سکتا ہے تمہاری ماں ایک نیکوکار خاتون ہو۔ہم اَن دیکھے حادثات کا تجزیہ نہیں کر سکتے۔تم کس خاندان کے زیرِ سایہ جوان ہوئی اور آج تم کیا ہو؟ تمہارے اخلاقیات کیسے ہیں؟ مجھے صرف اسی سے غرض ہے۔اور میں مکمل طور پر پُرسکون اور خوش ہوں۔تمہیں میری طرف سے تسلی و تشفی رہنی چاہئے۔" وہ اسے نہایت اپنائیت سے سمجھانے لگا۔"اپنے گھر جاؤ اور خوشی خوشی میری زندگی میں وارد ہونے کی تیاری کرو۔"

"حبان! آج آپ کی آنکھوں پر جوانی نے پٹی باندھ دی ہے۔مجھے حاصل کرنے کے بعد جب یکدم روشنی ہوئی تو سوائے پچھتاوے کے آپ کے ہاتھ میں اور کوئی ہتھیار نہیں ہو گا۔آپ کا کیا ہوا اس وقت کا فیصلہ آپ کا تاحیات اطمینان نگلتا رہے گا۔وہ وقت ایسا جان لیوا ہوگا، جب میں اپنی نظروں سے گر جاؤں گی۔اس کا کرب بے جی بخوبی جانتی ہیں جو آج تک اس کرب سے چھٹکارا حاصل کرنے میں ناکام رہیں۔میں خود کو ایسی سچویشن میں نہیں ڈالنا چاہتی۔" وہ مستحکم لہجے میں بولی۔

"مجھ پر اور میری محبت پر تمہیں اعتبار کیوں نہیں رہا؟ مجھے تو تم ہمیشہ کی طرح آج بھی باوفا، باوقار اور باحیا لگتی ہو۔میری سوچ میں کوئی فتور نہیں آئے گا۔تم مجھے ہمیشہ انہی خیالات کے سنگ مطمئن پاؤ گی۔" وہ پیار بھرے لہجے میں بولا۔

"میں نے اپنا فیصلہ سنا دیا ہے۔اور وہ اٹل ہے۔" وہ سختی سے بولی۔

"حرم! میری ماما مجھ سے بے پناہ محبت کرتی ہیں۔میں انہیں تمام حالات بتا کر منوا سکتا ہوں۔مجھے اس کی قطعاً فکر نہیں۔تمہاری ذہنی صحت کے لئے اس راز کو راز میں ہی رکھا جائے تو بہتر ہے۔وہ اسی طرح ممکن ہے کہ تم واپس اپنے گھر چلی جاؤ۔" وہ سوچ بچار کے بعد بولا۔ "ورنہ ماما سے کچھ بھی چھپا نہیں سکوں گا۔"

"نامحرم بابا کی موجودگی میں وہاں واپس نہیں جاؤں گی۔" وہ سختی سے بولی۔

"پگلی! جنہیں بابا کہتی ہو وہ نامحرم کیسے ہو گئے؟ مجھے تم سے ایسی بے وقوفانہ باتوں کی توقع نہیں۔" وہ مذاقاً بولا تو وہ سر جھکا کر بیٹھ گئی۔

بے جی ان کی گفتگو سن کر جاءنماز پر ہی بے دم سی ہو کر لیٹ گئیں۔انہیں حرم میں اپنی ہی روح، اپنی ہی سوچ سرائیت کرتی ہوئی نظر آئی تھی۔جوانی میں وہ بھی تو ایسے ہی مزاج کی تھیں۔

"بے جی! آپ ہی اس ضدی لڑکی کو سمجھائیں۔" وہ بے جی کی طرف منہ موڑ کر لہجے کو خوشگوار بناتے ہوئے بولا۔

''بیٹا! اس نے مجھے لاجواب کر دیا ہ۔ بات تو سچ ہی کہہ گئی کہ میں آج بھی خودغرض ہوں۔'' وہ بھرّائی ہوئی آواز میں بولیں۔ ''اگر میں عقلمند، دوراندیش اور جہاندیدہ ہوتی تو آج یوں نہ پڑی ہوتی۔ اپنی بھاوج اور بھتیجی کا سہارا ہوتی اور وہ میرا سائبان ہوتیں۔ مجھے تو میرے بھائی نے بھی معاف نہیں کیا۔ کیا مجال کہ کبھی خواب میں ہی ملنے آیا ہو۔ میں سب جانتی ہوں کہ جب میں اس کی قبر پر فاتحہ پڑھتی ہوں تو وہ مجھے بدُعا ہی دیتا ہوگا۔ اسے اپنی بیٹی سے بے تحاشا اور والہانہ پیار جو تھا۔ اس نے ہمیشہ اپنی بیٹی کو مجھ پر فوقیت دی تھی۔ یہی تو میں برداشت نہ کرسکی تھی کہ میرے بھائی پر کسی اور کا قبضہ کیونکر ہو۔'' وہ آنسو صاف کرنے لگیں۔

''حرم! میں اپنی ناسمجھی اور کم عقلی کے باوجود تمہیں صرف ایک نصیحت کرتی ہوں کہ بھول جاؤ کہ تم کون ہو، کہاں سے آئی ہو۔ فوراً اپنے گھر واپس چلی جاؤ۔ حبان کے لئے تم اتنی ہی پاکیزہ اور قابل ستائش ہو جتنی ماہم اور ماہا ہیں۔ تم ان کی بڑی بہن بن کر دکھاؤ۔''

''بے جی! آپ خود سوچیں کہ یہ کیسے ممکن ہے؟'' وہ حیرت سے بولی ''آپ نے بھی پینترا بدل لیا ہے۔ آپ تو مجھے اپنی اولاد ہونے کا شرف بخش رہی تھیں۔ حبان! آپ ماہم سے شادی کر سکتے ہیں۔ میری طرف سے اجازت ہے۔ وہ آپ کے قابل ہے، میں نہیں۔ میں بہت جلد یہاں سے چلی جاؤں گی۔ دوسری، پرائی اور غیر دنیا میں گم نامی کی زندگی گزارتے ہوئے مجھے احساسِ کمتری کا شکار نہیں ہونا پڑے گا۔''

''ماہم سے شادی کرلوں۔ یہ خوب رہی۔ خدا کے لئے بونگیاں مارنی بند کرو۔ اچھی بھلی سینس ایبل لڑکی ہو۔'' وہ لاپروائی سے بولا۔

''حبان بیٹا! حرم کو سوچنے کے لئے وقت چاہئے۔ یہ تمہاری امانت ہے۔ جب تک فیصلہ نہیں کرتی، یہ میری ذمہ داری ہے۔'' بے جی نے آنکھیں ملتے ہوئے کہا۔ ''یہ ہیرا ہے اور جوہری اس کی قیمت کو جانتا ہے۔ مجھے امید ہے کہ تم اس کا انتظار کرو گے۔''

''بے جی! اگر مجھے حرم نے ٹھکرا دیا تو میں دنیا کی ہر لڑکی کو ٹھکرا دوں گا۔ جانِ حرم! یہ منہ کی بات نہیں، دل سے نکلی ہے۔ آزما کر دیکھ لو۔'' حبان نے افسردگی سے کہا اور پیڑھی سے اٹھ کر اس پر ایک لگاوٹ سے بھرپور نظر ڈالی اور اللہ حافظ کہہ کر باہر نکل گیا۔ حرم سر گھٹنوں میں دبا کر سسکیاں بھرنے لگی۔ بے جی نے ایسا پیار کسی سے کیا ہی نہ تھا۔ اس لئے وہ ان جذبات سے بہرہ اندوز کیسے ہوتیں؟ آہ بھر کر لالٹین کو پھونک مار کر بجھا دیا اور کلمہ پڑھتی ہوئی لیٹ گئیں۔

□......○......□

''زندگی کا اِک نیا موڑ نیا سفر اور نیا امتحان۔ میں نے ایسا کبھی سوچا نہ تھا۔ ممی! آپ نے تو حقیقی ماں بن کر اِک مثال قائم کر دی ہے کہ ماں صرف بچے کو جنم دینے والی عورت کو ہی نہیں کہا جاتا۔ یہ رُتبہ تو پالنے والی کے حصے میں کہیں زیادہ ہے۔'' حرم نے آسیہ کو بوسہ دیتے ہوئے کہا۔

''ممی! میرے یہاں سے جانے کے بعد بابا کو تمام حالات بتا دیجئے گا۔ مجھے امید ہے کہ آپ کے ساتھ ان کے تعلقات پھر سے اُستوار ہو جائیں گے۔ جب میں ہی نہ رہی، میرے واپس آنے کی امید نہ رہی تو پھر آپ سے ناراضگی اور دُوری کیسی؟''

''بیٹا! میں اُنہیں نہیں بتا سکتی۔ وہ سمجھیں گے میں نے تمہیں پڑھنے کے بہانے یہاں سے بھگا دیا ہے۔ ان کا ذہن سیدھی سمت نہیں، اُلٹی سمت چلتا ہے۔ تم بے فکری سے جاؤ۔ ماسٹرز کی ڈگری لو۔ اور بیٹا! وہاں کسی اچھے اور نیک طینت لڑکے سے واسطہ پڑا تو اس سے شادی کرنے کا فیصلہ ضرور کر لینا۔ اکیلی عورت ہر معاشرے میں لوگوں کی نظروں میں چڑھ جاتی ہے۔'' آسیہ نے اسے سمجھانے کے انداز میں کہا۔

''ممی! ایسا کرنا تو ناممکن ہے۔ میں نے زندگی میں جس نامحرم کو ٹوٹ کر چاہا ہے، وہ حبان ہی تو ہے۔'' وہ یہ کہتے ہوئے رو دی۔

''میں جانتی ہوں حرم! تم جیسی پاک دامن لڑکی اوّل تو پیار نہیں کرتی۔ اگر دل دے بیٹھے تو پھر اسے واپس نہیں مانگتی۔ میری بچی! میں یہ بھی جانتی ہوں کہ تم نے اِک بہانہ تراشا اور میرا سہاگ بچا کر اپنا پیار قربان کر دیا۔'' وہ اسے احسان مندانہ نظروں سے دیکھتے ہوئے بولی۔

''ممی! حبان بہت سمجھ دار انسان ہے۔ اس نے ہم سب کی عزت وتحریم کی پاسداری کرتے ہوئے خاموشی سادھ لی۔ وہ بہت عظیم ہے۔ اور اس سے بھی مہان ہستی بے جی ہیں۔ ممی! جو اپنی غلطیوں کو تسلیم کرنے کے بعد کفارہ ادا کرنے کی کوشش کرتا ہے، اس کا ٹھکانہ جنت الفردوس ہے۔ آج بے جی مجھے رخصت کرنے کے بعد کس قدر اُداس اور تنہا ہو گئی ہوں گی۔ ممی! ان کا خیال رکھئے گا۔ ہماری عزت بچانے میں ان کا کردار بہت اہم رہا۔'' وہ دیر تک ان کی باتیں کرتی رہی اور آنسو بہتے گئے۔

سامنے ایئر پورٹ کا سائن دیکھ کر آسیہ نے اسے بے حساب نصیحتیں کر ڈالیں تو وہ مسکرا اُٹھی اور اس کے ہاتھ پر بوسہ دے کر بولی۔

''ماںتا اسے ہی تو کہتے ہیں۔ ممی! مجھے آپ کی طرف سے خوشخبری ملنے کا انتظار رہے گا۔''

''کیسی خوشخبری؟'' وہ حیرت سے بولی۔

''بابا اور آپ کی صلح کی۔'' وہ پُرامید لہجے میں بولی۔

آسیہ نے گاڑی وی آئی پی پارکنگ میں روکی اور دونوں سامان سمیت لاؤنج میں آ کر بیٹھ گئیں۔ اسی اثناء میں حبان اپنی ماں کے ہمراہ ہینڈ کیری کے ساتھ اندر داخل ہوا۔

اناؤنس منٹ پر آسیہ اور حرم کھڑی ہو گئیں۔ عارفہ ان کی طرف بڑھ گئی اور حبان بھی امید وبیم کی کیفیت میں ماں کے پیچھے ہو لیا۔ حرم عارفہ کو دیکھ کر چونکی اور حبان کو دیکھ کر چکرا گئی۔ ماں کی پلاننگ کو سمجھنے میں دیر نہ لگی تھی۔ وہ ابھی اسی سوچ بچار میں تھی کہ آسیہ نے حرم کا ہاتھ پکڑا اور عارفہ کے ہاتھ میں دے کر احسان مندانہ لہجے میں کہا۔

''عارفہ! میں آپ کو سلیوٹ کرتی ہوں۔''

عارفہ نے مسکرا کر حبان کے ہاتھوں میں حرم کا ہاتھ دیا اور بولی۔

''میری امانت میرے حوالے کرنے کا شکریہ۔ ان شاء اللہ میں اسی جمعہ کو ان کی شادی کی ناقابل فراموش خوشخبری سناؤں گی۔ وہاں میرے بھائی جان نے تمام انتظامات مکمل کر لئے ہیں۔ ہمیں وہاں پہنچنے کی دیر ہے۔ ڈولی بھی تیار اور گھوڑا بھی تیار ملے گا۔'' وہ خوش دلی سے بولی۔

''کیا مطلب؟'' حرم نے حبان کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ چھڑانا چاہا۔

''یہ ہاتھ چھوڑنے کے لئے نہیں پکڑا محترمہ! تم میری ہو۔ اس کا ثبوت تمہیں جمعہ کے خطبے کے بعد مدرسہ میں ہی مل جائے گا۔'' حبان نے خوشگوار لہجے میں کہا اور عارفہ دونوں کو پش کرتی ہوئی مین گیٹ سے باہر نکل گئی۔

لاؤنج کے گیٹ کے ساتھ کھڑی آسیہ خوشی وغم میں نکلنے والے آنسو صاف کرتے ہوئے ہاتھ ہلا کر انہیں الوداع کہتے ہوئے دکھ وکرب سے نڈھال ہوگئی۔

'ہائے کوئی ایسی لاوارث بچی بھی نہ ہو۔'

حبان نے حرم کے بے جان، یخ بستہ ہاتھ کو اوپر اٹھایا اور اس کا ہاتھ ہلاتے ہوئے آسیہ کی طرف فتح مندی بھری نظروں سے دیکھا اور ایئر بس جہاز کی طرف چل دیا۔

حرم کو رخصت کرنے کے بعد بے جی ایسی مطمئن ہوئیں کہ سوئیں تو اُٹھ نہ پائیں۔ جیسے اپنی غلطیوں کا کفارہ ادا کرنے کے بعد جینے کی ضرورت ہی نہ رہی تھی۔

(تمت بالخیر)

شہادت کا عکس کہ

''شہید کو مُردہ مت کہو۔'' (فرمانِ الٰہی)

راشد میموریل ویلفیئر ٹرسٹ۔ راشد آباد

راشد آباد ایک ماڈل شہر کی صورت میں پچھلے دس سال کے قلیل عرصے میں حیدر آباد سے تقریباً 30 کلومیٹر دُور ٹنڈو اللہ یار کے نواح میں معرضِ وجود میں آیا ہے۔ یہ شہر نہ صرف پاک فضائیہ کے ایک نڈر شہید فلائٹ لیفٹیننٹ، راشد احمد خان کی یاد میں بنا بلکہ اس کا غائبانہ خاکہ بہت سال قبل ان کے والد محترم ایئر کموڈور شہید احمد خان (بریگیڈیئر) کے دل و دماغ میں جنم لے چکا تھا۔ 1971ء کی جنگ شروع ہونے سے چند روز قبل راشد منہاس کی شہادت کا واقعہ پیش آیا تھا جس نے انہیں بہت متاثر کیا۔ ان دنوں شبیر خان، پی اے ایف مسرور کراچی میں پوسٹڈ تھے۔ انہوں نے ہی راشد منہاس کے جسم خاکی کا خیر مقدم کرتے ہوئے باری تعالیٰ سے دعا کی کہ میرے مالک! مجھے ایک ایسے ہی بہادر بیٹے کا شرف حاصل فرما جو اسی نام کے ہمراہ اپنی قوم و ملت پر اپنی جان نثار کرتے ہوئے تیری جوارِ رحمت میں پناہ لے لے۔ اور رہتی دنیا تک اس کی بہادری کی داستان جوانوں کے خون میں حدت پیدا کرتی رہے۔

کہا جاتا ہے کہ وہ دعائیں قبول ہو جاتی ہیں جن میں جذبوں کی سچائی پنہاں ہو۔ شبیر خان کی دعا کو اللہ تعالیٰ نے شرف قبولیت بخشا اور راشد احمد خان نے اس بے ثبات دنیا میں آنکھ کھولی اور ایک خوب صورت اور خوب سیرت جوان بن کر پاک فضائیہ میں میراج طیارے کا پائلٹ بن گئے۔ ایسے انسان جن کے دل کی ہر دھڑکن میں ایثار و وفائے وطن کی خواہش جنم لیتی ہو۔ ایسے لوگوں کا امتحان بھی باری تعالیٰ کٹھن ہی رکھتا ہے۔ خود تو 1971ء کی جنگ میں اپنی بہادری کا ثبوت دیتے ہوئے دلیر اور بے خوف ہیرو ٹھہرے جنہوں نے حکومت پاکستان کی طرف سے عطا کردہ ستارۂ جرأت وصول کرنے سے انکار کر کے بے لوث اور بے ریا جذبے کی ایسی مثال قائم کی جسے ایئر فورس کا ہر فرد فراموش نہیں کر سکتا۔ شبیر خان، غازی بن کر اور بیٹا شہید ہو کر ہمارا فخر بن گئے۔

راشد کی پوسٹنگ کراچی میں ہوئی تو وہ اپنی مخصوص مسکراہٹ سے ایک سندیسہ دے گئے کہ اگر جہاز میں فنی خرابی ہو گئی تو میں آبادی پر اجیکٹ نہیں کروں گا۔ آخری سانس تک وہاں سے نکلنے کی کوشش کروں گا۔ چند مہینوں بعد اللہ تعالیٰ نے اس کی ہمت و حوصلے کو آزما لیا۔ کسی فنی خرابی کی وجہ سے میراج طیارے میں فلائنگ کے دوران آگ لگ گئی۔ انہیں خود بھی معلوم تھا اور ان کو بار بار تاکید بھی کی جا رہی تھی کہ فوراً جہاز سے نکل جائیں اور اپنی جان بچا لیں۔ مگر وہ نیچے گنجان آبادی دیکھ رہے تھے کہ اگر جہاز شہر پر گرا تو لازم ہے کہ بھاری جانی نقصان

ہو گا۔ انہیں بچانے کی خاطر راشد خان نے مسرور بیس کی طرف رخ کیا اور رن وے پر پہنچ گئے۔ لینڈ کرنے سے پانچ منٹ قبل ہی جہاز نے ساتھ دینے سے انکار کر دیا اور راشد خان نے ان گنت شہریوں کی جان بچا کر اپنی جان کا نذرانہ پیش کر دیا۔

ان کی شہادت پر راشد میموریل ویلفیئر ٹرسٹ کی بنیاد رکھی گئی۔ شبیر خان کے دونوں خواب پورے ہو گئے۔ جزاک اللہ۔

شبیر خان کے چند قریبی دوستوں نے مل کر اپنی حلال کی تمام پونجی سے ایک کثیر حصہ نکال کر شبیر خان کے حوالے کیا اور 1998ء میں ٹنڈو اللہ یار کے قریب ڈھائی کروڑ کی لاگت سے 100 ایکڑ زمین خرید لی۔ راشد آباد کا سنگ بنیاد اگست 1998ء میں رکھا گیا۔ اگلے دس سالوں میں وہاں کے لوگوں نے ایک معجزہ رونما ہوتے دیکھا اور یہ درس سیکھ لیا کہ صرف ایک انسان کی لگن اور چاہت دیکھ کر اوپر والے نے مہربان اور مددگار ہو کر ناممکن کو ممکن کا روپ دے ڈالا۔ جس شخص کے پاس ایک سکول کھولنے کی استطاعت نہ تھی، اس نے ایک شہر کیسے آباد کر لیا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ایسے کھرے، سچے اور خالص لوگوں کو پسند فرماتے ہیں اور کامیابی کی بشارت سنا کر زمانے کو ساتھ چلنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔

اس شہر پر ڈیڑھ ارب کی کثیر رقم خرچ ہو چکی ہے۔ یہ رقم چند سکوں سے لاکھوں کی صورت میں عام شہریوں اور نجی اداروں نے مہیا کی ہے۔ اس وقت راشد آباد میں 3 سکول بڑے پیمانے پر گھر گھر میں چراغاں کر رہے ہیں۔ ایک بڑا میڈیکل کمپلیکس، گونگے، بہرے اور نابینا بچوں کے اسپیشل سکول، بیواؤں اور بے گھر لوگوں کے لئے دار سکون، ایک خوب صورت ترین اللہ کا گھر مسجد شہبازی اور حمیدہ شفیق اسلامک انفارمیشن سنٹر جس کے اطراف پانی اور اس میں شاداں و فرحاں بطخیں ہر آنے جانے والے کی توجہ کا مرکز بنی ہوئی ہیں۔ پھر ایک بہت وسیع فنی تعلیمی ادارہ جس کی اشد ضرورت سمجھی گئی ہے، قائم ہو چکے ہیں۔ ان کی تفصیل ذیل میں درج ہے۔ پڑھنا مت بھولیے گا۔ ہم سب کو یہ معلوم ہونا چاہئے کہ خواب پورے ہوتے ہیں۔ آنکھیں کھلی رکھیں۔ اور دعاؤں کو شرف قبولیت بخشی جاتی ہے بشرطیکہ نیک نیتی سے خواب دیکھیں اور مستحکم ارادے سے دعا مانگیں تو ایسی دعائیں واپس نہیں لوٹتیں۔ عرشِ معلیٰ ان کی آماجگاہ بن جاتا ہے۔

تعلیم:۔ تعلیم کی بنیادی ضرورت پوری کرنے کے لئے سکول اور کچھ غیر رسمی قسم کے سکول قائم کئے گئے ہیں جن کی تفصیل ملاحظہ فرمائیے۔

1) **سرگودھا سپرٹ ٹرسٹ پبلک سکول:** پی اے ایف پبلک سکول سرگودھا کی اولڈ بوائز ایسوسی ایشن نے مل کر 30 ایکڑ کے قطعے پر (جو کہ راشد میموریل ٹرسٹ نے انہیں مفت مہیا کی) 50 کروڑ روپے سے ایک شاندار سکول بنایا جس میں پاکستان بھر سے چار سو بچے منتخب کئے جاتے ہیں۔ 25 فیصد حاجت مند بچوں کو وظیفہ دیا جاتا ہے۔ اور باقی بچوں سے بھی مناسب فیس لی جاتی ہے۔ ہر سال 3 کروڑ روپے کی لاگت سے اسے چلایا جا رہا ہے۔ یہ رقم ان کی کاوشوں سے عطیات کی صورت میں جمع کی جاتی ہے۔

2) **سٹیزن فاؤنڈیشن سکول (TCF):** اس سکول کی عمارت ڈھائی کروڑ کی مالیت سے 900 بچوں کے لئے مکمل کی گئی اور اس میں کے جی سے میٹرک تک کی کلاسز جاری ہیں۔ رباب قسام کیمپس نے اس کی تمام ذمہ داری سنبھال رکھی ہے۔

3) **وائی کے اکیڈمی:** 6 کروڑ کی مالیت سے یہ سکول 900 لڑکوں اور لڑکیوں کے لئے وجود میں آ چکا ہے۔ چونکہ اس رقم کا کثیر حصہ خواجہ یعقوب صاحب کی فیملی نے مہیا کیا ہے اس لئے اس کا نام بھی ان کی فیملی پر رکھا گیا ہے۔ 25 فیصد حاجت مند بچے ایک سو روپے سے کم فیس پر تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ باقی بچوں سے 1200 روپے ماہانہ فیس وصول کی جاتی ہے۔

4) **غیر رسمی دیہی سکول:** علاقے کے گرد و پیش سکول کی سہولت مفقود ہے۔ وہاں ایک کمرے اور ایک استاد کے بنیادی قسم کے 20 سکول بنا دیئے گئے ہیں تاکہ گاؤں کے بچوں کے لئے فوری طور پر بنیادی تعلیم کی شروعات ہو سکے۔ ان پر سالانہ خرچ دس لاکھ ہے۔ یہ سکول بھی فری ہیں۔ انہیں چلانے کے لئے این۔ ای۔ ڈی سوشل انجینئرنگ ٹرسٹ اور مصطفیٰ بینونیسٹ ٹرسٹ تمام رقم مہیا کر رہے ہیں۔

صحت: سندھ کے دیہی علاقوں میں گورنمنٹ کے ہسپتالوں اور دوا خانوں کی ناگفتہ بہ حالت سے سبھی واقف ہیں۔ ایئر کموڈور شبیر خان اور ان کے دوستوں نے 10 کروڑ کی رقم چندہ اور خیرات سے جمع کر کے بلقیس مصحف میڈیکل کمپلیکس تعمیر کیا جس میں 200 بیڈز کی گنجائش ہے۔ اتفاق فاؤنڈیشن، آئی کیئر فاؤنڈیشن، رجبی ٹرسٹ اور M.B.T نے خطیر رقوم دے کر ہر طرح کے لوگوں کو ہر طرح کی طبی امداد فراہم کی۔ اس کمپلیکس کے بننے میں پاک فضائیہ کے سابقہ اور شہید سربراہ ایئر چیف مارشل مصحف علی میر اور ان کی اہلیہ بلقیس مصحف نے دل کھول کر مدد کی تھی۔ اللہ تعالیٰ انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام بخشے (آمین)۔ اس لئے اس کمپلیکس کا نام بھی ان کی یاد کو برقرار رکھنے کے لئے رکھا گیا ہے۔

1) **سلیم شیخ فری آئی ہسپتال:** میڈیکل کمپلیکس میں ہی آنکھوں کا فری ہسپتال بنا دیا گیا ہے جس کی تعمیر پر چار کروڑ کی لاگت آئی ہے۔ اس کا بیشتر حصہ جناب سلیم شیخ مرحوم کی فیملی نے فراخ دلی سے عنایت کیا۔ اس کے علاوہ مصطفیٰ بینونیٹ ٹرسٹ اور L.R.B.T ٹرسٹ نے بھی کافی عطیات مہیا کر کے لوگوں کی بینائی واپس لانے کی کامیاب کوشش میں شمولیت اختیار کی۔ یہ ہسپتال ایل۔ آر۔ بی۔ ٹی کا مشہور ادارہ ہے۔ بھرپور جذبہ شوق سے راشد ویلفیئر نے اسے تعمیر کیا۔ اس وقت ہر روز تقریباً 300 مریض فیض یاب ہو رہے ہیں جن میں 50 مریضوں کا روزانہ ان کی آنکھوں کا کامیاب فری آپریشن بھی کیا جاتا ہے۔

2) **نبات سلطان علی سنٹر:** اسی میڈیکل کمپلیکس میں جناب سلطان صاحب کی فیملی نے ڈھائی کروڑ کی لاگت سے Thalesemea سنٹر تعمیر کیا ہے جس میں 50 مریضوں کو ایک وقت میں علاج کی تمام سہولتیں مہیا کی جاتی ہیں۔ اس سنٹر کو چلانے کی ذمہ داری فاطمید فاؤنڈیشن نے ایک والہانہ جذبے کی عکاسی کرتے ہوئے اٹھا رکھی ہے۔ اسے چلانے کے لئے سالانہ 80 لاکھ کے عطیات انہیں فراہم کر رہے ہیں۔

سماجی بہبود: امزی ہوم، مصطفیٰ بینوویسنٹ ٹرسٹ نے 6 کروڑ کی لاگت سے یہ ہوم تین سو یتیموں، ناداروں اور 70 بیواؤں کے لئے تعمیر کیا جس میں 170 مکین رہائش پذیر ہیں۔ ان کے لئے سالانہ رقم جو تقریباً ڈیڑھ کروڑ ہے، مصطفیٰ ٹرسٹ نے دی۔

سکول برائے اسپیشل چلڈرن: 500 بچوں کے لئے یہ سکول جناب کرنل نذر صاحب کی فیملی نے 5 کروڑ کا خطیر عطیہ دے کر گونگے بہرے بچوں کے لئے تعمیر کروانے میں مدد فرمائی۔ اس لئے اس کا نام بھی ریحانہ ڈیف ریچ سکول رکھا گیا ہے۔ اس سکول میں 100 بچیوں کے لئے ہوسٹل کی تمام سہولیات دستیاب ہیں۔ اس قابل تحسین کام کو چلانے کی تمام ذمہ داری فیملی ایجوکیشن فاؤنڈیشن نے اٹھا رکھی ہے۔ اس پر آنے والی 12 کروڑ کی لاگت میں سے 5 کروڑ کی رقم جناب نذر صاحب کی فیملی نے عطا کی ہے۔

نابینا بچوں کے لئے سلطان علی کمپلیکس: جو کہ ایک تعلیمی ادارہ ہے جسے کراچی کی مشہور فلاحی تنظیم آئیڈا۔ رو (IDA-Rieu) اس ادارے پر خرچ ہونے والی تمام رقم جناب شاہنواز عنایت کر رہے ہیں۔ جزاک اللہ۔ یہ ادارہ ان شاء اللہ اگلے سال دسمبر 2014ء تک مکمل ہونے کے روشن امکان ہیں۔

دارالسکون: ہمارے معاشرے کے وہ افراد جو ذہنی اور جسمانی طور پر مفلوج ہو چکے ہیں، ان کے لئے کراچی کا جانا پہچانا ادارہ دارالسکون تمام ذمہ داری اٹھا رہا ہے۔ دسمبر میں اس عمارت کا سنگ بنیاد رکھنے کا پروگرام ہے جس کی متوقع لاگت 15 کروڑ روپے ہے۔ ان شاء اللہ یہ عمارت 2015ء مارچ میں مکمل ہو کر خدمت خلق کے لئے کبھی نہ ختم ہونے والے سفر پر گامزن ہو جائے گی۔

ادارہ برائے پیشہ ورانہ تعلیم: اس ادارے میں علاقے کی خواتین سلائی و کڑھائی کی تربیت حاصل کر کے اپنے خاندان کے لئے ذریعہ معاش بن رہی ہیں۔ ٹریننگ کے بعد بتول شاہ انٹرسٹ فری مائیکو فائنانس انہیں سلائی اور کڑھائی کی مشین کی صورت میں آسان قسطوں پر قرضہ فراہم کر رہی ہیں۔ یہ ادارہ D.M.K.M (دوست محمد خان ٹرسٹ) چلا رہا ہے جس پر 10 لاکھ روپے سالانہ خرچ ہو رہا ہے۔ 50 خواتین کے لئے یہ سہولت میسر ہے۔

ایچ اے کے ٹیکنیکل انسٹی ٹیوٹ (ججبانی اشرف خاتون انسٹی ٹیوٹ): اس ادارے کے لئے حاجی نذیر صدیق (مرحوم) نے 5 ایکڑ زمین راشد ویلفیئر ٹرسٹ کو بطور عطیہ پیش کی جس پر ٹرسٹ نے بے حساب نیکو کار حضرات کے عطیات سے تقریباً 10 کروڑ کی لاگت سے ایک نہایت شاندار عمارت تعمیر کی جس میں 500 طلباء مختلف انواع سے اعلیٰ فنی تعلیم سے فیض یاب ہو رہے ہیں۔ اس کی انتظامیہ اور کفالت مکمل طور پر ہنر فاؤنڈیشن کراچی نے اٹھا رکھی ہے۔ وہ اس کے تمام اخراجات تقریباً 2 کروڑ سالانہ مہیا کریں گے۔ 200 طلباء اس ادارے میں داخلہ لے چکے ہیں۔ فی الحال 5 فنی شعبوں میں تعلیم سے مستفید ہو رہے ہیں۔

110 بچے ہوسٹل میں رہائش پذیر ہیں۔ 100 بچوں کے تمام اخراجات یونائیٹڈ انرجی اور 10 بچوں کے اخراجات اسٹینڈرڈ چارٹرڈ بنک ادا کر رہا ہے۔

راشد ویلفیئر نے شہری سہولیات کو مدنظر رکھتے ہوئے راشد آباد ریلوے اسٹیشن، پوسٹ آفس، بنک، میزان بنک بھی تعمیر کئے ہیں۔ پاک فضائیہ کے ایک آفیسر نے ایک کروڑ روپے کا چندہ منی مارکیٹ کے لئے عطا کیا۔ اس مارکیٹ کا نام ان کے محترم والد صاحب کے نام پر علی نواز جتوئی کمیونٹی سنٹر رکھا گیا ہے۔

راشد ویلفیئر ٹرسٹ نے 100 فیملیز کے لئے رہائشی مکانات تعمیر کئے اور اس شہر میں ہر طرح کی سپورٹس سہولیات مہیا کی گئی ہیں جو شرطیہ طور پر کہا جا سکتا ہے کہ پاکستان کے کسی بھی شہر کو میسر نہیں ہیں۔ اس کے علاوہ اور خدمت خلق کے ان گنت پروجیکٹس اس شہر میں پایۂ تکمیل پہنچانے میں ہر ایک کوشاں نظر آتا ہے۔

یہ ادارہ دوسرے صوبوں کے لئے ایک مثال بن چکا ہے۔ راشد آباد، اللہ کے فضل و کرم سے ہر طرح کے نشے اور بری علتوں سے پاک، صاف شفاف اور منظم مثالی شہر ہے جو اس ایک انسان (جسے پاکستان ایئر فورس شبیر اینجل کے نام سے ہمیشہ سے پہچانتی ہے) کی مثبت سوچ، پُر عزم ارادے اور نیک نیتی کی وجہ سے روئے زمین پر وجود میں آیا۔ اس فرشتہ صفت انسان نے صدقِ دل اور پُر جوش جذبۂ شوق سے ایک قدم اٹھایا تو اپنوں اور غیروں نے ان کی صداقت، دیانت اور شرافت پر بھر پور اعتماد کرتے ہوئے فراخ دلی اور وسیع النظری سے ساتھ دیا۔ امید ہے کہ ہم سب لوگ بقدر استطاعت عطیات و خیرات سے اس نیک کام کے حصے دار بننے کا سنہری موقع ہاتھ سے نہ جانے دیں گے۔ میں نے اپنی رائٹنگ کی قلیل سی انکم سمندر میں ایک قطرے کا اضافہ کر کے یہی محسوس کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کی چھوٹی اور بڑی کاوش کو ہماری نیت اور سچے جذبے سے تول کر اپنے فضل و کرم سے ذہنی سکون سے ہمکنار کر دیتا ہے۔ یہ مت بھولیے کہ قطرے کے تسلسل سے دریا بن سکتا ہے تو ہماری ایک پائی کی مدد سے راشد آباد جیسے شہر آباد کیوں نہیں ہو سکتے؟ اور میرے بعد میری تمام کتابوں کے جملہ حقوق راشد ویلفیئر ٹرسٹ کے نام محفوظ رہیں گے۔ اِن شاءاللہ۔

راشد میموریل ویلفیئر فنڈ کے ٹرسٹی بورڈ کے ممبران کی خوابوں کو حسین تعبیر دینے کی تگ و دو بتدریج جاری ہے کہ اس علاقے کے تمام مکینوں کو بنیادی سہولتیں میسر کی جائیں جن پر ان کا حق ہے۔ اور ملک کے دوسرے صوبہ جات میں بھی راشد آباد جیسے شہروں کی بنیاد رکھی جائے جس پر غور و خوض کیا جا رہا ہے۔ ان شاءاللہ اس سوچ، محنت اور لگن کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ ان کی مدد ضرور فرمائے گا۔ (آمین) سب اس مقصد حیات کے لئے دعا گو رہیں گے۔

رفاقت جاوید